تاریخ وسط ہند

جلد اول

سلسلۂ نصابات علمیہ جامعہ عثمانیہ

نشان (۳۶۵)

تاریخ وسطِ ہند

جلد اوّل

اشاعت سنہ ۱۸۲۴ء

مصنفۂ

سرجان میلکم جی۔سی۔بی، کے۔ایل۔ایس،

مترجمۂ

ڈاکٹر ابن حسن صاحب

سابق پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ

و

قاضی تلمذ حسین صاحب ام۔اے (علیگ)

سابق رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ

سنہ ۱۳۶۶ھ م سنہ ۱۳۵۶ف م سنہ ۱۹۴۷ء

مطبوعہ

دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین
تاریخ وسط ہند جلد اول

دیباچہ

VII وسطی ہند کا نام اگرچہ نیا ہے اور جن علاقوں پر یہ حاوی ہے ان کے قطعی حدود ابھی تک غیر معین ہیں، بایں ہمہ اس تصنیف میں یہی نام اختیار کیا گیا ہے کیونکہ یہی وہ مسمیٰ ہے جس سے مالوہ اور متصلہ صوبجات اعلیٰ حکومت کی سرکاری یادداشتوں میں موسوم ہوتے ہیں۔ اس علاقے کا حال ہندی نقشوں سے بھی معلوم ہونا دشوار تھا، اور یہاں کے باشندوں کے متعلق ان اطلاعوں سے زیادہ ہم بہت کم کچھ جانتے ہیں جو یہاں کی مسلسل اس جنگ و جدال اور طوایف الملوکی کی نسبت ہم تک پہنچی تھیں۔ جو تیس برس تک یہاں برپا رہیں تا آنکہ جن غارتگروں نے اس ملک کو اپنا گھر بنا لیا تھا ان کی ظلم و ستم نے ہمیں مجبور کیا کہ انھیں زیر کرنے کے لیے ہم اپنی فوجوں کے ساتھ اس ملک میں داخل ہوں۔

IV جنوری ۱۸۱۸ء میں مارکوئس ہیسٹنگس نے مصنف کو وسطی ہند کی فوجی و سیاسی خدمت پر فایز کیا اور مصنف چار برسوں کے دوران میں خود اس کی اور زیر اقتدار قابل سرکاری عہدہ داروں کی توجہ اس جانب مایل ہوئی کہ اس ملک کی گزشتہ و موجودہ حالت کی توضیح کے لیے مواد جمع کیا جائے۔ اس مواد سے مصنف نے ایک یادداشت تیار کی جو کلکتہ روانہ کی گئی اور وہاں حکومت کے حکم سے طبع ہوئی۔ اس کے متعدد نسخے انگلستان بھیجے گئے اور بوقت شیوع رسایل میں اس کے کثیر اقتباسات شایع ہوئے۔ یہ یادداشت دوسرے عاجلانہ فرایض اور مصنف کی خرابی صحت کے زمانے میں تیار ہوئی تھی اور اس میں بہت سی خامیاں رہ گئی تھیں جن کی تصحیح کی ضرورت تھی۔ لہذا مصنف نے معزز مجلس نظمار سے اجازت چاہی کہ اس یادداشت

کو اس یادگار کی بنا بنائے اور اسی وجہ سے اس سرکاری تحریر کا مواد اس میں داخل ہے۔

اس فائدہ سابقہ کے باوجود اس کام میں بہت دشواریاں پیش آئیں جن کا پہلے سے خیال نہ تھا اور وہ تقریباً مایوس ہے کہ اس تصنیف کی جانب عام پڑھنے والوں کی توجہ منعطف ہوگی جن میں اگرچہ بہت سے جدید و دلچسپ امور شامل ہیں اور وہ ضرورۃً ایسے ثقیل و غیر مطبوع ناموں سے پُر ہیں جن سے انگریزوں کے کان آشنا نہیں ہیں اور انگریز ان ناموں کے یاد رکھنے سے عاجز آجائیں گے۔ مصنف نے یہ کوشش کی ہے کہ اس شدید خرابی کو اس طرح رفع کر دے کہ متعدد جزوی تفصیلات کو تعلیقات میں ڈال دے۔ اور بعض دوسری جزیات کو نہایت مکمل ضمیمے اور وسیع اشارے میں کھپا دے۔ بایں ہمہ ان جلدوں میں ہندوستان کے باشندوں کی صحیح تاریخ اور ان کے عادات و اطوار کو واضح کرنے والے جو واقعات موجود ہیں اور جو مالیاتی و انتظامی اطلاع ان میں شامل ہے ان کا ان جلدوں کے محاسن میں شمار ہوتا چلا ہے۔

اگرچہ مصنف کے سابقہ مطالعہ و مشاغل نے اسے کار زیر نظر کے لیے تیار کر دیا تھا تاہم ایک ایسی یادداشت پیش کرنے کی جرأت کرنے کے قبل جو عام کارروائیوں کی بنیاد ہو سکے، اس قدر خلا کو پُر کرنا تھا، معلومات اس قدر کم تھے اور معلومات کی لازمی ضرورت اس قدر زیادہ تھی کہ اگر اس تحقیقات میں متعدد سرکاری عہدہ دار جو اپنے جوش و اپنی سرگرمی اور اپنی لیاقت کے لیے ممتاز تھے مصنف کی مدد نہ کرتے تو مصنف اس کام سے جھجک کر رہ جاتا۔ ان عہدہ داروں کے مناصب اُنھوں نے جو فرائض انجام دیے، جس قسم کی اطلاعیں بہم پہنچائیں اور اس کے ساتھ معلومات کے دوسرے ذرائع سب ضمیمے[1] میں درج ہوئے ہیں۔ اس فہرست کے مطالعے سے واقعات کی قدر و قیمت بہت بڑھ جائے گی اور یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ان کی صحت کی یہ ایک شرط ضروری موجود ہے۔

---

[1] ضمیمہ شمارہ ۱۔

VI

ہندوستان کے باشندوں کے تمام طبقات کے عادات و اطوار کے بغور
دیکھنے کا جیسا مناسب موقع مصنف کو ملا ایسا بہت کم کسی کو ملا ہوگا۔ جس عہدے پر وہ
فائز تھا اس کی نوعیت نے اسے ایسا موقع دے دیا کہ وہ ایسے وقت میں نہایت
جزوی معلومات حاصل کر سکے جب مخصوص حالات نے افراد و جماعات سے متعلقہ
ہر ایک اچھائی اور برائی کو نمایاں کر دیا تھا اور اگر وہ اس علم کو اپنے پورے ناظرین
تک پہنچا سکا تو اس کا مقصد حاصل ہو گیا۔ اس تمام تصنیف میں مصنف نے اس
سے قصداً گریز کیا ہے کہ وسط ہند کے باشندوں کے عادات، امتیازات اور
حالات کا مقابلہ اس بر اعظم کے دوسرے حصص کے باشندوں کے عادات، امتیازات
اور حالات سے کرے۔ ایسے مواقع ہر صفحے پر موجود تھے لیکن ان پر سرسری نظر
ڈالنے سے یہی پتا چلا ہے کہ ناگوار حد تک ضخیم ہو جائیں علاوہ ازیں، مختلف وجوہ
سے ان کا خارج رکھنا ہی مناسب معلوم ہوا اور مندرجہ واقعات کا دوسرے
ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کے ساتھ مقابلے کا کام دوسروں کے لیے
چھوڑ دیا گیا۔ لیکن مصنف کو یہ ضروری معلوم ہوا کہ مشرق میں برطانی اقتدار
کی عمارت کے متعلق چند، عام خیالات کا اظہار کرے کہ گزشتہ فتوحات سے ان پر
کس حد تک اثر پڑا ہے، نیز نظم و نسق کی اس نوع کے بارے میں بھی اپنی رایوں

VII

کو ضبط تحریر میں لائے جو وسطی ہند اور اس نوعیت کے دوسرے ممالک کے لیے
بہترین طور پر موزوں ہیں۔ اس مقصد کے لیے مصنف نے آخری باب وقف کیا ہے
جس میں اس کے تمام تجربے کا نتیجہ شامل ہے، اس باب میں اس نے کسی ایسی
تجویز کی سفارش نہیں کی ہے جس کی نسبت وہ صدق دل سے یہ یقین نہ رکھتا ہو کہ
یہ تجویز قابل عمل اور ضروری ہے۔ مزید توضیح کے لیے اتنا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ
اس میں کوئی خیال ایسا نہیں ظاہر کیا گیا ہے جسے اس سے قبل، سرکاری یا ذاتی
حیثیت میں معناً اور تقریباً لفظاً اعلیٰ عہدہ داروں یا ان اشخاص کے سامنے نہ پیش
کیا گیا ہو جن کا فرض یہ تھا کہ وہ مصنف سے مراسلت کریں۔ اور مصنف
کا یقین یہ ہے کہ اگرچہ اختلافات اور بالخصوص ان انتظامات کی شکل کے متعلق
ممکن ہیں تاہم مصنف کے تجاویز ان اعلیٰ و افضل اشخاص کے خیالات سے مغائر

نہیں ہیں جنھیں یہ خطوط لکھے گئے ہیں۔

مصنف جس عہدے پر فائز تھا اس کا علم ہوتے ہوئے، اس دیباچے میں یہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ اپنی کارروائیوں کے عمل میں لانے میں مصنف نے محض حکومت اعلیٰ کے عاملانہ عہدہ دار کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ جو ممالک اس کی تفویض میں تھے ان کے مخصوص حالات کا اقتضا یہ تھا کہ اسے عمل میں زیادہ وسیع گنجایش دی جاتی اور یہ گنجایش اسے بغیر کسی قید کے عطا کی گئی تھی۔ مصنف کو اپنی محنتوں کا جو ثمر ملا اسے درحقیقت اسی غیر محدود اعتماد اور مارکوئس ہیسٹنگس کی شخصی و سرکاری تائید اور اس معزز شخص کے نظم ونسق کے فیاضانہ و منصفانہ اصول کی جانب منسوب کرنا چاہیے۔　VIII

ضمیمے میں بعض قابل قدر کاغذات ملیں گے۔ نقشے سے متعلق ایک مختصر یادداشت جسے مددگار میر بخشی لفٹنٹ گیننگز نے بنایا تھا اس میں شریک کی جانی چاہیے تھی۔ مگر بدقسمتی سے یہ مفید تحریر ضایع ہوگئی۔ لہذا یہ بیان کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریر کے اندر یہ درج تھا کہ وسطی ہند کا مشمولہ نقشہ کلیۃً ابتدائی و مستند مواد سے مرتب کیا گیا تھا، اس مواد میں پیمایش شدہ راستے اور فوجی مساحتیں درج تھے۔ اور ان کی تصحیح عرض البلد اور طول البلد اُن فہرستوں سے کی گئی تھی جو کپتان ڈینگر فیلڈ نے مہیا کی تھیں، کپتان کے علمی مضامین جن سے اُن ممالک طبقات الارض اور جغرافی حالات کا بھی اظہار ہوتا ہے، ان پر بعد کو نظر کی جائے گی۔

پروف کی تصحیح میں مدد دینے اور اس تصنیف کے مختلف حصص کے متعلق آرا وخیالات کے اظہار کے متعلق مصنف، مسٹر ڈبلیو ہملٹن کا نہایت شکر گزار ہے۔ یہ صاحب اپنے انڈین گزیٹیر Indian Guzetter اور تشریح الہند Discription of Hindustan. کی وجہ سے عوام میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ان تصانیف نے ہر ایک دوسری شایع شدہ تصنیف کے بہ نسبت ہمارے شرقی مقبوضات کے متعلق زیادہ عام واقفیت پیدا کی ہے۔　IX

اس یادگار کے ضمن میں جن صوبوں، شہروں اور قصبوں کا ذکر ہوا ہے، ان کی نسبت بھی مسٹر ڈبلیو ہملٹن نے ایک جغرافی اشاریہ مرتب کیا ہے۔ حوالے کی مزید آسانی کے خیال سے یہ بقیہ خلاصہ عام اشاریے سے بالکل ممیز رکھا گیا ہے۔ اور ضمیمے کا آخری شمارہ ہے۔

دیباچہ اشاعت دوم

یادگار وسطی ہند کی دوسری اشاعت کے اس قدر عاجلانہ مطالبے نے مصنف کو یہ پُرفخر موقع دیا کہ وہ یہ سعی کرے کہ ہر ایک غلطی کی بغور اصلاح، ہندوستانی الفاظ اور اسمائے معرفہ کی تہجی پر دقت نظر اور تشریحی تعلیقات کے ذریعے سے اس کتاب کو عوام کے لیے جنھوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور زیادہ قابلِ قدر بنا دے، ان اصطلاحات و تعلیقات کے لیے مصنف ایک بڑی حد تک اپنے فاضل دوست گریوز جیمنی ہاٹن کا احسانمند ہے جو کلیۂ ہیلبری میں ہندو ادبیات کے پروفیسر ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَاب اوّل

وسطِ ہند کا جغرافیہ۔ آب وہوا۔ زمین اور پیداوار

اس علاقے کا نام اب (وسط ہند سنٹرل انڈیا) ہے جو ۲۱ لغایت ۲۵ درجہ عرض البلد شمالی اور ۷۰ لغایت ۸۰ درجہ طول البلد شرقی کے درمیان واقع ہے یا جس کے شمال میں چتوڑ واقع میواڑ۔ جنوب میں دریائے تاپتی۔ مشرق میں بندیلکھنڈ اور مغرب میں گجرات ہے۔ اس میں وہ جملہ علاقے شامل ہیں جو گزشتہ زمانے میں[1] حکومت مالوہ کے

---

[1] ابوالفضل مصنف آئین اکبری جس کے بیان کا اکثر یورپین جغرافیہ نویسوں نے اتباع کیا ہے۔ لکھتا ہے کہ صوبۂ مالوہ ۲۲ لغایت ۲۵ درجہ عرض البلد شمالی اور ۷۵ لغایت ۸۰ درجہ طول البلد شرقی کے درمیان واقع ہے۔ اس کے شمال میں نرداد اور سلسلۂ کوہستان۔ جنوب میں بگلانہ۔ مغرب میں اجمیر اور

ماتحت تھے۔ اس زمانے میں عام طور پر لفظ صوبے کا اطلاق اس علاقے کے اصلی حدود پر بھی نہ ہوتا تھا بلکہ شاہان دہلی اپنی سہولت اور رواج کے بموجب زیادہ تر صوبے کا تعین کر دیتے تھے۔ ان کی وسیع عملداری صوبوں میں تقسیم تھی اور جن کا حاکم اعلیٰ صوبہ دار یا نائب بادشاہ ہوتا تھا اور اس کے زیر حکومت کل علاقے کو صوبہ کہتے تھے صوبہ ایک سیاسی نام تھا اور جغرافی نام ہرگز نہ تھا جس کا زبردست ثبوت یہ ہے کہ مسلمانوں کی عملداری میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے حدود اکثر تبدیل کر دیے گئے ہیں۔

حقیقت الامر یہ ہے کہ شاہان مغلیہ کے احکام اور ادارے ان کی ہندو رعایا کے رسم و رواج کو تبدیل نہ کر سکے۔ اہل ہند نے ان ناموں اور حدود کو فراموش نہیں کیا جو ان کے اجداد کے زمانے سے چلی آتی تھیں۔ اس وجہ سے (جس کسی علاقے کو بھی صوبہ کہا گیا) انھوں نے قدیم تقسیم کو برقرار رکھا۔ چنانچہ یہ معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے مالوۂ خاص کے علاوہ ہر دتی کا جداگانہ علاقہ جو جانب جنوب نیماڑ کے شمال مشرق میں ہے اور مغرب و شمال مغرب میں راٹھ۔ باگڑ۔ کنتول اور میواڑ کا ایک حصہ اس صوبے میں شامل کر لیا تھا حالانکہ ہندو ماخذوں کے بموجب جن کی تائید مالوے کے قدرتی حدود سے ہوتی ہے اس میں صرف وہ علاقہ داخل ہے جو شمال جنوب میں کوہ بندھیاچل سے لے کر چتوڑ اور مکندرا پہاڑیوں تک اور مشرق مغرب میں بھوپال سے دوحد تک ہے۔ ان حدود کے اندر پہاڑوں کی نوعیت یکساں ہے اور کسی جگہ بھی اس علاقے کی بلندی اور حالت ظاہری میں فرق نہیں آیا ہے۔ اس لئے مالوۂ خاص اس سطح مرتفع کو کہہ سکتے ہیں جو عموماً کشادہ اور نہایت زرخیز ہے البتہ اس میں جگہ بہ جگہ مخروطی اور چوڑی چوٹیوں کی پہاڑیاں اور پست قامت پہاڑیوں کے سلسلے ہیں اور اس کو متعدد دریا[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) گجرات ہے اس کی وسعت نندربار سے چندیری تک ۲۳۰ کوس اور گراہ سے بانسواڑے تک ۲۴۵ کوس ہے۔

[1] یہاں کے خاص دریا چمبل، چمبلا، کالی سندھ، ماہی، سیپرا، پاربتی، نیوی اور اہور ہیں۔ ان دریاؤں میں نربدا کو اور شامل کر لینا چاہیے جو اگرچہ صرف اس صوبے کے

۴ اور چھوٹی چھوٹی ندیاں سیراب کرتی ہیں ۔ اس کی اراضی نہایت زرخیز آب وہوا معتدل اور صحت بخش ہے اور اس میں انسان کی ضروریات اور آرام و آسایش کے بہ کثرت وسائل موجود ہیں ۔

مالوہ صرف چند مقامات ہی پر سطح سمندر سے دو ہزار فیٹ سے زیادہ بلند ہے اور اس ملک کی قدرتی نوعیت میں یکسانیت ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اس علاقے میں بہنے والے دریا سمندر تک جا پہنچتے ہیں البتہ اس کے کناروں کی بلندی میں کہیں کہیں قدرے کمی بیشی ہوگئی ہے اور یہ کہنا بالکل ۵ درست ہوگا کہ اس صوبے کے میدانی علاقے ہندوستان کے شمالی پہاڑوں اور دریائے نربدا کے بیشتر درمیانی علاقوں سے زیادہ بلند ہیں ۔ اور اگرچہ امرکنٹا کی زمین جہاں پر یہ دریا بہتا ہے مالوے کی اراضی سے کسی قدر بلند ہے لیکن یہ بلندی وسطی پہاڑی سلسلے سے کم ہے جو ہندوستان کے جنوبی حصوں کو تقسیم کرتا ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) حدود کے اندر نہیں بہتا ہے لیکن وہ مغرب سے لے کر مشرق تک رواں رہتا ہے اور چند ندیاں اس میں آکر گرتی ہیں ۔ مالوے کے جملہ دیگر دریا شمال کی طرف بہتے ہیں ۔

دریائے ماہی جو گجرات میں بہت چوڑا ہے مگر مالوے میں پہنچ کر اس کا پاٹ بہت کم ہوگیا ہے ۔ یہ دریا امجھیرا کے مغرب میں پانچ میل کے فاصلے پر ایک مختصر سے علاقے میں البتہ زیادہ چوڑا ہوجاتا ہے لیکن بھوپاور تک پہنچ جانے کے بعد فوراً ہی شمالی رُخ اختیار کرلیتا ہے اور پرتاپ گڑھ کے بالائی حدود پر جاکر رُک جاتا ہے کیونکہ وہاں کی پہاڑی حد اس کا رُخ مغرب کی طرف پھیر دیتی ہے اور پھر وہ لونگانا کے پاس سے ہوکر گذر جاتا ہے اور پھر میواڑ کی پہاڑیاں اس کا رُخ جنوب کی طرف پھیر دیتی ہیں اور وہ اسی سمت میں بہتا ہوا شہر کھمبایت کے قریب پہنچ کر خلیج کھمبایت میں جا گرتا ہے ۔ یہ دریا اپنے دہانے سے بارہ یا پندرہ میل تک جہاز رانی کے قابل نہیں متصور ہوتا ہے کیونکہ اس میں بہت سے پایاب مقامات ہیں ۔

دریائے چمبل کا مخرج سلسلۂ بندھیاچل کے ایک حصے میں خیال کیا جاتا ہے جو

شمال مغرب کے علاوہ صوبۂ مالوہ ہر طرف سے بلند ہوتا چلا گیا ہے وہ نماڑ یا وادی نربدا سے ایک ہزار سات سو فیٹ بلند ہے اور یہ بلندی کوہ بندھیاچل کی ناہموار بلندی کی وجہ سے چند میل تک واقع ہوگئی ہے جس میں شمال کی جانب بہت کم نشیب ہے۔ اگرچہ مغرب اور مشرق میں یہ بلندی بہت کم نمایاں ہے لیکن پہاڑی علاقوں (کوہ بندھیاچل کی شاخوں) میں یہ بلندی صاف طور پر ظاہر ہوگئی ہے جو مشرق کی طرف بھوپال سے ہو کر گذر گئے ہیں اور مغرب میں اس صوبے کو گجرات اور میواڑ سے جدا کرتے ہیں۔ اس صوبے کے جنوب مغرب میں میواڑ کی طرف چتوڑ پر بلندی ہے جو دو سو فیٹ ہے لیکن مالوے کا میدانی علاقہ اس مقام پر اس سے زیادہ نشیب میں آگیا ہے اور اس سے آگے یا اس کے مغرب کے علاقے میں　۶

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) مئو چھاؤنی کے جنوب مغرب میں نو میل کے فاصلے پر ہے مگر اس دریا کا یہ حصہ موسم گرما میں خشک ہو جاتا ہے اور اس کے معاون دریاؤں سے اس وقت اس میں پانی آتا ہے۔ اس دریا کی دھار اکثر مقامات پر دھیمی رفتار سے چلتی ہے۔ اس کی تہ پتھریلی ہے۔ مالوے سے گذرنے کے دوران میں پایاب مقامات اس کی راہ میں مخل و مزاحم ہو جاتے ہیں لیکن مکندرا پہاڑی کے ایک درے میں ہو کر ہروتی میں داخل ہونے کے بعد وہ ایک صاف و شفاف اور عمیق دریا بن جاتا ہے۔

اس کے بہاؤ کے راستے کا بغور معائنہ کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ سمندر سے لے کر تلک واڑے سے گیارہ میل تک جو ایک سو میل سے زائد ہے اس دریا میں چھوٹی کشتیاں چلائی جا سکتی ہیں۔ یہاں سے پھر جنگلی اور پہاڑی علاقہ شروع ہوتا ہے جو نوے میل تک چلا گیا ہے اور جس کے بعض حصوں میں یہ دریا اس قدر تنگ ہو گیا ہے اور پہاڑی چٹانیں و پایاب مقامات اس کی روانی میں اس قدر مخل ہوتے ہیں کہ جہاز رانی قطعی ناممکن ہے۔ ہرن پھل کے اوپر پہنچنے کے بعد اس کی دھار تنگ مگر تیز رو ہو جاتی ہے لیکن حکلدا سے پندرہ میل تک یہ دریا پھر جہاز رانی کے قابل ہو جاتا ہے اور بجز چند مقامات کے جہاں بڑی گاڑیاں درکار ہوتی ہیں یہ دریا ہوشنگ آباد کے مشرق کی طرف کچھ فاصلے تک جہاز رانی کے لائق رہتا ہے۔

۷۔ اس صوبے کا صدر مقام بھوپال اس صوبے کی ویسی ہی مشرقی سرحد ہے جیسی کہ مغربی سرحد

نشیب شروع ہوگیا ہے اس لئے غالباً میواڑ کا کوئی بلند ترین مقام بھی مالوے کے جنوبی حصوں کے برابر بلند نہیں سمجھا جاتا ہے۔

مالوے میں موسم نہ صرف خوشگوار ہوتا ہے بلکہ مقیاس الحرارت کا چڑھاؤ اُتار غیر معمولی طور پر نہایت خفیف ہوتا ہے البتہ سال کے آخر دو مہینوں میں اچانک موسمی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ہندوستان کے دیگر مقامات کی طرح اس صوبے میں بھی موسم باراں کے بعد دو ماہ کے دوران میں تپ و لرزہ کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے (جبکہ پہاڑی اور جنگلی مقامات سے اجتناب کیا جاتا ہے)۔

لیکن یہاں کی آب و ہوا فی الجملہ صحت بخش[1] سمجھنی چاہیئے لیکن جو حضرات کہ ہندوستان کے نشیبی اور زیادہ گرم مقامات میں عرصۂ دراز تک قیام کرنے سے کمزور ہو گئے ہیں اُن کے لئے مالوے کی آب و ہوا نہایت خوشگوار اور صحت بخش ہے۔ مغربی ہندوستان کی طرح یہاں بھی برسات، جاڑا اور گرمی تین موسم ہوتے ہیں۔ جون، جولائی، اگست اور ستمبر کے مہینوں میں یہاں پر بارش عام طور پر ہلکی اور باقاعدہ ہوتی ہے اور معمولاً بارش کا اوسط تقریباً ۵۰ انچ رہتا ہے۔ اس موسم میں مقیاس الحرارت کے اُتار چڑھاؤ میں نہایت خفیف تبدیلی ہوتی ہے جو رات اور صبح کے وقت ۷۲ درجے سے نیچے نہیں گرتا ہے اور دوپہر کے وقت ۷۶ یا ۷۷ درجے سے اونچا نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) دو حد ہے بھوپال کا ایک دروازہ مالوے میں سمجھا جاتا ہے اور اس کا دوسرا دروازہ گونڈواڑے میں ہے۔

[1] سال کے اختتام پر مالوے کے باشندے تپ و لرزہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں چمبل کے مشرق کی طرف طحال بڑھ جانے کی عام شکایت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ہیضے کی شکایت یہاں پر معمولی مرض کی طرح ہمیشہ رہتی ہے۔ جو گذشتہ چند سال کے دوران میں تمام ہندوستان میں وبائی مرض کی طرح پھیل گیا ہے۔

۷

برسات ختم ہونے کے بعد ہی سے صبح کے وقت زیادہ خنکی ہونے لگتی ہے لیکن دسمبر کے آخر تک موسم زیادہ سرد نہیں ہوتا ہے اور جنوری کے مہینے اور فروری کے ایک حصے تک سردی پڑتی رہتی ہے۔ سنہ ۱۸۲۰ء میں فروری کے مہینے میں ۶ بجے صبح کے وقت مقیاس الحرارت ۳۸ درجے پر تھا۔ گرمی کے موسم میں تمام ہندوستان میں شمال اور مغرب کی طرف سے نہایت گرم ہوا چلتی ہے لیکن اس صوبے میں گرمی معمولی ہوتی ہے اور صرف چند روز تک پڑتی ہے۔ گرمی میں دن کے وقت یہاں پر مقیاس الحرارت ۹۸ درجے سے اونچا نہیں ہوتا ہے لیکن مالوے کی راتیں موسم گرما میں بالعموم سرد اور خوشگوار ہوتی ہیں۔

چونکہ مالوے کی زمین ہموار اور مٹی سیاہ ہوتی ہے اس لئے کسی دھات کی کان مالوے میں دستیاب نہیں ہوسکتی۔ البتہ عمدہ قسم کا خام لوہا بہ کثرت موجود ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ سرحدی پہاڑیوں اور میواڑ و مارواڑ کے پہاڑوں میں جو شمال مغرب کی طرف اس صوبے اور گجرات و اجمیر کے درمیان پھیلے ہوئے ہیں کچھ عرصے تک معدنیات سے تانبا و سیسہ نکالا گیا اور اس میں بہت کچھ منفعت بھی حاصل ہوئی لیکن گذشتہ شر و فساد کے زمانے سے یہ معدنیات بند ہوگئی ہیں اور پھر ان میں کام نہیں شروع ہوا ہے۔ مالوے کی زمین کسی قدر عمیق ہے اور اپنی زرخیزی کے واسطے مشہور ہے۔ اس میں زیادہ تر سیاہ مٹی ہے اور اس میں لوہے کے ذرات ملے ہوئے ہیں

لہ۔ کپتان ڈینجر فیلڈ Capt. Dangerfield کے حوادث سماوی۔ جغرافیائی اور فلکی مشاہدات کی رپورٹ کا ایک حصہ ضمیمہ ۲ و ۳ میں درج ہے یہ مشاہدات اُن شہروں کی بابت ہیں جہاں پر موصوف تشریف لے گئے تھے اس سائنس داں افسر نے سنٹرل انڈیا کے طبقات الارض کی بابت بھی اپنی رائے ظاہر کی ہے جو ضمیمہ ۱ میں درج ہے۔ کپتان موصوف کے رجسٹر فلکیات کا حوالہ ضمیمہ ۳ میں دیا گیا ہے۔

اور آبپاشی کی سہولت کے باعث اس صوبے کی زرخیزی کا مقابلہ ہندوستان کے بہت کم مقامات کر سکتے ہیں اور اس وجہ سے جتنے مختلف اقسام کا غلہ[1] یہاں پیدا ہوتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

زمانۂ قدیم میں یہاں پر باغات بہ کثرت تھے چنانچہ ابو الفضل نے مالوے کے انگوروں کی بہت تعریف کی ہے۔ یہاں پر ایک قسم کا آم ہوتا ہے جس کو مرہٹے جزیرۂ گوا سے لائے تھے جو گوا کے اصلی آم سے جسامت اور ذائقے میں کسی طرح کم نہیں ہے لیکن گذشتہ تین سال سے یہاں کے باغات کی جانب بہت کم توجہ کی گئی ہے اور اسی وجہ سے یہاں کے پھل اپنی کثرت یا اوصاف کے لئے مشہور نہیں ہیں۔

مالوے اور اس کے قریبی صوبوں میں جنگلات بہ کثرت ہیں جن میں نہایت نفیس عمارتی لکڑی اور بالخصوص ساگوان کے درخت ہیں لیکن ان کا تذکرہ تجارتی شے کے طور پر پھر دوسرے موقع پر کیا جائے گا۔

اس صوبے میں ہندوستان کے دیگر حصوں کی طرح جنگلی اور پالتو جانور

---

[1] مالوے میں پوست بہ کثرت پیدا ہوتا ہے جس میں سے افیون نکالی جاتی ہے اور اس صوبے کی اشیائے برآمد میں افیون ہی خاص شے ہے۔ اس صوبے میں افیون کی سالانہ پیداوار دس ہزار من یا ۲۵ لاکھ پونڈ ہوتی ہے جس میں سے اندازاً چھ ہزار من باہر جاتی ہے۔ اس صوبے میں گیہوں، چنا، مٹر، جوار، باجرا، مونگ، ارد اور تور پیدا ہوتے ہیں۔ از آں جملہ گیہوں اور چنا کثیر مقدار میں باہر جاتا ہے قدرے چاول بھی پیدا ہوتا ہے جو مقامی ضروریات کے کام آتا ہے لیکن نیشکر، تمباکو، کپاس، السی، تل، ہلدی، لہسن اور ادرک صوبے کی ضروریات سے بہت زیادہ مقدار میں پیدا ہوتے ہیں (Morindo citrifolia) کی پیداوار بہت بڑے پیمانے پر ہوتی ہے چونکہ اس کی جڑوں سے سرخ رنگ نکالا جاتا ہے اور وہ ایک تجارتی شے ہے۔

ہیں۔ پہاڑی اور جنگلی علاقوں میں رہنے والے درندے شیر، چیتا، ریچھ، بھیڑیا، چرخ، ہرن، نیل گائے، سانبر اور دیگر اقسام کے ہرن ہیں۔ سانبر کی کھال تیار ہونے پر دیسی ریاستوں کی فوج کے سپاہیوں کی وردی کے لئے نہایت کارآمد ہوتی ہے اور کثیر تعداد میں قریبی شہروں کو بھیجی جاتی ہے۔ پالتو جانوروں میں سے سینگ والے جانوروں کی بہت قدر کی جاتی ہے اور وہ بہ کثرت باہر بھیجے جاتے ہیں۔ بھیڑ بکریاں نہ تو تعداد میں زیادہ ہیں اور نہ اُن کی چنداں قدر ہوتی ہے مگر اجمیر اور میواڑ میں بھیڑ بکریاں عمدہ نسل کی اور بہ کثرت ہوتی ہیں۔

اگرچہ مالوے میں گھوڑوں کی پرورش ہوتی ہے لیکن وہاں کے گھوڑے مشہور نہیں ہیں کیونکہ وہ کاٹھیاواڑ کی نسل سے مخلوط ہیں۔ مسلمان تو شمالی ہند کے گھوڑے پسند کرتے ہیں اور مرہٹے دکن سے گھوڑے لاکر استعمال کرتے ہیں۔

مالوے میں اونٹ شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں چونکہ وہاں کی آب وہوا اُن کی پرورش کے لئے موزوں نہیں ہے۔ اس صوبے میں اونٹ زیادہ تر گرم اور ریگستانی مقامات اور مارواڑ کے گرم میدانوں سے لائے جاتے ہیں جہاں پر اونٹ بہ کثرت ہوتے ہیں اور وہ نہایت طاقتور اور قدآور ہوتے ہیں۔

مالوے کے اکثر دریاؤں میں نہایت خوش ذائقہ اور بڑی بڑی مچھلیاں ہوتی ہیں لیکن چونکہ اس صوبے کی مچھلیاں اور شکار کے پرند ہندوستان کے دیگر مقامات کی مچھلیوں اور پرندوں سے کچھ مختلف قسم کے نہیں ہوتے ہیں اس لئے اُن کی تفصیلی حالت بیان کرنا غیر ضروری ہے۔

مالوے کے بعض شہر اور قصبے[1] گذشتہ اور موجودہ تاریخ میں بڑی

۱۰

[1] ۔ مالوے کے خاص شہر اور قصبے حسب ذیل ہیں:۔ اجین، اندور، دھار، رتلام، نوگی یا برنگر، کھروڈ، اڈنیل، منڈیسر، جاورہ، رام پورہ، بام پورہ، متاسا، آگر،

شہرت رکھتے ہیں ان میں سے بعض شہروں کے مقام اور نام کا پتا لگانا بھی مشکل
ہے لیکن ان میں سے بہت سے شہر اپنی قدامت کی وجہ سے قابل توجہ ہیں اور ۱۱
اُن کے کھنڈرات میں اب بھی فن تعمیر، فن مصوری اور فن خوش نویسی کے
آثار پائے جاتے ہیں۔ ۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سرونج، بھیلسا شجال پور، آشٹہ، گنگرور، شاہجہاں پور، دیواس، ڈگ تال،
منڈاول، ماہد پور، سارنگ پور، بھوپال، دوھر، مانڈو۔ اس میں سے سب سے قدیم اُجین ہے
اور اس کا مرتبہ اُن مقدس مقامات میں بہت بلند ہے جن کا تذکرہ ہندوؤں کے
پُرانوں میں ہے اور یونانی مورخین نے بھی اس شہر کا تذکرہ کیا ہے لیکن موجودہ اجین پور۔
اپنے شہر سے جنوب کی طرف دو میل کے فاصلے پر آباد ہے اور اُس کے متعلق یہ روایت ہے کہ
وہ زمین کے اندر دفن ہو گیا ہے لیکن میری رائے میں وہ دریائے سیپرا کی نذر ہو گیا ہے
اور موجودہ شہر کو بھی دریا بُرد ہو جانے کا اکثر اندیشہ لگا رہتا ہے۔
اجین کے بعد دھار یا دھارانگری کا درجہ ہے۔ ہنود ابھی تک اسے دھارانگری
کہتے ہیں۔ غالباً یہ قدیم زمانے کا دھارانگر ہے لیکن مستند تاریخوں میں اس شہر کو اس وجہ سے
اہمیت حاصل ہے کہ اجین کے بعد مالوے کے فرمانرواؤں نے مانڈو میں مستقل قیام
کرنے سے قبل اس شہر کو اپنا دارالسلطنت بنا لیا تھا۔ مانڈو میں اگرچہ بہت سے دلچسپ
آثار الصنادید موجود ہیں مگر وہ بالکل ویران ہو گیا ہے اس شہر کا تذکرہ پھر کیا جائے گا۔
شہر اندور جدید ہے لیکن ہلکر کی دارالسلطنت کا وہ حصہ جسے پُرانا اندور کہتے ہیں
وہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اور ملہر راؤ کے انتقال کے بعد اہلیہ بائی نے اس مقام کو
پسند کر کے قیام فرمایا اور حاکم ضلع کو ہدایت فرمائی کہ کمپل سے ہمارا کیمپ اس مقام کو
تبدیل کر دو اور اس مقام کے نزدیک ایک صاف چھوٹا سا دریا رواں تھا اس
دریا کے اُس پار ایک نیا شہر تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اہلیہ بائی نے اس شہر کا نام
اندور رکھ دیا۔ اپنی پسند کی وجہ سے اہلیہ بائی نے اس مقام کو بہت فروغ دیا
اگرچہ وہ مدت العمر شہر مہیسر میں مقیم رہی۔
بھیلسا اور منڈیسر کی اصلیت کے متعلق ایک ایسی ہی روایت مشہور ہے

نیماڑ کا چھوٹا سا صوبہ نربدا کی وادی کا وہ حصہ جو بندیا کے مشرق اور کوٹرا کے مغرب، کوہ بندھیاچل کے شمال، ست پڑا کے جنوب کے درمیان واقع ہے۔ اس کی لمبائی ۱۴۰ میل اور اس کی عام چوڑائی ۳۰ سے ۴۰ میل تک ہے۔ لیکن وسط میں وہ ۷۰ میل سے زیادہ ہے۔ نربدا کے شمالی کنارے پر

۱۳

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جیسی کہ روایتیں ہندوؤں کی ابتدائی تاریخ میں عام طور پر درج ہیں۔ رام چندر جی نے جو ہندوؤں کے اوتار تھے بھیلسا اور ان کے صاحبزادے دسرتھ نے منڈیسر آباد کیا ہے۔ اس کا نام دسرتھ رکھا گیا تھا لیکن مغربی راجپوتوں نے بگاڑ کر اس کا نام دسور کر دیا اور اب اس شہر کو عموماً منڈیسر کہتے ہیں۔

شجال پور اور شاہجہاں پور اپنے بانیان کے نام سے موسوم ہیں۔ مالوے کے ایک مشہور و معروف گورنر شجاع خاں نے شجال پور اور شاہجہاں بادشاہ نے شاہجہاں پور آباد کیا ہے۔

شیر گنج کا بگڑا ہوا نام سرونج ہے جس کو شیر شاہ بادشاہ نے اپنا گنج یا فوجی چھاؤنی بنایا تھا۔

راٹھور راجپوت رتن سنگھ نے رتلام آباد کیا یہ ضلع فوجی خدمات کے صلے میں شاہجہاں نے عطا فرمایا تھا۔ اس ضلعے کا صدر مقام رتلام ہے رتن سنگھ کے زمانے میں اس شہر نے بہت کچھ ترقی حاصل کر لی تھی۔

راجہ نول یا نول نے نولی آباد کیا! اس کا موجودہ نام برنگر ہے۔ برنگر کی وجہ تسمیہ ایک قسم کی باطل پرستی پر مبنی ہے اور وہ برنگری میں داخل ہے اور صبح کے ناشتے سے قبل یہ نام ہرگز نہ لینا چاہیئے اس کو اس ساعت کے بموجب جس میں کہ اس کا نام لینے کی ضرورت واقع ہوتی نولی یا برنگر کہتے ہیں۔

سارنگ پور ایک پرانا شہر ہے جو ایک سرکار یا ملک کی ایک ڈویژن کا صدر مقام تھا۔ مالوے کے آخر مسلمان فرمانروا باز بہادر نے اس شہر کو بہت ترقی دی اور اس نے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔

راجہ بھوج کے وزیر نے بھوپال آباد کیا اور راجہ بھوج نے بھوجپور آباد کیا تھا

پہاڑی سرحد اس کناروں سے شاذ و نادر ہی ۱۸ میل کے فاصلے پر رہتی ہے اور پہاڑوں کے دونوں سلسلے مغربی سرحد پر بمقام ہرن پہل[1] دریا سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ نیماڑ کا بڑا حصہ زرخیز سبزہ زار ہے کسی زمانے میں یہ علاقہ نہایت شاداب اور مزروعہ تھا لیکن چند سال سے اس کے اکثر حصوں میں چھوٹے چھوٹے جنگل اور جھاڑیاں پیدا ہو گئی ہیں دریا کے دونوں طرف مغربی حصے میں بڑدائی، پیکلدا، دھرم پوری سلطان آباد اور کرگوند جو عام طور پر ہموار اور مزروعہ ہیں لیکن اس کا مغربی حصہ مقدس جزیرہ منن دتا[2] سے لیکر کاٹ کوٹ تک دریائے نربدا کے شمالی کنارے پر چھوٹی پہاڑیاں، گھنے جنگل اور ویرانے ہیں۔ البتہ دریا کے قریبی کنارے ان سے مستثنیٰ ہیں یہاں پر لیٹیرے راجپوت سرداروں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جواب ویران ہے اور اس کی موجودگی ہی میں وزیر نے بھوپال آباد کیا جب کہ راجہ بھوج نے ضلع تال کو ایک جھیل کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا۔

قصبۂ اُون واقع نیماڑ، راٹھ و ڈمنار کے غار جو دریائے چمبل کے متصل واقع ہیں آثار قدیمہ کے لحاظ سے قابل توجہ ہیں جو اب صرف کھنڈرات کی صورت میں پائے جاتے ہیں۔

[1] اس مقام کا نام ہرن پہل اس وجہ سے ہے کہ دریا کی سطح سے ۱۰-۱۱ فیٹ بلند چکنی سیاہ مٹی کے تودے ہیں جن کی وجہ سے دریا تک جانے کے لئے ۳ چھوٹی چھوٹی ندیاں بن گئی ہیں جن کو ہرن ایک چھلانگ مار کر عبور کر سکتا ہے۔

[2] ۔ یہ جزیرہ مہیسر سے ۸۰ میل دور ہے اور ہندوستان کے ہر ایک گوشے سے جاترا کے لئے جاتری آتے ہیں یہاں پر اونکار کا مندر ہے اور مہادیوجی کے دنیا میں قیام کرنے کے ۱۲ مقامات میں سے ایک جگہ یہ بھی ہے۔

وہاں کے باشندے نربدا کے شمالی حصے کو کاٹ کوٹ سے لیکر نیماڑ تک جو بندیا کے سامنے سے ہے گونڈواڑے کا حصہ کہتے ہیں اور وہاں کے باشندے گونڈی زبان بولتے ہیں۔

اپنی حفاظت کے واسطے گڑھیاں بنائی تھیں چونکہ وہ انگریزی حکومت قایم ہونے سے پیشتر تک اپنے قرب وجوار کے اضلاع میں آسیر سے لے کر اندور کے دروازے تک لوٹ مار کیا کرتے تھے جنوبی کنارے پر دریا سے تین چار میل تک علاقے کی ویسی ہی حالت ہے جیسی کہ شمال میں ہے لیکن اس سے آگے وہ بجز اس علاقے کے صوبے کے دیگر حصوں کے مشابہ ہے جہاں پر آبادی کی کمی یا بربادی کے باعث بہت کم زراعت ہوتی ہے اور یہاں کے اکثر مقامات پر زراعت کی جگہ جنگل ہو گئے ہیں۔

نیماڑ کی زمین مالوے کی اراضی سے مختلف ہے البتہ اس کی چراگاہیں نہایت عمدہ سمجھی جاتی ہیں۔ علاوہ دریائے نربدا کے جو سارے صوبے میں ہو کر گذرتا ہے بہت سے معاون دریا بھی اُسے سیراب کرتے ہیں۔

نربدا کے شمالی کنارے کا بیشتر علاقہ ریاست دھار و ہلکر کا ہے البتہ بنکانیر سندھیا کی عملداری میں ہے اور اس صوبے کے چند پہاڑی علاقے بھیل اور راجپوت سرداروں کے قبضے میں ہیں۔

صوبۂ نیماڑ میں صرف مہیسر ہی ایک مشہور مقام ہے یہ قدیم شہر نربدا کے شمالی کنارے پر ایک شاداب اور خوشگوار مقام پر آباد ہے۔ یہاں شہر سے اونچا ایک قلعہ ہے جو مع متعلقہ اراضیات کے ریاست کا ایک خاص علاقہ متصور ہوتا تھا چونکہ عرصۂ دراز تک وہ خاندان ہلکر کے سردار کا پائے تخت اور اس کے زیر اہتمام رہا ہے۔ اولاً اسے اہلیہ بائی کے مسکن کا فخر حاصل تھا اور اب یہ اس لئے قابل قدر ہے کہ اس میں واجب الاحترام خاتون کی خاک موجود ہے۔ یہاں مختلف سرکاری عمارتیں بن رہی ہیں اور اہلیہ بائی کے نام کا مندر اور شہر سے دریا تک جانے کے واسطے وسیع سیڑھیوں کا سلسلہ قریب ختم کے ہے۔ ۱۵

جنوبی نیماڑ کا بیشتر حصہ بجز ضلع برہانی قدیم سرکار یا عملداری بیجاگڑھ پر مشتمل ہے۔ سلسلۂ کوہ ست پڑا کے ایک عظیم الشان کوہستانی قلعے کے حدود میں دار السلطنت کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں جن کو سرکار بیجاپور کے نام سے

اب تک یاد کیا جاتا ہے۔ دیگر حکومتوں کی طرح اس سرکار میں بھی مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں بہت کچھ قطع و برید ہوگئی تھی چنانچہ ایک مصنف کہتا ہے کہ ۸ جلوس شاہجہانی میں سرکار بیجا گڑھ۔ ضلع بندیا کا ایک حصہ اور نربداد تاپتی کے درمیان کے چند علاقے حکماً صوبۂ خاندیس میں شامل کر دیے گئے تھے اور ابوالفضل بیجا گڑھ کو خاندیس کا دارالسلطنت بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ بیجا گڑھ عرصۂ دراز تک وہاں کے صوبہ دار کا مستقر رہا ہے۔ ان خود مختارانہ تبدیلیوں سے ہمارے اس بیان کی تائید ہوتی ہے جو ہم نے حکومت دہلی کے دستور کی بابت عرض کیا تھا۔ ہندوؤں کی روایت کے بموجب جس کی تائید اضلاع کے ناموں سے ہوتی ہے (اور جو نہایت زبردست شہادت ہے) نماڑ کی جنوبی سرحد کوہ ست پڑا ہے اور اُن کے بیان کے بموجب اسیر[۱] کا پہاڑی قلعہ دونوں صوبوں کی سرحد ہے اور بعض کا بیان ہے کہ اسیر کے پہاڑی قلعے کا نصف حصہ صوبۂ نماڑ میں اور نصف حصہ صوبۂ خاندیس میں ہے۔

نماڑ کی مغربی سرحد پر کوہ بندھیاچل سے لے کر شمال کی جانب ایک پہاڑی علاقہ ہے جو مالوے کو گجرات سے جدا کرتا ہے اس کی چوڑائی ۵۰ سے ۷۰ میل تک ہے اور اسے میواڑ کی جنوبی اور مغربی سرحد کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس علاقے کا جنوبی حصہ ٹانڈلا اور نربدا کے درمیان واقع ہے اور ہنود اسے راٹھ کہتے ہیں اس میں جھبوا، علی، بابرا، جوبت کی چھوٹی ریاستیں اور ان کے باجگذار سرداروں کے علاقے شامل ہیں جن کی رعایا میں زیادہ تر بھیل لوگ ہیں اگرچہ اس ضلع کے بیشتر حصے میں پہاڑیاں اور گھنے جنگل ہیں مگر اس کے پہاڑی سلسلے کے درمیان میں بہت سی سرسبز اور زرخیز وادیاں ہیں جو شمال کی طرف متوازی اور مساوی فاصلے سے مسلسل ملی گئی ہیں۔

[۱] ۔ روایت ہے کہ ایک متمول زمیندار آسا اہیر نے یہ مستحکم قلعہ تعمیر کیا اور آسا اہیر بگڑ کر اسیر ہو گیا۔

۱۶

یہ علاقہ ایک درمیانی منزل ہے جو گجرات سے اونچا ہے اور مالوے کی طرف
۱۷ بلند ہوتا چلا گیا ہے لیکن آب وہوا اور پیداوار کے لحاظ سے مالوے کے
برابر نہیں ہے۔ راٹھ میں چھوٹی ریاستوں کے صدر مقامات کو چھوڑ کر
معدودے چند بڑے قصبات یا مواضعات ہیں۔ چھوٹی ریاستوں میں جبوا البتہ
قابل تذکرہ ہے کیونکہ وہ چھوٹی پہاڑیوں کے دامن کے قریب ایک
مختصر سی زرخیز اور شاداب وادی میں واقع ہے۔

راٹھ کی پہاڑیوں میں خام لوہا بہ کثرت موجود ہے اور یہاں کے
جنگلات میں بانس اور ساگوان کے علاوہ اور بہت سی عمارتی لکڑی کے
درخت ہیں جو نہ صرف عمارتوں بلکہ اور بہت سے کارآمد سامان تیار
کرنے میں کام آتے ہیں۔ اس صوبے میں بہت سی سڑکیں ہیں جو مالوے کو
گجرات سے ملا دیتی ہیں اور جن پر آمد و رفت کا سلسلہ لگا رہتا ہے۔

باگڑ مثل راٹھ کے ایک پہاڑی علاقہ ہے اور جسے مالوے کے ایک مختصر
قطعے نے راٹھ سے علٰحدہ کر دیا ہے یہ علاقہ پتیلاؤ دسے دوحد کی طرف چلا
گیا ہے۔ اس کے شمال میں کنتول اور میواڑ اور مغرب و مشرق میں مالوہ
اور گجرات ہے۔

باگڑ اور راٹھ میں بجز اس کے کچھ اور فرق نہیں ہے کہ یہاں پر راٹھ
سے وادیاں، دریا اور زراعت کم ہے البتہ اس کی شمالی سرحد کی اراضی
نہایت عمدہ اور زرخیز ہے۔ باگڑ میں زیادہ تر بھیل اور میناہ آباد ہیں جو
۱۸ زراعت پیشہ ہیں اور راجپوت اور ٹھاکر روسا کے ماتحت ہیں۔ اس علاقے کا
بیشتر حصہ بانسواڑے اور ڈونگر پور کے رؤسا کی ملکیت ہے جو اس علاقے کے
مشہور مقامات ہیں۔ اس کے شمالی حصے میں بہت سے ویران قصبات،
دیہات، منادر اور ہندوؤں کی قدیم یادگاریں موجود ہیں جن سے
اس علاقے کی گذشتہ مرفہ الحالی اور سرسبزی کا پتا لگتا ہے۔

ڈونگر پور اور لوناواڑے سے گجرات جانے والی سڑکیں اس علاقے سے
ہو کر گزرتی ہیں اور ان پر آمد و رفت کا سلسلہ لگا رہتا ہے یہاں کے وسیع

اور گھنے جنگلات کے باعث برسات کے بعد کے دو مہینوں میں یہاں نہایت خراب قسم کے بخار کی شکایت رہتی ہے اور سال کے کسی حصے میں بھی یہاں کی آب وہوا خوشگوار یا صحت بخش نہیں سمجھی جاتی ہے۔

کنتول صوبہ نہیں بلکہ ایک چھوٹا سا ضلع ہے جو باگڑ اور میواڑ کے درمیان واقع ہے اور وہ مغرب کی جانب منڈیسر سے لے کر بانسواڑے اور اودے پور کے علاقہ جات تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی ۴۰ میل اور چوڑائی ۲۰ سے ۲۵ میل تک ہے۔ اس میں زیادہ تر راجۂ پرتاب گڑھ کا علاقہ ہے۔ اس کا مستقر ایک بڑا مستحکم قصبہ ہے مگر وہ ہمیشہ دیولا میں رہتا ہے جو کنتول سے مغرب کی طرف بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس ضلع کا بیشتر حصہ ہموار اور کشادہ ہے اور اس میں کاشت خوب ہوتی ہے۔ وہ باگڑ سے بہت زیادہ اونچا ہے اور اس کی بلندی مالوے کے اس حصے کے مساوی ہے جو اس کے متصل ہے۔ گجرات، کاٹھیاواڑ اور کچھ جانے والی سڑکیں اس ضلع میں ہو کر گذرتی ہیں۔ دریائے ماہی کی معاون چھوٹی ندیوں سے اس ضلع میں خوب آبپاشی ہوتی ہے جو اس کی جنوبی سرحد کے قریب سے گذرتی ہیں۔

19

مالوے کی جنوبی مغربی سرحد پر صوبۂ ہروتی واقع ہے اور مکندرا و چیتور کی پہاڑیاں ہروتی کو مالوے سے جدا کر دیتی ہیں۔ اس کی عام حالت مالوے جیسی ہے البتہ اس قدر ضرور فرق ہے کہ یہاں کی آب وہوا زیادہ بلندی کے باعث مالوے کی آب وہوا سے زیادہ گرم اور کم صحت بخش ہے اس کی بلندی مالوے کے قریبی حصے کی بلندی سے قدرے مختلف ہے اور اس کی آبیاری ان ہی دریاؤں[2] سے ہوتی ہے جو اس ضلع میں سے گذرتے وقت بہت وسیع ہو جاتے ہیں۔ اس صوبے کے خاص شہر کوٹہ، پاٹن اور بوندی ہیں۔

---

[1]۔ میں نے بعض فہمیدہ ہندوؤں سے گفتگو کی جو کنتول کے ایک حصے کو مالوے میں بتاتے ہیں لیکن مالوے کے نام سے ان کا مفہوم اس کے کنارے یا سرحد سے ہے۔

[2]۔ کالی، سندھ، چمبل اور آہو وغیرہ۔

کوٹہ اور بوندی راجپوت رؤسا کے مستقر ہیں جو اس صوبے کے مالک ہیں۔ پاٹن عام طور پر جھالرا پاٹن کہلاتا ہے جسے کوٹہ کے راجہ ظالم سنگھ نے آباد کیا تھا اور جو محض ایک گاؤں تھا مگر گذشتہ بیس سال کے دوران میں ترقی کر کے مالوے کا ایک نہایت خوبصورت اور دولت مند شہر بن گیا ہے۔

۲۰　اس پہاڑی حلقے میں چندیری، کچھی واڑے اور اہیرواڑے کے چھوٹے صوبے شامل ہیں جو مالوے کے ہموار میدانوں کی مغربی سرحد ہے اور وہ مالوے کو بندیل کھنڈ سے اسی طرح علیحدہ کرتا ہے جس طرح کہ راٹھ اور باگڑ اُسے گجرات سے جدا کرتے ہیں۔ مشرق کی جانب یہ حد ابو الفضل کے بیان سے مطابقت نہیں کرتی ہے جو اس صوبے کی چوڑائی گڑھ سے بانسواڑے تک ۲۴۵ کوس[1] بتاتا ہے اور اس فاصلے سے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ اس علاقے کے تین گڑھ میں سے گڑھ منڈیلا یا گڑھ جبل پور وہ گڑھ ہے جس کا یہاں پر حوالہ دیا گیا ہے۔ اس آخر ضلع میں بہت سے شہر ہیں جو مثل نیماڑ کے نربدا کے کنارے پر اور کوہ بندھیاچل کے دامن میں واقع ہیں اور مالوے کے میدانوں کا اس سے بہت کم تعلق ہے اور اس کے باشندوں کی زبان بھی دوسری ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ان علاقوں کو ہم مالوے میں شریک کر دیں جیسے کہ حکومت دہلی نے کر دیا تھا لیکن اس امر کو باور کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ مالوہ ابتدا میں پہاڑوں سے گھرا ہوا علاقہ تھا جس کے متعلق ہم ۲۱　ابھی بیان کر چکے ہیں اور جو شمال میں نرواڑ سے جا ملتا ہے اور اُسے ہروتی اور چتوڑ سے ملا دیتا ہے اور جنوب مغرب میں کوہ بندھیاچل سے جا ملا ہے اور یہ یقینی طور پر اس صوبے کے قدرتی حدود ہیں۔

[1] ہندوستان کے ہر ایک صوبے میں کوس کی لمبائی مختلف ہوتی ہے وہ ڈیڑھ میل سے کم نہیں (بجز اس کے جو ٹیپو سلطان نے میسور میں رائج کیا تھا) اور ہرگز دو میل سے زیادہ نہیں ہوتا ہے۔

تاریخ مالوہ

مالوے کی تاریخ تاریکی میں ہے اور وہ زبانی روایتوں اور قصے کہانیوں پر مشتمل ہے۔ اُجین ابھی تک ایک بڑا شہر ہے اور اس کو مالوے کا صدر مقام سمجھنا چاہیئے۔ ہندوستان میں یہ شہر سب سے پُرانا ہے اس کا تذکرہ نہ صرف ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں درج ہے بلکہ بطلیموس (Ptolemy) نے اس کا حال تحریر کیا ہے اور پریپلس میں بھی اس کا ذکر ہے Periplus of Erythrean Sea

ہم نے ہندوستان کی قلمی کتابوں میں دیکھا ہے کہ سنہ عیسوی سے ۸۵۰ سال قبل مالوہ ایک علٰحدہ صوبہ تھا اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ دنجی (Dunjee) نے جو شریف النسل[ل] شخص تھا برہمنوں کی قوت کو از سرِ نو بحال کیا جو بدھ لوگوں نے تباہ و برباد کر دی تھی۔ بدھ مذہب کے بہت سے مقلدین اس علاقے میں ابھی تک موجود ہیں۔ باگ کے قریب ایک پہاڑ کھودنے سے چند مندر برآمد

ل۔ بعض روایات میں اسے سورج بنسی نسل کا بتایا گیا ہے لیکن اکثر حضرات اُسے بھیل کہتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس پسماندہ قوم کو ملک کے اس حصے میں نہایت قدیم زمانے میں عروج حاصل ہو گیا تھا۔

ہوئے ہیں ان میں جو تھا ویرا در نشانیاں ہیں ان سے بدھ مذہب[1] کی عبادت کی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔

۲۳

ہندو ماخذ کے بموجب دنجی کے خاندان نے ۲۰۷ سال حکومت کی جب کہ پت راج جو اُس کی پانچویں پشت میں تھا لاولد مر گیا اور اُس کے بعد ادت پوار راجپوت[2] گدی نشین ہو گیا اور اُس نے خاندان پوار[3] کی بنا ڈالی جس نے مالوے پر ۱۰۵۸ سال تک حکمرانی کی۔

جس زمانے میں دنجی خاندان کی حکومت مالوے میں تھی اس زمانے کے حالات میں ۷۳۰ سال قبل مسیح تک اس خاندان والوں کا کچھ تذکرہ نہیں ملتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کے جانشین نے شاہ دہلی کی ماتحتی کا بار اپنے کاندھوں سے اتار کر پھینک دیا۔ مذکورۂ بالا زمانے کے بعد مالوے کے ایسے غیر معروف حالات بھی ہم کو نہیں ملتے ہیں حتیٰ کہ سنہ عیسوی کے قریب راجہ بکرماجیت نے یہاں کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی جسے ہندو مصنفین علوم و فنون[4] کا سرپرست بناتے ہیں۔

۲۴

[1] اصل بودھ آٹھ صدی قبل مسیح میں نہیں تھا۔ علم نجوم کے حساب سے خاص بدھ کا صحیح زمانہ ۵۵۰ سال قبل مسیح معلوم کیا گیا ہے (بحوالۂ ایشیاٹک تحقیقات) مگر اس امر کو باور کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ کئی بدھ ہوئے ہیں اور اکثر غلطی سے ایک کو دوسرے سے ملا دیا گیا ہے اول بدھ ایک ہزار سال قبل مسیح میں۔ دوسرا بدھ ۵۵۰ سال قبل مسیح میں اور تیسرا بدھ ۲۵۰ سال بعد مسیح کے ہوا ہے۔

[2] راجپوت کے لفظی معنی راجہ کے پوت یعنے راجہ کے بیٹے کے ہیں۔ یہ لوگ چھتری کہلاتے ہیں۔ ہندوؤں کی چار ذاتوں میں سے یہ دوسری ہے۔

[3] راجپوتوں کے ایک فرقے یا خاندان کا نام پوار ہے جو مالوے میں ابھی تک بہ کثرت موجود ہیں۔

[4] بکرماجیت کے نام سے سمت موسوم ہے جو ہندوستان کے بڑے حصے میں اب تک رائج ہے۔ عیسائی سنہ کی طرح یہ سمت بھی شمسی ہے اور ۵۶ سال قبل مسیح سے شروع ہوا ہے۔

ہندو مصنفین بیان کرتے ہیں کہ بکرماجیت کے باپ نے اُسے کوئی ریاست نہیں دی تھی اور وہ بہت عرصے تک اپنے حرامی بھائی بھرتری کے ساتھ اجین میں رہا جو مالوے کا دارالحکومت تھا اور جس کا حاکم بھرتری تھا۔ دونوں بھائیوں میں کچھ لڑائی جھگڑا ہو گیا اور بکرماجیت اُجین سے چلا گیا اور مدت دراز تک گجرات اور ہندوستان کے دیگر مقامات میں مارا مارا پھرتا رہا۔ مالوے میں واپس آنے پر بکرماجیت کو معلوم ہوا کہ میرے بھائی نے اپنی بیوی کی بے وفائی سے عاجز آکر جملہ دنیوی تعلقات ترک کر دیے ہیں اور وہ سادھو بن گیا ہے اس لئے اُس نے صوبے کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر ایسا طرز عمل اختیار کیا جس سے کہ ہندوستان کے بیشتر حصے پر اُس کا تسلط قایم ہو گیا۔ اُس نے ہندو راج میں وہ شان و شوکت پیدا کر دی جسے کمزور ہندو راجاؤں نے زائل کر دیا تھا اور جن کے طرز عمل سے دور دراز کے صوبجات کے حاکموں کو بغاوت کرنے اور اپنے زیر اہتمام علاقوں کو آزاد ریاستیں بنا لینے کی جرأت پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن کسی مستند ثبوت سے بکرماجیت کے ان حالات کی تائید اور تصدیق نہیں ہوتی ہے مگر سارے ہندوستان میں اُس کی جو شہرت اور عظمت ہے اس سے ہم کو یہ نتیجہ ضرور نکالنا چاہیئے کہ اُس کی عملداری کو بہت کچھ توسیع حاصل ہو گئی تھی۔

راجہ بکرماجیت[1] کے جانشینوں کے زمانے میں کوئی واقعہ قابل تذکرے کے نہیں ہوا البتہ اُس کی گیارھویں پشت میں شہرۂ آفاق راجہ بھوج[2] کا نام

[1] ۔ راجہ بھوج کی تاریخ میں بکرماجیت کی تاریخ کی طرح بہت سے افسانے شامل ہو گئے ہیں۔

[2] ۔ روایت ہے کہ اس کے پیدا ہونے کی خاطر اس کی ماں نے اپنی جان پُن کر دینے کی منت مانی تھی راجہ بھوج نے اپنی ماں کی اس منت کا یہ کفارہ یا صدقہ دینے کی نیت کر لی کہ میں نو دریا اور ننانوے ندیوں کا پانی روکنے کے لئے بند بنوا دوں گا اسے اپنی ریاست میں ایک ضلع ایسا مل گیا جو اس منت کو پورا کرنے کے لئے نہایت موزوں سمجھا گیا چنانچہ اُس نے ایک بہت بڑا بند بنوا کر نو دریا اور ننانوے ندیوں کا

۲۶

ہندوؤں کی روایات میں بہت بلند ہے۔ اس راجہ نے اپنی راجدھانی اُجین سے دھار کو منتقل کردی جو بدستور دارالحکومت رہا حتیٰ کہ مالوے کے مسلمان فاتحین نے مانڈو کو اپنا مستقر قرار دیا۔

راجہ بھوج کے جانشین جے چند کے انتقال کے بعد پوار خاندان کا کوئی فرد گدی کا مستحق نہیں سمجھا گیا اور تاج شاہی جیت پال ایک راجپوت رئیس[۱] کے سر پر رکھ دیا گیا جس نے خاندان تووَر[۲] Towur قایم کیا جو ایک سو بیالیس برس تک قایم رہا۔ اس خاندان کے بعد چوہانوں[۳] کا راج ہوا جس کا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) پانی روک دیا جس سے یہ ضلع ایک جھیل بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جو بند اُس نے بنوایا تھا وہ آخر کار ٹوٹ گیا اور وہ دریا (جن میں سے ایک دریائے بیتوا بھی ہے) حسب معمول اپنے اپنے راستوں پر رواں ہو گئے جو مقام کہ پانی سے لبریز تھا وہ اب ضلع تال کہلاتا ہے اور ریاست بھوپال میں یہ نہایت زرخیز اور آباد ضلع ہے۔ بھوجپور اُس بند کے کھنڈرات کے نزدیک ہے جو کسی زمانے میں بہت بڑا شہر تھا۔ لیکن اب بھی وہ اپنے پُرانے نام سے موسوم ہے اور اُس کی عمارات اور منادر کے کھنڈرات اُس کی قدامت کے شاہد ہیں۔ باقی ۹۹ ندیوں کا بند راجہ بھوج کے وزیر بھوپال نے بنوایا تھا اور اُس بند کے نزدیک اُس نے اپنے نام پر ایک گاؤں آباد کیا اس بند سے ایک جھیل بن گئی جس کے کنارے پر موجودہ شہر بھوپال واقع ہے۔

[۱] ایک قلمی کتاب میں جس کا اقتباس میں پیش کر رہا ہوں اس رئیس کو زمیندار تحریر کیا ہے لیکن مسلمان بادشاہ ضلع کی مالگزاری وصول کرنے والے عہدہ دار کو زمیندار کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ ہندوؤں کے رواج کے بموجب یہ عہدہ دار موروثی ہوتا تھا جو زمینداروں کے طبقے میں سے ہوتا تھا اور اس لیے وہ اپنے علاقے کا زمیندار اعزاز کے طور پر کہا جاتا تھا۔

[۲] خاندان یا فرقے کے نام سے اس خاندان کو تووَر کہتے تھے۔

[۳] چوہان راجپوت مالوے میں ابھی تک نہایت شریف اور بہادر فوجی سپاہی ہیں۔

اول راجہ جگدیو تھا ان کی عملداری ۱۶۷ برس تک رہی۔ اس خاندان کے چوتھے راجہ باسدیو نے شاہی لقب اختیار کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس راجہ نے علوم و فنون کو درجۂ کمال پر پہنچا دیا تھا اور اس نے ہر طرح پر اپنی ریاست کی شہرت اور مرفہ الحالی میں اضافہ کیا۔

مالدیو کے زمانے میں جو اس خاندان کا آخری راجہ تھا (اور مالوے کے ہندو راجاؤں کے متعلق بھی ہم تقریباً یہی کہ سکتے ہیں) اس صوبے پر اننت بو ویش[1] نے قبضہ کر لیا لیکن اس کے انتقال ہو جانے پر نہ صرف صوبۂ مالوہ بلکہ سلطنت دہلی کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے قبضے میں چلا گیا۔

جملہ کتابی حالات اور زبانی روایات اور صوبۂ مالوہ کے راجاؤں کی اس سرگزشت کو دیکھ کر جو نتیجہ نکالا جا سکتا ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ مالوہ دہلی کی ہندو سلطنت کا ماتحت صوبہ تھا۔ اگرچہ سلطنت کے دیگر حصوں کی طرح یہاں کے راجاؤں نے بھی شاہی اختیار حاصل کر لئے تھے جو کئی پشت تک قایم رہے۔[2]

مسلمانوں کی اول فتح مندی کے بعد مالوے کی ایک طویل زمانے کی تاریخ تفصیل کے ساتھ معلوم کرنا نہ صرف فضول بلکہ نہایت دشوار ہے کیونکہ اس زمانے میں یہاں بجز مسلسل تبدیلیوں اور مشکلات کے کچھ نظر نہیں آتا جن کی وجہ سے مالوے کا وہ اقتدار جو قدیم زمانے میں ایک جدا صوبے کی حیثیت سے اُسے حاصل تھا برقرار نہ رہ سکا۔ اس کے مختلف غاصبوں کے زمانے میں اس کی سرحدیں اس وقت تک برابر تبدیل ہوتی رہی ہیں۔

---

[1]۔ ویش ہندوؤں کی تیسری ذات ہے ان کا مقررہ پیشہ تجارت ہے دیگر سیکڑوں مثالوں کی طرح اس قوم کے افراد نے بھی اپنے مقررہ حدود سے باہر قدم رکھا ہے۔

[2]۔ فرشتہ کہتا ہے کہ ہندوستان کی ہندو سلطنت قدیم زمانے میں پچاس ریاستوں میں منقسم تھی اور مالوہ انھی میں سے ایک ریاست تھی۔

البتہ یہ حقیقت صاف طور پر نمایاں ہے کہ یہ صوبہ صرف جزوی طور پر مغلوب ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس صوبے کے ہندو راجاؤں اور رئیسوں نے تقریباً ہر ایک ضلع میں حملہ آوروں کا اکثر کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا اور انھوں نے اپنی عملداری قایم کرلی جو صوبے کے بڑے حصے پر کئی پشت تک قایم رہی۔ ۲۸

بہادر شاہ کی زیادہ مکمل فتح مندی کے زمانے تک اکثر یہ انقلابات ہوتے رہے جن کی ابتدا شہاب الدین فرماں روائے دہلی کے زمانے میں ہوئی تھی۔ بہادر شاہ نے یہاں کے سردار کو مار ڈالا اور دلاور خاں کو صوبۂ مالوہ کا حاکم مقرر کردیا۔ حاکم مذکور نے محمد تغلق کے فرار اور تیمور کے حملے سے ہندوستان میں انتشار دیکھ کر فائدہ اٹھایا اور خود مالوے کا بادشاہ بن گیا۔ دلاور خاں نے دھار کو اپنا دارالحکومت قرار دیا جس کے کھنڈرات اب بھی اس انقلاب کی شہادت دیتے ہیں۔ لیکن یہ شہر کچھ زیادہ عرصے تک مسلمانوں کا مستقر نہیں رہا۔ الف خاں (پسر دلاور خاں) نے جو ہوشنگ شاہ کے نام سے مشہور ہوا اپنا دارالخلافہ مانڈو کو منتقل کردیا۔

۲۹ مانڈو جانب جنوب مشرق دھار سے ۱۵ میل کے فاصلے پر ہے اور ہندوؤں کے بیان کے مطابق راجہ جے سنگھ دیو نے باقاعدہ طور پر دھار کو

ل۔ شیخ شاہ غزنی کے پوتے قمرالدین نے سب سے اول اس صوبے پر حملہ کیا جس کو راجہ جیت پال نے قتل کرڈالا جو مالدیو کی نسل سے تھا۔

۲ہ۔ ہندوؤں کی روایت کے بموجب اس راجہ کو عمارات تیار کرانے میں ایک پارس پتھر سے بہت مدد ملی جو اس کی عملداری کے زمانے میں ایک گھسیارے کو ملا تھا۔ ایک لوہار نے اس پتھر کے اوصاف معلوم کرلیے جس نے یہ پارس پتھر راجہ جے سنگھ دیو کی نذر کردیا۔ بقیہ حاشیے کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ (۲۳)۔

قلعہ بند کیا ہے لیکن ہم کو اس کے دار الحکومت ہونے کا کہیں پتہ نہیں لگتا ہے اور اگرچہ وہ بیشتر سے آباد تھا اور اس کی اصلیت صرف اس قدر ہے کہ ہوشنگ شاہ کے نزدیک یہ کوئی اہم مقام نہیں تھا جس کے انتقال ہو جانے پر اس کے خاندان والوں نے اسے اپنا دار الحکومت بنا لیا تھا۔

مانڈو کا منظر نہایت دلکش ہے۔ ہوشنگ شاہ نے اپنے آیندہ دار الحکومت کے واسطے جو مانڈو کا مقام پسند کیا تھا اس کا دورے ۲۳ میل کا تھا۔ یہ مقام کوہ بندھیاچل[1] کی چوٹی سے ۸ میل تک چلا گیا ہے یہ علاقہ سطح مرتفع مالوہ سے الگ ہے لیکن اس کی بلندی وہی ہے۔ پھر ناہموار وادی کا میدان ہے جو کم از کم ۲۰۰ اور زیادہ سے زیادہ ۳۰۰-۴ فیٹ چوڑا ہے۔ اس وادی کے کنارے (جو شہر کے گرد محیط ہونے کے بعد مشرق اور مغرب کی جانب ناہموار اور چوڑے غار بن گئی ہے) اور کوہ بندھیاچل کی چوٹی کے کنارے پر جو مانڈو کا جنوبی رُخ ہے ایک بہت بلند دیوار تعمیر کی گئی ہے۔ اس دیوار نے اس جگہ کے قدرتی استحکام کو مزید تقویت پہنچا دی ہے جس کی وجہ سے یہ مقام ناقابل تسخیر بن گیا ہے تا وقتیکہ باقاعدہ حملہ نہ کیا جائے۔ اس خصوصیت

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) راجہ نے مانڈو کی عمارتیں تیار کرانے کے اخراجات ادا کرنے کے لائق سونا بنا لینے کے بعد یہ پتھر اپنے پروہت کو دے دیا اور اُس نے اس کے اوصاف معلوم ہونے سے پیشتر اس کے نذرانے سے خفا ہو کر پارس پتھر کو دریائے نربدا میں پھینک دیا مگر اس کے خواص معلوم ہونے پر اُس نے پارس پتھر تلاش کرنے کے واسطے دریا میں غوطہ لگایا مگر بجز کف افسوس ملنے کے کچھ ہاتھ نہ لگا۔ سادہ لوح ہندوؤں کا اب تک یہ عقیدہ ہے کہ جس جگہ پارس پتھر پھینکا گیا تھا وہاں پر نربدا کی تہ کا پتا نہیں چلتا۔

[1] گذشتہ باب میں کوہ بندھیاچل کا حال بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ پہاڑ اس صوبے میں جس جگہ بھی آملا ہے وہاں پر اسے مالوے کی جنوبی و مغربی دیوار کہنا چاہیے۔ یونانیوں نے اس پہاڑ کا نام ونڈین لکھا ہے لیکن ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں اس کا تذکرہ بندھیاچل کے نام سے کیا گیا ہے (بحوالہ سر ڈبلیو۔ ایم جونس ورکس جلد اول صفحہ ۲۳)۔

کے باعث یہاں جان و مال کی حفاظت آسان ہے۔ یہاں کی صحت بخش آب وہوا، پانی کی افراط اور اس جدید دار الحکومت کے احاطے کی زمین کی زرخیزی نے اس مقام کو بہت جلد سرسبز و شاداب اور مرفہ الحال بنا دیا۔

ہوشنگ شاہ نے اگرچہ بڑے[1] ناموافق حالات کے زمانے میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی تاہم بعد کو اُس نے بڑی ناموری حاصل کی۔ وہ نربدا کے جنوب میں راجاؤں سے نبرد آزمائی کرنے میں مصروف رہا اور گونڈواڑے[2] کے ہندو راجہ سے جنگ کرنے میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے اُس نے نربدا کے بائیں کنارے پر ایک شہر[3] آباد کیا جسے اُس نے اپنے نام سے موسوم کیا لیکن اس کی وجہ سے اُسے بہمنی[4] خاندان کے مسلمان بادشاہوں سے نبرد آزمائی کرنی پڑی جس میں کبھی فتح اور کبھی ہزیمت نصیب ہوئی۔ لیکن آخرکار ہوشنگ شاہ ہی فتحیاب ہوا اس نے گونڈواڑے کے راجہ نرسنگھ کو شکست دی اور قتل کر دیا اور اس کے متمول دار الحکومت کرلا پر قبضہ کر لیا جو مع مضافات کے ہوشنگ شاہ کے قبضہ و تصرف میں رہا۔ اس فتحمندی کے بعد ہوشنگ شاہ نے انتقال کیا، اس نے ۳۰ سال تک حکومت کی۔ اس کی نعش ہوشنگ آباد سے مانڈو لائی گئی اور وہاں اُس کا مقبرہ بنایا گیا جو ابھی تک نہایت عمدہ حالت میں موجود ہے۔

۴۱

سنہ ۱۴۳۲ء

[1]۔ راجۂ گجرات نے ہوشنگ شاہ کو تخت نشین ہونے کے بعد ہی قید کر لیا تھا۔

[2]۔ گونڈواڑے کے لغوی معنی "گونڈوں کا ملک" ہے جو ہندوؤں کی ایک نیچ ذات ہے۔ کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا جب کہ ان کے قبضے میں وہ سارا علاقہ تھا جو نربدا کے جنوب مغرب میں ہے اور سنہ ۱۸۱۸ء کی جنگ سے پیشتر یہ علاقہ ناگپور کے مرہٹہ راجہ کی عملداری میں شامل تھا۔

[3]۔ ہوشنگ آباد جس کو بگاڑ کر ہوسنگ آباد بھی کہتے ہیں۔

[4]۔ دکن کے حکمراں خاندانوں میں یہ بھی تھا اس کا مفصل حال دکن مصنفہ اسکاٹ جلد اول میں ملاحظہ فرمائیے۔

۱۴۳۵ء

ہوشنگ غوری کے بعد اس کا بیٹا غزنی خاں[1] اُس کا جانشین ہوا جو نہایت کمزور اور بد چلن تھا۔ اس فرمانروا کو اس کے وزیر محمد خلجی نے تخت سے اتار دیا لیکن عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد تختِ سلطنت غصب کرنے کے جرم کی تلافی کر دی، اسی فرمانروا نے مانڈو کی شہرت اور شان و شوکت کو چار چاند لگا دیے۔ اُس نے ہوشنگ شاہ کا عالی شان مقبرہ، دار العلوم اور محلات تعمیر کئے جو اپنے محسن کے احسانات کی یادگار کے احترام اور اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے خیال کے شاہد ہیں اور ان وجوہ سے وہ اس عظیم الشان ناموری کا مستحق تھا جو اُسے ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں میں حاصل ہوئی ہے۔ اُس نے ۳۴ سال تک حکومت کی اور فرشتہ کے بیان کے بموجب وہ ہمیشہ نہایت سرگرمی اور انہماک کے ساتھ مصروفِ کار رہا۔ اس کی ساری عمر فوجی خیمے میں بسر ہوئی لیکن بجز احمد شاہ والیٔ گجرات کے حملے کے جو مالوے پر ہوا تھا محمد خلجی نے سب لڑائیاں اپنی عملداری کے حدود کے باہر لڑی تھیں اور اس جنگجو بادشاہ کی مستعدی اور جفاکشی کی بدولت اس کی رعایا کو آرام و آسایش حاصل ہوا۔ اگرچہ وہ تقریباً ہمیشہ میدانِ جنگ میں رہتا تھا لیکن اُس کے سلیقے اور شان و شوکت نے اس کی قلمرو کے ہر ایک گوشے کو آسودہ حال اور بارونق بنا دیا تھا۔ اُن شاندار عمارات کے علاوہ جن کا ابھی تذکرہ ہو چکا ہے اس نے نلچا میں اور بہت سے محلات تعمیر[2] کرائے جن کے کھنڈرات ابھی تک موجود ہیں جو مانڈو سے

[1] آئین اکبری میں اس کا نام حسین خاں لکھا ہے اور اس میں یہ بھی درج ہے کہ حسین خاں کو اس کے جانشین محمد خلجی نے قید کر دیا تھا۔

[2] میں نے وہاں کے ایک محل کو درست کر کے موسم گرما میں رہنے کا مسکن بنا لیا۔ اس کے کمروں میں خار دار جھاڑیاں تھیں جن سے کمرے صاف کئے گئے اور ہمارے مزدوروں نے ایک شیرنی اور دو شیر کے بچے نکالے جنھوں نے اس شاہی محل کے تہ خانے کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔

چھ میل پر ایک کھلے ہوئے زرخیز علاقے میں نہایت خوب صورت شہر تھا جس کے قریب وہ پہاڑ اور غار ہیں جن سے یہ دارالحکومت مستحکم اور گھرا ہوا ہے۔ ۲۳

فرشتہ[1] اس بادشاہ کے خصائل کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ بادشاہ شایستہ، بہادر، عادل اور عالم و فاضل تھا۔ ہندو اور مسلمان اس کی حکومت میں یکساں چین کرتے تھے۔ اس کا یہ مسلک تھا کہ ہندو اور مسلمان دوستی اور صلح جوئی کے ساتھ آپس میں متحد اور متفق رہیں۔ اسے قدیم زمانے کی تاریخ اور مشاہیر کی سوانح عمری پڑھوا کر سننے میں خاص لطف آتا تھا (یہ مورخ لکھتا ہے) کہ جن لوگوں کے درمیان وہ رہتا تھا اُن کا کار آمد علم وہ تھا جس پر وہ فخر کرتا تھا اور جس میں اُسے ید طولیٰ حاصل تھا۔ متفقہ شہادتوں کی بنا پر اس میں کچھ شک وشبہ نہیں ہے کہ محمد خلجی کی حکومت کے زمانے میں مالوے کو بحیثیت سلطنت کے اعلیٰ ترین عروج حاصل ہو گیا تھا لیکن اس بادشاہ کو مسلسل انہماک کی زندگی میں چند سخت ہزیمتیں نصیب ہوئیں۔ اپنے امرا کی سازش کی بدولت ایک بار وہ اپنے تخت سے محروم ہو گیا تھا لیکن سلطان مظفر والی گجرات کی اعانت سے اُس نے اپنا شاہی تخت پھر واپس لے لیا۔ ایک اور موقع پر کھمبا رانا چتوڑ نے ۲۴ اُسے قید کر لیا تھا جس نے نہایت فیاضی کے ساتھ اُسے آزاد کر دیا اور اُس کی ریاست بھی واپس دے دی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چندیری۔ اسلام آباد۔ ہوشنگ آباد اور کرلا اس کے ممالک محروسہ میں تھے جن کے شمال میں کوہستان بڑا، مغرب میں سرحد گجرات اور

[1] مانڈو کے بادشاہوں کا حال بہت سی کتابوں میں ملتا ہے لیکن فرشتہ سے زیادہ مستند کوئی اور کتاب نہیں ہے اگرچہ دیگر مصنفین بالخصوص مآثر الامرا جیسی مشہور و معروف کتاب کے مصنف نے بھی ان کے کارناموں کو زیادہ تفصیل اور تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مشرق میں بندیل کھنڈ واقع ہیں۔ اس کی حکومت شمال میں ہروتی اور میواڑ تک تھی ہم نے اس بادشاہ کے حالات میں یہ بھی پڑھا ہے کہ اس نے چتوڑ۔ کملمیر اور دیگر ریاستوں کے راجپوت راجاؤں پر خراج لگا دیا تھا جس کی وصولی کے واسطے ان کی ریاستوں پر اس نے مختلف اوقات میں فوج کشی کی۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ اس نے ایک لاکھ فوج سے گجرات فتح کیا تھا۔ غالباً اس میں مبالغہ ہے لیکن اگر اسے باور ہی کر لیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ اس کے مصارف اس کی ریاست کی آمدنی سے کہیں زیادہ تھے اور اس سے ہم کو یہ نتیجہ ضرور نکالنا چاہئے کہ دیگر جنگجو بادشاہوں کی طرح اس کا خزانہ بیرونی فتوحات ہی کے باعث ہر سال لبریز ہو جاتا تھا۔ اگرچہ اس کی رعایا اسے عادل اور زبردست محافظ سمجھتی تھی لیکن قریبی شہروں کے باشندے اُسے لٹیرا، سفاک اور ظالم تصور کرتے تھے۔

۳۵

سنہ ۱۴۶۸ء

محمد خلجی کے جانشین غیاث الدین خلجی کی بابت کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے باپ کی جفاکشی اور شان و شوکت میں پرورش پائی تھی۔ شروع ہی میں حکومت اور اختیار سے اس کا جی بھر گیا اُس نے سلطنت کا سارا کاروبار دوسروں کے سپرد کر دیا اور خود عیاشی میں مبتلا ہو گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی حرم سرائے میں پانسو حسین و جمیل عورتیں تھیں لیکن بعض مصنفین نے مبالغے سے کام لے کر ان کی تعداد اس کی سہ چند بیان کی ہے۔ اس بادشاہ نے ۳۳ سال تک حکومت کی اور یہ اُس کے باپ کی دانائی اور جفاکشی کا زبردست ثبوت ہے کہ ایسے کاہل اور عیاش جانشین کے زمانے میں بھی مالوہ جیسی سلطنت میں کچھ کمی واقع نہیں ہوئی جس کے چاروں طرف نہایت سرکش پڑوسی تھے بعض مصنفین کا بیان ہے کہ غیاث الدین کی زندگی کا خاتمہ اس کے بیٹے نور الدین نے کر دیا۔ لیکن فرشتہ نے اس واقعے پر بہت بحث کی ہے اور اس کو ناممکن بتایا ہے لیکن مورخین نے اس بادشاہ کے جو حالات بیان کئے ہیں

اُن سے الزام کی تردید نہیں ہوتی ہے۔ وہ اگرچہ دلاور اور جفاکش تھا
مگر وہ اپنے جذبات شہوانیہ کا غلام بن گیا تھا اور اس کی عیاشی کے
ناپاک مناظر دیکھ کر ہندو اور مسلمان دونوں اس سے سخت متنفر تھے
اور اس کی موت (جو گیارہ سال کی حکومت کے بعد واقع ہوئی) کا باعث ۲۶
سرد غسل ہوا جو کثرت مے نوشی سے بخار آجانے کی حالت میں اُس نے
کیا تھا۔ بعض مستند اور واجب الاحترام مصنفین کا بیان ہے کہ اس نوجوان
شہزادے کی تخت نشینی کے روز مخمل کی جھولوں والے سات سو ہاتھیوں کا
جلوس مانڈو کی سڑکوں پر سے گذرا تھا اور صرف یہی ایک واقعہ اس امر کا
کافی ثبوت ہے کہ نور الدین نے باوجود اپنی بداعمالیوں کے اپنی سلطنت کی
دولت وحشمت بلاغل وغش اپنے فرزند محمود کے لئے چھوڑی تھی۔

محمود کی سلطنت کے امن وچین میں اُس کے بھائیوں کی سازشوں
سے فرق آگیا۔ ایک بھائی نے چندیری پر حملہ کر دیا[1] اسے اپنے خاندان کی
ان بغاوتوں کو رفع کرنے کے لئے اُسے اپنی ریاست کے راجپوت یا
ہندو سپاہیوں سے مدد لینی پڑی۔ اُس نے اپنی جان اور اپنی سلطنت کی
حفاظت کا کام اپنے وزیر مدنی رائے کے سپرد کر دیا جو راجپوت قوم
سے تھا۔ لیکن پھر اُسے بہت جلد اپنی غلطی محسوس ہوگئی اور اس نے
اپنی فوج کے ایک بڑے حصے کو برخاست کرکے اپنی اس غلطی کی
تلافی کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی وجہ سے اولاً بغاوت اور پھر
راجپوتوں اور مسلمانوں کے مابین جنگ شروع ہوگئی جس کے خطرات کے
سبب سے محمود نے گجرات بھاگ کر اپنی جان بچائی اور وہاں کے ۲۷

[1] بابر اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ دہلی کے سلطان سکندر اور سلطان ابراہیم نے
اس شہزادے کو ترغیب اور امداد دی اور محمد شاہ کے انتقال پر
سلطان ابراہیم نے اس کے بیٹے کو تخت سے اُتار کر اپنے ایک عہدہ دار متعینہ چندیری کے
سپرد اس سلطنت کو کر دیا لیکن پھر چتوڑ کے رانا نے اس سے چندیری کو لے لیا۔

فرمانروائے[1] نہایت کشادہ دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ اُس کا
خیر مقدم کیا۔ ایک فوج روانہ کی گئی جس نے کئی ماہ تک مانڈو کا محاصرہ
کرکے اس پر مغرور بادشاہ کو قابض کرادیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ
اس قابل یادگار موقع پر ۱۹ ہزار راجپوت (ان میں وہ راجپوت بھی
شامل ہیں جنھوں نے شکست کی ذلت پر موت کو ترجیح دی)
میدان جنگ میں مارے گئے۔ شاہ گجرات پھر اپنے ملک کو واپس گیا
اور تین ہزار سوار محمود کی امداد کے لئے چھوڑ گیا تاکہ محمود جنگ کر کے
ان ہندوؤں کی سرکوبی کرسکے جن کا قبضہ اس کی سلطنت کے ہر ایک
قلعے پر اُس کے غیر دانشمندانہ اعتماد کی بدولت ہوگیا تھا۔

اس امر کو باور کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ متذکرۂ بالا
بیان حرف بہ حرف صحیح نہیں ہے اور مسلمان مصنفین نے محمود کی
ان بدبختیوں کو دغابازی اور خاندانی تنازعات پر محمول کیا ہے
جن کا اصلی سبب رانا سنگا والی چتوڑ کی شجاعت اور قابلیت تھا
جو اس زمانے میں راجپوتوں کا ہی مسلمہ سردار تھا۔ بابر نے
تزک بابری میں شاہ محمود پر اس مشہور ہندو راجہ کی فتوحات کے
حالات درج کئے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ اُس نے شاہ محمود سے بہت سے
صوبے فتح کرلئے تھے۔ بابر نے اُن میں سے رانتھ گڑھ۔ سارنگ پور۔
بھیلسا اور چندیری کے نام بھی بتائے ہیں۔ بابر نے اپنی فتوحات کے
سلسلے میں لکھا ہے کہ میں نے چندیری اسی راجپوت راجہ سے لیا تھا۔

[1] بیان کیا جاتا ہے کہ مظفر خاں فرمانروائے گجرات نے محمود کو
اپنا آلۂ کار بنایا لیکن یہی صرف ایک مسلمان بادشاہ نہ تھا جس نے کہ
محمود کی دستگیری کی۔ فرمانروائے خاندیس اور متعدد دیگر مسلمان
بادشاہوں نے اُس اقتدار کو خاک میں ملانے کے واسطے اپنی فوجیں روانہ
کردیں جو ہندوؤں نے مالوے میں قایم کرلیا تھا۔

وہ کہتا ہے کہ "میں نے ۹۳۴ھ ہجری میں صرف چند گھنٹے محاصرہ کر کے چندیری فتح کر لیا۔ وہاں کا حاکم مندیری راؤ تھا جو رانا سنگا کا نہایت ممتاز عہدہ دار تھا۔ میں نے سب غنیموں کو تہ تیغ کر دیا اور مخالفین کے شہر کو ایک اسلامی شہر بنا دیا۔" حقیقت الامر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاندان خلجی کا زوال دیکھ کر راجپوتوں نے مالوے سے اپنی گئی ہوئی حکومت کو دوبارہ حاصل کرنے کے واسطے نہایت زبردست کوشش کی۔ مگر شاہان دہلی کے جدید خاندان کے اوج قسمت نے انھیں اپنے دلی مقصد کی تکمیل سے باز رکھا۔

محمود شاہ نے از سر نو اپنی حکومت قایم کرنے پر قدرے ترقی کی تھی جب کہ بدقسمتی سے اُس نے بہادر شاہ والی گجرات کے مفرور بھائی کو پناہ دی اور اپنی اس حماقت سے اس نے بہادر شاہ کو ناراض کر دیا جس کا انجام یہ ہوا کہ اُس کی جان گئی اور اُس کا خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔ بدنصیب محمود اور اُس کے بال بچے گرفتار کر کے پوار گڑھ کے قلعے میں قید کر دیے گئے۔ اور جب اس کی رہائی کے لئے کوشش کی گئی تو وہ بمقام دوحد قتل کر دیا گیا اور وہیں وہ دفن ہے۔ مرقومہ بالا واقعے کے بعد سے شاہان دہلی کے مالوہ فتح کرنے کے زمانے تک (یعنے ۳۷ سال تک) یہ صوبہ انقلابات کا منظر بنا رہا۔ ہمایوں نے بہادر شاہ کو نکال باہر کر دیا۔ لیکن جب ہمایوں بھاگ کر ایران چلا گیا تو خلجی حکومت کے ایک عہدہ دار ملو خاں نے سرکاری نائبوں کو سلطنت کا بیشتر حصہ اس کے حوالے کر دینے پر مجبور کر دیا اور خود سلطان قادر خاں مالوی کا شاہی لقب اختیار کر لیا۔ اور اس لقب کے اختیار کرنے سے اُس نے اپنے کو مالوے کا باشندہ بنا لیا۔ غالباً اُس کی یہ خواہش تھی کہ اس سے مالوے کے باشندوں کے دل میں اُن کے وطن کی آزادی کا جذبہ پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔ لیکن شیر شاہ کے حملہ آور ہونے پر وہ گجرات میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ شیر شاہ نے اپنے ایک قابل اور معزز سپہ دار

۳۹

۱۵۳۶ء

۱۵۴۲ء

شجاول خاں کو مالوے کی حکومت پر مامور کر دیا۔ اس امیر کا (جس نے
اپنی عظمت و جلال کی دیگر یادگاروں کے علاوہ شہر شجاعل پور
چھوڑا ہے جو اُس نے آباد کیا تھا) جانشین اُس کا فرزند ملو بایزید ۱۵۵۵ء
ہوا جس نے بعد میں باز بہادر کا لقب اختیار کیا اور تھوڑے عرصے تک
اُس نے ایک خود مختار حکومت قایم کر لی۔ اگرچہ وہ ایک بہادر سپاہی
تھا مگر وہ کاہل اور عیش کا بندہ تھا۔ وہ ایک ہندو حسینہ روپ متی[1] پر
عاشق ہو گیا۔ بادشاہ کے عشق نے اس قدر زور پکڑا کہ اس سے بہت سے ۴۰
احمقانہ حرکات و افعال سرزد ہوئے جو اس وقت تک مشہور قصوں اور
گیتوں میں بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن دہلی سے ایک فوج کے آجانے پر
باز بہادر اس خواب خرگوش سے بیدار ہو گیا۔ وہ بھاگ کر اسیر گڑھ ۱۵۶۰ء
کے صوبہ دار کے پاس پہنچا اور اُس کی اعانت اور برار کے مسلمان فرمانروا
کی امداد حاصل کر کے اُس نے دہلی کی شاہی فوج پر فتح حاصل کی اور
اُس کا سپہ سالار دہلی واپس جانے پر مجبور رہوا۔ لیکن یہ کامیابی صرف
تھوڑے عرصے تک قایم رہی کیونکہ دہلی کی ایک اور فوج نے اُسے ۱۵۶۱ء
اُس کے ملک سے نکال باہر کر دیا اور اس کے بعد جب اکبر بادشاہ نے
بذات خود مالوے پر حملہ کیا تو یہ جنگ درجۂ تکمیل کو پہنچ کر ختم ہوئی۔ مالوہ
جداگانہ سلطنت نہیں رہا بلکہ وہ سلطنت مغلیہ کا ایک صوبہ بنا دیا گیا۔ بعد میں ۱۵۶۷ء
اس میں ویسے ہی انقلابات اور تبدیلیاں ہوتی رہیں جس طرح کہ
سلطنت دہلی کے دیگر صوبوں میں ہوئی تھیں حتیٰ کہ اسے مرہٹوں نے فتح کر لیا۔

مالوے کے مسلمان بادشاہوں نے ایک زمانے میں نہایت زبردست قوت

---

[1] یہ مشہور عورت سہارن پور کی ایک رقاصہ تھی وہ اپنے حسن و جمال سے کہیں زیادہ اپنی فہم و فراست اور علمی قابلیت کے لئے مشہور تھی اس کے عاشق بادشاہ نے اپنی محبوبہ کے رہنے کے واسطے مانڈو میں ایک شان دار محل تیار کرایا تھا جس کے آثار ابھی تک موجود ہیں۔

حاصل کرلی تھی۔ ان کے سکوں سے جن میں سے بہت سے اب بھی دستیاب ہوسکتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے دستور کے موافق انھوں نے بھی جملہ مغرورانہ اور شان دار خطابات اور القاب حاصل کرلئے تھے۔ اب اس قدر مدت دراز کے بعد ان کی حکومت کی نوعیت صحت کے ساتھ معلوم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لیکن مانڈو[ا] کے شان دار آثار قدیمہ اور یہاں کے

۴۱

ا۔ ابھی بتادیا گیا ہے کہ اس شاندار شہر کی چار دیواری کا دور ۲۷ میل کا تھا میں نے اس شہر کے زمینداروں سے کاغذات حاصل کئے ان میں سے ایک بہت قدیم دستاویز میں اس شہر کی جملہ عمارات کی پیمایش کا حال درج ہے۔ یہ کاغذ نہایت دلچسپ ہے کیونکہ اس میں شہر کی جملہ عمارات عام۔ تالاب۔ دریا۔ پہاڑ اور رقبۂ مزروعہ کی ٹھیک ٹھیک پیمایش درج ہے اور اس سے ہم نہایت صحت کے ساتھ اس شان و شوکت اور عظمت کا اندازہ کرسکتے ہیں جو اس شہر کو حاصل تھی۔

تفصیل پیمایش مربع بیگھوں میں

قلعۂ مانڈو

ٹیکازر	۲۵۵۵ مربع بیگھے
حمام	۴۰۰ 〃
پہاڑیاں	۲۳۵۰ 〃
باغات و باغیچے	۳۶۳ 〃
مساجد	۷۰۵ 〃
خورد و کلاں کنویں	۳۱۰ 〃
شاہی محلات	۵۰۰ 〃
سرائیں اور مسافر خانے	۲۰۵ 〃
لال باغ (شاہی باغ)	۲۰۰ 〃
بازار کی ۱۲ سڑکیں	۱۲۷ 〃
ساگر تالاب	۹۱۰ 〃
حوض خرد	۲۶۳ 〃
آبادی	۲۲۵۸ 〃
رقبۂ مزروعہ	۸۴۵ 〃
انعامات بنام زمینداران	۱۲۵ 〃

میزان ۱۱۴۱۲ مربع بیگھے

مگر چونکہ پورا یا مضافات جو نیا ہیری اور نندلا بھی شہر کی چار دیواری کے اندر ہے جس کا رقبہ ۲۲۵۸ مربع بیگھے تھا اسے مذکورۂ بالا میزان میں شامل کر دینے سے چار دیواری کے اندر کی اراضی کا رقبہ ۱۳۶۷۲ مربع بیگھے ہوا اس میں چار دیواری کے ۲۸۳۸ بیگھے اور سوتی گڑھ کے ۵۰۰ بیگھے اور ملا دینے سے کل رقبہ ۱۷۰۱۲ مربع بیگھے ہوتا ہے لیکن مالوے کا بیگہ چونکہ ۶۰ مربع گز کا ہوتا ہے اس لئے مانڈو شہر کا رقبہ ۱۲۶۵۴، ایکڑ ہوا۔

بہت سے ویران قصبات اور دیہات کے دیکھنے سے ثابت
ہوتا ہے کہ ان کی حکومت کے زمانے میں اُس صوبے کو بہت کچھ
عروج اور مرفہ الحالی حاصل ہوگئی تھی۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ
انھوں نے اپنے قرب و جوار کے راجپوت راجاؤں اور رؤسا ۴۲
کو کبھی بھی پورے طور پر مغلوب نہیں کیا تھا۔ اس نسل کے
نہایت دانشمند اور بہادر فرمانرواؤں نے ان سورما ہندوؤں
کے ساتھ شاہان دہلی کی حکمت عملی پر عمل کیا اور اُس نے ان کی
برائے نام اطاعت۔ قدرے خراج اور گاہے ماہے فوجی خدمات
پر اکتفا کیا اور یہ بات راجپوتوں کی اس حالت سے ثابت ہوتی
ہے جس میں کہ وہ اُس وقت ظاہر ہوئے جب کہ مسلمان بادشاہوں
کی کمزوری یا شرارت نے انھیں مقابلہ کرنے کے واسطے شہ
دی یا آمادہ کیا۔

راجپوتوں کا مفصل حال پھر بیان کیا جائے گا جو صوبۂ مالوہ
میں بہ کثرت آباد ہیں لیکن سردست صرف اس قدر کہہ دینا
کافی ہے کہ اس صوبے کے بہت سے راجپوت فرقے رام چندرجی
کی اولاد ہونے پر نازاں ہیں اور اس وجہ سے انھیں سورج
بنسی کہتے ہیں اور دیگر راجپوت فرقے پوراوسی تک اپنا سلسلہ
ملاتے ہیں اور وہ چندر بنسی کہلاتے ہیں لیکن بعض مصنفین انھیں ۴۳
چھتری بھی نہیں کہتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ وہ نسل اس یوگ
یا زمانے میں ناپید ہے لیکن راجپوتوں نے عرصۂ دراز تک
حکومت کر کے بہت کچھ اعزاز اور ناموری حاصل کرلی ہے۔
ان کے اہل وطن استعارے اور خوشامد کے طور پر انھیں
ہندوؤں کی تلوار کہتے تھے۔ ایسے لوگوں کو رام کرنا کچھ آسان
کام نہ تھا اور اگرچہ مسلمانوں کی فتوحات سے پیشتر اور بعد
بھی وہ آپس کی نزاعات کے باعث ہزاروں چھوٹی چھوٹی ریاستوں

میں تقسیم ہو گئے تھے جن میں بھائی بھائی سے لڑتا رہتا تھا تاہم اُن کا ہر ایک فرد سپاہی تھا جو ذلت پر موت کو ترجیح دیتا تھا اور اگرچہ وہ ملازمت کے لئے فوراً تیار ہو جاتا تھا مگر دنیا کے کسی بادشاہ کی غلامی ہرگز گوارا نہ کرتا تھا۔ انھیں نہایت مقدس مذہبی کتابوں سے اُن کے فرائض سکھائے جاتے تھے۔ چنانچہ کرشن جی[1] اوتار نے ارجن کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ "چھتریوں کی قوم پر جنگ سے افضل کوئی اور بات فرض نہیں ہے۔ اے سپاہی! تو دیوتاؤں کا محبوب ہے۔ اس جیسی جنگ میں مصروف ہو جا۔ اگر تو مارا جائے گا تو تجھے بیکنٹھ ملے گی اور اگر تو زندہ رہے گا تو دنیا کی نعمتوں سے لطف اٹھائے گا۔"

ہندوستان کے مسلمان فاتحین کی حکومت کی نوعیت ایسی نہیں تھی جس سے کہ راجپوتوں کی اسپرٹ مغلوب ہو جاتی۔ اگر اُن کی یہ حکمت عملی بھی ہوتی مگر اُن کا تو یہ مسلک ہی نہ تھا۔ لیکن اپنی کامیابی کے آلات کے رشک و حسد کی وجہ سے جو خود مختار بادشاہوں کے یہاں لازمی ہے وہ ہندو راجپوتوں کو اپنے یہاں ملازم رکھنے پر آمادہ ہو گئے تاکہ شریر سپاہیوں اور خود غرض امرا کی روک تھام ہو سکے اس قوم کے راجاؤں پر بہت ہلکا بار ڈالا گیا۔ اُن کے ساتھ سلطنت کے ولی عہد جیسا برتاؤ کیا جاتا تھا اور اُن کے نہ صرف رشتہ داروں بلکہ ملازمان کو بھی مرتبہ، عزت اور دولت سے سرفراز کیا گیا لیکن اُس حسن سلوک نے جو امن قایم کر دیا تھا اُس میں کبھی کبھی رخنہ اندازی پیدا ہو جاتی تھی اور ہم کو معلوم ہے کہ بعض ابتدائی مسلمان بادشاہوں اور راجپوتوں کے مابین نہایت خونریز لڑائیاں ہوئی ہیں لیکن

۴۴

[1] بھگوت گیتا۔

مسلمان امرا کی سرکشی اور بغاوتوں کے مقابلے میں راجپوتوں نے شاذ و نادر ہی بغاوت اور سرکشی کی اور بعض نہایت مغرور راجپوت راجہ خاندان تیموریہ کی اطاعت کیشی اور فرماں برداری میں اپنے مذہب اور رسم و رواج کو بھول گئے اور جو عیش و عشرت اُن کو میسر ہوا تھا اس سے وہ اس قدر کمزور ہو گئے اور جو شوکت و عظمت انھیں حاصل ہو گئی تھی اُس سے اُن کی نظر اس درجہ خیرہ ہو گئی کہ وہ شاہی حرم سرائے میں اپنی لڑکیوں[1] کو داخل کرنے پر نہ صرف رضا مند ہوئے بلکہ اسے اپنے حق میں فخر اور عزت افزائی کا موجب تصور کرنے لگے۔ لیکن وہ اس بات کے ضرور مدعی تھے کہ مسلمان بادشاہ ہمیں بہادر اور وفادار سپاہی تصور کر کے ہمارے حال پر شفقت اور نوازش فرماتے ہیں اور اس کی وجہ سے ہندو راجاؤں۔ رئیسوں اور حکام کو سلطنت کے مختلف حصوں میں بہت سے معزز اور ذمہ دار عہدے مل گئے اور عموماً اُن کی خدمات کے صلے میں انھیں جاگیرات عطا کی گئی تھیں۔ اور اسی وجہ سے مالوے میں چند خاص راجپوت خاندانوں کی حکومت قایم ہو گئی جنھیں جے پور۔ جودھ پور اور اودے[2] پور کے

٤٥

---

[1] لیکن ہندو مصنفین اس فعل کو باعث ذلت سمجھتے ہیں اور ہیں نے جے سنگھ جی کے ایک قلمی نوشتے میں خود دیکھا ہے کہ وہ اس پر فخر کرتا ہے کہ میرے ایک بزرگ نے بڑی مصیبتیں برداشت کیں مگر وہ اس شرمناک رواج پر عمل پیرا ہونے پر راضی نہیں ہوئے اور رانا اودے پور بھی اس پر نازاں ہے جو اس فرقے کے نہایت معزز خاندان سے تھا کہ ہمارے گھر کی کسی لڑکی کی شادی مغل شہزادے سے نہیں ہوئی۔

[2] مالوے کی ابتدائی تاریخ میں اودے پور کے راجہ فرمانروائے

راجاؤں میں سے کوئی نہ کوئی اپنے اثر سے اُن کی دست گیری کرتا رہتا تھا۔

جب کہ مرہٹوں نے مالوہ فتح کیا اُس وقت وہاں کی اندرونی حکومت کی نوعیت بیان کرنے کے واسطے ہندو راجاؤں کے چند بزرگوں کے حالات بیان کرنا غالباً سود مند ثابت ہوگا اور بطور مثال کے ہم راگھو گڑھ۔ جھوآ اور رتلام کے چھوٹے راجاؤں کو منتخب کرتے ہیں۔ راگھو گڑھ کے راجا کچی راجپوت فرقے سے تھے اور وہ پرتھی راج[ا] فرمانروائے دہلی کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے اولاً وہ مالوے میں بہ مقام گنگور[۲] آباد ہوئے　۴۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) چتوڑ بیان کئے گئے ہیں اور اس لقب سے وہ اس وقت تک مشہور رہے جب کہ ۱۵۶۷ء میں اکبر نے وہ مشہور و معروف قلعہ تسخیر کیا اور اس کے بعد وہ مقام ان کا دار الحکومت نہیں رہا۔

[ا]۔ ہندوؤں کی تاریخ میں پرتھی راج کے حالات بہت تفصیل سے درج ہیں اور ہند کے مسلمانوں کے مقابلے میں بہ حیثیت ہندو راجہ اور سردار کے اُس کی فتوحات کے کارنامے بڑے ذوق و شوق سے گائے گئے ہیں۔ اُس کی شہرت کا تذکرہ صرف روایات اور افسانوں ہی میں درج نہیں ہے بلکہ اس راجہ کی مدح میں بہت سے قصیدے کہے گئے ہیں ازاں جملہ ایک قصیدہ ایک شاعر کا لکھا ہوا ہے جو اس کے جملہ کارناموں میں اُس کے ہم رکاب تھا۔ یہ قصیدہ نہ صرف شاعری کے لحاظ سے اعلےٰ درجے کا ہے بلکہ اس میں بہت سے تاریخی واقعات درج ہیں اور یہ بات تو میرے علم میں بھی ہے کہ آج کل کے بہت سے راجپوت رئیس اس قصیدے کے مندرجہ واقعات کو مسلمہ واقعات اور اپنے بزرگوں کے کارنامے تصور کرتے ہیں۔

[۲]۔ اس قلعے میں انھوں نے ۱۲ برس تک شہنشاہ سکندر کی فوجوں کا مقابلہ کیا تھا۔

لیکن غریب داس کے زمانے تک انھیں بہت کم عروج اور
اختیارات حاصل ہوئے تھے جوان کے اجداد میں سے تھا اور
جس نے اکبر کے یہاں بہت عروج پایا تھا جس نے اُسے
ملتان کا صوبہ دار بنایا تھا اور اُس کی خدمات کے صلے میں
سرونج اور اُس کا ملحقہ علاقہ بطور جاگیر کے عطا فرمایا تھا
اس رئیس کا بیٹا لال جی تھا جس نے راگھوگڑھ آباد کیا جو ان
کا صدر مقام بن گیا اور اُس کا پوتا بل بھدر سنگھ جو صاحب اقتدار
اور مشہور و معروف شخص تھا وہ اس مقام کا فرمانروا تھا جب کہ
مرہٹوں نے پہلی بار مالوے پر حملہ کیا تھا۔

جبوآ کے راجہ اپنے کو جودھ پور کے راٹھور راجاؤں
کی نسل سے بتاتے ہیں اگرچہ اُن کے موجودہ نمایندے کا
نسب مشتبہ ہے۔ اس خاندان کے بعض افراد کی شریفانہ
عادات و خصائل کی بدولت انھیں شاہان مغلیہ کی ملازمت
میں رسوخ حاصل ہوگیا تھا۔ چنانچہ بھوجنجی دہلی کی چار ہزاری
فوج کا سپہ دار تھا اور اُس کا بیٹا کشن داس شہزادہ علاؤالدین[1]
کی خدمت گزاری پر مامور ہوا تھا اور اس شہزادے کے
تخت نشین ہونے پر وہ اس کا مقرب خاص بن گیا تھا اور
کشن داس نے ڈھاکے کو از سر نو فتح کرنے میں جس پر ایک باغی
صوبہ دار نے قبضہ کر لیا تھا اپنے آقا کی ایسی شاندار خدمات
انجام دیں جن کے صلے میں اُسے پانچ مواضعات ہندوستان
میں اور دس اضلاع مالوے میں بطور جاگیر کے عطا کئے گئے
وہ صوبۂ مالوے میں صرف چند سال ہی رہنے پایا تھا کہ واقعات
نے اُس کے مقدر کو اور زیادہ چمکایا۔ اُس کے نام دہلی سے

[1] مغلوں میں شہزادہ علاؤالدین کوئی نہیں (مترجم)۔

یہ حکم صادر ہوا کہ صوبہ دار گجرات کے خاندان اور اُس کے
ساتھیوں کے قتل کا انتقام لو جن کو جبوا کے بھیل راجہ سکھا نایک
اور دھولیا کے راجپوت راجہ چندر بھان نے لوٹا اور قتل کیا
تھا۔ اگرچہ کوئی فوج ان بدمعاش غارت گروں کی سرکوبی
نہیں کر سکتی تھی جو کہ اپنے ناقابل تسخیر ملک میں نہایت طاقتور
تھے اور انھوں نے عرصۂ دراز تک باقاعدہ حملوں سے اپنی
مدافعت کی تھی لیکن کشن داس نے اپنی حکمت عملی اور شجاعت
سے انھیں اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا تھا۔
وہ گجرات سے سوداگر اسپان کا بھیس بدل کر جبوا آ
پہنچا اور رئیس کے ہاتھ چند اعلیٰ درجے کے گھوڑے ارزاں قیمت
پر فروخت کر دیے اور اپنی مصنوعی شکر گزاری ظاہر کرنے
کے لیے اس رئیس کی دعوت کی۔ رئیس نے اس دعوت کو
قبول کر لیا۔ حسب معمول خوب خاطر و مدارات کی گئی اور اسی
مقام پر سکھا نائک اور اُن کے سب ساتھی قتل کر دیے گئے
اور اُن کے قلعے پر قبضہ کر لیا گیا۔ بادشاہ نے ان خدمات
کا یہ صلہ دیا کہ ریاست جبوا اُسے جاگیر میں دے دی اور
بہت سے علم و نشان اور معزز خطاب عطا کیے گئے جن کے
باعث مالوے کے ہندو رئیسوں میں اس کا مرتبہ بہت زیادہ
بلند ہو گیا اور مرہٹوں کے حملے ہونے کے وقت تک
یہ خاندان یہاں پر قابض رہا البتہ چھوٹی ریاستوں کی طرح
اس میں بھی بہت سے معمولی انقلابات ہوتے رہے۔ اس
زمانے سے پیشتر ہی اس جاگیر کے بہت سے حصے بخرے ہو گئے
تھے (جن میں سے ایک امجھرا بھی تھا) چونکہ عام طور پر اس قوم　　۴۸
میں یہ دستور ہے کہ خاندان کی چھوٹی شاخوں کے گذارے
کے واسطے چند اضلاع علٰحدہ کر دیے جاتے ہیں۔

رتن سنگھ ولد موہن داس نے جو راجہ جودھ پور کے خاندان سے تھا اپنی شجاعت اور شرافت نسبی سے شاہ جہاں بادشاہ کی نظر میں ایسی وقعت حاصل کی کہ اُس نے رتن سنگھ کو رتلام[1] سیلانہ اور اُس کے قریبی اضلاع بطور جاگیر کے عطا فرما دیے۔ یہ راجا اجین کے قریب مارا گیا جہاں پر اُس نے بڑی شجاعت اور دلیری کے ساتھ اورنگ زیب[2] کی فوجوں کا مقابلہ کیا تھا جب کہ اس نے اپنے پدر بزرگوار کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ شاہ جہاں نے رتن سنگھ کی نمک حلالی کا یہ صلہ دیا کہ اُس نے وہ علاقے اس کی اولاد کو بطور جاگیر کے عطا کر دیے جو بیشتر فوجی خدمات کے معاوضے میں اُن کی جائداد تھے۔

مرہٹوں کے حملے کے وقت یہ خاندان اپنے علاقے پر قابض رہا لیکن راجپوتوں کے رسم و رواج کے بموجب چھوٹے بیٹوں کے گذارے کے واسطے چند اضلاع علیحدہ کر دیے گئے۔ سیتا مئو، سیلانہ، کچھی برود اور ملتان کے راجا رتن سنگھ کی اولاد سے ہیں۔ اس خاندان کا بڑا بھائی شہر اور ریاست رتلام کا مالک ہے اور اس خاندان کی چھوٹی شاخیں اُس کی اطاعت اور اُس کا احترام کرتی ہیں۔

ان مثالوں سے (اور ایسی دیگر بہت سی مثالیں موجود ہیں) پورے طور پر اُس اثر و اقتدار کی بنا اور نوعیت ثابت ہوتی ہے جو بہت سے راجپوت رؤسا کو صوبۂ مالوے میں حاصل تھا۔ اُن وجوہ کا بہ آسانی سراغ لگایا جا سکتا ہے جن کی بدولت اس

49

[1] ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اس ضلع کا موجودہ صدر مقام آباد کیا تھا اور غالباً اُس نے اس جگہ کو اپنا مسکن بنا کر گاؤں سے شہر بنا دیا تھا۔
[2] ۔ برنیر نے اس واقعے کے متعلق خاص حالات تحریر کئے ہیں۔

طاقتور فرقے کے بعض افراد نے خاندان تیموریہ سے بے وفائی اختیار کی جس کے وہ عرصۂ دراز تک مطیع اور تابع فرمان رہے تھے۔

اکبر بادشاہ نے اپنی ہندو رعایا کے ساتھ جیسی رواداری اور حسن سلوک کی مثال قائم کی تھی اُس کی تقلید اکبر کے قریبی جانشین کرتے رہے۔ وہ اپنی رعایا کے ساتھ حسب معمول رواداری کا برتاؤ کرتا رہا۔ اس بادشاہ کے شہرۂ آفاق مگر بدنصیب فرزند اکبر دارا شکوہ نے ایک کتاب لکھی جس میں اُس نے آنحضرت صلعم اور برہما کے احکام کو آپس میں منطبق کرنے کی کوشش کی اور اس کے بھائی بھی بجز اورنگ زیب کے مذہبی تعصب سے پاک اور مبرا تھے جس کی علمی فضیلت اور کارنامے زندگی کے اسباق اس کثرت کے ساتھ پیش کرتے ہیں جو کسی فرمانروا کی زندگی نے آج تک نہیں پیش کئے ہیں۔ اُس کی محمود اور مذموم کارروائیوں کا موازنہ کرنے یا اس امر کا فیصلہ کرنے کے بدوں کہ آیا وہ اس عظیم الشان ناموری کا مستحق تھا یا اپنے طویل زمانۂ حکومت میں ہر ایک زبردست کارنامے کی تکمیل اُسی نے کی تھی یا اس میں اُس قوت کا فقدان تھا جو ایسے لوگوں میں موجود ہوتی ہے جو کارہائے نمایاں قدرتی طور پر انجام دیا کرتے ہیں ہم اس کی کارروائیوں پر جو اُس نے اپنے خودغرضانہ ارادوں کی تکمیل کے واسطے اختیار کی تھیں یہ رائے زنی کر سکتے ہیں کہ ابتدا میں اُس نے نہایت سرگرمی کے ساتھ اسلامی عقاید کی حمایت کی۔ اُس کا یہ طرز عمل اُس کے بھائیوں اور مدعیان تخت شاہی کے طرز عمل سے بالکل مختلف تھا۔

اور صرف ایک واقعے ہی سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے
کہ اپنی دنیوی ضروریات ہی سے اورنگ زیب نے اپنے
بھائیوں اور مدعیان سلطنت سے لڑائیاں لڑی تھیں اس
لئے اپنی بُت پرست رعایا کو پوری آزادی عطا کر دی ہم نے
اُس کی حکومت کے ابتدائی دور میں دیکھا ہے کہ وہ اپنی ہندو
رعایا کے ساتھ اگر زیادہ نہیں، تو مسلمان رعایا کے برابر حسن سلوک
کیا کرتا تھا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ بھی اس کی حکمت عملی
کا نتیجہ تھا۔ لیکن خاندان تیموریہ کو ان خطرات سے بچانے ۵۱
کے واسطے جو اُسے درپیش تھے یہ تنگ نظری کی حکمت عملی
ہرگز کافی نہ تھی کیونکہ ہر ایک خرابی کا دفعیہ اس مسلک پر
عمل پیرا ہونے سے نہیں ہو سکتا تھا۔ البتہ اس کی قوت
دانشمندی اور استقلال ہی سے قایم رکھی جا سکتی تھی جو حقیقی
نیک نیتی اور فراخ دلی پر مبنی ہوتا اور اُس کی رو سے عارضی
فائدے کو خواہ وہ کیسا ہی دل فریب کیوں نہ ہوتا ترک کرنا پڑتا
اور یہ صرف اسی حالت میں حاصل ہو سکتا تھا جب کہ سلطنت
کے عام مفاد کے متعلق لازمی اصولوں سے روگردانی کی جاتی۔
اورنگ زیب کے زمانے میں سرکاری مالگذاری بہت کم ہو گئی
اور اپنے خزانے کو بدنیتی کے ساتھ پُر کرنے کے لئے اس
بادشاہ سے ایک ایسی کارروائی منسوب کی جاتی ہے جو (اگرچہ
ناکام رہی کیونکہ اس پر پورے طور پر عملدرآمد ہو ہی نہیں سکتا
تھا) کہ اُس کی رعایا کا بیشتر حصہ اُس سے بیزار اور بے وفا ہو گیا۔
جسونت سنگھ راجہ جودھ پور کی تحریر بنام اورنگ زیب[۱] جو ایک ۵۲
دلیرانہ پُرجوش درخواست تھی، وہ اس کارروائی کے متعلق

---

[۱] ۔ ایشیاٹک مسلمینی کے متعدد اصلی اور لفظی تراجم موجود ہیں۔

ایک تاریخی سند ہے جو اس وقت تک محفوظ ہے۔

اس ہندو راجہ نے اسے یاد دلایا ہے کہ اکبر اعظم۔ جہانگیر اور آپ کے پدر بزرگوار شاہجہاں کا طرزِ عمل اس کے بالکل برعکس رہا ہے اور آپ کو لوگوں کے عقاید کے لحاظ سے محصول وصول کرنے کا ہرگز ارادہ نہ کرنا چاہیے اور زاہدوں اور گوشہ نشینوں پر اُن کے مذہبی عقیدے کی بنا پر کوئی محصول عاید نہیں کرنا چاہیے اور پھر تحریر کیا ہے کہ "اگر حضورِ عالی کو ان کتابوں پر کچھ اعتقاد ہے جو ربانی کہلاتی ہیں تو حضور کو اُن کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ قادر ذوالجلال رب العالمین ہے صرف رب المسلمین ہی نہیں ہے اُس کی نظر میں مسلم اور غیر مسلم یکساں ہیں۔ رنگ کا اختلاف بھی اُسی نے پیدا کیا ہے۔ وہی ہر شے کا خالق ہے۔ آپ کی مساجد میں اُسی کا نام لے کر عبادت کے واسطے بلایا جاتا ہے۔ بُت خانوں میں گھنٹہ بجایا جاتا ہے لیکن ہم اُس کی پوجا کرتے ہیں اس لئے دوسرے لوگوں کے رسم و رواج یا مذہب کی تذلیل کرنا قادرِ مطلق کی خوشنودی کی مخالفت کرنے میں داخل ہے۔"

سب ہندوؤں کے دل میں اسی قسم کے خیالات اور جذبات عام طور پر موجزن ہوگئے اور انھوں نے باہمی نزاعات کو اپنے دل سے بھلا دیا۔ کیونکہ اخلاقی اور جسمانی دنیا کا یہ قانون معلوم ہوتا ہے کہ سخت گیری مخالفت اور ردِ عمل پیدا کردیتی ہے لیکن یہاں پر بہت سے اسباب جمع ہوگئے تھے جو ہندو فرمانروا تختِ دہلی کے ماتحت تھے وہ اپنے فاتحین کی بیجد نوازش اور رواداری اور سلطنت کی دولت اور عزت میں حصہ دار ہونے کی وجہ سے اپنی موجودہ حالت پر راضی اور خوش تھے اور تیمور کی اولاد کی زبردست طاقت کا خیال کرکے

۵۳

بغاوت کرنے سے احتراز کرتے تھے لیکن جب اُس قوت میں
ضعف آنا شروع ہوا اور ہر طرف نئے دشمن پیدا ہونے
لگے تو پھر اُن کے لیے حس تعصب میں بھی ہیجان پیدا ہو گیا۔
اس لئے ہم کو یہ معلوم کر کے کچھ استعجاب نہیں ہوتا ہے کہ
جے پور۔ مارواڑ۔ میواڑ اور مالوے کے راجپوت راجاؤں
اور رؤسا نے شاہان دہلی کی کمزوری دیکھ کر اور اپنے
نقصانات کے خیال سے برافروختہ ہو کر سلطنت کی حسب معمول
مدافعت کرنے کے بجائے خفیہ یا علانیہ مرہٹہ حملہ آوروں کی
اعانت اور حمایت کی جن کے اول حملۂ مالوے کی بابت ہر ایک ہندو
اور ایرانی مورخ کا بیان ہے کہ مرہٹوں کا بالکل مقابلہ نہیں
کیا گیا اور اس امر کے ثبوت میں بہت سی شہادتیں موجود ہیں
کہ مرہٹوں نے اس موقع پر اپنی کامیابی کو مذہبی جذبات
پر مبنی کیا ہے۔

۵۴

جے پور کے نامور راجہ جے سنگھ نے (لیکن غالباً بغیر ارادے
کے) فی الحقیقت مرہٹوں کی فتوحات مالوے و ہندوستان میں
بہت زیادہ اعانت کی تھی اس راجہ اور اول باجی راؤ کے
مابین جو خط و کتابت ہوئی تھی اگر وہ دستیاب ہو جائے تو
اس سے اُس زمانے کی تاریخ پر کافی روشنی پڑے گی۔[1] کہا جاتا ہے
کہ یہ خط و کتابت ایک مراسلے سے شروع ہوئی تھی جو اُس
زمانے اور فریقین کی خدمت کے موافق تھی۔ سلطنت مرہٹہ

---

[1] کئی قابل مرہٹوں نے مجھ سے یہ روایت بیان کی اور اُن سب کا متفقہ
بیان تھا کہ ہم کو اس کے مستند ہونے میں کچھ شبہہ نہیں ہے۔ ہندو راجاؤں
میں مذہبی اشلوک بھیج کر اپنے خیالات کا اظہار کرنا عام بات تھی۔ اور اس طور پر
جو درخواست کی جاتی تھی اُس کی نوعیت خفیہ اور مذہبی بن جاتی تھی۔

کے فرمانروا نے پوران کی ایک نظم جے سنگھ کے پاس روانہ کی ہیں
کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:۔
"تو بادل کی مانند ہے جو سمندروں کا پانی پیتا ہے اور
پھر وہی پانی بجلی کی گرج کے ساتھ زمین پر آتا اور اسے زرخیز
بنا دیتا ہے۔ اندر دیوتا سے خوفزدہ ہو کر پہاڑ تیرے پاس
پناہ لینے آتے ہیں تو وہ سمندر ہے جہاں سے خواہشات کا
درخت پیدا ہوتا ہے۔ تیری گہرائی کون بنا سکتا ہے۔ مجھ میں
اس سمندر کی گہرائی بیان کرنے کی قوت نہیں ہے لیکن اپنے
ہر ایک کام میں اگستیا منی کو ضرور یاد رکھنا" ہندو روایات
کے بموجب اگستیا منی نے سمندر[1] کو پی لیا۔ اس مراسلے میں
استعارے میں بتا دیا گیا ہے کہ برہمنوں کی حکومت کی مخالفت
کرنے کا کیا انجام ہوگا۔ جے سنگھ نے بھی اسی مذہبی کتاب میں سے
حسب ذیل جواب دیا کہ:۔
اگر برہماجی کی اولاد میں کوئی گناہ کرے گی تو میں اسے
معاف کر دوں گا اس وعدے کو میں واجب الاحترام سمجھتا
ہوں؛ اگستیا منی کا سمندر پی جانا کچھ کارآمد نہیں تھا لیکن
اگر ایشور ان دیواروں کو منہدم کر دے جن سے وہ سمندر
قایم ہے تو ساری دنیا تباہ ہو جائے۔ اور تب اگستیا منی کا
کیا حشر ہوگا؛
ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ سمندر دیواروں سے محیط ہے
زمین پر دیواریں گرا دینے کے جو نتائج بتائے گئے ہیں ان کا

[1] ہندو روایات کے بموجب اگستیا منی نے دودھ کے سمندر کو پی لیا تھا
تاکہ دو دیووں کو مار ڈالنے میں جنھوں نے وہاں پناہ لی تھی دیوتاؤں
کی اعانت کریں۔ (وارڈ جلد چہارم صفحہ ۳۲)۔

مخاطب برہماجی کا ایک فرزند ہے جس کا فرض زمین کو قائم رکھنے نہ کہ تباہ کرنے کا ہے اور اس لئے یہ نہایت موزوں اور مناسب حال تھا۔ لیکن اس مغرور راجپوت نے اگرچہ خود ترغیب دی اور دست گیری بھی کی لیکن مرقومۂ بالا جواب سے اُس کی غرض باجی راؤ کو اُن خطرات سے آگاہ کرنے سے تھی جو عرصہ دراز کی قایم شدہ سلطنت کو تباہ کرنے کی کوشش سے رونما ہوں گے۔

یہ واقعات نہ صرف اس لئے اہم ہیں کہ ان سے تاریخی حالات معلوم ہوتے ہیں جن سے مرہٹوں کی سلطنت اولاً مالوے ۵۶ میں قایم ہونے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے جس کی حفاظت اور مدافعت کلیتًہ راجپوتوں کے سپرد تھی بلکہ ان سے وہ اثر بھی ظاہر ہو جاتا ہے جو اس توہم پرست اور جنگجو قوم کے مذہب پر حملہ کرنے سے پڑا تھا۔ اسی کی وجہ سے انھوں نے مرہٹہ ڈاکوؤں کا اپنے گھر پر خیر مقدم کیا اور اس وقت سے جو مصیبتیں اور تکالیف انھوں نے برداشت کی ہیں اُن سے اُن خاص وجوہ اور اسباب کی یاد اُن کے دل سے محو نہیں ہوئی ہے جو اس بغاوت کا باعث ہوئے تھے۔ مسلمان بادشاہوں نے اُن کی جیسی قدردانی کی اور اُن پر نوازشات کی ہیں انھیں وہ دلی شکر گزاری کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ان قومی افسانوں میں اُن کی کمزوریاں نہیں بتائی جائیں بلکہ جوش پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اُن میں اُن بہادروں کی تعریف کی گئی ہے جنھوں نے ظالموں کی مسجدوں کو مسمار کر دیا اور اُس زمین کو اس عبادت سے پوتر اور شادہ کر لیا جو وہاں عرصہ دراز تک ہوئی تھی۔ مالوے کے ہندوؤں میں یہ ۵۷ روایت رائج ہے اگرچہ وہ قابل تعریف نہیں ہے اور یہ جذبہ

بڑے زور کے ساتھ موجود ہے اور اس سے ہمارے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ مرہٹوں کی حکومت اپنے یہاں طلب کرکے اس صوبے کے لوگوں نے اپنی تباہی خود مول لی جنھوں نے صرف اُن کی ترغیب اور امداد ہی کی وجہ سے مالوے پر حملہ کیا تھا۔

تیسرا باب

مالوے پر مرہٹوں کا حملہ

مالوے میں مرہٹوں کی ابتدائی فتوحات کے جو حالات لکھے گئے یا شایع ہوئے وہ نہایت معمولی اور مبہم ہیں ان میں صرف حملوں اور فتوحات کی تاریخیں درج ہیں اور وہ بھی نامکمل اور غلط ہیں۔

شہنشاہ اورنگ زیب کا دور حکومت شروع ہونے کے وقت سے مسلمان مورخین نے ایسی شرح وبسط کے ساتھ مفصل حالات لکھنا ترک کر دیے جیسے کہ انھوں نے اس سے پیشتر سلطنت مغلیہ کے نہایت شاندار اور کامیاب زمانے کے حالات تحریر کئے ہیں کیونکہ یہ مضمون اُن کے لئے چنداں دلچسپ نہیں تھا اس وجہ سے انھوں نے مرہٹوں کی کامیابی کے حالات دیانت داری کے ساتھ نہیں بیان کئے ہیں اور اس کسر کو ہندو مورخین نے بھی پورا نہیں کیا۔ ہندو مورخین اور بالخصوص مرہٹوں نے بھی اپنی فتوحات کا کوئی ذخیرہ نہیں چھوڑا ہے۔ اس معاملے میں وہ اپنے زمانے کے رسم ورواج کے غلام تھے۔ عام مصنفین نے البتہ صرف اس قدر کوشش کی ہے کہ اپنے خاندانی

معاملات یا اپنے زمانے کے حالات خطوط کی شکل میں تحریر کئے تھے اور وہ یا تو ضائع ہو گئے یا اُن کی یادداشت فراموش کردی گئی۔ زیادہ تر لائق ہندو صرف مذہبی کتابیں یا دیوتاؤں کے قصے پڑھتے ہیں اور اگر کبھی وہ کچھ لکھتے ہیں (کسی راجہ یا رئیس کی خوشامد کے واسطے) تو اس میں وہ ان مبالغہ آمیز روایات[1] کا اتباع کرتے ہیں اور انھیں کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ وہ اپنی قوم کے کارناموں کی شہرت کے لئے تاریخی حیثیت سے کوئی کتاب مدون کریں اور اس میں اپنے فرمانرواؤں کے ناموں کا صحیح سلسلہ درج کردیں اور ہر ایک راجہ کے دور حکومت کے صحیح اور مستند حالات درج کردیں۔　۵۹

مرہٹوں کے زبردست سردار سیواجی[2] کے جنگ کے زمانے سے لے کر پانی پت[3] تک کی تاریخ اگرنہایت معمولی اور سادہ زبان میں بھی لکھی جائے تب بھی وہ مرہٹوں کے لیے باعث فخر ہوسکتی ہے۔ افغانوں کے ہاتھ سے مرہٹوں کے شکست پاجانے کے بعد بھی خاندان ہلکر کے اول رئیس لہار راؤ، مادھوجی سندھیا

---

[1] پوران۔

[2] تقریباً جملہ مورخین سلطنت مرہٹہ کے بانی سیواجی کے نام سے آشنا ہیں جسے مسلمانوں کی کمزوری دیکھ کر اُن کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی ۱۶۴۶ء میں جسارت ہوئی تھی۔ اُس نے ۱۶۷۴ء میں اپنی آزادی کا اعلان کردیا تھا اور جب ۱۶۸۲ء میں اس کا انتقال ہوا تو اُس وقت تک اُس نے کوکن کے بڑے حصے پر اپنی حکومت قایم کرلی تھی۔ یہ علاقہ اُن پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جن کے مغرب میں دکن اور سمندر ہے یہ علاقہ اب حکومت بمبئی کے ماتحت ہے۔

[3] احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء میں مرہٹوں کی متحدہ افواج کو بمقام پانی پت شکست دی (یہ قصبہ دہلی کے شمال مغرب میں ۵۰ میل کے فاصلے پر ہے)۔

اور ناناؔ فرنویس کے حالات ضرور اس قابل ہیں کہ اُن کے اہل وطن ان حالات کو محفوظ رکھیں۔ اُن کے کارنامے بھی روایات بن کر رہ گئے ہیں اور یہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں ہوا ہے جو نہ صرف عام طور پر تعلیم یافتہ ہوتے ہیں بلکہ جو نہایت شرح اور بسط کے ساتھ اپنی سلطنت کے وسیع علاقوں کے ہر انتظامی امور میں دلچسپی لیتے ہیں۔

پوناؔ کے دفتر میں جو روز نامچے[1] دستیاب ہوئے ہیں وہ سلطنت کے صرف مالی معاملات کے متعلق ہیں۔ گذشتہ صدی کے اُن میں مکمل حالات درج ہیں۔ ان میں سلطنت کی آمدنی اور مصارف کے صحیح حالات جملہ ملازمان کے نام اور جملہ مالی معاملات کی تاریخیں درج ہیں۔

وسط ہند میں جب مرہٹوں نے پہلا حملہ کیا تھا تو انھوں نے بظاہر صرف وہاں کی حکومت[2] سے نہ کہ وہاں کے باشندوں سے جنگ کی۔

---

[1] - ان روز نامچوں کو روزکرد کہتے تھے جو فارسی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور جس کے معنے روزانہ کارروائی کے ہیں۔ مسٹر میکلوڈ Macleod اسسٹنٹ کمشنر متعینۂ دکن نے نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ کاغذات کا مطالعہ کیا اُن کا بیان ہے کہ یہ روزکرد ۱۷۳۰ء تک کا حال بتاتے ہیں لیکن اول دس سال کے روزکرد مکمل حالت میں موجود نہیں ہیں۔ مسٹر میکلوڈ کی نظر سے دو جنتریاں بھی گذری ہیں جن میں قوم مرہٹہ کے ۲۰۰ سال کے حالات درج تھے لیکن ان سے ناقابل اطمینان طور پر معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

[2] - مرہٹوں کی اول فتح مالوہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی غرض سے تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ مانڈو کے سابق زمینداروں کے موجودہ نمایندے شیولال کے پاس ان اضلاع کے متعلق بہت سے کاغذات ابھی تک موجود ہیں۔ جن پر کہ اُس کا خاندان قابض تھا اگرچہ اور بہت سے کاغذات تلف ہو گئے ہیں ان میں سے ایک نہایت پرانے کاغذ میں دھرم پوری کی مالگزاری کا حال ۱۶۹۰ء کی بابت درج ہے جس سے ہم کو معلوم ہوا کہ اس ضلع کی (جو نربدا کے شمال اور

۶۱

مرہٹوں کو اپنی قوت کی اس منزل پر مالگزاری کا جزو اعظم مل گیا تھا لیکن انھوں نے دیگر وحشی فاتحین کی طرح مالگزاری کے ان ذرائع کو تباہ نہیں کیا تھا جن سے کہ وہ حاصل ہوتی تھی کیونکہ اگر وہ ذرائع مالگزاری کو تباہ و برباد کر دیتے تو وہ ایسی جلد درست نہ ہو جاتی جو نکہ ہم کو محکمۂ مال کے کاغذات سے معلوم ہوا ہے کہ وہ بہت جلد درست ہو گئی تھی، لیکن اس زمانے کی ساری کارروائی کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لئے زبردست وجوہ موجود ہیں کہ وہ سلطنت مغلیہ کے ہندو روسا کی رضامندی اور اعانت سے کام کرتے تھے جن کے پاس اس زمانے کے فرماں روا شہنشاہ اورنگ زیب سے بیزار اور متنفر ہونے کے لئے معقول وجوہ موجود تھے۔ یہ واقعہ کئی معاصر مصنفین کی تحریر میں نمایاں طور پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مانڈو کے جنوب میں واقع ہے) مالگزاری مرہٹوں کے حملوں کی وجہ سے ۲۰،۰۷۱ روپے کی بجائے صرف ۳۲۵۸۹ روپے ۹ / رہ گئی تھی۔ لیکن ۱۶۹۱ء میں جب اس ضلع میں مرہٹے موجود نہ تھے تو اس وقت اس کی مالگزاری بڑھ کر ۶۲۱۳۹ روپے ۹ / ہو گئی تھی اس کے اگلے برس مالگزاری میں مزید اضافہ ہوا اور وہ ۹۸۶۸۴ روپے ہو گئی لیکن جب ۱۶۹۲ء میں جنوبی لٹیرے یہاں پھر واپس آ گئے تو یہاں کی مالگزاری گھٹ کر صرف ۳۲۰۰۲ روپے رہ گئی۔ لیکن دوسرے سال جب لٹیروں نے غارتگری ترک کر دی تو مالگزاری بڑھ کر اصلی حالت پر آ گئی۔ اسی قسم کے دیگر کاغذات سے مرہٹوں کی ابتدائی لوٹ مار کے نہایت معتبر اور مستند حالات معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان سے نہ صرف لوٹ مار کی تاریخیں بلکہ اس کی نوعیت اور کیفیت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

لہ۔ مانڈو کے موجودہ زمیندار کے ایک دستی نوشتے میں (جو اس زمیندار کے کاغذات مالگزاری میں اس وقت تک موجود ہے) یہ بیان کیا گیا ہے کہ ۱۱۰۸ھ ہجری یا ۱۶۹۶ء میں نلچا گھاٹ پر چڑھ گئے اور انھوں نے مانڈو پر قبضہ کر لیا اور انھوں نے مسلمان افواج سے بمقام دھار مقابلہ کیا اور ایک

سوائے جے سنگھ راجہ دوندار یا جے[1] پور کے متعلق درج ہے۔
اس مصنف کے بیان کے بموجب مرہٹے مالوے کے اس علاقے پر

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) سرنگ سے اڑاکر اور تین ماہ تک محاصرہ کر کے وہاں کے قلعے کو نیست ونابود کر دیا اُس وقت مالوے کی حکومت شاہ دولہ اور عبداللہ خاں کے سپرد تھی جو شہزادے کہلاتے تھے اور ایک فارسی رسالے میں مالوے کے صوبہ داروں کا نسب نامہ دیکھنے سے معلوم ہوا ہے کہ نواب امیر خاں صوبہ دار مالوہ کے جانشین اُس کے فرزند دولہ خاں اور سعداللہ خاں ہوئے جو حملہ آوروں سے مقابلہ کرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیے گئے اور کئی ماہ تک مقابلہ کرنے کے بعد وہ بھوپال میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ ہندو ماخذ کے بموجب دھار نے مشروط اطاعت قبول کرلی اور وہاں کے محافظین کو اپنے ذاتی سامان کے ساتھ اُن کی مرضی کے مطابق چلے جانے کی اجازت دے دی گئی۔
ارادت خاں کی یادداشت میں درج ہے کہ ۱۷۰۰ء میں سعداللہ خاں مالوے کا صوبہ دار تھا اور یہ مصنف لکھتا ہے کہ میں اُس سال مانڈو میں قلعدار تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرہٹوں کے حملے صرف لوٹ مار کے واسطے ہوئے تھے۔ اس کے برعکس اُس نے (جلد دوم صفحہ ۷۹) لکھا ہے کہ بوہر کرشن کی سرگروہی میں دیمونی واقع صوبۂ ساگر پر ۱۷۰۲ء میں حملہ ہوا تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ مرہٹوں نے دریائے نربدا کو عبور کیا تھا اور اس سے ماقبل کے حاشیے میں پرگنہ دھمیوری کی لوٹ کھسوٹ کا جو حال بیان کیا گیا ہے وہ ہر قسم کی غلطی سے پاک اور مبرا ہے۔

[1] یہ وسیع علاقہ بروتی اور میواڑ کے شمال میں واقع ہے اور اُسے دوندار کہتے ہیں۔ لیکن یہ علاقہ اپنے دارالحکومت امیر کے نام سے موسوم تھا اور اب یہ علاقہ اپنے راجہ سوائے جے سنگھ کا مسکن ہونے کی وجہ سے جے پور کہلاتا ہے اور اُس کے جانشینوں نے بھی جے پور ہی کو اپنا مسکن بنا لیا ہے۔

سات برس تک برابر حملے کرتے رہے لیکن سوائے جے سنگھ کی پیش قدمی پر
انھوں نے سالانہ حملے ترک کر دیے۔ یہ مشہور و معروف سپاہی اور مدبر
اُس خاندان سے تھا جسے اورنگ زیب نے جسونت سنگھ راجہ جودھ پور
۶۳
کے مقابلے کے لیے بڑھایا تھا جس سے کہ وہ سخت متنفر تھا لیکن اس شہنشاہ
کی دوستی نامبارک تھی۔ اورنگ زیب نے جے سنگھ کے دادا کو[1] سیواجی کے حملے
روکنے کے واسطے مقرر کیا تھا جو اول تو اُس کی خواہشات پورا کرنے کا
آلہ بنا اور پھر اُس کے حاسدانہ اندیشوں کا شکار ہو گیا اور اگرچہ
سوائی جے سنگھ بادشاہ کی اطاعت اور وفاداری کا مدعی تھا لیکن اس امر کو
باور کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ وہ خفیہ طور پر مرہٹوں سے مراسلت
کرتا اور اُن سے اُس نے سمجھوتہ کر لیا تھا اور مسلمان مورخین نے یہی
الزام اُس کے اجداد پر لگایا ہے۔ ایک معزز ہندو مورخ[2] کے
حوالے سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شہزادہ اور دھار نے اپنے بیانات
سے شہنشاہ اورنگ زیب کو جے سنگھ کی وفاداری کی بابت مشتبہ کر دیا۔
۶۴
جس نے اُن کے الزامات رفع کرنے کی غرض سے حملہ آوروں کو مالوے سے
نکال باہر کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ اُس کی خدمات منظور
کر لی گئیں اور اُس نے مرہٹوں کے خلاف چڑھائی کر دی یقین کیا جاتا ہے
کہ اُس نے خفیہ طور پر مرہٹوں کے سرداروں کو اپنے طرز عمل کے
مقصد سے مطلع کر دیا اور اُس نے مرہٹوں سے درخواست کی کہ وہ
بظاہر قدرے مقابلہ کریں اور اُن سے یہ بھی کہہ دیا کہ جب مناسب موقع
آئے گا تو اُن کے لیے سہولتیں پیدا کر دی جائیں گی۔ مرہٹوں نے
اُس کی خواہشات کو پورا کر دیا اور انھوں نے کوئی مقابلہ نہیں کیا اور
وہ ملک دکن کو واپس چلے گئے۔ جے سنگھ مالوے میں چھ ماہ ٹھہر کر

[1] جے سنگھ کا اسی نام کے اور لوگوں سے مرزا راجہ کے لقب سے امتیاز کیا جاتا ہے۔
[2] [illegible] نے مجھے ایک دستی نوشتہ دیا جس میں یہ واقعہ درج ہے۔

ہندوستان واپس چلا گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واقعات[1] سنہ ١٦٩٨ء میں رونما ہوئے تھے۔ چند سال کے بعد مرہٹہ حملہ آور پھر واپس آ گئے اور راؤ ودانجی[2] پوار کا جھنڈا مانڈو پر نصب کر دیا گیا لیکن انہیں بہت جلد وہ پسپا ہونے پر مجبور کر دیا گیا اور پھر کچھ عرصے تک مرہٹوں نے اس صوبے پر کسی قسم کی دست درازی نہیں کی جب بالاجی[3] بسوا ناتھ پیشوا کے رتبے تک جا پہنچا تو اس نے مرہٹوں کی قوت کو از سرِ نو زندہ کر دیا اور اس کے فرزند و جانشین باجی راؤ بلال نے پہلی کارروائی یہ کی کہ نربدا کے شمال میں راجاؤں اور سرکاری عمال سے مالگذاری وصول کرنے اور اس ملک کو تباہ و برباد کرنے کے لیے رام چندر گنیش[4] کی ماتحتی میں ایک جرار لشکر روانہ کیا۔

٦٥

---

[1] - میجر اسکاٹ نے اس واقعے کا کچھ تذکرہ نہیں کیا ہے۔ لیکن مسلمان مورخین کی جن کتابوں سے مسٹر اسکاٹ کی تاریخ ماخوذ ہے ان کی نوعیت کو میں بیان کر چکا ہوں۔ اس تاریخ کی جلد دوم کے صفحہ ١٠٧ پر یہ درج ہے کہ مرہٹے نربدا سے دکن تک بے شمار ٹڈی دل کی طرح امنڈ آئے تھے۔"

[2] - مسودے میں جو لفظ درج ہے اس کے معنے تھانہ کے ہیں جس کا مطلب ہے کہ ایک مختصر سی جماعت جھنڈا لے کر کسی چوکی۔ گاؤں یا قصبے پر قابض ہو گئی۔

[3] - بالاجی بسوا ناتھ اول پیشوا ہوا جو اس رتبے پر سنہ ١٧١٤ء میں پہنچا تھا اور اپریل سنہ ١٧٢٠ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

[4] - اس لشکر کا سپہ سالار رام چندر گنیش ایک قابل آدمی تھا اور پھر وہ رانی سندھیا کے یہاں ملازم ہو گیا تھا۔ بعض وقت غلطی سے اسے پیشوا کی قوم (کوکن برہمن) کہہ دیا جاتا ہے جو جنسی والا یا کوارٹر ماسٹر جنرل تھا اور اس کے پاس پیشوا کی ان افواج کی کمان تھی جو سنہ ١٧٤٣ء میں مادھوجی سندھیا اور تکاجی ہلکر کی فوجوں کے ساتھ ہندوستان میں ملا دی گئی تھیں۔

مرقومہ بالا بیان سے[1] واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ اورنگ زیب کے انتقال سے چند سال بیشتر ہی مالوہ فتح ہوگیا تھا لیکن محمد شاہ کی حکومت کے وقت تک مرہٹوں کی عملداری اس صوبے میں قایم نہیں ہوئی تھی اور اگرچہ سنہ ۱۷۳۲ء تک نہ تو کوئی مستقل انتظام ہوا تھا اور نہ خاص خاص علاقے ان کے سرداروں کے نامزد کیے گئے تھے۔ البتہ اس ملک پر کئی بار حملے کیے گئے تھے اور ہم کو پونا کے کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۷۲۵ء کے قریب چند افسران مالگذاری وصول کرنے پر مامور کیے گئے اور مالوے کے چند اضلاع مقرب اشخاص کو بطور جاگیر کے مرحمت ہوئے۔ اس سے تین سال بیشتر اوداجی پوار کی ماتحتی میں ایک لشکر گجرات کو فتح کرنے کے واسطے روانہ کیا گیا تھا اور اس افسر کی جو مراسلت ساہو راجہ اور پیشوا سے ہوئی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوداجی پوار کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ مالوے پر مرہٹوں کا مروجہ خراج[2] عائد کرے۔ اور ہر ایک ضلع کے مختلف افسران کے نام یہ

٦٦

۱۔ جے سنگھ کی قوت اور اثر سے اس زمانے میں بڑی حد تک جزوی مستثنیات ہو گئی تھیں۔ اور سگرود و بجور (Sagord and Bajour) واقع لب چمبل کے متنازعہ علاقے کے کاغذات بندوبست کے مطالعے سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ جے سنگھ سنہ ۱۷۱۰-۱۱ء میں مالوے کا صوبہ دار تھا اور اس کے بعد بھی وہ کئی سال تک اس عہدے پر مامور رہا۔

۲۔ مرہٹوں کا مروجہ خراج چوتھ یا مالگذاری کا چوتھائی حصہ تھا۔ سردیس مکھی (جو وصول شدہ مالگذاری کا ۱/۱۰ حصہ تھا) دیس مکھ افسر کا حق تھا جس کے معنے صوبے کے اعلیٰ افسر کے ہیں۔ مجھے کوئی خاص وجہ معلوم نہیں ہو سکی کہ اس قسم کا خاص حق صوبے میں کسی خاص خاندان کو کس لیے عطا کیا گیا تھا اور مرہٹوں نے جو مقامات فتح کیے وہاں پر عام طور پر یہ حق بعض خاندانوں کو دیا گیا تھا لیکن مرہٹوں کی عادت اور مزاج سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کے کسی سردار نے یہ حق طلب کیا تو اسے یہ حق مرحمت کر دیا گیا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ایسے رواج بنا کر سب سرداروں نے یہ حق حاصل کر لیا تھا۔

احکام نافذ کیے گئے کہ اوداجی کو مالگذاری کا یہ حصہ وصول کرنے کا اختیار دے دیا گیا ہے جو اس نے باجی راؤ بلالی کے اس ملک میں کامل فتح کرنے کی غرض سے داخل ہونے سے دو سال قبل صوبے کے بڑے حصے میں لگا دیا تھا۔

وہ اصول بیان کرنے کے لیے اس بیان کو روک دینا ضروری ہے جن پر کہ فاتحان مالوہ عمل کرتے تھے اور اسی کے ساتھ اس حکومت کی نوعیت معلوم کرنے کی بھی ضرورت ہے جو انھوں نے اس صوبے میں قایم کی تھی۔ سیواجی اور اُس کے جانشینوں نے جو لڑائیاں کیں وہ جنگ کی نوعیت میں دوسری فوجوں کی لڑائیوں سے مختلف نہ تھیں البتہ فوج کو تنخواہ دینے، سپہ داروں کو انعامات عطا کرنے اور مختلف ملک فتح کرنے، لوٹنے، تقسیم کرنے اور وہاں پر سکونت کرنے کا طریقہ دیگر اقوام کے طریقوں سے ضرور مختلف قسم کا تھا۔

۲۷

سیواجی کی جودت طبع نے مرہٹوں کو اول تو بلائے بے درماں اور پھر مسلمانوں کی سلطنت کا تباہ کرنے والا بنا دیا اور ابتدائی منازل میں مذہبی جذبات نے مرہٹوں کو بہت زیادہ امداد دی۔ اُن کا حملہ ایک قسم کی مذہبی جنگ متصور ہوتا تھا اور برہمنوں کو فوجی افسر بنانے سے اس خیال کو بہت زیادہ تقویت حاصل ہو گئی تھی۔ برہمنوں کے حالات نہایت وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں اس قوم کے افراد کے خصائل میں جس قدر اختلاف اور اضداد مل سکتا ہے وہ کسی اور قوم میں دستیاب ہونا ناممکنات سے ہے اور بالخصوص وہ لوگ جو سلطنت کے حصہ دار تھے مثلاً برہمن، چھتری اور شودر ان کے خصائل گوناگوں

---

[1] پیشوا، جنوبی جاگیردار، سلطنت کے خاص افسران اور دریائے تاپتی کے جنوبی مرہٹہ علاقوں کے رؤسا برہمن تھے۔ ناگپور پر ابتدائی قبضہ کرنے والے بھونسلے گجرات کا گائیکواڑ اور پوار خاندان جو مالوے میں سکونت گزیں ہوا یہ سب چھتری قوم سے اپنا تعلق رکھنے پر نازاں ہیں۔ سندھیا اور ہلکر کے خاندان شودر تھے۔

اقسام کے تھے۔ مرہٹہ برہمن اپنی غذا، عادت اور تعلیم کی وجہ سے نہایت تیز، مستعد اور ذہین تھے لیکن عام طور پر وہ لالچی اور دغاباز تھے۔ ان کی زندگی نظام حکومت کی وجہ سے سرکاری کام میں دوسروں کو دھوکا دینے یا دوسروں کے مکر و فریب کا پتا لگانے کی کوشش میں صرف ہوتی ہے۔ ان کاموں کو انجام دینے کے لیے اس میں دانش مندی کی بجائے عیاری اور مکاری پیدا ہوتی ہے اور اس کے دل میں احترام اور وفاداری کے جذبات کی بجائے خود غرضی اور کمینہ پن پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ ایک عظیم الشان خود مختار سلطنت کی مستحکم بنیاد صرف سلطنت کے احترام اور اطاعت کیشی ہی پر مبنی ہو سکتی ہے۔　۶۸

مرہٹوں کی تاریخ برہمنوں کی ایسی مثالوں سے پُر ہے جو ادنیٰ عہدہ (کارکن)[1] سے ترقی کر کے وزیر مملکت یا فرماں روا ہو گئے تھے لیکن اس ترقی سے اُن کے خصائل میں کچھ بھی فرق نہیں ہوا بلکہ اُن کی جملہ کمینہ حرکتیں بدستور باقی رہیں۔ اگرچہ مرہٹہ برہمنوں نے اکثر فوجوں کی کمان کی ہے لیکن بجز چند قابل قدر مستثنیات[2] کے انھوں نے کبھی شجاعت اور مردانگی کے لیے شہرت حاصل نہیں کی ہے اور خواہ وہ بے رحم اور مغرور نہ سمجھے گئے ہوں تاہم اُن پر ہمدردی سے مُبرا اور ظالم ہونے کا ضرور الزام لگایا گیا ہے۔

سادہ مزاج اور جاہل مرہٹہ شودر یا چھتری اپنے اُسی لباس اور عادات و خصائل کے ساتھ فوجی سپاہیوں میں بھرتی ہوتا تھا جس میں کہ وہ اپنی اراضی میں ہل چلاتا یا بھیڑوں کے گلّے کی نگہبانی کرتا تھا اور عموماً اُس کی یہ سادہ مزاجی اُن جملہ انقلابات میں بدستور قایم رہتی تھی جن کی

[1] - اس عہدہ دار کو فارسی لفظ کارکن کے نام سے موسوم کرتے تھے جس کے معنے کام کرنے والے کے ہیں۔

[2] - پرسرام بھاؤ ایک برہمن تھا جس میں غیر معمولی شجاعت اور دلیری تھی اس نے ٹیپو سلطان کے خلاف جنگ میں لارڈ کارنوالس کے ساتھ کام کیا تھا۔

بدولت وہ اعلیٰ ترین عہدے تک جا پہنچتا، یا پھر اپنے پیشے میں مصروف ہونے کے لیے واپس جاتا تھا۔ ہم نے یہ بات ہندو وادروں کے متعلق بیان کی ہے اور اس کے ثبوت میں ہم سیواجی اور اُس کے ساتھیوں کی مثال پیش کرتے ہیں کہ اپنی سادہ مزاجی کی بدولت انھیں فتوحات میں بڑی سہولتیں حاصل ہو گئی تھیں۔ اس لیے جو ملک مرہٹوں نے فتح کیے وہاں کی ہندو رعایا کے ساتھ میل جول پیدا کرنے میں مرہٹوں کو کچھ دقت نہ ہوئی اور نہایت کامیاب فاتحین کو بھی کچھ دشواری پیش نہ آئی کیونکہ شان و شوکت اور غرور و تمکنت کا اظہار اکثر ناقابل برداشت اور وبال جان ہو جاتا ہے۔ مرہٹہ سپاہی میں اگر شجاعت نہ بھی تاہم فن سپہ گری میں اُسے مسلمان سپاہی پر ضرور فوقیت حاصل تھی اور وہ جیسی دلیری اور بے خوفی سے حملہ کرتا تھا ایسی ہی پھرتی سے وہ بوقت ضرورت بھاگ بھی جاتا تھا اور مرہٹوں کے زبردست معترضین بھی اُن کی ان خصوصیات کے منکر نہیں ہیں لیکن اگرچہ یہ واقعات بالکل صحیح تسلیم کر لیے گئے ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مرہٹے خواہ کمینہ اور تنگ دل تھے مگر اُن میں اور بہت سی خوبیاں بھی موجود تھیں۔

مرہٹہ سپاہی تکان، بھوک اور پیاس میں جیسا صبر اور تحمل کرتا تھا اس معاملے میں بہت کم لوگوں کو اُس پر فضیلت حاصل ہو سکتی ہے علاوہ بریں کامیابی اور ناکامی دونوں صورتوں میں وہ یکساں جرأت اور دلیری سے کام لیتا تھا۔ ہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتے ہیں کہ اپنی تاریخ کے ابتدائی زمانے اور عظیم الشان فتوحات حاصل ہونے سے پیشتر جب کہ اُن کی فوجیں قومی نہیں رہی تھیں وہ رعایا کے لیے اپنے قزاقانہ[1] حملے دوسرے شہروں پر کر دیتے تھے۔ لیکن ان کا یہ طریق جنگ عام لوگوں کے لیے خوفناک

---

[1] مرہٹوں نے اپنی جنگ میں لفظ کاسک استعمال کیا ہے۔ اُن کی زبان میں لفظ کوساکی (دیگر الفاظ کی طرح معاذوں سے لیا گیا ہے) کے معنے غارت گری کے ہیں۔

تباہی اور بربادی کا موجب بن گیا تھا۔ اب ہمیں اُن اصولوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جن پر کہ وہ کاربند ہوتے تھے۔

اُن کے عادات و خصائل گوتھ اور دنڈال سے جنھوں نے یورپ کو تباہ کیا تھا اور اُن تاتاریوں سے بالکل مختلف تھے جنھوں نے ایشیا کی سلطنتوں کو فتح کر کے نیست و نابود کر دیا۔ ابتدائی مرہٹوں نے جور و ظلم سے تنگ آکر تلوار اُٹھائی تھی اور اپنے ظالموں کی مسلمہ کمزوری کو دیکھ کر انھیں اپنے جدید پیشے (شمشیر زنی) میں مصروف رہنے کی ترغیب ہوئی اپنی ابتدائی قوت کے نظام اور نوعیت کی بدولت مرہٹوں کے لیے یہ قطعی ناممکنات سے تھا کہ وہ اُن ملکوں میں اپنی حکومت قایم کرتے جن کو وہ لوٹ سکتے تھے لیکن شہروں کو تباہ کرنے کی بدولت انھیں یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہاں کی آمدنی کے ایک جز کا وہ مطالبہ کریں اور اسی وجہ سے مرہٹوں نے سارے ہندوستان میں اپنی آمدنی کے مالی وسائل پیدا کر لیے تھے[1] اور جس شہر میں اُن کے یہ حقوق تسلیم کر لیے جاتے تھے وہ کچھ عرصے تک اُن کی غارت گری سے محفوظ رہتا تھا لیکن ہم اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے ہیں کہ مرہٹوں کے قابل سردار جنھوں نے یہ بھاری محصولات سلطنت مغلیہ کی مالگذاری پر عائد کیے تھے وہ اسے صرف ایک وقتی کارروائی تصور کرتے تھے اور اپنی اس آمدنی کی بدولت وہ اپنے یہاں زبردست افواج رکھتے تھے اور اپنے کارکنوں اور اثرات کو پھیلاتے تھے جن کی بدولت اُنھیں مزید ترقیات کرنے اور مداخلت کرنے کا موقع ملتا تھا اور یہ بات اُس زمانے اور اُن کی مخصوص حالت اور خصائل و عادات کے لیے نہایت موزوں بھی تھی۔ جب وہ کسی ایک علاقے میں امن قایم کر لیتے تھے تو پھر اُنھیں دوسرے علاقوں میں حملے کرنے کے لیے آزادی اور فرصت مل جاتی تھی۔ انھیں ایسے وسائل اور مواقع بھی حاصل ہو گئے تھے جن کی بدولت وہ خاندانوں اور

---

[1] چوتھ اور سردیس مکھی۔

ریاستوں میں پھوٹ ڈال سکتے تھے اور اپنے ان وسائل سے کام لینے کو وہ خوب
اچھی طرح جانتے تھے۔ اُن کے حلقے کے اندر خاندان تیموریہ سے لے کر
راجپوت سرداروں تک میں ہر ایک جماعت خفیہ طور پر کسی مرہٹہ سردار یا
کارکن کی معاون تھی۔ مرہٹوں کے خصائل اُن کی کارروائیاں ہر لحاظ سے
عجیب و غریب تھیں اور ان کی صرف معدودے چند حرکات و سکنات
دوسری قوموں کے حرکات و سکنات کے مشابہ یا یکساں تھے۔ اس غیر معمولی
قوم نے اُن وسائل سے اپنا کام نکالا جنھیں مغرور فاتحین اکثر ترک کر دیتے ہیں
اس قوم نے نہ صرف مایوس اور غیر مطمئن اشخاص کو اپنے جھنڈے کے نیچے آنے کی
دعوت دی بلکہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کو اپنی معاونتی فوج میں بھرتی کیا
جن کو یہ اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے ذاتی نفع کے لیے جو چاہیں کریں
اور رعایا سے خلا ملا کرنا اور کسی ملک کے نظم و نسق میں اپنی مکاری سے
آہستہ آہستہ مداخلت کرنا اُن کے نزدیک اپنی قوت کے استعمال سے
بہتر تھا۔ نیز ایسی صورت میں بھی کہ رعایا اُن کے قابو میں تھی اور اپنے
ان مقاصد کے حصول میں اُن کا صبر و تحمل اور عجز و انکسار ان کے حق میں
بہت کچھ معاونت کرتا تھا۔ اولاً وہ صرف اسی پر اکتفا کرتے تھے کہ وہ مفتوحہ ملک کی
حکومت اور مالگذاری بہادر قوم کے ہندو روسا میں تقسیم کرتے ان میں اپنا ایک حصہ
مقرر کر لیتے تھے اور پھر انھیں زیر کرنے کی سازشیں کرنے کے لیے وقت
اور موقعہ کے انتظار میں رہتے تھے۔ وسط ہند میں ان کی عملداری کے قیام میں
یہ ترکیب نمایاں طور پر ظاہر ہو چکی ہے۔ اولاً انھوں نے اس ملک کی ہندو رعایا
کو مسخر کرنے کے لیے وہ صورت اپنے خیالات اور طریقے کے بموجب اختیار کی جس
کی ضرورت تھی۔ چنانچہ راجپوت راجاؤں اور امرا کے ساتھ وہ جملہ مراعات
روا رکھی گئیں جو ان کی شایان شان تھیں اور جو انھوں نے سلطنت مغلیہ کے عہد
حکومت میں حاصل کی تھیں۔ علاوہ بریں ادنیٰ درجے کے اشخاص بالخصوص زمیندار
اور کاشتکار مرہٹوں کو اپنے ہم رتبہ تصور کرتے تھے جن کو اگرچہ حکومت
اور عملداری میسر آ گئی تھی مگر اب بھی وہ دیہاتی قوموں کے رسم و رواج اور

عادات وخصائل کے پابند تھے چونکہ وہ خود دیہات میں پیدا ہوئے تھے اور
اس طبقے کے باشندے یہ معلوم کر کے بیحد خوش ہوتے تھے کہ فاتحین کے
خاص خاص سردار پٹیل یا پٹواری کے لقب سے موسوم ہونا اپنے لیے اعلیٰ عہدوں
اور معزز خطابات کے مقابلے میں زیادہ پسند کرتے تھے کیوں کہ ان کے وطن میں
چھوٹے دیہات میں یہ عہدے موروثی ہوتے تھے۔ مرہٹوں کی سلطنت اور
فوج کی تنظیم سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سلطنت قایم کرنے کے بجائے
اسے تباہ کرنے کے لیے قایم کی گئی تھی۔ ان کا پہلا راجہ سیواجی اپنے کو ایک
کامیاب سردار تصور کرتا تھا اور اسے اپنے آخر زمانے میں بہت سی
شکستیں نصیب ہوئی تھیں۔ اس قسم کے خیالات اور واقعات نے
اس کی قوم کے بہت سے افراد کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا ۷۳
اور اس نے اپنے انتقال سے پیشتر مرہٹوں کو ایک قوم بنانے اور
ان میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لیے بہت کچھ کارروائی کر دی
تھی ان کے اول فرمانروا سیمبھا کے ساتھ ظالمانہ اور ذلت آمیز
برتاؤ ہونے اور اسی قسم کے اور بہت سے حرکات ہونے سے ان سب
کے دل میں غصے اور انتقام کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ان میں رشتۂ اخوت
قایم ہو گیا تھا لیکن اس رشتۂ اخوت کی بنیاد مستحکم نہیں تھی۔ ان کے سردار
ابتدا ہی سے تقریباً سب مساوی حالت میں تھے اور چونکہ ان کی
ماتحت فوج کی تنخواہ کا انحصار ان کی کامیابی پر تھا۔ اس لیے
جن ممالک میں کہ یہ سردار بھیجے جاتے تھے وہاں سے محصولات یا مالگزاری
وصول کرنے کا استحقاق بھی انھی کو دے دیا جاتا تھا۔ لیکن اگرچہ حکومت
صرف ایک جز کا مطالبہ کرتی تھی لیکن جو سردار کہ کسی شہر کو فتح کر لیتا تھا

؎ میں نے دھار کے پواروں کے کل پرانے کاغذات کا مطالعہ کیا ہے اور باجی راؤ نے
اوداجی پوار کو جو سندات ۱۷۲۲ء میں عطا کی تھیں ان کے معائنے سے معلوم ہوا کہ
اسے مالوہ اور گجرات سے چوتھ وصول کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اور اسے یہ اجازت بھی

چونکہ اُسے اپنی فوج کی تنخواہ کا بڑا جز اور دیگر مصارف خود ادا کرنے ہوتے تھے اس لیے وہ کامیاب سردار اس شہر کا حکمراں بن جاتا تھا اس طرزِ عمل کے اثرات ہر جگہ یکساں پیدا ہوئے اور سرکاری افسران نے اپنی ذاتی ہوس کو پورا کرنے میں سرکاری فائدے سے چشم پوشی اختیار کرلی جس شخص کو بھی موقعہ ملا اُس نے پیشوا کی غاصبانہ کارروائی کی تقلید کی اور اسے دیہاتی حکومت کی شکل نے اور بھی مدد دی (جو کہ نہایت قدیم ہندوانہ ادارہ ہے) اور یہی طرزِ حکومت

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) دی گئی تھی کہ اپنی وصول کردہ آمدنی میں سے نصف تو اپنی فوج کے مصارف کے لیے خود رکھ لے اور باقی نصف حصہ سلطنت کو دے دے۔ اس عام سند کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"بنام مہاراجہ سری اوداجی پوار منجانب باجی راؤ بلال وزیرِ سلطنت (پردھان) لچھمی دیبی تمہاری عزت و دولت میں اضافہ کرے۔

گجرات اور مالوے کے موکاسا کا نصف حصہ (چوتھ کا ۵۰ فی صد) دربار کا حق ہے باقی نصف حصہ تمھیں بطور سرانجام (مصارف فوج) عطا کیا جاتا ہے۔ تم ہماری فوج کے سپہ دار ہو اور ہم کو تمہاری ذات پر پورا اعتماد ہے جو کچھ تمھیں مرحمت ہوا اس سے تمھیں خوش ہونا چاہیے۔ یہ سند ۵ ربیع الاول کو عطا کی جاتی ہے۔ کچھ اور لکھنے کی حاجت نہیں ہے۔"

یہ سند ایک حملے کے شروع میں بطور رہبری کے دی گئی تھی کہ بصورت کامیابی کس طرح کارروائی کرنی چاہیے کیونکہ مجھے اسی قسم کے دستی نوشتوں میں باجی راؤ کے ۱۵۰ احکام مورخہ ۱۷۲۹ء مشرقی بندھیل کھنڈ اور مغربی اضلاع سے لے کر شمال میں مارواڑ تک کے قصبات اور اضلاع کے عہدہ داروں کے نام موجود ہیں جن میں چوتھ اور سردیس مکھی اوداجی پوار کو ادا کرنے کی ہدایات کی گئی ہیں اور میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس مستند کاغذ کو مرہٹوں کی کارروائی کی مثال کے طور پر تصور کرنا چاہیے۔

سلطنت میں جاری ہو گیا۔ چنانچہ پیشوا سے لے کر ادنیٰ ترین ملازم تک کا عہدہ
موروثی بن گیا۔

حقوق عطا کرنے اور قدرے سرپرستی کرنے کی اس کارروائی نے
سلطنت کے اعلیٰ عہدہ داروں کو کمزور بنا دیا جن کے مابین اختلافات پیدا
ہو گئے لیکن جو اعلیٰ عہدہ دار اس بے قاعدہ نظم و نسق میں حصہ لیتے تھے ان کی مستعدی
اور سرگرمی کے باعث جو وہ اپنے متضاد مقاصد میں کرتے تھے سلطنت عرصۂ دراز تک
بجائے تنزل کے ترقی کرتی ہوئی معلوم ہوتی رہی۔ جو برہمن کہ سلطنت کے
اعلیٰ عہدوں پر مامور تھے انھوں نے بہ قول ایک مسلمان مصنف کے "اپنے
جینو کو جو ان کی ذات کی امن پسندی کی علامت ہے اپنی کمان کی تانت بنا رکھا تھا"
لیکن باوجود اس کے کہ بعض پیشواؤں نے اپنے دیگر اوصاف کے علاوہ جن کی
بنا پر وہ اعلیٰ رتبے کے مستحق بن گئے تھے اعلیٰ فوجی قابلیت بھی حاصل کی تھی
اُن کی ساری دانائی ذہانت اور علمی قابلیت جو وہ اپنی تربیت و تعلیم سے
حاصل کرتے تھے ایسے اولو العزم سرداروں کی طمع نفسانی کو ہرگز نہ روک سکی
جو فتح مندی کے نشہ میں سرشار ہو کر بہت جلد برہمن سرداروں کی اطاعت کیشی کو
بھول گئے جنھوں نے ان سرداروں کو اعلیٰ رتبے پر پہنچا دیا تھا۔ پیشواؤں کی
حکمت عملی کے ایک جز نے ان سرداروں کی آزادی میں بہت کچھ اضافہ کر دیا۔
وہ اس اندیشے سے بیرونی حملے کے لیے ملازم رکھے جاتے تھے کہ شاید وہ اپنے وطن کے
امن میں رخنہ اندازی پیدا کر دیں یا وسائل آمدنی پر قابض ہو جائیں۔ بیرونی
حملے کے موقعہ پر وہ برائے نام ماتحت بالکلیتاً خود مختار ہوتے تھے اور اعلیٰ سردار
کامیاب سپہ دار اور اس کے ساتھیوں کو اپنے سے دور رکھنے کے لیے اُن کی
برائے نام وفاداری ہی سے مطمئن ہو جاتے تھے۔ یہ اُن وجوہ کا ایک مختصر خاکا
ہے جن سے مرہٹوں کی عملداری بہت جلد سارے ہندوستان میں ہو گئی
اور بہت سے مرہٹہ سرداروں نے خواہ فرمانروا کا لقب اختیار نہ کیا مگر
عملاً انھیں سلطنت کے نظم و نسق میں شاہی اختیارات حاصل ہو گئے۔ اگرچہ
اُن میں اختلافات اور نااتفاقیاں موجود تھیں لیکن اب بھی اُن کے

۷۶

ایسے چند مشترکہ مقاصد موجود تھے جن کی وجہ سے گاہے ماہے اُن سب میں اتحاد[1] پیدا ہو جاتا تھا اور اپنے دشمنوں کا قلع قمع کرکے کامیابی حاصل کرنے تک وہ اپنے ان مقاصد کو ہرگز فراموش نہیں کرتے تھے اور اپنے جس نظام کی بدولت وہ بام حکومت تک پہنچ گئے تھے اُسی کے باعث وہ آپس میں ایک دوسرے کا شکار کرتے اور تباہ و برباد کرتے تھے لیکن اسی کے ساتھ وہ اس بات کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ ہم سب ایک قوم کے افراد اور اجزا ہیں اور اپنے اس خیال کو انھوں نے ایسے تعصب کے ساتھ ترقی دی تھی کہ وہ مذہبی جذبے کی حد تک پہنچ گیا تھا اور اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے وطن مالوف سے اپنے زبردست تعلقات قایم رکھتے تھے۔ وہ خواہ شمالی ہند میں ہوتے یا مالوے میں لیکن اپنے وطن کے اعزا اور یار دوستوں سے وہ اپنے دوستانہ تعلقات قایم رکھتے تھے اور برابر خط کتابت کرتے رہتے تھے اور جن حقیقی رشتوں میں یہ قوم منسلک تھی وہ ان تعلقات سے ہمیشہ مستحکم کیے جاتے اور ان کی تجدید کی جاتی تھی جن کا ہندوؤں کی قوم میں نہایت زبردست اثر موجود ہے کیونکہ ہندوؤں سے زیادہ کسی اور قوم میں ان تعلقات کا اثر نہیں پایا جاتا ہے اور خواہ کوئی جماعت کیسے ہی عروج پر پہنچ جائے اور دوسری جماعت کیسے ہی قعر گمنامی میں گر جائے لیکن وہ نہ تو ان تعلقات کو کمزور کر سکتی ہے اور نہ ان تعلقات کو

[1] - باوجود آپس کے بغض و نفاق کے مرہٹوں کی قوم میں اتحاد و اتفاق کا جو میلان پایا جاتا تھا اس کی بابت ایک مسلمان مصنف لکھتا ہے کہ اُس زبردست مسالے میں اس کے فطری خواص موجود تھے اور کسی شے کے جداگانہ اجزاء ترکیبی کی طرح ان میں پھر باہم مل جانے کی خاصیت پائی جاتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ ہم کو بتایا گیا ہے کہ مرہٹے اُس سانپ کی مانند تھے جس کے ٹکڑے کر دیے جائیں تو اُس کے ہر ایک ٹکڑے کا اگرچہ جداگانہ وجود ہوتا ہے مگر پھر وہ سارے ٹکڑے مل کر سانپ بن جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

شائستگی ہے۔ پیشواؤں کی عزت اور اُن کا برائے نام احترام بھی آخر تک صرف اس وجہ سے قایم رہا کہ وہ برہمن یعنے برہما کی اولاد ہونے کی وجہ سے واجب الاحترام تھے اور وہی سلطنت مرہٹہ کے اعلیٰ درجے کے سردار بھی تھے۔ لیکن اس کے برعکس (جیسا کہ دیکھنے میں آیا ہے) کہ مرہٹہ برہمنوں کو مذہبی معلم ہونے کی حیثیت سے جو احترام حاصل تھا وہ اُن کے دنیاوی اقتدار حاصل کرنے پر بہت کچھ زائل ہو گیا تھا لیکن پیشوا کی جو توقیر خواہ وہ اطاعت کیشی نہ ہو بہ حیثیت سلطنت کا اعلیٰ سردار ہونے کے حاصل تھی وہ اگرچہ کم ہو گئی تھی مگر وہ کلیتہً زائل نہیں ہوئی تھی۔ اور جب کبھی کوئی خطرہ درپیش ہوتا تو ایسے وقت پر پیشوا کی توقیر ہی ساری قوم میں اتحاد اور یکجہتی کا موجب ہوتی تھی اور گذشتہ چند سال کے دوران میں مرہٹوں کا یہ قدیم جذبہ اپنی پوری قوت کے ساتھ نمودار ہو چکا ہے اور حصول مقصد میں اگر نیک نیتی اور فہم و فراست سے کام لیا جاتا تو ایک عظیم الشان قوم تباہی سے بچ سکتی تھی جس کا ایک خاص جزو مرہٹے تھے۔

اورنگ زیب کے انتقال سے پیشتر اور ۱۷۲۱ء میں مرہٹوں نے مالوے پر جو حملے کیے تھے ان کے حالات ہم نے ملاحظہ کیے ہیں۔ ۱۷۲۱ء کے حملے کے وقت مالوے پر نواب نظام الملک[1] کی جانب سے ایک عہدہ دار حکمراں تھا۔ محمد شاہ نے اس امیر کو مالوے کا صوبہ دار تسلیم کر لیا لیکن کچھ عرصہ بعد یہ عہدہ اُس سے چھین کر راجہ گردھر[2] بہادر کو عطا کر دیا گیا لیکن کچھ عرصے کے بعد مرہٹوں کی فوج نے چمناجی[3] و اداجی پوار کی سرد گی میں اُس پر حملہ کیا اور اُسے

۷۸

۱۔ رفیع الدرجات کے مختصر عہد حکومت میں نواب آصف جاہ نظام الملک ۱۷۱۷ء میں مالوے کے صوبہ دار مقرر ہوئے تھے۔

۲۔ گردھر بہادر ناگر برہمن اور گجرات کا باشندہ تھا۔

۳۔ چمناجی پنڈت پیشوا کا بھائی تھا، اور پونا کے ایک روزنامچہ بابت ۱۷۲۹ء کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ وہ اس وقت مالوے میں تھا اور غالباً وہ وہاں پر کچھ عرصے تک مقیم رہا تھا۔

شکست فاش نصیب ہوئی۔

سارنگ پور پر حملہ کرنے کے واسطے یہ سردار روانہ ہوئے اور وہاں کے مسلمان صوبہ دار نے بہ خوشی اُن کی پسپائی کو بالعوض ۱۵ ہزار روپے کے خرید لیا اور یہ رقم[1] (وہ شہر زیادہ سے زیادہ اسی قدر دے سکتا تھا) مرہٹوں کی فتوحات کی نوعیت اور ان کے رواج کے بموجب اُن کا سالانہ تاوان بن گئی۔

اس زمانے میں مرہٹوں نے گجرات[2] اور مالوے پر متعدد حملے کیے اس صورت حال نے پیشوا کے دندان آز کو اور تیز کر دیا اور وہ پونا سے ایک زبردست لشکر اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوا اور وہ نیمار اور مالوے کے صوبوں کا مالک بن بیٹھا دیا بہادر[3] نے مالوے میں اُس کا مقابلہ کیا جو راجہ گرد ھر[4] کا جانشین ہوا تھا لیکن اس کی شکست

---

[1] فارسی مسودے میں اس رقم کو غنیمت سیایا لکھا ہے جس کے معنے حساب مال غنیمت کے ہیں اس کارروائی کی تاریخ ۱۱۴۱ھ ہجری مطابق ۱۷۲۸ء درج ہے۔

[2] چند مرہٹہ راجاؤں نے گجرات کے علاقے پر حملے کیے اور اس کے کچھ حصے کو انھوں نے ۱۷۲۳ء میں فتح کر لیا۔ یہ سردار قوم بندیا اور موجودہ خاندان کے بانی گائکوار پیلے جی تھے۔ پیلے جی نے دریائے ماہی کے جنوب میں سکونت اختیار کر لی اور قوم بندیا نے دریائے ماہی کے شمالی کنارے کے علاقے اور گودرا پر اپنا قبضہ کر لیا۔

[3] اس معرکے میں دیا بہادر اور اس کے ۳ ہزار سوار تہ تیغ ہو گئے اس نے دھار اور امجھیرا کے درمیان بمقام ترلا کے مرہٹوں سے جنگ کی تھی۔

[4] جس زمانے میں کہ راجہ گردھر مالوے کا صوبہ دار تھا اس وقت اُس نے مرہٹوں کے حملے کے اندیشے سے اجین کے گرد ایک شہر پناہ بنوائی تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس دیوار کے ایک کتبے میں اس کی تعمیر راجہ گردھر سے موسوم ہے مگر یہاں کے باشندے روایتاً یہ کہتے ہیں کہ یہ شہر پناہ راجہ گردھر کے جانشین دیا بہادر نے بنوائی ہے۔

اور انتقال سے صوبۂ مالوہ مرہٹوں کے قبضہ و تصرف میں چلا گیا۔

۸۰ اس کے بعد محمد خاں بنگش صوبہ دار مقرر ہوا اور مرہٹوں کی روک تھام کے لیے اس کی جملہ کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور سوائی جے سنگھ راجہ جے پور اس کی جانشینی کے واسطے نامزد کیا گیا مگر اس نے یا تو اپنے میں مقابلے کی طاقت نہ دیکھ کر یا غنیم سے ساز باز اور خفیہ طور پر دوستی کر لینے کی وجہ سے (جیسا کہ جملہ مسلمان مورخین نے اُس پر الزام لگایا ہے) بادشاہ سے سفارش کر کے باجی راؤ کو مالوے کا صوبہ دار مقرر کرا دیا۔ لیکن یہ کارروائی اُس وقت تک عمل میں نہیں آئی جب تک کہ پیشوا کی فوجوں نے آگرہ اور الٰہ آباد کے صوبوں کو تباہ و برباد نہیں کر دیا اور اس صوبے کو بچانے کی کوشش میں شاہی فوجیں نہ ٹھہر سکیں۔

ان واقعات سے مرہٹوں کی تاریخ میں ایک جدید دور کی ابتدا ہوتی ہے۔ عرصۂ دراز سے یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ مرہٹوں میں لوٹ مار کی زبردست قوت موجود ہے اور سلطنت مغلیہ کے بڑے حصے کی مالگذاری میں اُن کا ایک جزو مقرر کر دیا گیا تھا تاکہ سلطنت کے باقی حصے مامون و محفوظ رہیں اگرچہ یہ توقع بھی محض بے سود

۸۱ تھی اُن کا ایک فرمانروا اب ہندوستان کے ایک خاص صوبے کی حکومت پر مامور کر دیا گیا۔ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اس نے اولاً اُس صوبے کو خود فتح کر لیا تھا لیکن اُس نے وہاں پر صرف محصول عاید کرنے پر اکتفا کیا تھا اور اب بادشاہ کی طرف سے اس صوبے میں حکومت کرنے کا وہ مستحق تھا اور اس نے اسی بات کی درخواست کی تھی۔ مرہٹے جب وسطِ ہند کے مالک بن گئے اس وقت اُن کے جملہ خصائل پورے طور پر نمایاں ہو گئے۔ باجی راؤ اور اُس کے سرداروں کو جو کچھ نفع حاصل ہوا اس پر وہ قانع ہو گئے اور کسی کمزوری یا تعصب کی وجہ سے نہیں بلکہ حکومت مل جانے پر جب اُن کو قوت اور قدرت حاصل ہو گئی تو

اُن کے عجز و انکسار میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ وہ بادشاہ اور اُس کے خاص رؤسا بالخصوص راجپوت راجاؤں کے ساتھ گفت و شنید اور مراسلت میں اپنے کو نہایت حقیر اور ناچیز ظاہر کرتے تھے اور شاہی دربار، مجالس وغیرہ میں مرہٹوں کا رُتبہ اُن لوگوں سے بہت ادنیٰ ہوتا تھا جن کے علاقوں کو مرہٹوں نے لوٹا یا غصب کر لیا تھا البتہ فتح مندی سے علاقے پر قبضہ ہو جانا اُن کے لیے کافی استحقاق سمجھا جاتا تھا۔ جن لوگوں کے علاقے کو مرہٹوں نے غصب کر لیا تھا اُن سے مرہٹوں نے اُسے بطور جاگیر کے حاصل کر لیا۔ یہ عجیب کارروائی ہندوستان جیسے ملک کے باشندوں کے واسطے موزوں ہو سکتی تھی اور جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے عادات میں نہایت ضدی اور ہٹ دھرم ہیں اور اس میں کوئی تبدیلی کرنا سخت ناپسند کرتے ہیں لیکن اس میں مرہٹوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا جو سابق فاتحین کو پیش آئی تھیں لیکن اُن کے اندرونی تعلقات بہ نسبت اُن تعلقات کے جو اُنھوں نے غیر سلطنتوں کے ساتھ قایم کیے تھے بہت زیادہ قابل تعریف تھے اور کسی مناسب موقع پر یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ محمد شاہ نے بالاجی کو مالوے کا صوبہ دار مقرر کرنے سے پیشتر اُس کے فوجی سرداروں سے یہ اقرار نامہ لکھوا لیا تھا کہ ہم اپنے آقا کے ساتھ وفاداری اور اطاعت شعاری کریں گے۔ اس کارروائی اور اسی قسم کی اور بہت سی باتوں سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پیشوا صرف ایک اعلیٰ عہدہ دار تسلیم کیا گیا تھا اور غالباً اُس نے اپنی برادری کے دیگر سرداروں سے ایسے امور کی بابت مشورہ کر لیا تھا جو ان کی عام فلاح اور بہبود سے تعلق رکھتے تھے اور ان امور میں مساوات کا لحاظ رکھا گیا تھا یہ غیر معمولی کارروائی مرہٹوں کے ایک مسلمہ اصول پر

ے۔ یہ رواج صرف مرہٹوں ہی تک محدود نہ تھا بلکہ ہندو عملداریوں میں عام طور پر یہی دستور ہے۔ صرف معدودے چند ریاستوں کے راجاؤں کو خود مختارانہ قوت حاصل ہے اُن کی سلطنت کی شکل عام طور پر پنچایتی حکومت جیسی ہوتی ہے۔

ملبنی تھی جس میں اپنی کار بر آری کے لیے ہر ایک بات جائز تھی۔

وسط ہند میں مرہٹوں کی حکومت قایم ہونے کے جملہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا میں اُن کا نظم و نسق عمدہ اور معتدل تھا۔ بالخصوص اگر اُسے ان زبردست خرابیوں کا مقابلہ کر کے دیکھا جائے جو تنزل کرنے والی سلطنت کے ساتھ ہوتی ہیں کیونکہ ضروریات بادشاہ کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اُن لوگوں پر جبر و ظلم کرے جن کی وہ حفاظت نہیں کر سکتا۔ مرہٹوں کا برتاؤ کچھ عرصے تک اپنی رعایا کے ساتھ ہمدردانہ رہا اور اُنھوں نے بہت جلد ایک ایسی قوت حاصل کر لی جس نے محمد شاہ کی کمزور حکومت کو اُس مُلک کے واپس لینے کی طرف سے بالکل مایوس کر دیا اور پھر یہ ملک حملہ آوروں کا مسکن بن گیا جہاں سے وہ ہندوستان میں لوٹ مار کرنے لگے اور مرہٹوں کی کامیابی کا انھیں پہلا پھل یہ ملا کہ ان کو ہندوستان کی مالگذاری کا ایک حصہ اور دہلی کے مضافات کی اراضیات عطا کر دی گئیں۔

۸۲

۸۳

لہ۔ اندور کے ایک موروثی زمیندار نے مجھ سے مفصل طور پہ مرہٹوں کے مالوے پر مسلط ہونے کی کیفیت بیان کی جو واقعات اُس نے بیان کیے وہ تازہ ہیں یہ ایک سن رسیدہ شخص ہے اور اس کا دادا نند لعل ہی وہ شخص تھا جس نے مرہٹوں کی اس صوبے میں رہبری کی تھی اس لیے اس شخص کے بیان کی صداقت پر ہم کچھ شبہہ نہیں کر سکتے ہیں۔ میرے ایک سوال کے جواب میں اُس نے حسب ذیل واقعات بیان کیے:۔

"محمد شاہ کے عہد حکومت میں جب کہ سلطنت مغلیہ کے حصے بخرے ہو گئے تھے اور شاہ دہلی کی حکومت رو بہ تنزل تھی اس وقت دیا بہادر (برہمن) مالوے کا صوبہ دار تھا۔ دہلی کی باقی ماندہ حکومت میں بہت سی خرابیاں لاحق ہو گئی تھیں اور چونکہ حکومت اپنے فرائض منصبی کو مطلق ادا نہ کرتی تھی اور اس کی وجہ سے کاشتکاروں اور مزدوروں پر سخت مظالم ہوتے تھے اور بادشاہ کی طرف سے جو چھوٹا افسر بھی مامور تھا وہ بیحد ظلم اور جبر کرتا تھا۔ دیا بہادر اور

(اس صوبے میں داخل ہونے سے ۲ سال بعد) باجی راؤ بندیلکھنڈ کو روند کر ہندوستان کو لوٹ کر اور ساری سلطنت مغلیہ سے چوتھ کا جبریہ وعدہ لے کر مالوے سے اپنے جنوبی علاقے کو روانہ ہو گیا۔ اس سال میں اس نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اُس کے گماشتوں نے چھوٹے رؤسا یا زمینداروں سے جو استحصال بالجبر کیا تھا اس سے تنگ آکر مالوے کے ٹھاکروں نے اپنی شکایات دہلی دربار میں پیش کیں اور دادرسی کی درخواست کی لیکن چونکہ محمد شاہ نے زمام حکومت کو نہایت کمزور ہاتھوں سے پکڑا تھا اور وہ زیادہ تر عیش و نشاط کا بندہ تھا اس لیے وہ مالوے کے ٹھاکروں کی دادرسی نہ کر سکا۔ اس لیے راجپوت رؤسا نے مایوس ہو کر سوائی جے سنگھ راجہ جے پور کی طرف رُخ کیا اور اُس کے حضور میں اپنا معروضہ پیش کیا۔ سوائی جے سنگھ ہندوستان کے اُن قابل اور طاقتور راجاؤں میں سے گذرا ہے جو اُس وقت تک شاہ دہلی کا دم بھرتے تھے لیکن ایک بار ذلت نصیب ہونے سے بادشاہ کے ساتھ اُس کی اطاعت کیشی میں تزلزل واقع ہو گیا تھا۔ اُس نے خفیہ طور پر پیشوا باجی راؤ کے ساتھ مراسلت شروع کر دی جس کا مقصد یہ تھا کہ مغلوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ راجپوت رؤسا نے اُس کے حضور میں جب اپنی شکایات پیش کیں تو اُس نے اُنھیں یہ مشورہ دیا کہ آپ حضرات مرہٹوں کو مدعو کیجیے کہ وہ مالوے پر حملہ کریں اور مغلوں کو فتح کر لیں۔ اُس وقت راؤ نند لعل چودھری ضلع اندور کا ایک بااثر اور متمول زمیندار تھا اور اُس کے پاس دو ہزار سوار و پیادے تھے جن کی تنخواہ وہ اس آمدنی سے دیتا تھا جس سے کہ وہ خود متمتع ہوتا تھا۔ بہت سی بیرونی چوکیات اُسی کے سپرد تھیں جو نربدا کے گھاٹوں اور ناکوں کی حفاظت کرتی تھیں اور اسی وجہ سے مرہٹوں کو حملے کی ترغیب دینے کے لیے وہ منتخب کیا گیا۔ چنانچہ باجی راؤ کی فوج برہام پور کے میدان میں خیمہ زن ہوئی اور ملہر راؤ ہلکر کی ماتحتی میں ۱۲ ہزار فوج نے پیش قدمی کی۔ راؤ نند لعل نے اپنا ایک وکیل ملہر راؤ کی خدمت میں مالوے میں داخل ہونے کی دعوت دے کر ارسال کیا اور اُس کو یہ اطمینان

بادشاہ سے درخواست کی اور اُسے ایک شاہی فرمان دیا گیا جس کی رو سے وہ امیر الامرا ہوگیا۔ اس فرمان میں تحریر ہے کہ "ایک علاقہ بطور جاگیر اور

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) دلایا اور وعدہ کیا کہ آپ کی فوج کے داخلے کے لیے جملہ راستے اور گھاٹ کھلے رہیں گے اور سب زمیندار حملہ آوروں کی اعانت کریں گے۔ چنانچہ مرہٹوں نے کوچ کر دیا اور دھرم پور و مہیسر کے درمیان اکبر پور کے گھاٹ پر سے دریائے نربدا کو عبور کر لیا۔ اسی اثنا میں دیا بہادر کو مرہٹوں کی آمد کی اطلاع موصول ہوئی اور وہ ایک فوج لے کر امجھیرا سے آگے کی طرف بڑھا اور اُس نے اُن گھاٹوں کا دروازہ بند کر دیا جن سے تھانے کو راستہ جاتا تھا۔ چونکہ اُس نے یہ سمجھا تھا کہ غنیم کا مقصد بلند مقامات پر چڑھنے کا ہے لیکن زمینداروں اور رعایا نے مرہٹوں کی دست گیری کی اس لیے وہ بیرون گھاٹ سے ہو کر گذر گئے جس کا کوئی محافظ نہ تھا اور جو مانڈو کے مغرب میں چند میل کے فاصلے پر تھا، اور پھر مرہٹے اپنی ساری فوج بغیر کسی قسم کی مزاحمت کے میدان میں لے آئے اور انھوں نے امجھیرا اور دھار کے درمیان تربلا گاؤں میں دیا بہادر کا مقابلہ کیا جہاں اُسے شکست نصیب ہوئی اور وہ مارا گیا اور اُس کی فوج منتشر ہوگئی۔ اس وقت سے مرہٹوں کی عملداری مالوے میں قایم ہوگئی۔ مالوے کے قدیم زمینداروں اور ٹھاکروں کو اُن کی املاک اُن ہی شرائط پر دے دی گئیں جن پر کہ سلطنت مغلیہ کے زمانے میں انھیں حاصل ہوئی تھیں اور انھیں یہ اطمینان دلایا گیا کہ سلطنت مغلیہ میں استحصال بالجبر سے انھیں جو تکالیف پہنچی تھیں وہ اب نہیں پہنچیں گی۔ مغل عامل دار اور دیگر سرکاری افسران تمام تھانوں اور چوکیات سے نکال باہر کیے گئے اور اُن کی جگہ پر مرہٹے افسر مامور کر دیے گئے۔ کچھ عرصے بعد چند ٹھاکروں نے سرکشی اختیار کی اور انھوں نے مرہٹوں کو مالگذاری دینے اور خدمات بجا لانے سے انکار کر دیا اس لیے اُن کے اختیارات اور املاک ضبط کر لی گئیں، اور نئے مالکان (مرہٹوں) کو دے دی گئیں۔ مرہٹوں نے مالوے پر قبضہ کر کے اہل ہندو رؤسا اور ہندو باشندگان کو رضامند کرنے کی کوشش کی۔"

ایک خلعت فاخرہ[1] عطا کر کے باجی راؤ ہم چشموں میں سرفراز اور سربلند کیا جاتا ہے اور اُسے یہ فریضہ یاد دلایا جاتا ہے کہ وہ اطاعت کیشی کی وسیع شاہراہ پر استقلال کے ساتھ گامزن رہے" شاہ دہلی نے یہ اعزاز عطا کرنے سے ایک سال قبل نظام الملک کو مالوے کا صوبہ دار مقرر کر کے باجی راؤ کو مالوے سے نکال باہر کرنے کی کوشش کی تھی اور غالباً اسی وجہ سے وہ دکن کی طرف روانہ ہونے پر آمادہ ہوا تھا جہاں پر نظام الملک کی عدم موجودگی کی وجہ سے (جنھیں نادر شاہ کا مقابلہ کرنے کے واسطے دہلی بلا لیا گیا تھا) اُسے زبردست فتوحات حاصل کرنے کی توقع ہوئی تھی۔ لیکن ایک شکست فاش نصیب ہو جانے سے اُس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ نظام الملک کے فرزند ناصر جنگ نے پونا کے نواح میں اُسے زبردست شکست دی اور اُس کے دار الخلافہ پر قبضہ کر کے اُس میں آگ لگا دی۔ یہ واقعات مشہور و معروف مرہٹہ سردار[2] کے انتقال سے چند ماہ قبل رونما ہوئے تھے۔ اس کا فرزند بالاجی جانشین ہوا۔ مگر پیشوا کے فرائض ادا کرنے سے قبل اس نے مقید ساہو راجہ سے نشان اور تمغہ حاصل کرنے کی تمسخر آمیز رسم ادا کی۔

نادر شاہ کے حملے نے سارے ہندوستان کو تہ و بالا کر دیا تھا اس موقع سے فائدہ اُٹھانے کے لیے اور اپنی عملداری کو وسعت دینے کی غرض سے بالاجی نے تعجیل کی۔ اُس کی حکومت کے زمانے کا ایک نہایت مستند کاغذ نظام الملک کے ساتھ مشہور و معروف معاہدہ ہے یہ درخواست جواب کی شکل میں ہے چونکہ ہندوستانی سیاسی کاغذات عموماً اسی شکل میں ہوتے ہیں۔

اول درخواست یہ تھی کہ بالاجی مالوے[3] کا صوبہ دار مقرر کیا جائے

---

[1] فرمان میں خلعت کے پارچے بھی درج ہیں۔

[2] باجی راؤ بلال کو سنہ ۱۷۲۰ء میں پیشوا کا رتبہ ملا اور ۲۰ سال حکومت کرنے کے بعد وہ اسی مہینے میں مر گیا اور پھر اُس کا فرزند بالاجی باجی راؤ جانشین ہوا۔

[3] ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس علاقے کو ہم سنٹرل انڈیا کہتے ہیں اس کا بڑا حصہ صوبۂ مالوہ میں داخل تھا۔

اور وہ سارا صوبہ اُسے بطور جاگیر کے عطا کیا جائے۔ اس سوال کا یہ جواب ملا کہ خود نظام صوبہ دار ہے لیکن اگر پیشوا فرمانبرداری کا وعدہ کرے تو اُسے نائب صوبہ دار ہونے کی سند عطا کردی جائے۔

دوسری شرط میں یہ درخواست کی گئی ہے کہ ۵۰ لاکھ روپیہ مرحمت فرمایا جائے جیسا کہ شاہ دہلی نے بطور امداد[1] کے عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ اس رقم کے حصول کے لیے انتہائی کوشش کی جائے گی۔

اس تحریر کے سرخط[2] کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریر نظام الملک نے اُس وقت لکھی تھی جب کہ وہ اپنے باغی بیٹے کی گوشمالی کے لیے مالوے ہوکر دکن کو جا رہے تھے بالاجی کو پیشوا کا رتبہ حاصل ہونے سے جے سنگھ کے انتقال کے وقت تک ۳ سال کا زمانہ گزرا اس دوران میں جے سنگھ اور بالاجی کے مابین دوستانہ نامہ و پیام کا سلسلہ برابر جاری رہا اور متعدد خطوط اور معاہدوں سے جو ابھی تک موجود ہیں اُن کے اس تعلق کی نوعیت نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے اور پھر مرہٹوں کے اس منظر پر نمودار ہونے کے بعد اس تعلق نے ایک اور صورت اختیار کرلی۔ جے سنگھ کا مقصد یہ تھا کہ وہ شہنشاہ دہلی اور مرہٹوں کے درمیان گفت و شنید کا آلہ بن کر رہے لیکن معاہدات کی چند شرائط سے ظاہر ہوتا ہے کہ جے سنگھ کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ مرہٹوں کا بھی دوست بنا رہے اور

۸۸
۱۷۴۰ء

[1] مدد خرچ جس کے لغوی معنی امداد مصارف کے ہیں۔
[2] اس فارسی معاہدے کا نام یادداشت مطالبات و جوابات ہے۔ اس معاہدے کے لفافے پر مرہٹی زبان میں یہ فقرہ تحریر ہے کہ ملفوفہ یادداشت مالوے کی صوبہ داری کے متعلق ہے اور یہ کہ بالاجی نے ۵۰ لاکھ روپے نواب آصف جاہ کی خدمت میں ارسال کردیے جو اُس وقت (۲۶ رمضان۔ سنہ درج نہیں) سرائی واقع مالوے میں تھے اور یہ کہ جوابات خاص آصف جاہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں"۔ آصف جاہ دہلی سے سنہ ۱۱۵۳ھ میں روانہ ہوئے انھوں نے اپنے فرزند نظام الدولہ سے سنہ ۱۱۵۴ھ میں جنگ کی اور اپنے آخر دم یعنی سنہ ۱۱۶۱ھ تک دکن میں رہے اسی سال میں محمد شاہ کا بھی انتقال ہوگیا۔

اسی کے ساتھ بادشاہ کی اطاعت کیشی کے فرائض بھی ادا کرے۔ وہ مرہٹوں کی دوستی کو ضمنی طور پر استعمال کرنے کا خواہاں تھا چنانچہ ایک معاہدے[1] کی سہ شرطیں ابر سنگھ راجہ جودھ پور کے خلاف ہیں جس سے کہ جے سنگھ کی اُس وقت عداوت تھی۔

لیکن اس عظیم المرتبت اور قابل راجہ[2] کو اس کی بے وقت موت نے سازش عداوت اور جبرم سے مخلصی عطا کردی اپنے اطراف کے طوفان کو روکنے کے لیے اُس کے پاس کافی وسائل موجود نہ تھے مگر اس کے کیرکٹر پر داغ بدنامی ضرور لگ جاتا اور ہرگز اس کی تعریف نہیں ہو سکتی تھی اُس نے مرہٹوں کے ساتھ جو آخری معاہدہ کیا تھا اس کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاہدہ اس کے انتقال سے کچھ عرصہ قبل طے ہوا تھا۔ اس کی اول شرط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاہدہ جارحانہ اور مدافعانہ تھا۔ دوسری شرط قابل الذکر ہے اس میں (غالباً کافی تجربے کی بنا پر) یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ بالاجی غالباً شاہ دہلی کی اطاعت سے منہ موڑ لے گا۔

جے سنگھ لکھتا ہے کہ میں اس واقعے[3] کے ظہور میں آنے کی روک تھام کروں گا۔ لیکن اگر ایسا واقعہ پیش آجائے گا تو پھر میں پیشوا کا ساتھ دوں گا۔ تیسری اور چوتھی شرط معمولی ہے۔ البتہ پانچویں شرط میں یہ وعدہ درج ہے کہ دریائے چمبل کے شمال میں چند راجپوت سرداروں کے حقوق پر توجہ کی جائے جن کی بابت بالاجی نے سفارش کی ہے کہ اگر وہ بادشاہ کے مطیع رہیں اور مالگذاری ادا

---

[1] اس جارحانہ اور مدافعانہ معاہدے پر سمت ۱۷۹۸ درج ہے اور مرہٹوں نے عربی سنہ ۱۱۴۱ لکھا ہے جو ۱۱۵۵ ہجری اور ۱۷۴۱ء کے مطابق ہے۔

[2] ۱۷۴۲ء میں اُس کا انتقال ہوگیا۔

[3] اس کے متعلق رانگڑہ زبان کے لفظ کا لغوی ترجمہ یہ ہے کہ "میں تمہارے پیچھے رہوں گا" جس کے یہ معنی ہوئے کہ ہر حالت میں تمہارا دوست رہوں گا۔ اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ تمہارا طرزِ عمل تبدیل ہو جانے پر میں تمہارا دشمن بن جاؤں گا۔ بظاہر یہ شرط جے سنگھ کی ناموری کے لیے تھی۔

کرتے رہیں تو انھیں ان کی املاک پر بدستور قابض اور دخیل رکھا جائے۔
اس آخر شرط سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس علاقے کی بابت اُسے اپنے فرایض منصبی کا
احساس باقی تھا اور فی الحقیقت ظن غالب یہی ہے کہ وہ پیشوا اور محمد شاہ کے
مابین نامہ و پیام ہوئے میں صرف بحیثیت وزیر کے کام کرتا تھا۔ محولۂ بالا
معاہدے کی آخر شرط نہایت اہم ہے جس میں جے سنگھ نے وعدہ کیا تھا کہ
میں ۶ ماہ کے اندر ساہو راجہ کے نام فرمان جاری کرا دوں گا کہ اُسے مالوے
کی نائب صوبہ داری کی سند اور حسب دستور تحائف دیے جائیں اور اس میں
یہ بھی اجازت دی جائے گی کہ وہ بادشاہ کی طرف سے دریائے چمبل کے
شمالی علاقے کے راجاؤں سے مالگذاری وصول کر سکتا ہے۔"

یہ معاہدہ شب چہاردہم ماہ جیٹھ سمت ۱۷۹۸ مطابق ۱۷۴۱ء کو مرتب
ہوا تھا۔ اس کے دوسرے سال جے سنگھ کا انتقال ہو گیا۔ بہت کم راجاؤں نے
جے سنگھ سے زیادہ عزت اور ناموری حاصل کی ہے۔ اُس نے اپنے نام کی دوامی یادگار
قایم رکھنے کی غرض سے شہر جے پور تعمیر کیا جس کی شاندار شکل اُس کے بانی کے
دلی شوق کا اظہار کرتی ہے۔ اُس نے ایک رصدگاہ بنائی اور اپنے جدید دارالحکومت میں
رصدگاہ کے لیے جائداد وقف کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس راجہ میں
علمی ذوق و شوق کے علاوہ اور بہت سی خوبیاں تھیں اور اُس نے اپنے
ایام طفولیت میں جو غیر معمولی وعدہ کیا تھا اُسے اپنے طویل زمانۂ حکومت میں
پورے طور پر وفا کیا۔ لیکن اس تذکرے میں اُس کے حالات بحیثیت ایک سردار کے
کیے جاتے ہیں جسے وسط ہند میں مدۃ العمر اقتدار اور اثر حاصل رہا تھا۔
اور جہاں پر سب لوگ بالخصوص راجپوت سردار اُس کے نام کو ابھی تک محبت
اور عزت کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ یہ لوگ اُسے اور جسونت سنگھ راجہ
جودھپور کو بہت یاد کرتے ہیں اور جو راجپوتوں کو اس لیے اور بھی عزیز ہے کہ
وہ اُن کی برادری کا ایک محترم رُکن تھا اور اُس نے شہنشاہ اورنگ زیب کا
مقابلہ کیا تھا۔

یہ قیاس کر لینا ناممکنات سے ہے کہ جے سنگھ کے ایسے طرز عمل نے

۹۰

بالاجی کی کچھ روک تھام کی بلکہ جو سیاسی معاہدے کیے گئے اُن میں اخلاقی قانون کی رو سے مرہٹوں نے کھلم کھلا اور شرمناک طور پر اپنی ذلت گوارا کی ہے اور اس کی ایک بین مثال وہ یادداشت ہے جو بالاجی اور اُس کے چچا چمناجی نے دہلی کے کمزور بادشاہ سے ایک معاہدہ کرنے پر اُس معاہدے میں منسلک کی تھی جس میں مختلف اقسام کی خدمات بجالانے کا وعدہ کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ "بالاجی راؤ[1] نے تہیہ کرلیا ہے کہ آئندہ سے ہر ایک کام نہایت صفائی اور صداقت کے ساتھ انجام دے گا اور شہنشاہ معظم کے ارشادات کی تعمیل کرے گا اور اگر کسی فرمان کے نافذ نہ ہونے سے یا کسی بے ضابطگی سے تاخیر واقع ہوگی اور کچھ اندیشہ پیدا ہوگا تو وہ جھگڑا کرنے سے احتراز کرے گا جیسا کہ وہ اس وقت تک کرتا رہا ہے۔ اور وہ روپے کی مفروضہ حاجت یا کسی عذر لنگ کی بنا پر اپنے کسی فرض منصبی یا خدمت کے بجالانے میں ہرگز پہلو تہی نہیں کرے گا۔"

۹۲

محمد شاہ نے بالاجی کو مالوے کا صوبہ دار مقرر[2] کردیا لیکن اس زمانے میں بادشاہ اور پیشوا کے مابین جملہ کارروائیوں میں ایک عجیب بے ضابطگی تھی۔ مالوے کی صوبہ داری کا اعلیٰ عہدہ وزیر کے سپرد[3] کردیا گیا تھا

---

[1] جب بالاجی راؤ مالوے کا صوبہ دار مقرر ہوگیا تو اُس نے اور اُس کے چچا چمناجی نے یہ مشہور اقرار نامہ ایک معاہدے کی ۹ شرائط کے ساتھ منسلک کرکے شہنشاہ کی خدمت میں پیش کردیا اور یہ یقین کیا جاتا ہے کہ یہ اقرار نامہ خود بالاجی نے اپنے قلم سے لکھا تھا اور راؤ کرپارام کے مشورے سے بہت کچھ بحث مباحثے کے بعد خان دوراں خاں وزیر کے زمانے میں وہ ۹ شرطیں تحریر کی گئی تھیں۔ راؤ کرپارام ایک مشہور و معروف شخص تھا وہ جے سنگھ کی جانب سے دہلی میں عرصۂ دراز تک وکیل رہا اور وہ محمد شاہ کو بہت عزیز تھا۔

[2] یہ تقرر دو سندوں سے عمل میں آیا تھا ایک سند پر تاریخ تحریر ۲۲ جمادی الاول اور دوسری پر ۱۸ رجب سنہ ۱۴ جلوس شاہی درج ہے۔

[3] دوسری سند مورخہ ۱۸ رجب کی یہ نوعیت تھی۔

تاکہ وہ یہ عہدہ پیشوا کو عطا کر دے اور غالباً اس کی یہ وجہ تھی کہ تیموریہ خاندان کا یہ جانشین اُن مراعات کے عطا کرنے سے شرمندہ اور نادم تھا جن کے دینے پر وہ مجبور ہو گیا تھا اور اس ضرورت نے اس کے دل میں یہ خواہش پیدا کر دی تھی کہ اس کارروائی سے وہ اپنا وقار قائم رکھے[1] لیکن مرہٹہ سردار کو ان باتوں کی چنداں پروا نہیں تھی جب تک کہ اُس کی حقیقی قوت میں ترقی ہوتی رہی اُس نے بخوشی اُس کا نام دوسرے لوگوں کے لیے چھوڑ دیا۔

---

[1] بہت سے کاغذات، تجاویز اور معاہدات سے ثابت ہوتا ہے کہ پیشوا مالوے کے صوبہ دار ہو جانے کے اختیارات اور لقب حاصل کرنے کے لیے نہایت بے قرار اور مضطرب تھا اور اس نے اقرار کیا تھا کہ اگر میری تمنا پوری کر دی جائے تو میں نہ دل سے اطاعت شعار اور وفا کیش رہوں گا۔ ان کاغذات میں ایک عجیب مثال بالاجی کی مستعدی کی ہے کہ اُس نے حصول مقصد کے لیے ہر قسم کے وسائل سے کام لیا تھا چنانچہ ایک اقرار نامہ مورخہ ۲۳ سنہ جلوس شاہی (مالوے کی صوبہ داری کی منظوری سے ایک سال قبل) کی تمہید میں یہ لکھا ہوا ہے کہ "فدوی بالاجی راؤ مکھ پردھان آصف جاہ کی وساطت سے" اور اس مضمون اور اسی تاریخ کے ایک اور کاغذ میں وہ آصف جاہ کی وساطت کو ترک کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بادشاہ سلامت کے اذن کے بغیر پیشوا کسی قسم کی دوستی آصف جاہ سے نہیں کرے گا۔ اس لیے قیاس کیا جاتا ہے کہ پہلا کاغذ اصل مسودہ تھا لیکن بادشاہ نے اُسے منظور نہیں کیا اس لیے اس کی بجائے دوسرا تحریر ہوا اگرچہ چونکہ دونوں کاغذات نہایت احتیاط کے ساتھ اب تک موجود ہیں ان کے متعلق ظن غالب یہ ہے کہ ایک اقرار نامہ تو دربار دہلی میں ارسال کیا گیا اور دوسرا نظام الملک کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس قسم کی کارروائی مرہٹوں کی سیاسی تدابیر کے عین مطابق تھی کیونکہ وہ تو وقت پر اپنا کام نکالنا چاہتے تھے اُنھیں اس کا احساس ہرگز نہ تھا کہ افشائے راز پر ذلت اور رسوائی ہو گی۔

دیگر کاغذات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بالاجی نے نہایت ذلیل اور
۹۳ نامعقول بہانے تراش کر دربار دہلی سے بڑی بڑی رقوم جبریہ وصول کیں
ازانجملہ ایک گرانقدر رقم کا مطالبہ کیا اور جبریہ وصول کر لی جس کے
دینے کا اُس کے باپ سے اس شرط پر وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ نادر شاہ کے
مقابلے میں شاہ دہلی کا ساتھ دے گا اگرچہ اس موقع پر باجی راؤ نہ صرف
الگ تھلگ رہا بلکہ اُس نے اپنے مقبوضات کی توسیع کے لیے اس نازک
موقع سے ہر طرح کا فائدہ اٹھایا۔

جب بالاجی کو مالوے کے صوبہ دار کا عہدہ مل گیا تو اُس نے اپنی
شکرگذاری کو ایک اقرار نامے[1] میں ظاہر کیا جو اُس نے اور اُس کے چچا نے
۹۴ بادشاہ کی فرمانبرداری اور اطاعت کیشی کے لیے تحریر کیا تھا لیکن اس کی
شرائط کے لہجے میں اُن حضرات کی حقیقی حالت کا کافی ثبوت موجود ہے جو
۹۵ بے معنے وفاداری اور عجز و انکسار کا اظہار کر کے اپنے فوری فوائد کے
خواہاں تھے۔ بالاجی نے مالوے پر قبضہ حاصل کرنے کے اضطراب میں
وہ کارروائی کی جس کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں اور اُس نے اپنے خاص
فوجی سرداروں کو اپنی وفاداری کا ضامن بنا دیا اور آئندہ کی عہد شکنی کی
روک تھام کے لیے اُس نے محمد شاہ کی خدمت میں حسب ذیل دستاویز پیش
کی "ہم رانوجی سندھیا۔ ملہرجی ہلکر۔ جسونت راؤ پوار۔ پلاجی جادھو اپنا

[1] پنڈت پردھان بالاجی راؤ اور چمناجی کے اقرار نامے کی شرائط کا ترجمہ
حسب ذیل ہے:-

"چونکہ شاہی الطاف اور نوازش کریانہ بالاجی راؤ اور چمناجی (راؤ نعاوان) کو
مالوے کی صوبہ داری مرحمت فرمائی گئی ہے اس لیے ہم بطیب خاطر حسب ذیل
خدمات بجا لانے پر تیار ہیں۔

(۱) ہم کو دربار عالی میں باریاب ہونے کا شرف عطا فرمایا جائے۔

(۲) ہم مالوے کے علاوہ کسی اور علاقے پر نہ تو حملہ آور ہوں گے اور

دستخطی یہ اقرار نامہ پیش کرتے ہیں کہ بالاجی راؤ کھ پر دھان جس نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہ لوٹ مار کریں گے اور نہ ان علاقوں کو تباہ و برباد کریں گے۔

(۳) کوئی اور مرہٹہ سردار ہندوستان کے صوبے کے کسی حصے میں نربدا کے گھاٹوں سے گزرنے نہ پائے گا اور اس کا ہم ذمہ لیتے ہیں۔

(۴) ایک معزز مرہٹہ افسر مع ۵۰۰ سواروں کے دستے کے بر وقت شہنشاہ معظم کے حضور میں حاضر رہے گا۔

(۵) ہم اس رقم کو قبول کرتے ہیں جو امسال ہمیں بطور انعام کے مرحمت فرمائی گئی ہے لیکن آیندہ ہم دربار سے ایک حبہ بھی طلب نہیں کریں گے جو ملجا و ماوائے عالم ہے اور ہم اپنے ادائے فرائض اور اطاعت کیشی میں ہر وقت مستعد اور سرگرم رہیں گے۔

(۶) جب کبھی شہنشاہ کی ظفریاب فوج کسی بیرونی ملک پر حملہ کرنے کے لیے نقل و حرکت کرے گی تو ہم شاہی لشکر کے ساتھ اپنے چار ہزار سوار پیش کریں گے لیکن اگر اس سے زیادہ فوج کی خدمات درکار ہوں گی تو اس کے مصارف ظل اللہ ادا کریں گے۔

(۷) ہم چنبل پار کے زمینداروں سے پیش کش یا نذرانے کے ایک حبہ بھی وصول نہیں کریں گے۔

(۸) اگر ظل اللہ اس علاقے کے کسی چھوٹے زمیندار کی گوشمالی کا حکم نافذ فرمائیں گے تو ہم اس حکم کی تعمیل کے واسطے اپنے ۴ ہزار سواروں کی خدمات پیش کریں گے۔

(۹) قلعہ داروں کی جاگیرات۔ قانونگو اور مفتیان کی بالائی یافت اور مصارف خیر کی معافیات اور وظائف کی بابت جو ظل اللہ کی فیاضی سے ظہور میں آئی ہیں التماس ہے کہ ہم ان میں کچھ دست اندازی نہیں کریں گے اور جن لوگوں کو وہ عطا ہوئے ہیں انھیں پورے طور پر مستفیض ہونے کا موقع دیں گے تاکہ وہ شہنشاہ معظم کی اقبالمندی اور مرفہ الحالی کے لیے دست بدعا رہیں۔

نوٹ: اس اقرار نامے کے لفافہ پر جو نوٹ درج تھا وہ صفحہ ۹۱ پر ہم نے تحریر کر دیا ہے۔

شہنشاہ معظم کی خدمات بجالانے کا اقرار کیا ہے اگر وہ آیندہ کسی وقت اپنے فرائض کے ادا کرنے میں پہلو تہی کرے گا تو ہم اُسے ایسا کرنے سے روکیں گے لیکن اگر ہماری ان کوششوں پر بھی وہ اپنے فرائض ادا کرنے سے قاصر رہے گا اور اپنی رائے سے باز نہ آئے گا تو اس صورت میں ہم پر وھان پنڈت کی ملازمت ترک کر دیں گے اس لیے ہم نے یہ اقرار نامہ تحریر کر دیا ہے۔"

اس اقرار نامے پر ۲۳ ربیع الاول ۲۳ جلوس شاہی مطابق ۱۷۴۳ء درج ہے۔

گذشتہ چند سال کے واقعات پر غور کرنے سے اس غیر معمولی تحریر کی مزید حیرت انگیز نوعیت ظاہر ہوتی ہے۔ رانوجی اس سردار کے باپ کا کفش بردار تھا جس کے طرز عمل کا اب وہ ضامن ہوا ہے اور ملہر راؤ ہلکر اب سے چند سال پیشتر دکن میں اپنے گاؤں کے قریب بکریاں چرا تا تھا مگر یہ انقلاب کا زمانہ تھا اب یہ لوگ زبردست فوجی سپہ سالار تھے جن کے پاس نہ صرف اپنی فوجیں تھیں بلکہ پیشوا کی عملداری سے باہر نربدا کے شمال میں ان کے علاقے بھی تھے۔ جو واقعات یہاں پر بیان کیے گئے ہیں ان کے بعد سے ان کی تاریخ کا وسط ہند سے بہت کم تعلق ہے اس لیے ان واقعات کی وضاحت کے واسطے مرہٹوں کے پوار۔ سندھیا اور ہلکر خاندانوں کا حال جداگانہ عرض کیا جائے گا جن کے اجداد اولاً اس ملک کو فتح کرنے کی غرض سے ملازم رکھے گئے تھے اور پھر وہ خود اس کے مالک بن گئے۔

دھار اور دیواس کا پوار خاندان

۹۷

مرہٹوں کی ابتدائی تاریخ کے زمانے میں پوار خاندان نہایت ممتاز تھا[1] یہ لوگ راجپوت فرقے سے تھے۔ ان میں سے بہت سے افراد کسی قدیم زمانے میں مالوے میں سکونت پذیر ہوئے تھے جہاں سے یہ شاخ دکن جاکر آباد ہو گئی۔ اس خاندان کا پہلا شخص سیواجی[2] پوار ایک زمیندار تھا جس کے خاندان کا دکن میں پتا لگ سکتا ہے اور اس کے پوتے سمبھاجی اور کالوجی شہرۂ آفاق سیواجی کے یہاں سردار تھے۔ سمبھاجی کے ۳ بیٹوں اوداجی، انند راؤ اور جگدیو نے اس راجہ کے جانشین (ساہو راجہ) کے یہاں ملازمت کی جس کی حکومت میں اوداجی نے بڑا رتبہ حاصل کیا۔ وہ نہ صرف فوج کا اعلیٰ سردار بنایا گیا بلکہ اس کے ساتھ نہایت ادب اور احترام کا برتاؤ کیا جاتا تھا جیسا کہ ساہو راجہ اور اس کے وزیر باجی راؤ کے خطوط اور سندات کے مضامین اور لب ولہجے سے واضح ہوتا ہے جو ابھی تک اس خاندان کے پاس موجود ہیں

۹۸

۱۔ اس فرقے کا حال صفحہ ۱۲ پر بیان کر دیا گیا ہے۔
۲۔ وہ دکن میں سوپات کنگی اور کرن گاؤں کا زمیندار تھا

باجی راؤ کے وسط ہند فتح کرنے سے آٹھ سال پیشتر اوداجی[1] وسط ہند اور گجرات سے مرہٹوں کے حقوق غارت گری[2] قایم کرنے پر مامور کیا گیا تھا۔ اُس نے پیشوا کی مخالفت کی جس نے اولاً اس کے جملہ اختیارات سلب کر لیے اور پھر اسے قید کر دیا[3] اور اُس کے بھائی انند راؤ کو خاندان کا سردار بنا دیا۔ یہ واقعہ مالوے کے علاقے کی تقسیم سے پیشتر رونما ہوا تھا اور انند راؤ ہی ریاست دھار کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔

یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ مرہٹوں نے دھار کو انند راؤ اور اُس کی اولاد کا صدر مقام بنا کر اُس قوم کو پھر فرما نروا بنا دیا جو سات صدی قبل اس شہر اور علاقے کی حکومت سے نکال دیے گئے تھے لیکن موجودہ خاندان اگرچہ اُسی فرقے (پوار) سے ہے مگر وہ مالوے کے قدیم ہندو راجاؤں کی

[1] اوداجی گجرات میں داخل ہوا مگر اُس نے وہاں پر مستقل قیام نہیں کیا البتہ بندھیا اور پلے جی گائیکوار نے وہاں پر سکونت اختیار کی جیسا کہ پیشتر بیان کر دیا گیا ہے۔ پلے جی نے کچھ جنگ و جدال کے بعد ۱۷۲۶ء میں اوداجی کو مالوے واپس جانے پر مجبور کر دیا اور ڈوبائے بڑودے کے قلعے اُس سے چھین لیے جن پر کہ اُس کا قبضہ ہو گیا تھا۔ بڑودہ پلے جی کا مستقر بن گیا جو اب تک اُس کی اولاد کا دارالسلطنت ہے۔

[2] چوتھ اور سردیس مکھی وغیرہ۔

[3] ایک روایت تو یہ ہے کہ اودے جی جیل خانے سے نکل کر دکن جا پہنچا اور پونا کے نزدیک موضع ملتان میں گمنامی کی موت مرگیا۔ یہ بات تو بالکل صحیح ہے کہ تاریخ مرہٹہ میں اُس کا نام پر بہت کم آیا ہے اور اس واقعے کو اس کی سابقہ شہرت سے ملانے پر یہ شبہہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ باجی راؤ کی اور اپنے جانشین انند راؤ کے خوف سے اُس کی موت بہت جلد وقوع میں آگئی اور پیشوا کے ساتھ بے وفائی کرنا ہی اُس کے بھائی کے تنزل کا خاص سبب ہوا۔

اولاد ہونے کا مدعی نہیں ہے۔[۱] دیگر چھتریوں کی طرح انھوں نے بھی جو مرہٹوں سے مخلوط ہو گئے مرہٹوں کے عادات و خصائل اختیار کر لیے۔ چنانچہ بزرگ خاندان حضرات نے راجپوت راجاؤں کی طرح نہیں بلکہ مرہٹہ سرداروں کے احساسات کے مطابق دکن میں بعض دیہات کا عہدۂ پٹیلی[۲] خرید لیا اور اس علاقے میں اُن کی اولاد دیہاتی افسر ہونے کے حقوق کو بڑی اہمیت دیتی ہے۔ باوجودیکہ اُن رسم و رواج اور اُن سے پیدا ہونے والے تعلقات نے اس خاندان کو مرہٹوں میں ضم کر دیا ہے لیکن وہ ابھی تک اپنی شرافت نسبی اور راجہ ستارہ کی ملازمت میں ہونے کے باعث (پیشوا کے یہاں نہیں) سندھیا اور ہلکر کے خاندان سے اپنے کو برتر اور افضل تصور کرتے ہیں اور مختلف تقاریب اور رسوم کے موقع پر اُن کے یہ حقوق اُس وقت بھی تسلیم کیے جاتے تھے جب کہ اپنی شومیٔ قسمت سے وہ انتہائی پستی کی حالت میں تھے۔ چنانچہ آنجہانی جسونت راؤ ہلکر اور دولت راؤ سندھیا نے اُس وقت بھی اُن کے افضل مرتبے کو تسلیم کر لیا تھا جب کہ وہ اُن کی حکومت غصب کر رہے تھے اور اُن کی ریاستوں کو تباہ کر رہے تھے۔

انند راؤ پوار کو ۱۷۳۴ء میں مالوے اور گجرات کی مالگذاری میں سے

۱۰۰

---

[۱] البتہ چھوٹی سی ریاست کوٹہ کے راجہ اسی نسل سے ہونے پر نازاں ہیں۔

[۲] میں نے موضع کتار پرگنہ جنیر کے عہدۂ پٹیلی کی سند دیکھی ہے جو ۱۱۲ روپے اور ایک گھوڑے کے معاوضے میں انند راؤ نے ۱۷۱۰ء میں خریدی تھی۔ پھر انند راؤ کے فرزند جسونت راؤ پوار نے جب کہ وہ دھار کا راجہ تھا کنگاؤں پرگنہ کنڈا صوبہ جنیر کی پٹیلی کا نصف عہدہ مبلغ ۱۰۵۷ روپے قیمت دے کر ۱۷۳۴ء میں خریدا تھا۔ پیشواؤں کے زمانے میں البتہ ان عہدوں کی مختصر سی آزادی میں وقتاً فوقتاً رخنہ اندازی ہوئی تھی اور پونا کے علاقے میں انگریزی حکومت قائم ہونے کے وقت سے ان عہدوں کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے دلی شوق کے ساتھ کوشش کی گئی ہے۔

مرہٹوں کا حصہ وصول کرنے کا اختیار عطا کیا گیا تھا لیکن چونکہ اگلے سال ہی باجی راؤ پیشوا مالوے کا صوبہ دار ہوگیا اس کے متعلق کوئی کارروائی نہیں ہوسکی، اور خواہ مرہٹوں نے کیسی ہی حکمت عملی کیوں نہ اختیار کی لیکن اس تاریخ سے وہ مستقل طور پر مالوے کے فرمانروا بن گئے۔ اس کے بعد انند راؤ نے فوراً دھار میں سکونت اختیار کرلی اور اس کے اور اس کے وابستگان کے گزارے کے لیے صوبۂ دھار مع ملحقہ اضلاع اور پڑوسی راجپوت رؤسا کا خراج مرحمت کردیا گیا۔ ۱۷۴۹ء میں انند راؤ کا انتقال ہوگیا اور اس کا فرزند جسونت راؤ پوار اس کا جانشین ہوا جو پیشوا کے ہمرکاب ہندوستان گیا۔ یہ شخص ان ممتاز سرداروں[1] میں سے تھا جو ان مشہور و معروف لڑائی میں کام آئے
۱۰۲
جو مرہٹوں نے پیشوا کے بھائی سداشیو بھاؤ کے زیرکمان مسلمانوں کی متحدہ افواج زیرکمان احمد شاہ ابدالی سے بمقام پانی پت لڑی تھی جسونت راؤ کا

---

[1] جسونت راؤ پوار نے مرہٹوں میں بڑا اعزاز حاصل کرلیا تھا اور مالوے کے باشندے اس کی نیک مزاجی اور اس کی شجاعت دونوں کی یکساں تعریف کرتے ہیں جنھیں اس کی ناموری کے متعلق بہت سی روایات یاد ہیں۔ چنانچہ اس سردار کا حسب ذیل واقعہ وہاں کے ایک نہایت معزز مصنف خیالی رام نے بیان کیا جس کے سپرد کسی زمانے میں بیرسیہ کا انتظام رہا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ تیس برس ہوئے جب اس ضلع کے ایک موروثی چودھری ہمت سنگھ سے میری طویل گفتگو ہوئی تھی (اس وقت اس کی عمر ۸۰ سال کی تھی) اس نے جسونت راؤ پوار کی نیک مزاجی اور بہادری کی بیحد تعریف کی۔ ہمت سنگھ نے مجھ سے کہا کہ جب بھاؤ بیرسیہ کے قریب دریا پر خیمہ زن ہوا تو جسونت سنگھ مجھ کو و نیز چند دیگر اشخاص کو سپہ سالار کے خیمے پر یہ دیکھنے کے لیے لے گیا کہ وہاں پر کیا ہو رہا ہے۔ جسونت سنگھ خیمے کے اندر آداب عرض کرنے کو گیا اور میں مع دیگر زمینداروں کے خیمے کے بیرونی دروازے پر بیٹھ گیا کہ تین مرہٹہ سردار اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے اور چونکہ ان کے ساتھ کوئی سائیس نہیں تھا اس لیے انھوں نے مجھے اور دو دیگر زمینداروں کو

۱۰۲

بیٹا کندی راؤ نابالغ تھا[1] جب اس کا باپ مارا گیا تھا اس لئے خاندانی جائداد کا
انتظام مادھوراؤ اور دیگر برہمن کے سپرد ہوا۔ اس وقت دھار کی چھوٹی سی
ریاست کو زوال آنے لگا۔ مالوے کے مرہٹہ رئیسوں نے اس ریاست کی
کمزور اور ابتر حالت سے فائدہ اٹھایا اور ایک وقت تو اس ریاست کی
تباہی ناگزیر معلوم ہونے لگی تھی بلکہ شہرۂ آفاق رگھوبا نے اپنے خاندان کو
پناہ لینے کے واسطے دھار بھیج دیا جس نے اپنے جملہ معاونین کو اس وقت
مصیبت میں پھانس دیا تھا اور اس کے بعد ہی رگھوبا کے دشمنوں کی
متحدہ فوجوں کے ایک دستے نے دھار کا محاصرہ کر لیا۔ اس کی خاص بیوی
آنندی بائی قلعے کے اندر موجود تھی جس کے ابھی حال ہی میں باجی راؤ (آخری پیشوا)
پیدا ہوا تھا اور حملہ آوروں کا یہ منشا تھا کہ آنندی بائی اور اس کے نوزائیدہ
بچے کو اپنے قبضے میں کریں۔[2] چونکہ کندی راؤ رگھوبا کے جھنڈے کے نیچے
علانیہ طور پر آگیا تھا اس لیے اس کی جائداد ضبط کر لی گئی اور بعد میں آنندی بائی
اور اس کے بچے کو محاصرین کے حوالے کرنے کے معاوضے میں کندی راؤ کو

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) گھوڑے تھامے رہنے کا حکم دیا اور وہ بھاؤ کے خیمے کے اندر چلے گئے چنانچہ
ہم نے ایسا ہی کیا جسونت راؤ نے واپس آکر ہم سے دریافت کیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا
اور ہم نے جب اسے اطلاع دی کہ یہ واقعہ پیش آیا ہے تو اس نے نہایت برہم ہو کر کہا کہ
میرے زمینداروں سے سائیس کا کام لینے کی کس نے جرأت کی ہے اور پھر ہماری طرف
مخاطب ہو کر ہم سے کہا کہ ان گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے گھر چلے جاؤ یہ تمہاری ملکیت ہیں۔
ہم نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی (ہمنت سنگھ نے کہا) اور پھر اس کے متعلق ایک لفظ بھی
سننے میں نہ آیا اور ہم نے ان نفیس گھوڑوں کو مع ساز و سامان کے اپنے پاس رکھا۔

[1] وہ صرف ڈھائی برس کا تھا۔

[2] اپنے خرد سال بچے کے قید ہونے پر ضرور ترس آتا ہے لیکن اس کی بدنصیب
ماں پر کسی کو رحم نہ آیا جب کہ بدبخت نوعمر پیشوا نرائن جی راؤ نے اپنے قاتلوں سے
بھاگ کر اپنے چچا کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور جاں بخشی کی استدعا کی مگر اس کی

اُس کی جائداد واپس دے دی گئی۔ انندی بائی اور اُس کا بچہ قید کر کے دکن بھیجدیے گئے۔ مادھو راؤ پیشوا کی جانب سے جو احکام مالوے کے مختلف اضلاع کندی راؤ کو واپس دیے جانے کی بابت نافذ ہوئے تھے اُن میں خصوصیت کے ساتھ برائے مصارف فوج تحریر ہے۔ حالانکہ جاگیر صرف فوجی سرداروں کو دی جاتی تھی اور کسی اور شخص نے کبھی حصول جاگیر کے لیے کوشش نہیں کی تھی۔ اس ابتری کی وجہ سے غاصبانہ کارروائیوں کی کچھ روک تھام نہ تھی اور جب اعلیٰ حکومت زبردست ہوتی تھی تو انھیں اطاعت قبول کرنے کا بہانہ مل جاتا تھا جو اُن کی طبائع کے عین مطابق تھا اس رواج کی بدولت

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) ماں اپنے کمرے میں سے دوڑتی ہوئی آئی اور اُس نے لڑکے کے ہاتھ کھول دیے اور رگھوبا کی گود میں سے اسے جبریہ اُٹھا لیا چنانچہ اس لڑکے کا وہی انجام ہوا جو سب مرہٹوں کو معلوم تھا۔ انندی بائی اپنے اور اپنے بچوں کی فلاح کی خواہش سے اُس لڑکے کی تباہی کا خاص موجب ہوئی (رگھوبا کا نام سب لوگ اور بالخصوص انگریز بہت منحوس سمجھتے ہیں، جسے اُس کے اہل وطن شریر اور نہایت کمزور سمجھتے ہیں وہ مدۃ العمر اس دیدہ دلیر اور نابکار عورت کے زیر اثر رہا۔ جس کے متعلق ہر ایک مرہٹہ نہایت ناراض اور نفرت آمیز تذکرہ کرتا ہے۔

ے۔ میں نے صرف حسن اتفاق ہی سے اس پٹے کو دیکھ لیا جس کا نام سرانجام درج تھا۔ دھار کا پنڈت یہ کاغذ دکھاتے ہوئے خائف ہوا جس پر میں نے مسکرا کر کہا کہ آپ کے آقا کے پاس اب ہندوستان کا بہترین پٹہ یعنے برطانوی حکومت کے ساتھ معاہدہ موجود ہے جس کی رو سے اُس کے سابق حقوق ہرگز مسترد نہیں ہو سکتے ہیں اور نہ کبھی مسترد ہوا کیے۔ اُس نے کہا کہ میں بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں لیکن جاگیرات کے متعلق جو شرائط درج ہوئی ہیں وہ اگرچہ منصفانہ اور فیاضانہ ہیں لیکن مرہٹے اُن شرائط کو ایسا نہیں جانتے ہیں۔

جس کی رو سے فوجی اور سیول عہدے موروثی ہو جاتے تھے انھیں اس بات کا کامل وثوق رہتا تھا کہ ہم اور ہماری اولاد اس خدمت کے صلے میں املاک پر بدستور اُس وقت تک قابض رہیں گے جب تک کہ ہم ان پر کسی بہانے سے قبضہ رکھ سکتے ہیں کیونکہ اپنی سلطنت کے اصولوں سے وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ جب ہم اپنی مدافعت کرنے کے لائق نہیں رہیں گے اُس وقت ہمارا کوئی استحقاق خواہ وہ ہر طرح پر جائز اور درست کیوں نہ ہو ہمیں تباہی سے نہیں بچا سکے گا۔

۱۰۴

کندی راؤ پوار نے گوبند راؤ گائیکوار کی لڑکی سے شادی کرلی جس کے بطن سے کندی راؤ کے انتقال کے ۷ ماہ بعد ایک لڑکا پیدا ہوا اس لڑکے کا نام انند راؤ تھا جو سترہ سال کی عمر تک اپنے نانا کے دارالحکومت بڑودہ میں رہا اس کے بعد وہ دھار چلا گیا اور اگرچہ دیوان رنگ راؤ بہادر[1] نے اس کی مخالفت کی مگر وہ اپنی ریاست میں قیام کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

۱۷۹۷ء

انند راؤ کی واپسی کے وقت سے دھار کے پوار خاندان کی تاریخ مصیبتوں کا سلسلہ پیش کرتی ہے اور گذشتہ بیس سال کے دوران میں اس خاندان کے فرمانرواؤں نے جو کوشش اور جد وجہد کی ہے وہ حصول اقتدار کی نوعیت نہیں رکھتی ہے بلکہ اُسے تنازع للبقا کی سعی کہہ سکتے ہیں۔ اُس کے تباہ و برباد کرنے والے بالخصوص ہلکر[1] اور سندھیا مرہٹہ سردار تھے۔

---

[1] رنگ راؤ اور دیگر باغی وزیر جسونت راؤ ہلکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور دوستانہ طور پر اُس سے امان کا خواستگار رہا جسونت راؤ ہلکر نے وزیر اور اُس کے آقا کے مابین مصالحت کرانے کے لیے غیر مؤثر کوشش کی اور اُس کے ملک پر لوٹ مار کر کے اُسے تباہ و برباد کر دیا۔ وزیر یہ دیکھ کر کہ جسونت راؤ اس کام کو انجام نہیں دے سکتا ہے دکن کو چلا گیا جہاں پر اُس نے دولت راؤ سندھیا کو دھار پر حملہ کرنے کے لیے ۱۸۰۰ء میں آمادہ کر دیا اس راجہ نے اول اس چھوٹی سی ریاست سے تیس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا اور اس کے متعلق یہ بہانہ تراشا کہ مجھ کو پیشوا نے

اپنے علاقے کو بچانے کے لیے چند بے سود کوششیں کرنے کے بعد انندراؤ کا	۱۰۵

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) حکم دیا ہے کہ اگر یہ رقم ادا نہ کی جائے تو جبراً ریاست چھین لی جائے۔ بڑی کوششوں سے دو لاکھ روپیہ وصول ہوا جو سندھیا کی خدمت میں پیش کر دیا گیا اور کوٹا سے خراج وصول ہونے پر مزید دو لاکھ روپے دینے کا اور وعدہ کیا گیا لیکن یہ ایک ادنیٰ جز اُس نقصان کا تھا جو اور بینکروزیر نے اس ریاست کو پہنچایا تھا۔ اگرا اور سوینل کے اضلاع جو وزیر کے گذارے کے لیے بطور معافی کے دیے گئے تھے وہ سندھیا کی نذر کر دیے گئے۔ اور سندھیا کے مظالم کا اُس وقت خاتمہ ہوا جب اُس نے انندراؤ کو اُس کی ریاست کے ایک خاص جز سے ۱۸۰۵ء میں محروم کر دیا۔ بروتی کی ساری رعایا گرفتار کر لی گئی اور سندھیا کے ایک سردار جگا باپوتے دھار پر دوبارہ حملہ کیا جس نے وہاں کے فرمانروا سے ایک رقم خطیر جبریہ وصول کر لی اس سے دو سال بعد یعنے ۱۸۰۷ء میں سندھیا کے ایک اور افسر سمبھاجی جوگھانے اس غریب ریاست پر چڑھائی کی اور بدناور میں جنگ کرکے اس ضلع پر قبضہ کر لیا تاکہ سندھیا کے حکم بابت وصولی ۷۵۰۰۰ روپے کی تعمیل کی جائے۔ اپنا علاقہ واپس لینے کی آرزو نے انندراؤ کو یہ رقم جمع کرکے ادا کرنے پر آمادہ کیا لیکن اس کارروائی کے دوران ہی میں اس بدبخت راجہ کا انتقال ہو گیا۔ اس سانحے کے پیش آجانے اور ابتری وگڑبڑ پڑ جانے سے سندھیا کو روپے اور علاقے دونوں پر قبضہ کرنے کا حیلہ ہاتھ آگیا۔ وثوق کے ساتھ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انندراؤ کو اُس کی بہن نے زہر دے دیا جو نہایت ناہنجار اور آوارہ قسم کی عورت تھی۔ اُس کا منشا یہ تھا کہ کسی لڑکے کو متبنیٰ کرکے اُس کے نام سے میں حکومت کروں گی لیکن اُس کی ان توقعات پر پانی پڑ گیا کیونکہ اپنے بھائی کے انتقال سے چند روز بعد وہ گرفتار کی گئی اور مع دیگر شرکائے جرم کے وہ قتل کر دی گئی۔

ان کارروائیوں کے زمانے میں میر خاں نے پواروں کے ضلع بیرسیہ پر قبضہ کر لیا اور پھر یہ علاقہ کریم خاں پنڈاری کے حوالے کر دیا۔ چند سال کے بعد جسونت راؤ ہلکر نے پرگنہ تالی دمنڈ اور پر بھی قبضہ کر لیا اور پھر یہ پرگنے

۱۰۶ انتقال ہو گیا اور اُس کی حکومت اور اختیارات اُس کی بیوہ میناؔ بائی کے ہاتھ آ گئے۔ شوہر کا انتقال ہونے کے وقت یہ رانی حاملہ تھی اور وہ جسونت راؤ کے حرامی بیٹے مراری راؤ کی چالوں سے خائف ہو کر جس نے

۱۰۷ دھار میں اپنی ایک جماعت تیار کر لی تھی مانڈو چلی گئی جہاں پر اُس کے ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام رام چندر راؤ پوار ہے جس کی وجہ سے اُس کے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) غفور خاں کو فوجی مصارف کے لیے بطور جاگیر کے عطا کر دیے۔ اس ریاست کے علاقہ جات مالوہ پر ہر قسم کے لٹیروں نے اپنا قبضہ کیا اور اُن کے حصے بخرے کر لیے۔ دیوان ریاست جو ان جملہ مصیبتوں کا بانی تھا انند راؤ سے کچھ ساز باز کر کے جس کی وجہ سے وہ چند ماہ تک دھار میں پڑا رہا پونا کو بھاگ گیا جہاں پر اُس نے باجی راؤ کو اس راجہ کے مقبوضات دکن پر حملہ آور ہونے کی رشہ دے کر اس راجہ کی تباہی و بربادی کو درجۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔
رنگ راؤ اور یکر ابھی تک باحیات ہے اور پونا میں رہتا ہے اور وہ ایک قابل شخص مانا جاتا ہے اور جس زمانے میں دھار کا سارا انتظام اُس کے ہاتھ میں تھا تو وہاں پر عمدہ طور پر حکومت ہوتی تھی۔ اُس کی یہ تمنا تھی کہ انند راؤ مع اپنی والدہ کے بڑودے میں رہے لیکن جب یہ رئیس اپنی گرم مزاجی کی وجہ سے (کیونکہ اگرچہ وہ صرف ۱۷ برس کا تھا مگر اُس نے اپنی ہی رائے پر عمل کیا) وہ یکایک اپنے ہی علاقے میں چلا آیا اور دیوان سے اُس کی ان بن ہو گئی بعد ازاں دیوان کی آتشِ حسد تیز ہوئی اور اُسے اس ریاست کی تباہی میں اعانت کرنے میں قابل نفرت لطف آنے لگا جہاں پر کہ وہ اب حکومت نہیں کر سکتا تھا۔ اور ابھی حال ہی میں اُس نے اس رئیس کو اُس کے علاقہ پونا کے موروثی حقوق سے محروم کرنے کے لیے ایک عیارانہ چال چلی اور یہ دعویٰ پیش کیا تھا کہ یہ علاقہ تو میرے گذارے کے لیے مرحمت ہوا تھا لیکن اس میں وہ ناکام رہا۔

لہ۔ قلعہ دارہ۔

حقوق کو بہت تقویت حاصل ہوگئی۔ قلعۂ دھار کا محافظ[1] ووفادار رہا اور اس نے مراری راؤ کو مکر و فریب سے کام لینے پر مجبور کردیا۔ مراری راؤ نے اطاعت کیشی اور فرمانبرداری کے وعدے وعید کرکے مراری بائی کو اپنے دارالحکومت میں آنے پر آمادہ کردیا لیکن رانی کو قلعے میں جانے کی اجازت دینے کی بجائے اُس نے رانی کو شہر کے ایک مکان میں قیام کرنے پر مجبور کیا اور پھر فوراً ہی رانی کے غنیم کی فوج نے اس مکان کا محاصرہ کرلیا اور اس مکان میں آگ لگانے کی کوشش کی جس میں کہ رانی مع اپنے جاں نثاروں کے مقیم تھی۔ اس میں جنگ وجدال برپا تھی کہ رانی نے ایک کسان کی بیوی کے فرزند سے اپنا بیٹا بدل لیا اور اُسے یہ ہدایت کی کہ اس نوزائیدہ راجہ کو قلعے میں پہنچا دو۔ چنانچہ رات ہی میں یہ کارروائی ہوگئی۔ مراری راؤ کو جب اس کارروائی کی اطلاع ملی تو اُس نے انتقام لینے کی دھمکی دی لیکن شاداں اور فرحاں رانی نے مراری راؤ سے کہا کہ آپ جس طرح چاہیں اپنا غصہ مجھ پر اُتاریں میں تو اب بے تعلق ہوں کیونکہ اس ریاست کا وارث اب آپ کے قابو سے باہر ہے۔

---

[1] قلعہ دار۔

[2] جب دسمبر ۱۸۱۸ء میں میرا قیام دھار میں تھا اُس وقت میں نے نہایت مسرت کے ساتھ ان واقعات کی تفصیلات کو سُنا جو بینا بائی نے مجھ سے بیان کیں اُس نے کہا کہ "آپ رگھناتھ راؤ اور دیگر اصحاب سے دریافت کیجئے جو اس وقت آپ کے پاس موجود ہیں کہ جس مکان میں میرا قیام تھا جب وہ آگ کی نذر ہونے والا تھا اُس وقت اُن حضرات نے مجھے کیا مشورہ دیا تھا۔ انھوں نے مجھے بھاگ جانے کی صلاح دی لیکن میں نے جواب دیا کہ میری غیرت کا یہی مقتضا ہے کہ میں اسی مقام پر رہوں اور اگر میرے دشمن کی آرزو پوری ہو جائے گی تو میں ستی (عورت کی جاں نثاری) ہو جاؤں گی اور اپنے متوفی شوہر کی لائق بیوی متصور ہوں گی۔

۱۰۸ رانی نے قلعہ دار کو یہ پیام بھیجا تھا کہ آخر وقت تک اس بچے کی حفاظت کرنا اور میرے انجام کی کچھ فکر نہ کرنا۔ مراری راؤ نے قلعے پر قبضہ کرنے کی بے سود کوشش کی اور یہ خبر سنتے ہی لوک دم بھاگ گیا کہ مینا بائی کی امداد کے واسطے گجرات سے فوج آرہی ہے۔ ریاست کی زار و نزار حالت نے دلیر رانی کو امداد کے لیے ہر جگہ دست سوال دراز کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ سندھیا سے بھی (جو اس ریاست کی تباہی کا بانی مبانی تھا) یہ استدعا کی گئی تھی کہ وہ ریاست کے جائز وارث کو تباہی سے بچائے۔ برطانوی حکومت سے بھی بہ وساطت رزیڈنٹ متعینہ پونا دست گیری کی التجا کی گئی لیکن ان ریاستوں نے اس معاملے میں مداخلت کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ بالآخر مینا بائی کی منت وسماجت اور زبر دست کوششوں کا گجرات میں اُس کے اعزا اور احباب پر اس درجہ اثر پڑگیا کہ سکھارام[1] چمناجی کی ماتحتی میں ایک لشکر اُس کی امداد کے واسطے بھیج دیا گیا۔

اس امداد کے صاف معنی ریاست دھار کو تباہی سے بچانے کے تھے لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ بھی گمان تھا کہ رفتہ رفتہ یہ ریاست حکومت گائیکواڑ کی ماتحت ہو جائے گی اور جن لوگوں نے اس فوجی اعانت کی تجویز پیش کی تھی اور جو حضرات کہ اس کام پر مامور ہوئے تھے اُن کے حق میں یہ فوری حملہ جلب منفعت اور حصول قوت کا موجب متصور ہوتا تھا لیکن یہ قیاس بالکل غلط ثابت ہوا کیونکہ بغیر کسی معقول فائدے کے ریاست پر ایک بھاری قرضے کا

۱۰۹ اور بار ہو گیا۔ سکھارام کا انتقال ہو گیا اور اس کا ایک ماتحت اس کی جگہ پر مامور کر دیا گیا۔ بابو رگھناتھ راؤ اگرچہ دوبارہ بڑودے کی توقعات پورا کرنے میں ناکام رہا لیکن اُسے مینا بائی کی جرأت اور اعتماد کی امداد اور اپنی کوشش اور سرگرمی سے اس ریاست کو برقرار رکھنے میں کامیابی حاصل

[1] سکھارام چمناجی، سیتارام وزیر بڑودہ کا بھائی تھا جس نے اس معاملے میں مینا بائی کی چچی گھنا بائی کے اثر سے اعانت کی۔

ہوگئی (اگرچہ ریاست کا علاقہ کم ہوگیا) اور اس ریاست کو ایسا دائمی امن اور محافظت حاصل ہوگئی ہے جو اسے کبھی بھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

اس انقلاب کی تاریخ نہایت مختصر ہے۔ مینا بائی نے اپنے گجراتی دوستوں کی مدد سے گزشتہ چند سال کے دوران میں اپنی ریاست پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے جنگ کی اور اپنی فوج کے لیے امداد حاصل کرنے کے واسطے اپنے پڑوسی راجپوت رئیسوں کے علاقوں پر بھی حملے کیے کیونکہ اور لوگوں کی طرح یہ رؤسا بھی لوٹ مار کیا کرتے تھے اور مینا بائی کی ریاست مستقل آمدنی سے محروم ہوگئی تھی۔

انند راؤ کے فرزند کا انتقال ہوگیا لیکن اس کی ماں نے ہندو شاستر کی اجازت اور اپنے پڑوسی فرمانرواؤں کی تائید[1] سے اپنی بہن کے بیٹے کو متبنیٰ کرلیا جو اس کے لڑکے کا ہم عمر تھا اور اسے رام چند پوار کے نام سے مسند نشین کردیا۔ چند انقلابات کے بعد مراری راؤ اس ملک سے فرار ہونے پر مجبور ہوگیا اور اس کے بعد فوراً ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ ایک مکرانی سردار مظفر نے دھار سے کوکھی کو جدا کرلیا، اس نے گجرات اور دھار کے درمیان ایک زبردست مقام علی موہن میں اپنے اہل وطن کی ایک جماعت کے ساتھ سکونت اختیار کرلی تھی یہ لوگ ریاست دھار اور دیگر چھوٹی ریاستوں کے لیے ایک مستقل خطرہ بن گئے تھے کیونکہ ان ریاستوں میں لوٹ مار کرنے ہی پر وہ بسر اوقات کرتے تھے۔ سیتا رام کی گجراتی فوجیں اپنے ملک کو واپس چلی گئیں۔ سندھیا کی فوجیں روپیہ وصول کرنے کے لیے دھار کے علاقے میں داخل ہوئیں اور گذشتہ پانچ سال سے اس ریاست پر ہلکر کی فوج کے مختلف سرداروں اور پنڈاریوں کے حملے بہ غرض لوٹ کھسوٹ ہو رہے ہیں۔

۱۱۰

اس سال کے شروع میں جب کہ انگریزی فوجیں مالوے میں داخل ہوئی تھیں صرف ریاست دھار ہی رام چندر راؤ پوار کے قبضے میں تھی اور

سنہ ۱۸۱۷ء

[1] دولت راؤ سندھیا اور جسونت راؤ ہلکر دونوں نے اس تبنیت کی تائید کی

اس ریاست کی آمدنی ۳۵ ہزار روپے سے زیادہ نہ تھی لیکن جب مینا بائی اور اُس کا متبنیٰ بیٹا قلعہ میں رہتا تھا اس وقت باپور گھنا تھو راؤ نے ۹۰۸ ہزار انفاری فوج لے کر ریاست کو خوب لوٹا اور ڈونگر پور و نیماڑ سے روپیہ وصول کیا۔ انگریزی افواج کی پیش قدمی سے سہولتیں پیدا ہوگئیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا گیا۔ دولت راؤ سندھیا کو بروقت تنبیہ کی گئی کہ موعودہ روپیہ ادا کر دینے کے بعد ضلع بدناور پر تمھارا قبضہ رہنا سخت نا انصافی میں داخل ہے اور سندھیا سے یہ بھی استدعا کی گئی کہ پنڈاری سردار کریم سے بیرسیہ واپس لینے میں تم امداد و دادرسی کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ اگر تم اس کی تعمیل کرنے سے انکار کرو گے تو پوار راجہ حکومت برطانیہ سے دادرسی کا خواستگار ہوگا جو اب ہندوستان بھر کے لیے ثالث ہے۔ لیکن اس وقت دربار گوالیار کی یہ رائے نہیں تھی کہ اس وقت برطانوی حکومت کے سامنے اس معاملے کو پیش کیا جائے لہٰذا بدناور واپس کر دیا گیا اور دربار سندھیا نے وعدہ کیا کہ بیرسیہ کی واپسی کے لیے ہم اپنے اثر کو کام میں لائیں گے۔ لیکن انگریزی فوج نے بہت جلد بیرسیہ فتح کر لیا جو پنڈاریوں کے قبضے میں تھا۔ لیکن پھر یہ ضلع خاندان دھار کو عطا کر دیا گیا اور اس طور سے انگریزی حکومت نے اس کی حفاظت اپنے ذمے لی جس نے ریاست کی ابتر اور پریشان حالی کو امن اور استحکام کی صورت میں تبدیل کر دیا۔

۱۱۱

اس چھوٹی ریاست دھار کی آمدنی کا پھر تذکرہ کیا جائے گا۔
راجہ رام چندر راؤ ایک بارہ سالہ خوب صورت لڑکا ہے۔ اس کی دلیہ مینا بائی اگرچہ عمر کے لحاظ سے نوجوان ہے لیکن اپنی زندگی کے انقلابات کی رو سے مسن ہے وہ حکومت برطانیہ کی کرم گستری کی بے حد ممنون منت ہے اور باپو رگھنا تھ راؤ وزیر دھار ریاست میں امن بحال کرنے اور کاشت کو وسعت دینے میں ایسی ہی سرگرمی اور جوش کا اظہار کر رہا ہے جیسا کہ دو سال قبل اُس نے ریاست کو لوٹنے اور امن عامہ میں

رخنہ اندازی کرنے میں کیا تھا۔ جب اس مستعد اور ذہین شخص کے گذشتہ اعمال پر لعنت ملامت کی گئی اور اس سے دریافت کیا گیا کہ تم ۸ ہزار فوج کے مصارف کس طرح ادا کرتے تھے حالانکہ تمہارے پاس ۸۰۰ روپیہ دینے کا بھی کوئی وسیلہ نہیں تھا تو اُس نے فوراً یہ جواب[1] دیا کہ "جو واقعات رونما ہوئے تھے کیا آپ ان کا اندازہ کر سکتے ہیں اور کیا آپ اس دور اندیشی پر حرف گیری کر سکتے ہیں جس نے ریاست کے نام کو برقرار رکھا خواہ مخالفت اور جھگڑا جاری رکھنے کی کوئی وجہ کیوں نہ ہو۔ اور اپنے ڈاکو ہونے کے متعلق عرض ہے کہ مالوے میں بجز پنڈاروں کے کوئی اور فرقہ ہی نہ تھا ریاست کے وجود کو برقرار رکھنے کا صرف یہی ایک طریقہ تھا جو ہم نے اختیار کیا تھا اور ہر سال ہم یہ امید کرتے تھے کہ اس مصیبت کے خاتمے پر کوئی زبردست انقلاب رونما ہوگا۔ چنانچہ وہ انقلاب اب رونما ہوگیا اور ہمارے طرز عمل سے آیندہ آپ کو اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ ہم اپنے گذشتہ زمانے سے اب زیادہ خوش نصیب ہونے کے سزاوار ہیں۔"

دیواس کے پواروں کے مقبوضات اگرچہ نہایت محدود ہیں لیکن اپنی حکومت کی عجیب و غریب ساخت اور اعلیٰ رتبہ رئیس ہونے کی حیثیت سے ان کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔ اب تک جو علاقہ اُن کے قبضہ و تصرف میں ہے یہ علاقہ ابتدا میں دو بھائیوں کو بطور جاگیر کے عطا کیا گیا تھا اور ان دونوں کی اولاد میں اس علاقے کی آمدنی اور حکومت برابر کے دو حصوں میں زائد از صد سال سے چلی آتی ہے۔[2] اس سے قبل یہ بتا دیا گیا ہے کہ سیواجی پوار کے دو پوتے شمبھاجی اور کانوجی تھے

---

[1] میں نے باپور گھناتھ راؤ سے جب پہلی ملاقات کی تو اُسی کی یادداشت سے یہ جواب لیا گیا ہے۔
[2] دیواس کے پواروں نے مجھ سے اس خاندان کا حال بیان کیا جس کے بموجب کانوجی بڑا بھائی تھا۔

112 سمبھاجی کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ راجگان دھار کا مورث اعلیٰ تھا۔ کالوجی کے دو بیٹے لکاجی اور جیواجی، ہمراہی باجی راؤ مالوے میں آئے تھے اور اس صوبے کی بھر جو تقسیم کی گئی اس میں انھیں کئی اضلاع[1] مل گئے۔ اس کے بعد اس خاندان کو ایک ضلع[2] بندیل کھنڈ میں اور ایک ضلع[3] ہندوستان میں دے دیا گیا۔ آخرالذکر دونوں اضلاع اس خاندان کے قبضے سے جاتے رہے لیکن باقی ماندہ علاقہ ابھی تک (اگر دوسری سلطنتوں نے ان کے علاقے پر کئی بار حملے کیے اور اس پر غاصبانہ قبضہ بھی کرلیا) اس خاندان کے قبضے میں ہے۔ اگرچہ اپنے زیادہ طاقتور پڑوسی مرہٹوں میں ان کا نام معزز رہا ہے لیکن دیواس کے پواروں نے گذشتہ تیس سال کے دوران میں سخت مصیبتیں جھیلی ہیں۔ فی الحقیقت وہ ہر ایک انقلاب کا مرکز تھے چونکہ ان کی ریاست وسط ہند کے ایک منتشر حصے میں واقع ہے اور وہ اپنے یہاں فوج نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس لیے نہ صرف سندھیا اور ہلکر کی حکومتوں نے بلکہ پنڈاری سرداروں اور ہر ایک ڈاکو نے یکے بعد دیگرے انھیں لوٹا اور ستایا ہے اُن کی گذشتہ پچیس سال کی تاریخ دیکھ کر یہ حیرت ہوتی ہے کہ ان کا وجود یا ان کی ریاست میں کوئی آباد گاؤں کس طرح بر باقی رہا لیکن مالوے میں اُن کا جس قدر علاقہ تھا وہ سب انھیں واپس[4] دے دیا گیا ہے اور اُن کی چھوٹی سی ریاست (بہ ماتحتی سلطنت برطانیہ 114

---

[1] ۔کالوجی کے بیٹوں کو اولاً مالوے میں اضلاع دیواس، سارنگ پور اور الوٹ دیے گئے تھے۔

[2] ۔ہمیر پور۔

[3] ۔کاندھلہ۔

[4] ۔جنگ پنڈاری کے اختتام پر دیواس کے خاندان پوار کو سارنگ پور واپس دے دیا گیا جس پر سندھیا نے قبضہ کرلیا تھا۔ مالوے میں اُن کے دیگر مقبوضات اگرچہ ویران تھے مگر وہ ان کی ریاست سے جدا نہیں کیے گئے۔

جس نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا ہے) مرفہ الحال ہوتی جاتی ہے اور امید ہے کہ عنقریب اس ریاست کی آمدنی میں اس قدر اضافہ ہو جائے گا جو کسی زمانے میں بھی اسے نصیب نہیں ہوا۔ دیو اس کے اولین رؤسا میں ایک جھگڑا ہوا جس کی بدولت اراضیات اور دیہات تقسیم ہو گئے لیکن ان کی اولاد کو از سر نو حکومت اور اقتدار حاصل ہو گیا ہے۔ موجودہ راجاؤں میں لنکاجی بڑا ہے وہ اولین مالکان میں سے لنکاجی کا پوتا ہے اور اس کا چچازاد بھائی آنندراؤ جیواجی کے پوتے کا متبنی بیٹا ہے۔ دونوں کا مرتبہ حقوق اور آمدنی مساوی ہے۔ تقاریب اور دربار میں برتاؤ کرنے کی غرض سے ان کے باہمی صحیح تعلقات کی بابت تحقیقات کی گئی چنانچہ ان کے یہاں کے ایک افسر نے مسکرا کر کہا کہ "اگر کوئی دیہاتی چھپے کا ایک ڈھیلا نذر کرے تو اس کے ۲ مساوی حصے کرنے چاہئیں اور ہمارے دونوں راجاؤں کو ایک ایک حصہ دے دینا چاہیے۔" ہمیں ابتداہی میں معلوم ہو گیا کہ اگرچہ ان دونوں راجاؤں کے باہمی تعلقات نہایت عمدہ ہیں مگر ان کے ملازموں میں گاہے ماہے جھڑپ ہو جاتی ہے اور ان کی آیندہ فلاح کی خاطر ہم نے انھیں یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ ایک وزیر مقرر کریں۔ اس تجویز پر وہ راضی ہو گئے[1] اور اس عہدے پر اس خاندان کے ایک قدیم نمکخوار کی نامزدگی سے ان کے علاقے کی ترقی کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ ۱۱۵

---

[1] چونکہ ان میں سے ایک راجہ کا موروثی وزیر نابالغ ہے اس لیے جدید انتظام میں بہت سہولت پیدا ہو گئی۔

خاندان سندھیا

116

سندھیا کے خاندان والے کوہبی یا کاشتکار فرقے کے شودر تھے۔
راناجی سندھیا اس خاندان کا پہلا شخص ہے جس نے بہ حیثیت ایک سپاہی کے
ناموری حاصل کی۔ اور پھر وہ موضع کمیرا ضلع دئی میں اپنا آبائی عہدہ پٹیلی
حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ قبل اس کے کہ پیشوا بالاجی بسواناتھ نے
اُسے اپنے یہاں ملازمت دی اور پھر اُس کے انتقال کے بعد رانوجی سندھیا
پیشوا کے فرزند باجی راؤ بلالی کے یہاں بھی وہی خدمت انجام دیتا رہا۔
رانوجی کے متعلق پیشوا کی کفش برداری تھی لیکن ہندوستان میں وزیر اعظم کا
تقرب خواہ کسی طور پر حاصل ہو موجب اعزاز متصور ہوتا۔ ادنیٰ ترین درجے
سے اعلیٰ ترین مرتبے تک پہنچ جانے کی بے شمار مثالوں نے بہت سے
شرفا کو بھی ایسی ملازمتیں اختیار کرنے پر مائل کر دیا تھا اور گمان غالب
تو یہی ہے کہ افلاس نے نہیں بلکہ ترقی کے ذوق و شوق نے گاؤں کے
خاص افسر کو بالاجی بسواناتھ کی خدمتگاری حاصل کرنے پر آمادہ کیا تھا۔
رانوجی کی ترقی حسن اتفاق پر محمول کی جاتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ[1]

[1] ملاحظہ ہو حاشیہ آئندہ صفحہ پر۔

ایک روز جب باجی راؤ ساہو راجہ سے طویل ملاقات کرنے کے بعد باہر آیا اُس نے
رانوجی کو اس شان سے سوتے ہوئے دیکھا کہ اُس کے دونوں ہاتھوں میں ۱۱۷
اپنے آقا کی جوتیاں ہیں اور وہ ان جوتیوں کو اپنے سینے پر رکھے ہوئے ہے۔
اس معمولی خدمت میں اس قدر احتیاط دیکھ کر باجی راؤ کے دل پر
زبردست اثر پڑا۔ اُس نے اپنی خوشنودیٔ مزاج ظاہر کی اور صاحب اقتدار حضرات
کی طرح متاثر ہوکر اُس نے فوراً ہی رانوجی کو پگاہ یا باڈی گارڈ میں ایک
عہدے پر مامور کر دیا۔ اس وقت سے رانوجی نے نہایت تیزی کے ساتھ
ترقی کی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب مالوے میں باجی راؤ کو مرہٹہ رؤسا میں
سب سے اعلیٰ رتبہ (صوبہ دار) حاصل ہوا تھا اُس وقت اپنے آقا کی
نیک چلنی کی ضمانت محمد شاہ سے رانوجی نے کی۔ رانوجی نہایت مستعد اور
اولوالعزم سپاہی تھا اور اس کے مصارف اس کی آمدنی سے کہیں بڑھے
ہوئے تھے اور ملہار راؤ ہلکر کو بہت کچھ مالی امداد دینے سے وہ مقروض
ہوگیا جس کے ساتھ اس کی دانت کاٹی روٹی تھی۔ اُس کا انتقال مالوے میں
ہوا اور وہ موضع شجال پور کے قریب ایک چھوٹے گاؤں میں دفن کیا گیا
جو اس کی یادگار میں راناگنج کہلاتا ہے۔

رانوجی نے دکن میں اپنی برادری کی ایک عورت[1] سے شادی کی جس کے
بطن سے جے پاہ، دتاجی اور جنوبا تین فرزند پیدا ہوئے۔ ان میں سے
۲ بڑے بیٹوں نے فوجی کمانڈر ہوکر ناموری پیدا کی۔ رانوجی کے مالوے کی[2] ۱۱۸

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) کپتان اسٹوارٹ قایم مقام رزیڈنٹ متعینہ دربار سندھیا کے مراسلے مورخہ
۳ ستمبر ۱۸۱۹ء سے بھی اس روایت کی تائید ہوتی ہے وہ لکھتا ہے کہ "بیان کیا جاتا ہے کہ عروج حاصل
کرنے کے بعد بھی رانوجی ہر وقت اپنے ساتھ ایک بکس رکھتا تھا جس میں پیشوا کی پرانی جوتیاں تھیں اور ان کی
بڑی تعظیم کرتا تھا کیونکہ وہ کفش برداری ہی کو اپنے عروج کا موجب جانتا تھا۔

[1] مینا بائی۔

[2] مالوے پر ابتدائی حملہ کرنے کے لیے جے پاہ مامور ہوا تھا اور وہ ایک زبردست لشکر

ایک راجپوت عورت سے بھی دو فرزند تکاجی اور مادھوجی سندھیا ہوئے
ان میں سے مادھوجی سندھیا خاندان کا وارث[1] بن گیا۔ اس کے کیرکٹر کو
ابتدا ہی میں پختگی حاصل ہوگئی تھی اور وہ عروج پاکر ایک ایسے مرتبے پر
پہنچ گیا جس کا پیدائش کے لحاظ سے اُسے کوئی استحقاق حاصل نہ تھا مگر
کسی نے اُس کے اس حصول استحقاق میں کچھ تعرض نہیں کیا۔ یہ سردار جنگ پانی پت
میں موجود تھا وہ اس خطرناک میدان سے نکل بھاگا لیکن ایک افغان نے
بہت دور تک اُس کا تعاقب کیا اور اُس کے قریب پہنچ کر افغان نے اس کے
زانو پر کلہاڑی کا ایک ایسا سخت وار رسید کیا جس کی بدولت وہ عمر بھر کے لیے
اپنی سیدھی ٹانگ کے استعمال سے محروم ہوگیا۔ اُس کے دشمن نے اُس کے
یہ کاری زخم لگاکر اور اُس کے قیمتی زیورات اور اُس کی گھوڑی لیکر اُسے اسی کے
مقدر کے حوالے کردیا۔ اولاً رانا خاں بہشتی نے اُسے دیکھا جو خود بھی میدان　۱۱۹
سے بھاگ جانے والوں میں تھا۔ رانا خاں اُسے اپنے بیل کی پشت پر بیٹھا کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اپنی ماتحتی میں لیے ہوئے باجی سنگھ راجہ جودھپور کے مقابلے کے لیے
بڑھا چلا جاتا تھا کہ اس کا مقدر برگشتہ ہوگیا اور راجہ جودھپور کے دو راٹھور
راجپوت ملازمان نے اُسے قتل کردیا۔ دتاجی جو رگھناتھ راؤ کی فتوحات میں
لاہور تک اُس کے ہمرکاب رہا تھا اُس نے دہلی کے نزدیک رو بیر کے
میدان میں شکست کھائی اور قتل ہوا چھوٹے بھائی جتوبا کا ہندوستان میں
بمقام کمبیر متصل ڈیگ انتقال ہوگیا۔

[1] رانوجی کے انتقال کے بعد جنکاجی پسر جے یاہ وارث خاندان قرار پایا لیکن
یہ مرتبہ حاصل ہوتے ہی وہ پانی پت میں مارا گیا۔

[2] اس کی خدمت کا نہایت شکر گزاری کے ساتھ صلہ دیا گیا۔ مادھوجی سندھیا نے
اس کے بعد سے رانا خاں کو بھائی کے لقب سے موسوم کیا۔ اولاً وہ
سندھیا کی فوج کا کمانڈر مقرر ہوا اور پھر شاہی نوازشات کی اُس پر بھرمار رہی۔ اُس کے
پوتے (ایک کمزور نوجوان) کے پاس ابھی تک جاگیرات ہیں جو اُس کے دادا کو عطا ہوئی تھیں

دکن کی طرف لے گیا۔

مادھوجی اس تعاقب کا مفصل حال اکثر بیان کیا کرتا تھا اُس کی دکھنی گھوڑی اُسے سپاہی کے اڑیل گھوڑے سے بہت آگے نکال لے گئی جس پر کہ وہ سوار تھا اور جس نے اپنا شکار بنانے کے لیے اُسے تاکا تھا۔ لیکن جب سستانے کے لیے وہ ذرا سی دیر کے لیے گھوڑی کو روک لیتا تھا تو اُس کا دشمن اُس کے قریب آجاتا تھا آخرکار اُس کی تھکی ہوئی گھوڑی ایک غار میں گر پڑی چنانچہ دشمن نے اُسے آلیا اور زخمی کیا۔ اُس کے مُنہ پر تھوکا اور اُسے چھوڑ گیا وہ جنرل پامر انگریزی رزیڈنٹ سے اپنے دربار میں بیان کیا کرتا تھا کہ اس واقعے نے میرے دل پر ایسا زبردست اثر ڈالا کہ عرصۂ دراز تک یہ کیفیت رہی کہ اکثر خواب کی حالت میں اس افغان اور اُس کے بھدے گھوڑے کو اپنے اور اپنی نفیس گھوڑی کے پیچھے آتے ہوئے دیکھتا تھا۔

باقی ماندہ مرہٹے پانی پت کے میدان سے بھاگ کر دکن جا پہنچے اور ایک زمانے تک یہ معلوم ہوتا تھا گویا کہ اس خوفناک دن[1] کے اثر سے مرہٹوں کی قوم پر بے ہوشی سی طاری ہوگئی ہے۔ لیکن احمد شاہ ابدالی کے کابل واپس چلے جانے اور منتشر سلطنت کے مختلف صوبوں کے لیے مسلمان رؤسا میں آپس میں کشاکش ہونے سے مرہٹوں کو وسط ہند میں دوبارہ سر اُٹھانے کا موقع مل گیا اور پھر وہ سارے ہندوستان میں پھیل گئے۔

خاندان سندھیا اور دیگر مرہٹہ رئیسوں کے مالوے اور ہندوستان کے

[1] بہت کم لڑائیوں میں اس سے زیادہ خونریزی ہوئی تھی۔ مرہٹوں کے نقصانات کا تخمینہ کم از کم ۲ لاکھ سے زیادہ کا ہے ان میں سے نصف تو مارے گئے اور اس کا اخلاقی اثر اور بھی زیادہ ہوا۔ مرہٹوں کی فوجیں جنگ کے لیے مجتمع ہوئی تھیں اور اس شکست نے اُن کی قوت کا اُس وقت تو خاتمہ ہی کر دیا تھا۔

مقبوضات جنگ پانی پت کی بدولت اُن کے قبضے سے نکل گئے۔ لیکن مادھوجی سندھیا[1] کے پاس بالاجی کے باڈی گارڈ کا ایک ممتاز افسر ہونے کے باعث جو اپنے باپ باجی راؤ کی جگہ پیشوا ہو گیا تھا اپنی ایک زبردست فوج موجود تھی اور جنگ پانی پت کے ۳ سال بعد ملہار راؤ بانی خاندان ہلکر کی وفات نے مادھوجی سندھیا کو اول درجے کا مرہٹہ فوجی سردار بنا دیا۔ جب پیشوا[2] کے چچا رگھوبا نے ملہار راؤ کے بیٹے کی بیوہ اہلیہ بائی کو اور اس خاندان کے دیگر مہیاکین کو ایک معاہدہ کرنے پر مجبور کرنا چاہا جس کی بدولت اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو جاتا تو مادھوجی[2] نے پیشوا کی نجی فوج سے تعلق رکھنے کے باعث اگرچہ اپنی ذاتی خدمات پیش کیں لیکن ایک ایسے ممتاز رئیس کے خلاف اپنی مرتب کی ہوئی فوج لانے سے اُس نے صاف انکار کر دیا۔ ناگپور کے جنوجی بھونسلا نے بھی اُسی کی مثال کی پیروی کی اور رگھوبا کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ مرہٹوں نے جنگ پانی پت کے[3] تین سال بعد ایک زبردست فوج مجتمع کر کے بہ ماتحتی وساجی کرشنا[4] ہندوستان پر چڑھائی کر دی جو پیشوا

۱۳۱ ۱۷۶۴ء

[1] ۔ مادھو راؤ پسر بالاجی۔

[2] ۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا اُس نے یہ کارروائی مفت کی تھی۔ اہلیہ بائی کے پاس زبردست خزانہ تھا اور اس امر کو باور کرنے کی وجہ موجود ہے کہ اس ضرورت کے وقت اُس نے مادھو سندھیا اور بھونسلا کی دوستی حاصل کرنے کے لیے علاوہ دیگر وسائل کے اپنے روپے سے بھی کام لیا تھا۔

[3] ۔ یہ حملہ نجیب الدولہ پر کیا گیا تھا جس کے ہاتھ میں دربار دہلی کا سارا نظم و نسق تھا اور کمزور شاہ عالم کے نام سے وہ سارا انتظام خود کیا کرتا تھا۔

[4] ۔ وساجی کرشنا عرصہ دراز تک مرہٹہ فوجوں کا ٹینی والا یعنی کوارٹر ماسٹر جنرل رہا تھا۔

کی طرف سے فوج کی کمان کرتا تھا اور مادھوجی سندھیا برائے نام اُس کا ماتحت تھا۔ لیکن اس سردار نے اپنی جداگانہ ریاست قایم کرنے کا ڈول ڈالنا شروع کر دیا تھا چاہے وہ مکمل طور پر خود مختار نہ ہو۔ وہ جاگیرات اُسے مل گئی تھیں جو اُس کے باپ کو فوجی مصارف کے لیے عطا کی گئی تھیں اور پیشوا کے نام سے اُس نے وسط ہند اور ہندوستان کے راجاؤں پر یکے بعد دیگرے خراج مقرر کر دیا اور جس علاقے پر اُس کی حکومت تھی اُس میں اُس نے متعدد اضلاع اور ملحق کر لیے۔

۱۴۲ اگرچہ ان علاقوں میں پیشوا کا حصہ برائے نام تھا لیکن اُس کے احکام کو استحصال بالجبر اور فتوحات کا بہانہ بنایا گیا جس سے پیشوا کے علاقے بھی مستثنیٰ نہیں رہے۔ بالاجی کی وفات کے بعد پونا میں جو اختلافات رونما ہوئے ان سے مادھوجی سندھیا نے پورا فائدہ اُٹھایا اور نربدا کے شمال میں سلطنت مغلیہ کے جو حقوق اور علاقے تھے ان پر مادھوجی سندھیا نے حتی الامکان غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ دوست اور دشمن دونوں کی اس لوٹ کھسوٹ کی مفصل کیفیت بیان کرنے کی ضرورت نہیں البتہ صرف اس قدر کہنا کافی ہوگا کہ رگھوبا کی حمایت میں انگریزوں نے جو جنگ کی تھی اس میں خصوصیت کے ساتھ یہی قابل سردار مدمقابل تھا۔ وہ شاہ عالم شہنشاہ دہلی کا برائے نام ملازم مگر فی الحقیقت نہایت سخت گیر آقا تھا۔ وہ خاندان ہلکر کا بظاہر دوست مگر تند و تیز رقیب تھا۔ وہ جملہ رسمی معاملات میں اپنے کمترین ہونے کا اقرار کرتا لیکن فی الحقیقت وہ وسط ہند کے راجپوت رؤسا میں سب سے زیادہ افضل اور اُن کا اصلی دشمن تھا۔ وہ خاندان پیشوا کا سپاہی مشہور تھا لیکن وہی اس خاندان کا حقیقی لٹیرا تھا۔

سلبائی کے معاہدے سے جہاں تک حکومت برطانیہ کا تعلق ہے اگرچہ وہ ایک خود مختار راجہ تسلیم کر لیا گیا تھا لیکن جہاں تک کہ اس کا تعلق حکومت پونا سے ہے اُس نے رسمی امور کی طرف مطلق توجہ

(حاشیہ ملاحظہ ہو صفحۂ آیندہ پر)

نہیں کی۔ جب وہ شاہ عالم اور اُس کے دارالخلافہ کا مالک بن گیا تو (۱۲۳)
اُس نے بے بس شہنشاہ سے پیشوا کے نائب السلطنت[2] مقرر ہونے کا
حکم لکھوا لینے کا وعدہ مرہٹہ حکومت کے اعلیٰ حاکم سے اس نے نیابت کا
عہدہ حاصل کر لیا لیکن جب وہ مادھو راؤ دوم کے زمانے میں پونا
آیا تو وہاں پر ایک ایسا معاملہ پیش آیا جو بہروپیاپن کی واحد مثال ہے
جس میں ان منتقمی اور حریص لیڈران نے اپنی تمسخر آمیز کمینہ حرکات سے
ساری دنیا کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کی کوشش کی۔ ستلج سے لے کر
آگرہ تک ہندوستان کا اصلی فرمانروا راجپوتانے کے راجاؤں کا فاتح،
ایک عظیم الشان لشکر کا کمانڈر جس میں باضابطہ سپاہ کے ۱۶ بٹالین۔
۵۰۰ توپیں اور ایک لاکھ سوار داخل تھے۔ دکن کے چند بہترین صوبوں
اور مالوے کے دو تہائی صوبے کا مالک جب ایک نوجوان کی ملاقات
کے لیے گیا جو اُس وقت پیشوا کے عہدے پر فائز تھا تو وہ قلعہ پونا کے (۱۲۴)

[1] (حاشیہ صفحہ گذشتہ) مادھوجی سندھیا فی الحقیقت سارے کام پیشوا کے نام سے کرتا تھا اور نہ صرف اُس کے وزرا۔ افسران بلکہ چوبدار تک پیشوا کے ملازم کہے جاتے تھے لیکن سوائے مادھو راؤ کی نابالغی کے زمانے میں جب کہ نانا فرنویس دیوان تھا اُس وقت سندھیا کے جملہ علاقے جو دریائے چمبل کے جنوب میں تھے براہ راست اس کے زیر حکومت ہو گئے تھے۔ دریائے چمبل کے شمال میں جو فتوحات حاصل ہوئیں اُن میں پیشوا کا نام استعمال کیا گیا تھا اور والیٔ ریاست کے حقوق کی محافظت کے لیے دو خاص افسران پونا سے مادھوجی کی خدمت میں حاضر باش رہنے کو بھیجے گئے تھے۔ ہندوستان میں اولاً داخل ہونے پر چند جاگیریں پیشوا کے نام سے عطا کی گئیں لیکن جب وہ دہلی میں وکیل مطلق بن گیا تو یہ جاگیریں واپس کر لی گئیں اور پھر بادشاہ کی طرف سے باضابطہ سندیں دی گئیں ان پر پیشوا وزیر اور مادھوجی نائب وزیر کی مہریں لگائی گئیں۔

[2] وکیل مطلق۔

پھاٹک پر اپنے ہاتھی سے نیچے اُتر آیا اور دربار میں پہنچ کر موروثی امرا کے پیچھے ایک مقام پر کھڑا ہو گیا اور جب پیشوا دربار میں آیا تو اُس نے دیگر حاضرین کے ساتھ اس شخص کو بھی بیٹھ جانے کا حکم دیا لیکن اُس نے اس عذر کے ساتھ بیٹھنے میں تامل کیا کہ میں اس اعزاز کا ہرگز مستحق نہیں ہوں اور پھر اپنی بغل میں سے ایک پوٹلی کھول کر اُس میں سے دو جوتیاں نکالیں جنھیں مادھو راؤ کے سامنے رکھ کر اُس نے عرض کیا کہ میرا تو یہی پیشہ ہے اور میرا باپ بھی اسی کام کو کرتا تھا" مادھو نے جس وقت یہ عرض کیا تھا اُس وقت اُس کے پاس پُرانی جوتیاں[1] تھیں جنھیں پیشوا استعمال کرتا تھا، اُس نے انھیں پھر لپیٹ کے اپنی بغل میں دبا لیا۔ اس کے بعد بہت کچھ تامل کرنے کے بعد وہ بیٹھنے پر راضی ہو گیا۔ اور صرف یہی ایک ایسی مثال نہیں ہے جس میں مادھو جی نے اپنے خاندان کی اصلیت اور اپنا پہلا پیشہ یاد کر کے شرمندہ ہونے کی بجائے ناز کیا ہے۔ اُس نے مرہٹہ رعیت کی حیثیت سے دکن میں کچھ جائداد خریدی تھی اور اُس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ملکیت کے خانے میں نام کے ساتھ میرا آبائی عہدہ (پٹیل) درج کیا جائے۔ یہ قومی جذبہ تھا اور اس کی وجہ سے وہ ہر دلعزیز بن گیا۔ لیکن اس جذبے کے علاوہ اُس کی نیت کچھ اور بھی تھی اور اس کی نیت کو ہندوستان کی ایک عام کہاوت میں اس طرح بیان کرتے ہیں "مادھو جی سندھیا نے اپنے کو پٹیل کہتے کہتے ایک ریاست کا فرمانروا بنا لیا" لیکن ممکن ہے کہ ہم اس طرز عمل پر خندہ زنی کریں جس کی رو سے اصلی حیثیت اور ظاہری فرائض میں تعلق قایم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن یہ بات ضرور تسلیم کرنی ہو گی کہ اس قابل سردار نے اپنی زندگی میں جو کام کیا اُسی کے مناسب حال اپنے کو بھی بنا لیا جو اُس کی دلیرانہ سادگی سے اور بھی فطری معلوم ہوتا تھا

[1] کپتان اسٹوارٹ کو اطلاع ملی کہ اُن پرانی جوتیوں کو مادھو جی سندھیا کے جانشین نے احتیاط سے محفوظ کیا تھا۔

اور اپنی اس سادہ مزاجی کی بدولت وہ سلطنت کے طمطراق اور عیش وعشرت پر مائل کرنے والی چیزوں سے متنفر ہوگیا تھا۔ اُس کے اعمال اُس سوسائٹی کے نظام کے عین مطابق تھے جس میں کہ وہ پیدا ہوا تھا اور جو اُس کی ذہانت اور مستعدی پر بجا ناز کرتی تھی اور اُس کی بحیثیت قابل ترین سردار کے عزت و توقیر کرتی تھی۔ چونکہ مرہٹہ سرداروں میں وہ نہایت کامیاب سردار تھا۔ اگرچہ مادھوجی اپنی قوم کے پہلے مدبر کی مثال کی تقلید کرکے اصلی حکومت پر قانع ہوگیا تھا اور اُس نے شاہی جِغہ دوسروں کے پہننے کے لیے چھوڑ دیا تھا لیکن یہ نتیجہ اخذ کرنے کے بھی نہایت قوی دلائل موجود ہیں کہ اُس نے ایک بار اپنی وسیع ریاست کو مستحکم اور مستقل شکل میں لانے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر اپنی اس تجویز پر وہ عمل کرنے سے قاصر رہا۔ اگرچہ اس کی ساری عمر (ہمیشہ سرگرم عمل) مظالم اور زیادتیوں ہی میں گذری مگر تاہم وہ رحم دل تھا۔ اور جو ممالک اُس نے فتح یا غصب کر لیے تھے انھیں ترقی دینے کا وہ دل سے خواہاں تھا۔ لیکن اُس کی حرص کی کوئی حد نہ تھی۔ ایک طرف تو سلطنت مغلیہ کا خاتمہ دیکھ کر اور دوسری طرف اپنی قوم کے رؤسا کا نفاق اور کمزوری دیکھ کر اُس کے منہ میں پانی بھر آیا اور پھر اُس نے نہایت تیزی کے ساتھ اپنی عملداری کو وسعت دی تاکہ اُس کا اچھی طرح انتظام ہوسکے۔ ۱۲۶

مادھوجی نے مدۃ العمر بہت سے مرہٹوں کو اپنے یہاں ملازم رکھا لیکن چونکہ زیادہ تر وہ دریائے نربدا کے شمال کی طرف معرکہ آرائیوں میں مصروف ومشغول رہا اس لیے اس کے یہاں راجپوت اور مسلمان ملازمان کی تعداد مرہٹوں سے متجاوز ہوگئی۔ اگرچہ کچھ عرصے تک اس کی طرف توجہ نہیں ہوئی لیکن یہ کارروائی مرہٹوں کے پنچایتی اصولوں کے منافی تھی اور مرہٹوں کے عادات وخصائل ایک ایسی قوم کو اختیار کرنے پڑے جو اپنے اور مطلب سے کام کرتی تھی اور اُس میں ہمدردانہ جذبات بہت کم تھے۔ لیکن مادھوجی کی پالیسی نے اس تبدیلی کو

ایک قدم اور آگے بڑھا دیا۔ غور کرنے پر اُس کی سمجھ میں آگیا کہ میری تجاویز
کے عملی صورت اختیار کرنے کے واسطے مرہٹہ ڈاکوؤں کے گروہ ہرگز
کافی نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ تو صرف لوٹ مار جانتے ہیں اور جب
ایک ملک میں لوٹ کھسوٹ ہو جاتی ہے تو پھر ہماری فوج آگے بڑھتی ہے
اور اس میں وہ لوگ اور شامل ہو جاتے ہیں جن کی حالت ہماری
کامیابی سے اور زبوں ہوگئی ہے تاکہ پھر کسی دوسرے شہر کو تباہ کیا
جائے۔ اپنے ابتدائی حملوں میں مرہٹوں کے پاس قلعہ جات تسخیر کرنے کا
کوئی وسیلہ نہ تھا اور نہ وہ دشوار گزار ملک میں طویل جنگ جاری
رکھ سکتے تھے اور نہ کسی بہادر غنیم کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ بھیلوں نے اپنے
پہاڑوں میں سے اور راجپوتوں وغیرہ نے اپنے مستحکم مقامات سے
(جن کی تعداد ہر ایک گاؤں کو چار دیواری بنا کر مستحکم کرنے سے بہت
بڑھ گئی تھی) نہ صرف مرہٹوں کا مقابلہ کیا بلکہ انھوں نے جو نقصانات
اٹھائے تھے اُن کا انتقام لینے کے لیے مرہٹوں کے علاقوں کو تباہ اور
ویران کر دیا۔ اور ایک باقاعدہ فوج ہی کے ذریعے سے اس خرابی کا
دفعیہ ہو سکتا تھا۔ ہم کو مفصل طور پر اطلاع ملی ہے کہ اس خرابی کو دیکھ کر
مادھوجی نے وہ تدبیر سوچی جس پر کہ اُس نے رسالوں کے کئی کور
تیار کر کے عمل کیا اور حسن اتفاق سے اُس کو اس کام میں ایک نہایت
قابل اور ہوشیار شخص سے کافی امداد مل گئی۔ اس زمانے میں ڈی بوائنی
اس کے یہاں ملازم ہوگیا بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صرف حسن اتفاق
ہی سے مادھوجی کے ہاتھ لگ گیا کیونکہ مادھوجی نے جب گوہد پر حملہ
کیا تھا تو اس کی ساری تجویز کو اسی شخص نے خاک میں ملا دیا تھا اور
یہ شخص فوجی کام میں اس درجہ ہوشیار تھا کہ اورنگ زیب کی وفات کے بعد
سے ہندوستانی فرمانرواؤں کو جو قوت حاصل ہوئی تھی اُس سے کہیں زیادہ
قوت پر اُس نے مادھوجی کو پہنچا دیا تھا ہے وہ قوت زیادہ پائدار
نہ سہی مادھوجی نے ڈی بوائنی کے مرتب کیے ہوئے بریگیڈ یا کیمپو کی

(حاشیہ ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ پر)

امداد سے قلعے تسخیر کیے اور اس طرح میدان میں ڈٹ کر لڑائیاں لڑیں جن کی اس سے پیشتر مرہٹوں کو کبھی جرأت نہیں ہوئی تھی ہندوستان اور وسط ہند کے امن میں رخنہ اندازی کرنے والی چھوٹی جماعتوں پر حملے کیے گئے اور وہ مغلوب ہوئے بلکہ بڑی راجپوت ریاستوں کا سارا غرور و تکبر پورے طور پر نکال دیا گیا۔ میرتاہ کی جنگ میں نہایت زبردست کامیابی حاصل ہوئی جو جودھپور کی متحدہ[1] افواج سے ہوئی تھی اور اس معرکہ آرائی نے اُس ریاست اور اُس کی پڑوسی ریاست اودے پور پر مادھوجی کا اقتدار قایم کر دیا۔ اب سے بیس سال پیشتر راجہ اودے پور اپنے چند زرخیز علاقے خاندان سندھیا و ہلکر کے حوالے کرنے پر مجبور

۱۲۸

(حاشیہ صفحۂ گذشتہ) اس کے باضابطہ رسالوں میں بیشی کی گئی۔ اولاً ۲ بٹالین کی بجائے ۸، اور پھر ۱۶ بٹالین تیار کیے گئے اور ان کے علاوہ ۸۰ توپیں اور نہایت احتیاط کے ساتھ بھرتی کی ہوئی پلٹنوں کی ایک کور Corps تھی۔ اس فوج کی معقول تنخواہ مقرر ہوئی اور اعلیٰ قسم کا فوجی ساز و سامان مہیا کیا گیا اور اس فوج نے اپنی فضیلت کے مسلسل جو ثبوت دیے اُن کی وجہ سے پھر ایسے انتظامات کیے گئے جن کی بدولت اُس فوج کے ملازم عرصۂ دراز تک ہندوستان کے دیسی فرمانرواؤں کی ہر ایک فوج سے بہت زیادہ ہوشیار اور قابل تسلیم کیے گئے۔

[1] ۔ مارواڑی فوج کے ... ۲ چندادت سواروں نے اس قابل یادگار معرکے میں صرف ایک بار جد و جہد کی۔ وہ ڈی بوائنی کے لشکر کو چیر پھاڑ کر در آئے لیکن جب واپسی کے لیے وہ مجتمع ہو رہے تھے اُس وقت ڈی بوائنی نے ۳ فیر کی بندوقوں سے باڑھ مار کر اُن سب کا قلع قمع کر دیا (۱۷۹۰ء)۔

[2] ۔ بیجا سنگھ جو میرتاہ کی جنگ کے وقت مارواڑ کا راجہ تھا اور یہ وہی رئیس تھا جس نے جے پاہ سندھیا کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اس خراج کے علاوہ جو اب [illegible] راجہ سے وصول کیا جاتا ہے اس سے جیاپاہ کے قتل کے خوں بہا میں اجمیر کا مطالبہ کیا گیا اور لے لیا گیا۔

کیا گیا تھا[1]۔ جنگ میرتاہ کے بعد ہی ڈی بوائنی نے جے پور کی فوج سے برد آزمائی کی۔ ان فتوحات کے علاوہ جنکاجی ہلکر کو شکست دی گئی اور اس کے چار باقاعدہ رسالے جن کا کمانڈر ایک فرانسیسی تھا[2] تہ تیغ کر دیے گئے اس آخری جنگ سے بیشتر ہی مادھوجی مالوے سے پونا آگیا تھا جہاں پر ۱۷۹۴ء میں اس نے وفات پائی۔

مادھوجی سندھیا کا یہ مدعا تھا کہ اپنی حکومت کی ایسی مستحکم اور مستقل صورت پیدا کر دوں جو اس وقت تک کسی مرہٹہ حاکم کی حکومت کی نہیں ہوئی ہے۔ وہ عموماً ہندوستان میں رہتا تھا لیکن کبھی کبھی وہ مالوے آیا کرتا اور اجین میں قیام پذیر ہوتا تھا۔ ان ممالک کا انتظام نہایت عمدہ تھا جو اس کی نظر کے سامنے رہتے تھے یا جہاں کے باشندے امن پسند اور اطاعت کیش تھے۔ لیکن ہندوستان کے رؤسا۔ راجپوتانے کے والیان ملک اور وسط ہند کے چھوٹے راجاؤں کو اپنا محکوم بنانے کے لیے اس نے اپنی فوج کی دست درازی کی لگام چھوڑ دی تھی اور مرہٹوں کی پورے طور پر سرکوبی کرنے میں اس کے بعض ملازمان[3] نے ایسے مظالم اور سختیاں کی ہیں جن کی نظیر مرہٹوں کی تاریخ میں کہیں نہیں مل سکتی ہے۔

---

[1] ۔ ۱۷۹۱ء میں جودو۔ نیمیچ۔ رتن گڑھ کھونی اور بجپور مادھوجی سندھیا کے حوالے کر دیئے گئے۔ بامپورہ۔ رام پورہ۔ ماہر گڑھ اور پرتاب گڑھ ہلکر کو خراج دیتے تھے۔ اس آمدنی کا تخمینہ کم از کم ۵۔۷ لاکھ روپے ہے۔

[2] ۔ شوطیر دو درنیک ان فوجوں کا کمانڈر بچ کر نکل بھاگا۔ لیکن باقیماندہ میں سے ہر ایک یوربین افسر مارا گیا یا زخمی ہوا۔

[3] ۔ امباجی انگلیا سندھیا کا ایک خاص عہدہ دار تھا جو راجپوتانے میں مامور تھا۔ اس نے اگرچہ وہاں کے رؤسا اور سرداروں پر ظلم کیے لیکن وہ رعایا پر بہت مہربان اور ان کا بڑا ہمدرد تھا لیکن راجپوتانے سے اس کی روانگی کے بعد ہی زیادتیاں شروع ہو گئی تھیں۔

مادھوجی سندھیا برطانیہ کا دشمن تھا لیکن معاہدۂ سلبائی[1] کی رو سے وہ خود مختار رئیس تسلیم کر لیا گیا اور اُس کے دربار میں ایک رزیڈنٹ تعینات کر دیا گیا اس سے جو فوائد اُسے حاصل ہوئے اُن سے وہ بے خبر نہ تھا۔ اُسے یہ واقعات ایک غیر ملکی حکومت کی تیز رو ترقی کی جانب سے لاپروا نہ کر سکے اور ظن غالب یہی ہے کہ اپنی حکومت کے لیے اُس نے جو سامان فراہم کیا تھا اُس سے اس نے اس کی مرضی کے مطابق شکل اختیار کی اور اُسے یہ امید تھی کہ اُس کا اقتدار کسی روز انگریزوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو روک سکے گا۔ چنانچہ معاہدۂ پونا میں اُس نے ایک فریق بننے سے صاف انکار کر دیا اور جب لارڈ کارنوالس[2] سرنگاپٹم کے

۱۳۰

---

[1] یہ معاہدہ ڈیوڈ اینڈرسن نے کیا تھا اور ہم کئی بار یہ تذکرہ کر چکے ہیں کہ اس معاہدے سے مرہٹوں کی بے ترتیب حکومت کا ایک حیرت انگیز ثبوت ملتا ہے کہ پیشوا کے طرزِ عمل کا ضامن اس کا ایک ماتحت فوجی افسر قرار پاتا ہے لیکن اس زمانے میں سلطنت کی حقیقی حالت کے اقتضا سے مادھوجی کو ضامن مان لیا گیا۔ شیرخوار پیشوا نانا فرنویس دیوان کے ہاتھ میں تھا جو مثل سندھیا کے ریاست کا ایک کارپرداز تھا اس لیے سلطنت کے ایک خاص افسر کے طرزِ عمل کے ضامن سربرآوردہ فوجی افسران ہی ہو سکتے تھے اور یہ ضمانت اس خاص افسر کے مشورے اور تائید ہی سے لی گئی تھی اور مادھو سندھیا کے متعلق تو موجودہ پیشوا کے باپ کی مثال موجود تھی کیونکہ شہنشاہ محمد شاہ کے روبرو ۱۷۴۳ء میں پیشوا بالاجی کے طرزِ عمل کے ۴ خاص سردار ہوئے اُنھی میں سے ایک ضامن مادھوجی سندھیا بھی تھا تاکہ پیشوا بالاجی جیسے زبردست طاقت حاصل تھی اس معاہدے سے روگردانی نہ کرے جو اُس نے شاہ دہلی کے ساتھ کیا تھا۔

[2] مادھوجی سندھیا نے کچھ عرصہ پیشتر یہ تجویز پیش کی تھی کہ "میں ٹیپو کے خلاف آپ کا ساتھ اس شرط پر دے سکتا ہوں کہ حکومت برطانیہ میرے ساتھ دو بٹالین فوج پونا بھیج دے تاکہ میں اپنے مقبوضات ہندوستان کی مدافعت میں اس فوج سے کام لوں اور وہ فوج راجپوتوں کے ساتھ میری نبرد آزمائی میں مجھے مدد دے۔" مگر یہ تجویز منظور نہیں کی گئی۔

سامنے تھا اُس وقت مادھوجی سندھیا بھی اس شہر میں آپہنچا (یہ قیاس کیا گیا تھا) اور اُس کے خیالات انگریزوں کے ساتھ کچھ دوستانہ نہیں تھے۔ انگریزوں کے متعلق خواہ اُس نے کیسی ہی تجاویز سوچی ہوں مگر وہ اپنی زندگی میں ان پر عمل نہیں کرسکا اور اُس کی سلطنت اچھی طرح مستحکم ہونے سے بیشتر ہی ایک ایسے جانشین کو ملی جو اپنی کم سنی کی وجہ سے اس زبردست کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لایق نہ تھا جو اُسے ورثے میں ملا تھا۔

۱۳۱

مادھوجی سندھیا کے کوئی فرزند نہ تھا البتہ اُس کے بھائی ٹکاجی کے تین[1] بیٹے تھے ان میں سے بڑا تو لاولد مرگیا۔ منجھلے کے ۲ بیٹے ہوئے اور سب سے چھوٹا لڑکا انند راؤ اپنے چچا کا محبوب تھا۔ چنانچہ مادھوجی سندھیا نے اپنی فرط محبت ہی کی وجہ سے انند راؤ کے بیٹے دولت راؤ سندھیا کو اپنا متبنّیٰ کرلیا۔ اس راجکمار کی عمر ۱۳ سال کی تھی کہ اُس کے چچا کا انتقال ہوگیا، اور اس کے لیے وہ نہ صرف ایک عظیم الشان سلطنت بلکہ ایک لشکر جرار بھی چھوڑ گیا جس کی بدولت دولت راؤ مرہٹہ حکومت کا سرپنچ بن گیا۔ دولت راؤ کی جانشینی پر مادھوجی کی بیوہ نے جھگڑا کیا اور اُس نے ایک اور کنور کو جانشین بنایا اور اس نے ایک فوج مرتب کی اور اس جھگڑے کو اُس وقت تک ترک نہیں کیا جب تک کہ اُس کی فوج کو متعدد شکستیں نہیں ہوئیں۔ مادھوجی سندھیا کے انتقال ہوجانے پر خاندان سندھیا کا علاقہ وسط ہند میں اسی قدر ہے جس قدر کہ اب موجود ہے اور دولت راؤ سندھیا کو وراثت میں جو ریاست ملی تھی اس کا نسبتاً یہ ایک قلیل جز تھا جس کی حکومت کی بنا ہندوستان میں پڑی تھی۔

اس کی توجہ کے بیشتر حصے کا گذارہ اس ملک کی آمدنی اور

۱۳۲

اُس خراج پر تھا جو اسے اپنے ضابطے اور کارکردگی کی

[1] کیان جی، جوتیبا اور انند راؤ۔

بدولت یہ فوج راجپوتانے کے والیان ملک سے وصول کرلیتی تھی۔

حکومت ہلکر کو اس کے بانی ملہار راؤ کی وفات کے بعد تنزل ہونے لگا اور جے پور کے شمالی علاقے میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہا لیکن اس علاقے سے ہلکر کو خراج ملنے کا استحقاق اب بھی مانا جاتا ہے لیکن مادھوجی سندھیا کے آخری زمانے میں یہ استحقاق اور مالوے کے مقبوضات کا برقرار رہنا ہرگز اس وجہ سے نہیں تھا کہ خاندان ہلکر میں اپنے حقوق قایم رکھنے کی قوت موجود تھی بلکہ اس کا سبب وہ تعلقات تھے جو مرہٹہ سرداروں میں آپس میں موجود تھے اور جو جنگ وجدال کے زمانے میں بھی فراموش نہیں کیے جاتے تھے۔ اس قومی جذبے نے ان کے باہمی تنازعات کی ایک عجیب وغریب صورت پیدا کردی تھی اور جو اس طور پر ختم ہوتے تھے جیسے وہ لوگ نہیں سمجھ سکتے ہیں جو مرہٹوں کے کیرکٹر اور ان کی حکومت کی ساخت اور اس کے باہمی اتحاد سے ناواقف ہیں۔

مادھوجی سندھیا ازسرنو اتحاد قایم ہو جانے کے اس رجحان کی قدر وقیمت سے بخوبی آگاہ تھا جب کہ بظاہر بے حد مخالفت اور تنازعات ہوتے تھے اور اسی وجہ سے اس نے زبردست ایثار کرکے ان تعلقات اور رشتوں کو قایم رکھا تھا جن پر کہ وہ اتحاد مبنی تھا۔ اپنی حکومت کے عروج کے زمانے میں اگرچہ انصاف کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا لیکن جب نانا فرنویس نے مالوے کی آمدنی اور اس کے وصول کیے ہوئے خراج میں سے پیشوا کا حصہ طلب کیا تو مصارف کا عذر پیش کرکے مادھوجی سندھیا نے اس کی ادائی سے پہلو تہی کی۔

روایت ہے کہ اس نے اپنے باپ کے ایک زبردست قرضے کو ادا کردیا جو خاندان ہلکر کا اس کے ذمے باقی تھا اور جب تکاجی سے خراج کے حصے کی بابت جھگڑا ہوا تو اس کی فوج نے تکاجی کی فوج پر بمقام لکھیری حملہ کردیا لیکن تکاجی کی شکست سے اس نے بجز اس کے اور کوئی فائدہ نہیں اٹھایا کہ متنازعہ فیہ معاملات کو خندہ پیشانی کے ساتھ

١٢٣

طے کر لیا اور اس کے بعد فوراً ہی مادھوجی اور ٹکاجی کے درمیان نہایت دوستانہ اور ہمدردانہ مراسم پیدا ہو گئے۔ لیکن ایسے خیالات اور طرزِ عمل کی اُس کے جانشین سے توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ چونکہ دولت راؤ سندھیا دکن سے دور پیدا ہوا اور وہیں اُس نے تعلیم و تربیت پائی اور اس کے گرد و پیش یوروپین۔ مسلمان اور راجپوت رہتے تھے اور جب اپنے یہاں تربیت یافتہ فوج کو مرہٹوں کے بے قاعدہ اور لیٹرے گروہوں سے مقابلہ کر کے دیکھتا جن کی اولوالعزمی اور مستعدی نے اس کے اجداد کی ناموری اور شہرت قایم کی تھی تو وہ مرہٹوں سے نفرت کرنے لگتا اور مرہٹہ حکومتوں کے عہد کا یہ ایک رکن ہونے کی بجائے وہ اپنے کو ہندوستان کا ایک ممتاز فرمانروا تصور کرتا تھا۔ اُس کے بعض موروثی اعلیٰ افسران کے دل میں ابھی تک چند قومی جذبات موجود تھے لیکن سلطنت کے پچھلے رسوم اور قوانین کی تائید راجپوت اور پٹھان) سپاہیوں کے روز افزوں اثر کا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتی تھی جو بہ تعداد کثیر اس کی فوج میں ملازم تھے اور جس کے کمانڈر دولت راؤ کے اعلیٰ درجے کے مشیر تھے۔

اگرچہ مادھوجی سندھیا کی حیات ہی میں پیشوا کے معاملات کے انتظام کی بابت مرہٹہ سرداروں میں سازشیں زوروں پر تھیں جس کی حکومت عرصۂ دراز تک ساہو راجہ کی طرح برائے نام رہ گئی تھی لیکن بظاہر کوئی جنگ و جدال وقوع میں نہیں آیا تھا اور ملک میں بدستور امن و امان قایم تھا مرہٹوں نے اپنی متحدہ قوت کے ساتھ نواب نظام الملک پر اس خیال سے حملہ کیا تھا کہ فتح مندی نہایت آسان ہے اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آئے گا اور اس لیے لڑائی کے دوران میں مرہٹوں کا رشتۂ اتحاد قایم رہا۔ لیکن جب ایک معاہدہ ہو جانے سے یہ مختصر جنگ ختم ہو گئی جس کی رو سے نواب نظام الملک نے اپنی جان اور اپنے اہل و عیال کو ضرر پہنچنے کے اندیشے سے خائف ہو کر اپنا علاقہ اور خزانہ نذر کر کے صلح مول لے لی تو۔ اس زبردست کامیابی کے بعد فوراً ہی سازش و عیاری اور دغابازی کا ایک ایسا منظر

۱۳۴

سنہ ۱۷۹۵ء

دکھائی دیتا ہے جو غالباً عدیم النظیر ہے۔ از انجملہ خاص واقعات حسب ذیل تھے جنھیں اس کے اسباب اور نتائج کہہ سکتے ہیں۔ نوجوان پیشوا مادھو راؤ کا افسوسناک انجام۔ تکاجی ہلکر کی وفات۔ نانا فرنویس کا قید ہونا پرسرام بھاؤ کا قتل اور عظیم الدولہ وزیر اعظم سلطنت نواب نظام الملک کی رہائی جو اپنے آقا کے معاہدے کی تعمیل کے لیے بطور یرغمال کے دے دیا گیا تھا۔ مختلف رؤساکے مابین جنگ وجدال ہونے کے دوران ہی میں پونا کی ریاست تباہ ہوگئی تھی اور وسط ہند و ہندوستان کے باشندوں نے مرہٹوں سے اُن جملہ مظالم کا انتقام لیا جو مرہٹوں کے لٹیرے گروہوں نے دوسرے ملکوں میں کیے تھے۔ کیونکہ انھی لوگوں پر جیساکہ پیشتر بتایا گیا ہے ہلکر اور سندھیا کی فوجیں مشتمل تھیں۔

دولت راؤ سندھیا کے متعلق یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ اپنی کم عمری کی وجہ سے اُس نے اپنی قوت کا بیجا استعمال کیا لیکن اس کی حکومت کے شروع ہی میں جو شرمناک مظالم اور استحصال بالجبر ہوا اُس کی خاص وجہ غالباً یہی تھی کہ گنگی راؤ عیار بدمعاش اس کا مشیر خاص تھا جس کی بیٹی سے دولت راؤ نے شادی کرلی تھی[1]۔ اس راجہ کے دکن سے جانے کے پیشتر کے جرائم کی فہرست کا اختصار حسب ذیل ہے۔ واجب الاحترام مواعید کی خلاف ورزی کرکے نانا فرنویس کو گرفتار کرلینا۔ بہت سے برہمنوں کا قتل (جن میں نانا فرنویس کا بھائی بھی شامل تھا) پونا اور اُس کے نواح کے خاص خاص مقامات کو لوٹ لینا۔ ملہار راؤ ہلکر کے قتل میں اس کے بھائی کاسی راؤ ہلکر کی اعانت کرنا۔ ملہار راؤ کے شیرخوار فرزند کندی راؤ کو قید کرنا۔

۱۸۰۱ء

جب وہ مالوے کو واپس آیا جہاں پر کہ وہ جسونت راؤ ہلکر کی روزافزوں

---

[1] سرجی راؤ گنگیا کی بیٹی بیزبی بائی کے ساتھ سندھیا کی شادی ہونے کے مصارف کو ایک خاص حیلہ بنایا گیا۔

قوت کے اندیشے سے بُلا لیا گیا تھا تو ہر ایک موقع پر صاف ظاہر ہو گیا کہ اس کی
ظالمانہ حرکات کو ایسے شکوک اور وسوسے ہرگز نہیں روک سکتے ہیں جنھوں نے
اُس کے پیشرو کی روک تھام کر لی تھی۔ روایت ہے کہ اُس نے دھار کے
باغی وزیر سے پوار رؤسا کے ۲ علاقے لینا قبول کرا لیا۔ ریاست پوار کا
سارا علاقہ چھین لیا گیا اور ایک تاوان وصول کرنے پر وہ واپس کر دیا گیا۔

۱۲۶ دولت راؤ سندھیا کے مالوہ پہنچنے سے پیشتر ہی جسونت راؤ ہلکر اجین کا
مالک بن بیٹھا تھا۔ لیکن وہ دولت مند باشندوں سے ایک کثیر رقم جبریہ وصول
کر کے مطمئن ہو گیا اور اُس نے شہر کے لوٹنے کی ممانعت کر دی۔ لیکن
سرجی راؤ گھٹگیا نے جس کے پاس ایک زبردست فوج موجود تھی
چند ماہ کے بعد جسونت راؤ کو شکست دی۔ اُس نے اندور پر قبضہ کر لیا
اور بڑی بے دردی کے ساتھ شہر میں لوٹ کھسوٹ کی وہاں کے بیشتر
باشندوں کو قتل کر کے اور اُن کا مال و اسباب لوٹ لینے کے بعد
اُس نے مکانات میں آگ لگانے کا حکم دے دیا۔ شہر کو تباہ و ویران
کرنے کے کام میں اس اوباش اور عیش پرست راجہ کو اُس کے پنڈاری
دوستوں نے بہت مدد دی جو اس وقت زیادہ تر سندھیا کی فوج میں
ملازم تھے۔ اس موقع پر ضلع اندور اور خاندان ہلکر کے دیگر مقبوضات کا
انتظام سندھیا کے افسران کے سپرد کر دیا گیا اور ہلکر کی جانشینی کا مسئلہ
طے ہونے کے وقت تک یہ نہیں ظاہر کیا گیا کہ آیا یہ قبضہ عارضی ہے یا
پیشوا کی جانب سے کیا گیا ہے اور یہ بات رواج کے اس قدر
منافی تھی کہ اس نے ہلکر کے جملہ متوسلین کو متحد کر دیا کیونکہ وہ لوگ بھی
جو جسونت راؤ کے کیرکٹر اور اُس کے حقوق کے مخالف تھے انھیں
دولت راؤ سندھیا کی کامیابی میں خاندان ہلکر کی پوری بربادی نظر آتی تھی۔

۱۲۷ اب وسط ہند میں مرہٹہ گردی[1] کا وقت شروع ہوتا ہے۔ لیکن سازشوں اور

---

[1] سنہ ۱۸۰۰ء سے سنہ ۱۸۱۹ء تک کے زمانے کو گردی کا وقت یا مصیبت کا زمانہ کہتے ہیں

جنگ و جدال کی رو کا رُخ پھر دکن کی طرف پھر گیا۔ جسونت راؤ ہلکر یہ حیلہ کر کے پونے کو روانہ ہو گیا کہ ہلکر اور سندھیا کے نزاعات کے تصفیے کے لیے پیشوا کو پنچ بنایا جائے گا۔ اس حرکت نے سندھیا کو بھی مالوے سے چلے جانے پر مجبور کیا اولاً وہ برہان پور گیا اور وہاں سے اُس نے ایک فوجی دستہ باجی راؤ کے پاس بھیج دیا تاکہ پیشوا پر اُس کے مشورے کا اثر پڑے۔ پونا میں سندھیا کی فوج کی آمد نے پیشوا کے متعلق جسونت راؤ کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا (اگر اسے کچھ امید ہو ئی تھی) اور اُس نے دو فوجوں کے درمیان گھر جانے کے اندیشے سے فوراً لڑائی شروع کر دی۔

ہلکر کی فتح مندی۔ امرت راؤ کے ساتھ اُس کا اتحاد۔ باجی راؤ کا فرار، عہد نامۂ بسین۔ برطانیہ کی مداخلت۔ دولت راؤ سندھیا و باجی راؤ بھونسلا مرہٹہ سرداروں کے ساتھ اس کی نبرد آزمائی۔ یہ ایسے واقعات ہیں جن کا اس کتاب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ صرف اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ برطانوی فوج کے ساتھ اپنی قوت کی بے سود آزمایش کرنے کے بعد دولت راؤ سندھیا کے دماغ سے اپنے عروج اور حرص و ہوس کے سارے خواب کافور ہو گئے۔

ڈی بوائنی کے تیار کیے ہوئے اور جنرل پیروں کے مکمل کئے ہوئے سارے برگیڈ تباہ و برباد کر دیے گئے۔ ... ۵ سے زاید توپیں چھین لی گئیں جو سائنس والے یورپین افسران نے اس کی ریاست میں ایک سلاح خانہ قایم کر کے ڈھالی تھیں اور وہ گجرات، ہندوستان اور بندھیل کھنڈ میں اپنے بہترین　۱۳۸

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) یعنی دولت راؤ سندھیا کے خلاف جسونت راؤ ہلکر کا اپنے خاندان کی امداد کے واسطے آنے کے وقت سے لے کر پنڈاریوں کے نیست و نابود ہونے تک ۱۸۱۸ء۔

لہ۔ جنگ شروع ہونے کے وقت دولت راؤ سندھیا کی فوج میں باقاعدہ پیادہ برگیڈ، ۲۷ بٹالین پر مشتمل تھے جس میں ۵۶۰۰ مسلح سپاہی اور اسی نسبت سے ایک بڑا میدانی توپ خانہ بھی تھا۔

مقبوضات دے کر صلح کرنے پر مجبور ہو گیا اس راجہ کے پاس اس وقت بھی ایک بڑی ریاست تھی اور اگرچہ اُس کا رویہ بہت کم مراعات کا مستحق تھا لیکن سرجی انجن گاؤں کے معاہدے کی مشکوک شرائط کے معنے اُس کے لیے مفید مطلب نکلے اور اس کے دو سال بعد ایک اور معاہدہ اُس کے ساتھ کیا گیا جس کی رو سے اُس کی ریاست[۱] میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

برطانی حکومت سے مصالحت ہو جانے کے بعد دولت راؤ سندھیا کی فوج سے کئی بار وسط ہند اور اُس کے قریبی علاقہ جات کے راجاؤں کو مغلوب کرنے میں کام لیا گیا جو اُس کے ماتحت یا باجگذار تھے۔

وہ عموماً کامیاب ہی ہوا۔ بہت سے رؤسا بالکل مطیع ہو گئے۔ باقی ماندہ تباہ کر دیے گئے لیکن اس کا نتیجہ غارت گری اور شر و فساد کی اُس اسپرٹ کو اور مشتعل کرنا تھا جو اس بدبخت ملک میں پھیلی ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کے سابق فرمانرواؤں کے باقاعدہ بریگیڈ یا کمپوؤں کے ہاتھ سے جو صعوبتیں انھوں نے برداشت کیں اُن کے مقابلے میں وہ مصیبتیں انھیں بہت خفیف معلوم ہونے لگیں جو پنڈاری اور راجپوت لٹیروں کے ہاتھ سے پہنچی تھیں۔ سندھیا کی فوجوں نے اُن سب قصبات اور دیہات سے نہایت بے دردی کے ساتھ روپیہ وصول کیا جن میں سے ہو کر وہ گذری تھیں اور تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے ان فوجوں میں غدر جیسی کیفیت ہمیشہ رہتی تھی اور اسی وجہ سے انھوں نے رعایا پر جو مظالم اور سختیاں کیں وہ ناقابل برداشت اور بے دردانہ تھیں۔

وہ وجوہ بیان کر دیے گئے ہیں جنھوں نے دولت راؤ سندھیا کے ہاتھ سے وہ رشتے اور تعلقات منقطع کرا دیے جنھوں نے اُن مرہٹہ رئیسوں کو جو مرہٹہ عہد یہ کے بانی تھے آپس میں متحد کر رکھا تھا اس کے بعد دولت راؤ سندھیا نے راگوجی بھونسلا اور جسونت راؤ ہلکر سے اتحاد کر کے برطانی حکومت کی بڑھتی ہوئی

[۱] ۱۸۰۵ء میں جو صلحنامہ مرتب ہوا تھا اُس کی رو سے علاقہ گوہد اور قلعہ گوالیار چھوڑ دیے گئے۔

قوت کو رد کرنے کی فضول کوشش کی کیونکہ اب وہ جذبات کسی قوم میں نہیں رہے تھے
جو اس قسم کے اتحاد کی تائید کیا کرتے تھے آخر کار باجی راؤ نے ان جذبات کو از سر نو
زندہ کرنے کی کوشش کی اور اسے تسلیم کرنے کے معقول وجوہ موجود ہیں کہ اُسے
اپنی کوشش میں بڑی حد تک کامیابی حاصل ہو گئی۔ دولت راؤ سندھیا صرف
خفیہ طور پر ہی انگریزی حکومت کی مخالفت کر سکتا تھا جس کے ہاتھوں وہ اس قدر
ذلیل ہو چکا تھا اور نیپال کے ساتھ جنگ کرنے میں انگریزوں کو جو روز افزوں
پریشانیاں لاحق ہو رہی تھیں انھیں وہ اطمینان کی نظر سے دیکھتا تھا اور
جب اس علاقے میں اس کی سازشوں کی کیفیت معلوم ہوئی تو اگرچہ فراخدلی کے ساتھ
اُن سے چشم پوشی کی گئی جس کا اُس کے دل پر بے حد اثر پڑا اور جب پنڈاریوں نے
ہمارے ساتھ جنگ کی ٹھان لی اور دولت راؤ کو اُس نے شرکت کی دعوت
دی تو اس کی فرمایش کو وہ رد نہ کر سکا اور ان سے مدد دینے کا وعدہ کر لیا۔
لیکن سندھیا نے اس موقع پر گذشتہ تعلقات کو یاد کر کے نہ کہ موجودہ
تعلقات کی بنا پر اور پیش آنے والے نہ کہ موجودہ خطرے کو محسوس کر کے
عمل کیا تھا اور اس جیسے شخص کو جنگ میں شریک کرنے کے لیے یہ ارادے
کافی نہیں تھے، اور اپنے کو تباہی سے بچانے کے لیے اس نے جو تدابیر اختیار کیں
اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ چھڑ جانے سے اس کی ریاست کو نقصان پہنچنے کا
احتمال تھا اس لیے اُس نے سلامت روی اختیار کی اور اُس نے ایک معاہدہ
کر لیا جس کی رو سے اُس نے حکومت برطانیہ سے مل کر اس ملک میں غارت گری کے
نظام کا انسداد کرنے اور وہاں پر امن قایم کرنے میں اپنی کوششیں صرف
کیں اور یہ ضرورۃً نہ کہ بخوشی کیا گیا تھا اور اس میں کچھ شک نہیں اور یہ بات
ثابت بھی ہو چکی ہے کہ اُس نے جو وعدے کیے تھے اُن میں سے چند وعدوں پر
عمل کرنے سے گریز کرنے کی اُس نے خفیہ طور پر کوشش کی تھی۔ اُس کی حالت[۱]
نہایت افسوسناک اور مشکلات سے پُر تھی کیونکہ اس کی قوم جن امور کو باعث عزت

۱۸۰۸ء

۱۱۴۰

[۱] خط مرسلۂ باجی راؤ بنام دولت راؤ سندھیا کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے

تصور کرتی تھی اُن سب سے روگردانی کرنے ہی سے وہ اپنی ریاست کو بچا سکتا تھا۔ اس معاملے میں اُس کے ساتھ جس قدر نوازش اور دلداری کی گئی اُس کی دولت راؤ نے بہت قدر کی اور ان کے اثرات ضائع نہیں گئے۔ دولت راؤ بذات خود نہایت نیک مزاج شخص ہے اور اب اُس نے اپنے ایسے مشیروں سے مخلصی حاصل کر لی جنھوں نے اُسے دھوکے دیئے اور اُس کی جوانی برباد کی اور اب اُسے حکومت برطانیہ کی نیت اور ارادے روز روشن کی طرح صاف نظر آئے جن سے کہ وہ عمل پیرا ہوئی ہے اور جو عظیم الشان انقلاب رونما ہوا ہے اس کے روبرو اُس نے سر تسلیم خم کر دیا ہے اور یہ دیکھ کر کہ اب اقتدار حاصل کرنے کا جھگڑا ختم ہو گیا وہ برطانیہ کی شہنشاہی کو تسلیم کرتا ہے اور اُس کی کارروائیوں سے مستفید ہونا چاہتا ہے جو ملک کے اندر امن قایم رکھنے کے لیے کی جا رہی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ خط مجھے اپریل ۱۸۱۸ء میں یہ اطمینان دلا کر دیا گیا تھا کہ نقل مطابق اصل کے ہے وہ ایک اخبار سے حاصل کی گئی تھی:-

"آپ کے والد بزرگوار مادھوجی سندھیا سرکار کے احکام کو بخوشی قبول کر کے دہلی تشریف لے گئے تھے جہاں پر وہ وزیر بنا دیے گئے اور وہاں پر انھوں نے بڑی ناموری حاصل کی تھی۔ انھوں نے دل و جان سے ہماری خدمت کی لیکن جب آپ اُن کے جانشین ہوئے تو آپ نے انگریزوں سے دوستی گانٹھی اس طرح آپ ہندوستان پر حکومت کرتے ہیں اور اس طرح آپ اپنی شکر گزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اس طرح ہماری خدمت کرنے سے تو یہی بہتر ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں میں چوڑیاں پہن کر عورتوں کی طرح بیٹھے رہیں۔ میری حکومت کے خاتمے کے بعد کیا آپ کی عملداری قایم رہ سکے۔"

اس کے بعد مضمون نگار لکھتا ہے کہ مرقومہ بالا خط سے (سندھیا) سخت پریشان اور بے چین رہا اور پھر سو گئے۔ کچھ جواب نہیں دیا۔

چھٹا باب

خاندانِ ہلکر

۱۸۹۲

خاندان ہلکر[1] ڈونگر یا گڈریہ قوم سے تھا۔ اس خاندان کا پہلا شخص ملہار راؤ تھا جس نے کچھ ناموری حاصل کی اور جو کاشتکاروں کے درجے میں قدر بے[2] سربلند ہوگیا جن میں کہ وہ پیدا ہوا تھا مصنف ہذا کو اندور کے موجودہ وزیر نے جو ریکارڈ دیا ہے اس میں ملہار راؤ کا باپ دکن کے موضع ہل[3] کا ایک معزز کاشتکار یا رعیت درج ہے اور اس وجہ سے یہ سردار اور اس کی اولاد ہلکر یا ہلگر[4] کہلاتی ہے

ل۔ ہندوستان میں یہ لوگ گدری یا گڈریہ کہلاتے ہیں اور بھیڑیں چرانے والوں سے ان کا درجہ کم مانا جاتا ہے۔

ٹ۔ تا ننیا جوگ۔

سے۔ موضع ہل جاگیر نیمالکر کے پرگنہ پھلٹن میں واقع ہے۔ یہ موضع نیوا کے پل کے قریب اور اس کا فاصلہ پھلٹن سے ۵ کوس اور پونے سے ۲۰ کوس ہے۔

ہے۔ بہت سے خاص مرہٹہ خاندانوں کے نام اپنے مولد گاؤں میں لفظ کر ملا کر بنائے گئے ہیں کر کے معنی باشندے کے ہوتے ہیں مثلاً نیماکر۔ پٹن کر وغیرہ۔

ملہار راؤ ہلکر سترھویں صدی[1] کے اختتام کے قریب پیدا ہوا تھا جب وہ
۴ وہ سال کا تھا کہ اُس کے باپ کا انتقال ہو گیا جس کا نام کنداجی تھا۔
اپنے شوہر کے رشتہ داروں سے لڑائی جھگڑا ہونے کی وجہ سے اس کی ماں
اپنے بھائی نرائن جی[2] کے یہاں چلی گئی جو ایک معزز زمیندار[3] تھا اور خاندیس

---

[1]۔ میرا خیال ہے کہ ۱۶۹۳ء میں، مرہٹوں نے ولادت کا کوئی رجسٹر یا حساب محفوظ نہیں رکھا (سوائے بڑے بڑے خاندانوں کے) وہ تاریخ ولادت کا اندازہ ایسے اہم واقعات سے کرتے تھے جو پیدائش سے پہلے یا بعد واقع ہوئے ہوں اگر ملہار راؤ پیدائشی سردار ہوتا تو اس کی جنم پتری یا زائچہ جو اس کی پیدائش کے وقت نجومیوں نے کھینچا محفوظ رکھا جاتا۔ کیونکہ تمام اونچے ہندو گھرانوں میں اس کا رواج تھا۔

[2]۔ وہ عام طور پر نارائن جی برگل کہلاتا تھا۔ میرے پاس ایک فارسی نسخے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے لڑکے کو اپنے ایک بھائی مدکر نامی کے پاس لے گئی جو قصبۂ ساسنت میں رہتا تھا۔ لیکن یہاں میرے بیان کی بنیاد موجودہ وزیر تانتیا جوگ کے دیے ہوئے ایک کاغذ پر مبنی ہے۔ جو میرے خیال میں درست ہے۔ مدکر ملہار راؤ ثانی ولد لکاجی کا ماموں تھا۔ مسلمان مصنفین نے ان ناموں کی یکسانیت کی وجہ سے دھوکا کھایا ہے۔

[3]۔ اصطلاح نارن جی 'زمیندار' کے لیے ہے۔ (لیکن جب یہ کسی سرکاری عہدہ دار کے لیے استعمال ہوتی ہے تو اس کا مفہوم مختلف ہوتا ہے) زمیندار سے عام طور پر ایسا شخص مراد ہوتا ہے جس کی جائداد زمین کی شکل میں ہو۔ وہ چاہے کتنی ہی کم کیوں نہ ہو اور اسی پر اُسے پورے قانونی حقوق حاصل ہوں (وہ خاندیس میں نالندے گاؤں کا رہنے والا تھا)

میں رہتا تھا۔ اُس کے بھانجے کی پہلی ملازمت ہی سے نرائن جی کی حالت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ملہار راؤ ہلکر کئی سال تک اپنے خاندان کی بھیڑیں چرانے پر مامور رہا اور اس پیشے سے اُس کو ایک سانپ کی بدولت نجات مل گئی (جن ہندوؤں نے کچھ ناموری حاصل کی ہے اُن کے بچپن کے متعلق کوئی ایک قصہ ضرور مشہور ہوتا ہے) اور جب ملہار راؤ اپنے کھیت میں سو رہا تھا تو ایک سانپ[1] نے اُس کے چہرے اور سورج کی شعاعوں کے درمیان اپنے پھن سے سایہ کر لیا۔ اولاً سے اس واقعے سے کچھ خوف معلوم ہوا لیکن پھر اس نے اس کو فال نیک سمجھا۔ خاندانی روایت ہے کہ اس کے ماموں نرائن جی کے دل پر اس واقعے کا جو اثر پڑا تھا اس سے متاثر ہو کر اُس نے ملہار راؤ کو سواروں کی جماعت[2] میں داخل کر دیا جو مرہٹہ سردار قدم بندے کی خدمت کے لیے اُس کے پاس تھی، بہر حال کسی نہ کسی وجہ سے ملہر راؤ نے گڈریے کا پیشہ ترک کر کے پیشۂ سپہ گری اختیار کیا اور اُس نے بہت جلد ثابت کر دکھایا کہ اس میں وہ جملہ اوصاف موجود ہیں جن کی اس پیشے میں ناموری حاصل کرنے کے واسطے ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک جنگ میں اُس نے نواب نظام الملک کے ایک افسر کو تہ تیغ کر دیا۔ اس بہادری اور اُس کی غیر معمولی مستعدی اور جفاکشی نے اس کو بہت جلد نمایاں کر دیا۔ اس کے ماموں نرائن جی نے اس کے ساتھ اپنی بیٹی[3] کی

---

[1]۔ یہ کالا سانپ یا ناگ تھا جو خصوصیت کے ساتھ مقدس مانا جاتا ہے۔

[2]۔ جن کی تعداد ۲۵ تھی۔

[3]۔ اس لڑکی کا نام گوتم بائی تھا جس نے کچھ عرصے بعد ملہار راؤ ہلکر کی خاص اور واحد بیوی ہونے کی حیثیت سے بہت کچھ ناموری حاصل کی۔ گوتم بائی کے بھائی نے بھی (جس کا نام اپنے باپ کے نام کی مانند نرائن تھا) کچھ نام و نمود حاصل کیا تھا وہ راجہ ادے پور کے یہاں ملازم تھا جس نے مندیر کے نزدیک پرگنہ بڈا اُسے بطور جاگیر کے عنایت کیا تھا۔ اور اس جاگیر کا نصف حصہ اس کی بہن کو مرحمت ہوا جس نے اپنے حصے کے علاقے کا نام اپنے شوہر کی یادگار میں قصبہ ملہار گڈھ رکھا اور اس کے بھائی نے اپنے علاقے کے مستقر کا نام نرائن گڈھ قرار دیا۔ نرائن جی کی وفات کے بعد یہ جاگیر اُس کے

۱۴۵ شادی کردی اور پھر چند سال کے بعد باجی راؤ پیشوا نے اس کی روز افزوں شہرت
اور ناموری سن کر اُسے اپنے یہاں نوکر رکھ لیا اور پھر وہ ترقی کر کے ۵۰۰
سواروں کا افسر بن گیا۔ آقاؤں کی یہ تبدیلی قدم بندے کی تائید سے ہوئی
تھی اور وہ اس نوجوان گڈریہ کی خوش قسمتی دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا اور نراین
نے بھی بندی سرداروں کا نشان[1] اختیار کر کے اپنی شکر گزاری کا بین ثبوت
دیا تھا جو ابھی تک خاندان ہلکر کا جھنڈا ہے چونکہ وہ گائیکوار کے خاندان ۱۴۶
سے ہیں اور یہ خاندان ابتدا میں اسی سردار کا مقلد تھا۔

ملہار راؤ ترقی کر کے بہت جلد اعلیٰ کمان افسر کے درجے تک جا پہنچا کچھ
عرصے کے بعد وہ پیشوا کے یہاں ملازم ہو گیا اور پھر پیشوا کے بھائی کے پاس سے
ہٹا کر وہ کونکن روانہ کیا گیا جس کے فتح کرنے میں انھوں نے زبردست کامیابی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ بیٹے بھوج راؤ کو ملی جو اس کی جاگیر کا نواحی علاقہ مرہٹوں کے سپرد ہو جانے
پر خاندان ہلکر کا جاگیردار ہو گیا۔ بھوج راؤ کے انتقال کو ۳۵ سال ہوئے ہیں اس کی جاگیر اس
کے دو لڑکوں موگاجی اور شنکر راؤ کو ملی جسونت راؤ ہلکر نے یہ جاگیر ۱۸۰۵ء میں ضبط کر لی تھی
اور پھر ۱۸۰۷ء میں واپس دے دی موگاجی نے ۱۸۱۳ء میں وفات پائی اور نراین گڈھ شنکر راؤ
کو ملا جو اس کے قبضے میں ۴ سال تک رہا اس کے بعد وہ ضبط ہو گئی اور پھر شنکر راؤ قریب کے جنگلوں
کو بھاگ گیا اور لوٹ مار پر بسر اوقات کرنے لگا۔ اُسے ڈکیتی سے باز رکھنے کے لیے اس کی سابق
جاگیر کے دو گاؤں دیدیے گئے لیکن معاہدہ منڈیسر کے بعد وہ ان مواضعات سے پھر محروم ہو گیا اور چند
ماہ ہوئے کہ اس خاندان کے آخری ممبر نے بحد افلاس کی حالت میں وفات پائی ہے۔

؎ ۔ وہ جھنڈا مثلث شکل کا تھا جس پر سرخ اور سفید دھاریاں تھیں اور ان میں اُسی رنگ کی گوٹ لگی
ہوئی تھی یہ مشہور و معروف بندی خاندان کا موجودہ وارث ۱۴ برس کا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ وہ متوفی
پیشوا کے ظلم سے تنگ آکر بڑودہ بھاگ گیا تھا تاکہ گائیکوار سے اپنی بسر اوقات کے لیے
ایک لقمے کا سوال کرے کیونکہ گائیکوار کے اجداد نے اُسی کے خاندان کی بدولت بڑی حد تک
عروج حاصل کیا تھا۔

؎ ۔ چمنا جی۔

حاصل کی تھی بسین اور اس کے علاقے کے بہت سے مقامات پر تنگالیوں کے قبضے سے نکال
لیے گئے اس موقع پر ملہار راؤ نے جو نامودری حاصل کی تھی پھر ناظم علی خاں کے ساتھ
نبرد آزمائی اور کئی دیگر معمولی معرکوں میں اس کے طرز عمل نے اس میں اور اضافہ کردیا۔ (سنہ ۱۷۲۷ء)

ملہار راؤ کو پہلی مرتبہ سنہ ۱۷۲۸ء میں نربدا کے شمال میں ۱۲ ضلعے[1] ملے تھے
اور پھر سنہ ۱۷۳۱ء میں اس سردار کو ۷۰ اور اضلاع عطا کیے[2] گئے اور پھر اسی زمانے
میں پیشوا نے اپنے[3] ایک مراسلے کے ذریعے سے اس کو مالوے میں مرہٹوں کے
حقوق کے عام بندوبست کے لیے مامور کردیا اور پھر اُنیس سال وہ اس فوج کا (۱۷۴۱)
سپہ سالار تھا جس نے مالوہ فتح کیا تھا جس میں دیا بہادر کو شکست نصیب ہوئی اور
وہ مار اگیا تھا۔ مذکور الصدر زمانے میں ملہار راؤ ایک زبردست لشکر کا افسر اعلیٰ
تھا اور کوہ بندھیاچل پر مرہٹوں کے چڑھنے سے پیشتر ہی اُس نے نیماڑ میں
کئی مقامات پر قبضہ کرلیا تھا جن میں سے مہیشر خاص قصبہ تھا۔

جب مالوہ فتح ہو گیا تب اس کی فوج کے گذارے کے لیے ضلع اندور
اُسے دیدیا گیا۔

ملہار راؤ نے جو عزت اور مرتبہ حاصل کیا ہم اس کا پیشتر ہی ذکر کر چکے ہیں
اور اس کا ایک بین ثبوت یہ بھی ہے کہ اس کا نام اُس اقرارنامے میں موجود ہے

---

[1] ہلکر نے راکسبن کی جنگ میں بڑا نام پیدا کیا تھا اور پھر صلح ہو جانے پر اُسے کئی علاقے مل گئے۔ اس موقع پر خاندان ہلکر نے اُسے پرگنہ امباہ عطا کیا تھا۔

[2] دفتر پونا کے روز کرد بابت سنہ ۱۷۲۸ء میں ملہار جی ہلکر کو ۱۲ محال اور اودا جی پوار کو ۴۳ محال کا عطا کیا جانا درج ہے۔

[3] پونا روز کرد۔

[4] اس سال یعنی سنہ ۱۷۳۱ء کے روز کرد میں درج ہے کہ پیشوا نے ملہار راؤ کے نام ایک مراسلہ تحریر کیا تھا اور مالوے کا نظم ونسق اُس کے سپرد کیا گیا تھا اور اُسے یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ سرکاری مطالبات وصول کرکے باقاعدہ روانہ کرتے رہو۔

[5] سنہ ۱۷۴۳ء۔ رواج کے بموجب یہ معافی سر انجام تھی جو قابل منسوخی ہوتی ہے۔

جو چند خاص فوجی سرداروں نے اپنے آقا پیشوا کی بیوفائی یا نمک حرامی کی بابت ضامن بنکر محمد شاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ مالوے کی فتح کے بعد سے اپنے آخر دم تک (زائد از تیس سال) سلطنت مرہٹہ کے فوجی کمان افسران میں سب سے زیادہ ممتاز تھا اور اس کی مسلسل ملازمت سے معلوم ہوتا ہے کہ باجی راؤ اس پر بہت مہربان تھا وہ اپنے عروج کے کمال تک پہنچ جانے پر بھی پیشوا کا بےحد ادب و احترام کرتا رہا۔ اس سردار نے اگرچہ اپنا خاندان اور اپنی حکومت وسط ہند میں قائم کی تھی لیکن اس کی زندگی کا وہاں کی تاریخ سے بہت کم تعلق ہے۔ اس کے خاص خاص فوجی کارنامے دکن اور بالخصوص ہندوستان میں ہوئے۔ چنانچہ جب باجی راؤ نے ہندوستان پر پہلا حملہ کیا تھا تو اس وقت وہ بھی ان سرداروں میں سے تھا جنھوں نے محمد شاہ کے دارالخلافہ دہلی کے قریب موضع کالکا بھوانی کا مشہور و معروف میلہ لوٹ لیا تھا۔ مرہٹوں نے اس قابل یادگار اور دلیرانہ حملے کے موقع پر مقبرۂ ہمایوں کے پل پر ایک سور آویزاں کر کے اسلامی سلطنت سے اپنے تنفر کا اظہار کیا تھا۔ بہت سا مال غنیمت ان کے ہاتھ لگا اور ملہار راؤ کو اس موقع پر دولت اور ناموری میں سے حصہ مل گیا اور جس نے اس شکست کی پوری تلافی کر دی جو شاہی فوج کے ہاتھوں چند ماہ قبل اسے نصیب ہوئی تھی۔

۱؎۔ پیشوا کے حکم سے وہ رانوجی سندھیا کے سپرد کر دیا گیا تھا اور اسے مالوے کی آمدنی میں سے ۲۵ فی صد سر دیشمکھی اور مرہٹوں کے دیگر مطالبات وصول کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ان سرداروں نے پہلے سال میں ایک لاکھ ۷۵ ہزار۔ دوسرے سال میں ایک لاکھ ۱۰ ہزار تیسرے اور آئندہ سالوں میں ایک لاکھ ۲۵ ہزار روپے ریاست پونا کے لیے وصول کرنے اور باقی ماندہ آمدنی آپس میں مساوی تقسیم کرنے کا اقرار کیا تھا۔

۲؎۔ روز گرد پونا۔

۳؎۔ جاترا۔

۴؎۔ شاہی فوج نے زیر کمان برہان الملک ملہار راؤ کو آگرے کے قریب موتا ماغ پر شکست دی تھی جہاں پر کہ وہ دوآبے کا ایک حصہ لوٹنے کے بعد آیا ہوا تھا۔ یہ مرہٹہ سردار بدقت تمام اپنی جان بچا کر

پیشوا کوٹا کے راستے سے واپس آگیا اور اس سفر کے میں جے سنگھ نے خفیہ طور پر اُسے بہت کچھ مدد دی تھی۔ پیشوا نے اس راجپوت راجہ اور دیگر راجپوت رؤسا سے ملاقات کی اور وہ اپنا خراج مرہٹوں کو دینے پر آمادہ اور رضامند ہو گئے، اور جب باجی راؤ دکن کی طرف روانہ ہو گیا تب یہ خراج وصول کرنے اور فوجی کارروائیوں کو جاری رکھنے کا کام ملہار راؤ کے سپرد کیا گیا اور پھر اُس کی بڑی فوج کے مصارف کے لیے ایک بہت بڑا علاقہ[1] اسے دیدیا گیا۔ اس سردار نے مالوے ہندوستان اور راجپوتانے میں لوٹ مار کے لیے جو حملے کیے اُن کی تفصیل دلچسپ نہیں۔ فی الحقیقت وہ چھوٹی چھوٹی سی لڑائیاں اور ڈاکہ زنی کی وارداتوں کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ ایک ڈکیتی کی واردات میں اُس نے محمد شاہ کی ملکہ یعنی ملکۂ زمانیہ کا سامان چھین لیا تھا اور اُس کے خاندان والوں نے اس سامان کو اہلیہ بائی کی وفات کے زمانے تک بڑی احتیاط سے رکھا تھا۔ اس سامان میں مرہٹوں کی اس فتح مندی کے دو زبردست ریکارڈ ہیں۔ اول ایک گاڑی[2] جس کے پردوں میں موتیوں کی جھالر تھی اور دوسرے ایک کنگھی تھی جس میں جواہرات لگے ہوئے تھے اور اس کی قیمت کا تخمینہ ایک لاکھ روپے سے زیادہ تھا۔　۱۸۰

سلطنتِ مغلیہ کی زبوں حالت دیکھ کر ملہار راؤ کو اپنی قوم کی حکومت مستقل طور پر ہندوستان میں قائم کرنے کی تدابیر سوچنے کی جرارت ہوئی تھی۔ چنانچہ اپنی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے اس نے کبھی تن تنہا اور کبھی دیگر سرداروں سے مل کر اودھ سے انڈس تک اور راجپوتانے سے کمایوں تک حملے کیے۔

احمد شاہ کے زمانے میں صفدر جنگ وزیر نے مرہٹوں کو مدعو کیا تاکہ وہ اودھ کو روہیلوں کی دست بُرد سے بچالیں اور اس سلسلے میں جو جنگ ہوئی اس میں ملہار راؤ ہلکر نے　۱۷۵۱ء

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ بھاگا اور پھر گوالیار میں باجی راؤ سے جا ملا۔

[1] میرے پاس ایک قلمی نسخہ ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ پیشوا نے اُس کی فوج کے مصارف کے لیے ۴۰ لاکھ روپے کا علاقہ مالوے میں اور ۲۰ لاکھ کا دکن یا گوداوری پور اکے جنوب میں عطا کیا تھا اور اُس کی فوج کی تعداد ۱۵ ہزار معین کردی گئی تھی۔

[2] اس قسم کی گاڑی کو رتھ کہتے ہیں جس میں پہیے ہوتے ہیں اور جسے بیل کھینچتے ہیں

سواروں کا ایک مختصر دستہ لے کر اور شبخون مار کر بڑی ناموری حاصل کی تھی اور کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانے کی ایک عیاری[1] سے کام لینے سے اُس کو یہ کامیابی حاصل ہوئی تھی اُس نے کئی ہزار مویشیوں کے سینگوں پر روشن شعلیں بندھوادیں جو ایک سمت کو ہانک دیے گئے اور دوسری سمت کے ہر ایک درخت اور جھاڑی میں اُس نے روشنی رکھوادی اور یہ کارروائی کرنے کے بعد وہ تاریکی میں ایک دوسرے راستے سے حملہ کرنے کے واسطے چلا گیا۔ ایک طرف سے غنیم پر حملہ ہوا اور دوسری سمتوں میں انھوں نے روشنی دیکھی تو اُنھوں نے یہ سمجھا کہ ہم چاروں طرف سے گھر گئے ہیں اور ہمارے تباہ ہوجانے کا خطرہ درپیش ہے اس لیے وہ منتشر ہوگئے اور مایوسی کے عالم میں بھاگ گئے اور فاتحین کی لوٹ کے لیے اپنا کیمپ چھوڑ گئے۔ اس فتح مندی نے اُن کے سردار کی ناموری میں مزید اضافہ کردیا۔ اس جنگ کے متعلق اُس کی مستعدی اور بہادری کے معاوضے میں شہنشاہ نے اُسے چاندور کی سردیش مکھی کا پروانہ عطا فرمادیا (مالگزاری کا ۱۲½ فی صد حصہ) اور اس خاندان کے قبضے میں صرف یہی شاہی جاگیر ہے۔ فی الحقیقت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب ملہار راؤ ہلکر سے دریافت کیا گیا کہ تم کیا انعام چاہتے ہو تو اُس نے عرض کیا کہ میں پیشوا کا ملازم ہوں اس لیے اُس سے آزاد ہوکر میں کسی علاقے کا خواہاں نہیں ہوں البتہ اگر خاندیس میں چاندور کے دیسکھ[2] کے عہدے پر میرا تقرر کردیا جائے تو میں اُسے ضرور قبول کرلوں گا۔ چنانچہ یہ درخواست منظور ہوئی اور اُس وقت سے یہ عہدہ اس کے خاندان میں چلا آتا ہے۔ حال ہی میں جب صوبۂ خاندیس انگریزی حکومت کو مل گیا تو خاندان ہلکر کے جذبات کو ہمدردانہ طور پر ملحوظ رکھ کر یہ عہدہ اور اس کے اختیارات واپس دیدیے گئے۔

۱۵۱

ملہار راؤ نے نواب نظام الملک کے فرزند غازی الدین سے تعلقات پیدا کرلیے تھے۔

۱۵۲/۱۷۵۲ء

---

[1] یہ عیارانہ کارروائی ہنی بال کی عیاری کے بالکل مشابہ ہے۔ ہر ایک جگہ انسانی اختراع کی یکساں نوعیت ہوتی ہے۔ یہ توارد اور مماثلت محض اتفاقیہ ہے کیونکہ ہم ہرگز یہ گمان نہیں کرسکتے ہیں کہ اس مرہٹہ سردار نے کارتھیج کے افسر کی تاریخ کا مطالعہ کیا تھا۔

[2] دیسکھ ایک ہندی اصطلاح ہے جس کے معنی حاکم ضلع کے ہیں۔

سلطنت کے اس علاقے کے عہدۂ صوبہ داری پر غازی الدین کی جانشینی کا استحقاق تسلیم کیے جانے میں اُس کی امداد کے لیے ملہار راؤ اُس کے ہمراہ دکن کو گیا اور پیشوا مع چند خاص خاص سرداروں کے جو اسی کی کوشش میں مصروف رہتے تھے اورنگ آباد میں جمع ہوئے تھے جہاں سے وہ آگے بڑھنے والے تھے کہ یکایک غازی الدین کو زہر دے کر[1] مار دیا گیا اور اس کی وجہ سے یہ قضیہ ختم ہو گیا اور دکن کو عارضی طور پر امن حاصل ہوا۔

ہندوستان میں مسلمان خاندان کی کمزوری دیکھ کر پیشوا نے ملہار راؤ ہلکر کو بہت سی فوج اور صوبہ دار[2] کا خطاب دے کر اپنے حقوق برقرار رکھنے کی غرض سے اُس علاقے میں مامور کر دیا۔ اب احمد شاہ ابدالی کا حملہ شروع ہو گیا تھا اور مرہٹے پنجاب خالی کرنے پر مجبور کیے گئے تھے۔ (دتو جی مارا گیا تھا اور احمد شاہ ابدالی کے کیمپ کو جانے والی رسد میں دست اندازی کرنے اور اُسے لوٹ لینے کے بعد ملہار راؤ بمقام سکندرا خیمہ زن ہو گیا تھا کہ افغانی فوج نے اس پر سخت حملہ کر دیا اور اُسے مکمل شکست دیدی۔ ان واقعات کے رونما ہونے سے جنگ پانی پت وقوع میں آئی تھی۔ ابندار میں ملہار راؤ کے بھاگ جانے پر بعض لوگ لعنت بھیجتے ہیں کیونکہ وہ دن اُس کی قوم کے لیے نہایت مصیبت کا تھا لیکن اُس کے حامی کہتے ہیں کہ بحیثیت افسر کے یہ اُس کی اعلیٰ قابلیت کی دلیل ہے کیونکہ جب اُس نے میدان ہاتھ سے جاتا دیکھا تو اُس نے اپنی جماعت کو مجتمع کر کے پسپائی کا حکم دیدیا۔ جس پر دوسروں نے عمل نہیں کیا اور نقصان اُٹھایا۔ جنگ چھڑنے کی صبح کو ملہار راؤ کا اپنے یہاں کے کمانڈر سے جو جھگڑا ہوا تھا اس میں ملہار راؤ کی رائے کو اگر درست مان لیا جائے تو غالباً ایسا ہی ہو گا۔ کہا جاتا ہے کہ ملہار راؤ نے سداشو بھاؤ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ لڑائی میں ۲۔ ایک دن کی تاخیر کر دو لیکن بھاؤ نے جس کے غرور اور تکبر کی کچھ انتہا[3] نہ تھی۔ یہ جواب دیا کہ

۱۷۵۹ء

۱۵۳

---

[1] ۔ کہا جاتا ہے کہ غازی الدین خان کو زہر دیا گیا تھا۔

[2] ۔ صوبیدار کا خطاب اُس کے ورثا کو ملا اور دولت راؤ و دیگر فرمانروا اس لقب سے مخاطب ہونے کو اپنی انتہائی عزت تصور کرتے تھے۔

[3] ۔ سداشو بھاؤ نے اپنے ملازمان کو یہ اجازت دیدی تھی کہ اُسے "پرسرام اوتار" یا وشنو کا اوتار کے

ایک گڈریے کی نصیحت کی کس کو حاجت ہے۔

اگر یہ واقعہ درست ہے تو ہم کو ہرگز استعجاب نہیں ہوتا کہ ملہار راؤ جیسے شخص نے پیشتر سے کامیابی کا اندازہ نہ کر لیا ہو۔

۱۷۶۴ بہرحال وہ ان چند آدمیوں میں سے تھا جنھوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی تھی۔ وہ وسط ہند واپس گیا اور اپنے علاقے کے انتظام میں مصروف ہو گیا اور مرہٹہ سرداروں کے طرزِ عمل کے بموجب اس کے مقبوضات میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا تھا اور اب جو علاقہ خاندان ہلکر کا مالوے میں ہے یہ ساری ریاست بجز ایک ضلع کے اس خاندان کے بانی ملہار راؤ کی ورا ثت دی ہوئی ہے جس نے مالوے کی ریاست کے علاوہ راجپوت راجاؤں پر اپنے بہت سے حقوق چھوڑے ہیں جے سنگھ کی وفات پر جو جھگڑے پیدا ہوئے ان سے فائدہ اٹھا کر ملہار راؤ نے ریاست جے پور میں اپنا بہت کچھ اثر اور اقتدار قایم کر لیا۔ اور اس کی اعانت سے گدی نشین ہو جانے پر مادھو سنگھ ۶۴ لاکھ نقد اور ۴ ضلع دینے کے علاوہ ۳۱/۲ لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینے پر راضی ہو گیا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ بقیہ طعنہ مخاطب کیا کرتے۔

۱۔ اسی قسم کی طعنہ زنی کی بدولت اس روز مرہٹہ کمانڈر اپنے ایک بے حد قابل یار وفادار سورج مل جاٹ والیٔ بھرت پور کی خدمات سے محروم ہو گیا تھا۔

۲۔ افغانوں کو اپنی اعلیٰ شجاعت اور مستعدی کی بدولت جنگ پانی پت میں فتح مندی حاصل ہوئی تھی لیکن مرہٹے فطرتاً اس کو دیگر اسباب پر محمول کرتے ہیں اور از انجملہ پیشوا کے فرزند بسواس راؤ کی وفات تھی اور سداشیو بھاؤ نے اپنی ہٹ دھرمی اور بے صبری سے کام لیا اور بے وقوفی سے اس کا فوج میں اعلان کر دیا اس نے ہاتھی کو جلا دیا تاکہ اپنے پیارے بھتیجے کا آخری درشن کر لے۔

۳۔ جسونت سنگھ نے تال منڈ اہلار ریاست دھار کا غصب کر لیا تھا اس علاقے کا بڑا حصہ اب غفور خاں کی جاگیر میں ہے۔

۴۔ بعض بیانات کے بموجب ۴۸ لاکھ۔

۵۔ ٹونک۔ رام پورہ۔ ٹورا۔ پوٹا۔

اس سے قبل ملہار راؤ کو دکن میں ایک بہت بڑا علاقہ مل گیا تھا اور اس کی فوج کے مصارف کے واسطے صوبۂ خاندیس کا بڑا حصہ اُسے دیدیا گیا تھا۔ ان علاقہ جات کے علاوہ ٹیپو اور نواب نظام الملک نے بہت سی جاگیریں اس کے خاندان کی مستورات کے نذر کی تھیں ملہار راؤ نے ۷۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ وہ زائد از چالیس سال ایک نامور سپہ سالار رہا۔ اپنی اس ملازمت کے آخر زمانے میں وہ مرہٹوں کے عہد میں ممتاز ترین ہستی متصور ہوتا تھا۔ اُس کی لاش گوالیار سے ۸۰ میل کے فاصلے پہ ضلع عالم پور میں ایک مقام پر سپرد خاک کی گئی جسے اس کی یادگار میں ملہار گنج کہتے ہیں اگرچہ مدبر ہونے کی حیثیت سے اُس کا درجہ مادھو جی سندھیا سے کم تھا لیکن ملہار راؤ جنگی قابلیت کے لحاظ سے اگر زیادہ نہیں تو مادھو جی سندھیا کے ہم پلہ ضرور تھا۔ کیونکہ سادہ مزاجی اور شجاعت و مردانگی میں بقول اُس کے اہل وطن کے کسی مرہٹہ سردار کا مرتبہ ملہار راؤ سے بلند نہیں ہے اُس میں صرف سپاہیانہ فہم و فراست ہی نہ تھی بلکہ اُس نے اپنے زیر اقتدار علاقہ جات کا نظم و نسق نہایت مستحکم اور ہمدردانہ طریقے پر کیا تھا اور اگر مالوے کے چھوٹے چھوٹے راجپوت راجاؤں کے ساتھ اُس کا برتاؤ دیکھ کر ہم اُس کے کیرکٹر کی جانچ کریں تو ہماری رائے اس کی موافقت اور طرفداری میں ہوگی۔ اور اپنی قوت کے استعمال میں نیک نیتی اور میانہ روی اختیار کر کے اُس نے ان راجاؤں کو اپنا دوست بنا لیا ان میں سے بہت سے راجے اُس کے دوست اور مددگار تھے[۱] اور اُن کی اولاد ابھی تک اُسے شکر گزاری کے ساتھ یاد کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ جذبہ اُن کے بعض جانشینوں کے مخالفانہ طرزِ عمل کے باعث ہو۔ ملہار راؤ میں خاص خوبی اُس کی سخاوت تھی وہ بذات خود روپے کی کچھ پروا نہیں کرتا تھا۔ وہ یہ کہنے کا عادی تھا

۱۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے پرتاب گڈھ کا خراج کم کر کے ۷۲ ہزار روپے کر دیا تھا اور اگرچہ رقم صرف اس قدر تھی جس قدر کہ وہ رئیس ادا کر سکتا تھا لیکن اس سے قبل جو خراج معین کیا گیا اس کے نصف حصے سے یہ رقم ہرگز زیادہ نہیں تھی۔

۲۔ بل بہادر سنگھ راجہ راگو گڈھ اور گوکل داس راجہ باگلی اُس کے خاص دوستوں، مددگاروں اور باجگزاروں میں سے تھے۔

(غالباً سچائی کے ساتھ)[1] کہ میں حساب کتاب کچھ نہیں سمجھتا ہوں اور اس کی داد و دہش میں کمی کرنے کی جو وزرا سفارش کرتے تھے ان کی نصیحت سے اس کی طبیعت بہت مکدر ہوتی تھی وہ اپنے رشتہ داروں اور غالباً سب مرہٹوں کے ساتھ بے حد مہربانی سے پیش آتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سردار نے پیشوا کے ساتھ اپنے برتاؤ کو اور مرہٹوں کے عہد یہ کا ایک ممبر ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی کو نہ دل سے ادا کیا اور جیسے مادھوجی سندھیا نے اپنے دماغ سے انجام دیا تھا ہلکر سیدھا سچا سپاہی تھا اور سندھیا میں علاوہ دیگر خوبیوں کے ایک سیاست داں کی ہوشیاری اور عیاری بھی موجود تھی۔

ملہار راؤ کے صرف ایک فرزند کنڈی راؤ تھا جو جنگ پانی پت سے چند سال پیشتر ڈیگ کے قریب کمبھیر[2] ڈیگ کے محاصرے میں مارا گیا اس راجہ نے سندھیا کے خاندان

---

[1] ۔ ملہار راؤ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب وہ کسی سپاہی کی بہادری سے خوش ہوتا تو یہ حکم دیتا کہ "اس کی ڈھال کو روپے سے بھر دو"

[2] ۔ کمبھیر ڈیگ سے ۴ کوس ہے۔ یہ مقام ڈیگ اور بھرت پور کے درمیان واقع ہے اور دونوں مقامات سے اس کا فاصلہ مساوی ہے۔ اس زمانے میں سورج مل کا پوتا نول سنگھ بھرت پور کا راجہ تھا۔ ملہار راؤ سے مصالحت ہو جانے پر اس نے کنڈی راؤ کی یادگار میں ایک مقبرہ یا چھتری بنوائی اور برہمنوں کے گزارے کے لیے اس نے ۵ گاؤں اس چھتری کے نام وقف کر دیے تاکہ برہمن چھتری کی دیکھ بھال اور متوفی کے لیے دعا کرتے رہیں۔ چونکہ پانی پت کی تباہ کن جنگ کے بعد بھرت پور کے راجہ نے مرہٹوں کے اجداد کو پناہ دی تھی اس لیے مرہٹے ابھی تک بھرت پور کے جاٹوں کے شکر گزار ہیں۔ راجہ بھرت پور نے اپنی ریاست میں بھاگ کر آنے والوں کو نہ صرف کھانا اور کپڑا دیا بلکہ انھیں دکن میں اپنے گھروں تک پہنچانے کا بندوبست کر دیا اور مرہٹوں کا کوئی مشہور خاندان ایسا نہیں ہے جو اس کی وجہ سے بھرت پور کے جاٹوں کو شکر گزاری کے ساتھ نہ یاد کرتا ہو۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی گوش گزار کیا جاتا ہے کہ مرہٹے اپنے یہاں کے رواج کے بموجب باوجود اس جذبۂ شکر گزاری کے راجہ بھرت پور پر خراج عائد کرنے سے باز نہیں رہے جب دوستی کا دم بھرنے والے مرہٹے راجہ بھرت پور کو خراج دینے پر مجبور کرنے کے لائق ہو گئے۔

۱۵۷ کی ایک لڑکی اہلیہ بائی سے شادی کی جس کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی
پیدا ہوئی۔ لڑکے کا نام مالی راؤ تھا جسے رگھوبا دادا (حکمران پیشوا کا چچا جو سنٹرل
انڈیا کی مرہٹہ فوج کا سپہ سالار تھا) نے ایک خلعت بھیجا اور اپنی اس کارروائی سے
اُسے اپنے نانا کا جانشین تسلیم کر لیا۔ اس نوجوان نے اس سربلندی سے کچھ لطف
نہیں اُٹھایا اور اس عروج کے ۹ ماہ بعد اس کا انتقال نہایت حسرتناک طریقے پر
۱۵۸ ہو گیا۔ وہ ہمیشہ نہایت کمزور اور کم فہم سمجھا جاتا تھا۔ لیکن گدی نشین ہونے سے پیشتر
اُس میں پاگل پن کی کوئی صریح علامات نہیں پائی جاتی تھیں۔ مگر اُس کے بعد اُس کی ہر ایک
حرکت نے اُسے مجنون ثابت کر دیا۔ اولاً اس کی حرکات بجائے مجرمانہ ذہنیت کے
انتہائی حماقت پر محمول کی گئیں۔ اُس کی ماں بہت دان اور پن کرتی تھی اور برہمنوں
پر خصوصیت کے ساتھ مہربان تھی۔ ملہار راؤ نے برہمنوں کے ساتھ نہایت بیہودہ
مذاق شروع کیا۔ یہ بات اُس کے معمولات سے تھی کہ جب وہ برہمنوں کو کپڑے
اور جوتے دیتا تو اُن میں بچھو ضرور رکھوا دیتا تھا۔ وہ ان مقدس بھکاریوں کو دان
لینے کے لیے بلاتا تو برتنوں میں روپے بھرتا اور ان میں یہ زہریلے کیڑے بھی
رکھ دیتا۔ اور جب روپے کے لالچ سے برہمن اُن برتنوں میں ہاتھ ڈالتے اور
بچھو اُن کے کاٹتے تو اُس کو بے حد لطف آتا اور نیک بخت اہلیہ بائی اس
حرکت سے نہایت رنجیدہ ہوتی اور اپنے مقدر پہ افسوس کر کے باآواز بلند کہا کرتی
کہ میرے تو بیٹے کی جگہ شیطان پیدا ہوا ہے۔ اُس کی شریر النفسی اور حکومت
کے نااہل ہونے کی بنا پر یہ خبر[1] مشہور ہوئی کہ اس قابلِ تحسین عورت نے اپنے ہی

[1]۔ مالی راؤ کی موت کے متعلق یہ خبر کئی یورپین محققین کے روبرو بیان کی گئی ہے جسے انھوں نے صحیح
مان لیا۔ چونکہ یہ روایت اہلیہ بائی سے تعلق رکھتی ہے اس لیے میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ
اس کی مفصل طور پر تحقیقات کی جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ وہ اس الزام سے بالکل پاک ہے واللہ کوئی
وجہ بھی اُس کے قصور کو معاف نہ کر سکتی تھی البتہ مجھے اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اہلیہ بائی
اُس کی مجنونانہ اور ظالمانہ حرکات سے بے حد خائف تھی اور اُس کے صحت یابی سے مایوس
تھی اور اُس کی موت کو اہلیہ بائی نے اس کے لیے۔ اپنے لیے اور ملک کے حق میں خوش نصیبی

فرزند کے مارنے میں تعجیل کی۔

۱۵۹ مگر ایک شہادت سے اس روایت کی تکذیب ہوتی ہے اور جن لوگوں سے دریافت کیا گیا (ان میں سے اکثر حضرات اس کی موت کے وقت عین موقع پر موجود تھے) تو اُن سب نے اس کی یہی وجہ بیان کی۔ اُس نے ایک کارچوب بنانے والے دستکار کو آتش حسد سے برافروختہ ہو کر مار ڈالا جس کے متعلق اُسے یہ شبہہ ہو گیا تھا کہ وہ میرے گھر کی ایک خادمہ سے ناجائز تعلق رکھتا ہے۔ اس شخص کی بے گناہی ثابت ہو جانے اور اپنے ارتکاب جرم کے افسوس سے مالی راؤ پر جنون کا ایسا زبردست غلبہ ہوا کہ وہ مدت العمر خوف زدہ رہا۔ اکثر اہل ہند کا یہ عقیدہ ہے کہ مردوں کی ارواح میں یہ قوت ہوتی ہے کہ بعض موقعوں پر وہ زندہ اشخاص کو پکڑتی اور مار ڈالتی ہیں۔ روایت ہے کہ اس کارچوب بنانے والے کاریگر میں مافوق العادت قوت تھی اور اُس نے مالی راؤ کو متنبہ کر دیا تھا کہ میری جان نہ لینا ورنہ میں اس کا نہایت سخت انتقام لوں گا مالی راؤ نے جس شخص کو مروا ڈالا تھا اس کا بڑا پرانا دوست نکلا اور اہل ہند کے مہمل عقیدے کے بموجب وہی شخص ایک جن کی شکل میں مالی راؤ کے سر پر آتا ہے۔ اور اس حقیقت سے مطمئن ہو کر وہ دن دن بھر اور رات رات بھر اپنے علیل بیٹے کے پلنگ کے پاس بیٹھی رہتی اور اپنے پندار کے موجب اُس جن سے بات چیت کرتی جو اُس کے بیٹے پر مسلط تھا اور وہ بھی اہلیہ بائی کو جواب دیا کرتا تھا وہ زار و قطار آنسوؤں کے دریا بہاتی اور اپنا سارا وقت دعائیں مانگنے میں صرف کرتی تھی اور جن کو رضامند کرنے کی امید میں وہ عرض کرتی کہ میں مقتول شخص کی یادگار میں ایک مندر بنوا دوں گی اور اس کے خاندان کو ایک علاقہ جاگیر کے طور پر دیدوں گی۔ اگر تم میرے بیٹے کو چھوڑ دو گے لیکن اس کی یہ ساری منت سماجت محض بے سود ثابت ہوئی کیونکہ اب بھی ایک آواز یہ جواب دیتی ہوئی سنائی دیتی

۱۶۰ تھی کہ "اس نے بلا قصور مجھ کو قتل کیا ہے اور میں اُس کی جان ضرور لوں گا"

ملہار راؤ کی موت کے متعلق یہ ایک مشہور قصہ ہے۔ البتہ اہلیہ بائی کی تاریخ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ تصور کیا لیکن یہ خیال اُس کے کیرکٹر کے لیے باعث ذلت نہیں بلکہ موجب عزت ہے۔

سے تعلق رکھنے کے باعث یہ قصہ توجہ کرنے کے لائق ہے جسے اس روایت نے اپنے خاندان کے حقوق کی حفاظت کی غرض سے سامنے آنے پر مجبور کیا جس کی کہ وہ نمایندہ تھی اور اس نے یہ ظاہر کر دکھایا کہ اس عورت ذات میں فہم و فراست، نیکی اور مستعدی کی خوبیاں کس طرح مجتمع ہیں اور وہ جب تک زندہ رہی وہ اپنے زیر نگیں ملک کے حق میں برکات کا موجب تھی اور مالوے کی منصفانہ حکومت اور ہر قسم کی ترقیات کی تجاویز اس کے نام سے وابستہ ہیں اہلیہ بائی کی لڑکی کی شادی ایک غیر کفو میں ہوئی تھی اس لیے ہندو رواج کے بموجب اُسے علداری ہلکر کے نظم و نسق میں حصہ لینے کا کوئی استحقاق حاصل نہ تھا۔ ان واقعات کی بنا پر آنجہانی ملہار راؤ کے وزیر اعظم گنگادھر جسونت برہمن نے بڑے زور کے ساتھ یہ سفارش کی کہ کوئی لڑکا (جو اس خاندان کا دور کا رشتہ دار ہو) ملہار راؤ کی جانشینی کے واسطے متبنٰے کر لیا جائے۔ یہ ایک ایسی تجویز تھی جس کی بدولت بحیثیت وزیر[1] کے خود اس کی حکومت بدستور قایم رہتی۔ اس تجویز میں اہلیہ بائی کے مصارف کے لیے ایک گرانقدر رقم بھی شامل تھی جس کی قابلیت تو مسلمہ تھی لیکن عورت ہونے کی وجہ سے وہ علداری کرنے کی اہل نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اور اسی اثنا میں گنگادھر نے رگھوبا دادا کے روبرو یہ بھی تجویز پیش کی کہ اگر آپ میری تجویز سے اتفاق کریں اور اس کا عملدرآمد کرا دیں تو میں ایک بڑی رقم بطور نذرانہ[2] کے آپ کے حضور میں پیش کروں گا۔ وہ زر پرست سردار اس تجویز پر فوراً راضی ہو گیا اور وزیر نے اس کی تائید کو اس درجہ یقینی سمجھا کہ وہ اہلیہ بائی کے حضور میں حاضر ہوا اس کو پورا یقین تھا کہ اگر دوسری تدابیر کارگر نہ ہوئیں اور اگر اہلیہ بائی کو اس کا یقین دلا دیا گیا کہ مقابلہ بے سود رہے گا تو یقین ہے کہ وہ رضامند ہو جائے گی لیکن بہت جلد اس کو معلوم ہو گیا کہ اس کا یہ خیال غلط تھا۔ اس عالی خیال عورت نے فوراً یہ جواب دیا کہ آپ کی تجویز

سنہ ۱۷۶۶ء

۱۶۱

---

[1] گنگادھر جسونت کو ریاست ہلکر کا دیوان یا وزیر پیشوا نے مقرر کیا تھا باجی راؤ نے اُسے ملہار راؤ کے پاس اس عہدے پر مامور کیا تھا جب ملہار راؤ ترقی دے کر سپہ سالار اعظم بنایا گیا تھا۔

[2] اسے نذرانہ کہتے ہیں۔

خاندان ہلکر کے لیے باعث ذلت ہے اور میں ایسی تجویز کو ہرگز قبول نہیں کرونگی۔
رگھوبا کو اس موقع پر نذرانہ دینا اس نے خصوصیت کے ساتھ نامنظور کیا اور صاف
کہدیا کہ اسے اس موقع پر مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ میرے بیٹے کے انتقال
سے ملہار راؤ کے ورثا کی نسل منقطع ہوگئی اور گزشتہ دو فرماں رواؤں کی بیوی اور ماں
ہونے کی حیثیت سے جانشین کے انتخاب کا صرف مجھ ہی کو استحقاق حاصل ہے اور میں
نے طے کرلیا ہے کہ میں اپنے اس حق کو بہر صورت برقرار رکھوں گی۔ غالباً اہلیہ بائی نے
اس معاملے میں نہ صرف اپنے خاص معاونین سے بلکہ مرہٹہ فوجی سرداروں سے بھی مشورہ
کیا تھا جو ان واقعات کے رونما ہونے کے وقت مالوے میں تھے۔ حکومت ہلکر اور
اپنے مقدر کے اس نازک وقت میں اس نے ثابت کر دکھایا کہ میں نے سوچ سمجھ کر
اپنی رائے قائم کی ہے اور میں استقلال کے ساتھ اس پر قائم رہوں گی۔ یہ سن کر کہ
رگھوبا اپنی تجویز کی مجھ سے بجبر تعمیل کرانے کے لیے جنگی تیاری کر رہا ہے تو اس
نے رگھوبا کے پاس ایک پیام روانہ کیا اور نہایت صدق دلی کے ساتھ اسے یہ
نصیحت کی کہ آپ کو ایک عورت سے جنگ نہ کرنی چاہیے کیونکہ اس سے آپ کو
ذلت نصیب ہوگی اور آپ ہرگز عزت حاصل نہیں کر سکتے ہیں اور اپنی اس
نصیحت کو موثر بنانے کے لیے اس نے یہ بھی لکھ دیا کہ میں نبرد آزمائی کے لیے
ہر طرح پر تیار ہوں۔ اہلیہ بائی کی حمایت کے لیے ہلکر کی فوج نے بڑا جوش و خروش
ظاہر کیا اور اس نے بہ نفس نفیس اپنی فوج کی رہنمائی کے لیے اپنا عزم بالجزم اس
طرح پر ظاہر کیا کہ اس نے اپنے پیارے ہاتھی کے ہودے کے کونوں پر چار کمانیں
اور تیروں سے بھرے ہوئے ترکش لگا دینے کا حکم دے دیا۔ اد لار رگھوبا بھی جنگ
کرنے پر تلا ہوا تھا لیکن اس کے معاونین جو کنجم میں تھے مادھو جی سندھیا اور
اور جنوجی بھونسلا نے خاندان ہلکر کی آزادی کو خاک میں ملا دینے کے لیے اس
کا اور ایک کورنک وزیر کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ ان جذبات
اور مادھو راؤ پیشوا کے ایک مراسلے کے موصول ہونے سے جس کو اہلیہ بائی نے اس
معاملے کی بابت تحریر کیا تھا اہلیہ بائی کے حق میں پانسہ پلٹ دیا مادھو راؤ پیشوا
نے اپنے چچا کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کنڈی راؤ کی بیوہ کے خلاف آیندہ کوئی کارروائی

١٢٢

کرنے سے اجتناب کیجیے۔ اس کو اپنے معاملات کے انصرام کا ناقابل تردید استحقاق حاصل ہے۔ ان احکام کی بے چون وچرا تعمیل ہوئی اور اہلیہ بائی نے اپنے تدبر کا
۱۲۳ اپنی پہلی کارروائی سے ایسا زبردست ثبوت پیش کر دیا کہ اس کے نظم ونسق کو آیندہ جو نام وری اور مرفہ الحالی نصیب ہوئی اس کا خاص سبب اس کا اول کارنامہ تھا۔ اس نے اپنی ہی قوم کے ایک سردار تکاجی ہلکر کو جس کی کوئی قرابت[1] ملہار راؤ سے نہیں تھی اپنی فوج کا کمانڈر بنایا اور اس کے ذمے وہ فرائض کر دیے جنھیں عورت انجام نہیں دے سکتی ہے۔

تکاجی کی ملہار راؤ بہت عزت کرتا تھا اور یہ اس کی پگاییگی باڈی گارڈ کا کمان افسر تھا اور اپنے موجودہ عروج پر پہنچنے سے پیشتر اس نے صاف اور سچا مرہٹہ سپاہی ہونے کا کیرکٹر حاصل کر لیا تھا اور یہ وصف اس میں مدت العمر باقی رہا۔ اس انتظام کے بعد رگھوبا پونا کو چلا گیا اور وہ جیسر ہو کر جانے کے لیے مدعو کیا گیا جہاں اہلیہ بائی نے اس کی نہایت شاندار دعوت کی۔ اس نے اپنی نجی فوج کو زیر کمان تکاجی اس کے ساتھ پونا تک جانے کی ہدایت کی اور اس نے اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ تکاجی کو پیشوا ایک خلعت اور ایک روبکار عنایت فرمائیں جس کی رو سے اس کا تقرر منظور فرما لیا جائے۔ اہلیہ بائی کی جملہ تمنائیں پوری ہوئیں اور ان کے بدلے میں اہلیہ بائی نے قدیم خدمات کے صلے میں گنگادھر کا قصور معاف کر دیا۔ تکاجی کے فائز المرام ہونے کے وقت سے ریاست ہلکر میں جس دوعملی کا آغاز ہوا اسے اس کی نوعیت کو اگر
۱۲۴ عام اصولوں سے جانچا جائے تو اسے ایک ہفتہ بھی قائم نہ رہنا چاہیے تھا لیکن وہ بتو سال تک قائم رہی اور کسی قسم کے رشک وحسد نے اس میں کوئی فتور نہیں پیدا کیا۔ اس کی خاص وجہ فریقین کی کریم النفسی۔ اعتدال۔ ایک دوسرے کا حفظ مراتب کا پورا پورا لحاظ اور ہر ایک کے دائرۂ عمل کی علٰحدگی تھی۔

---

[1] یہ سردار خاندان ہلکر کے موجودہ نمایندے کا دادا ہے۔ موجودہ وزیر اور دیگر حضرات ملہار راؤ اعظم کا رشتہ دار سمجھتے ہیں مگر یہ امر واقعی نہیں ہے۔

اہلیہ بائی نے ریاست کی فوج کی سپہ سالاری کے لیے تکا جی کو منتخب کیا تھا اور جب وہ اس عمر کو پہنچ گیا جس میں انسان کے عادات وخصائل پختہ ہوجاتے ہیں اُس وقت اُسے ریاست کا اعلیٰ افسر بنا دیا۔ چونکہ اُس نے تکا جی کو اس کام کے لیے منتخب کیا تھا اس واسطے وہ اس پر بے حد مہربان ہوگئی تھی اور تکا جی بھی ایک لمحے کے لیے اپنی محسنہ کی کرم گستری اور الطاف خسروانہ کو اپنے دل سے فراموش نہ کرتا تھا۔ علاوہ بریں چونکہ اہلیہ بائی کی نیک نہادی اور سخاوت سارے ہندوستان میں مشہور تھی اور اس نے اس درجہ ناموری حاصل کرلی تھی کہ اگر تکا جی لاپروائی اور ناشکرگزاری سے کام لیتا اور اُس کی فیاضانہ نوازشات کے معاوضے میں اُس کے حقوق یا املاک کو غصب کرلیتا تو ہر طرف سے اُس پر لعنت وملامت کی بوچھار پڑنے لگتی۔ لیکن اس بہادر سپاہی نے اپنے طرزِ عمل سے بتا دیا کہ اُس کے متعلق اس قسم کے خیالات کی روک تھام کی کبھی ضرورت لاحق نہ ہوگی۔ اگرچہ وہ ایک عرصۂ دراز تک ایک خاص وزیر[1] کے زیر اثر رہا جو اہلیہ بائی کا چنداں طرفدار نہیں تھا مگر تکا جی نے ابتدا دمیں جو روش اختیار کی اُس نے اپنی اس روش سے کبھی روگردانی نہیں کی۔ وہ بیحد مطیع اور فرمانبردار تھا اور اُس کے جملہ اعمال رانی صاحبہ کو خوش اور راضی رکھنے کے لیے ہوتے تھے۔ اپنے اس عروج کے لیے وہ کلیۃً اسی کا مرہون منت تھا۔ وہ ہمیشہ اہلیہ بائی کو اپنی ماں کہکر مخاطب کرتا لیکن چونکہ وہ تکا جی سے عمر میں بہت چھوٹی تھی اس لیے تکا جی کی مہر پر یہ لفظ کندہ نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ اہلیہ بائی کے حکم سے مہر پر "تکا جی پسر ملہار راؤ ہلکر" کندہ کیا گیا تھا۔ جس وقت ہم اس ریاست کا طرز حکومت بیان کریں گے اُس وقت یہ واقعات اور بھی زیادہ غیر معمولی نظر آئیں گے۔ جب تکا جی دکن میں تھا (اور وہاں پر وہ ۱۲ سال تک رہا) اس وقت تک ریاست ہلکر کے جملہ مقبوضات جو کوہ ست پڑا کے جنوب میں اُس کے زیر اہتمام رہے۔ اور وہ ممالک جو اس پہاڑ کے شمال میں

[1] اس کا نام نارو گنیش تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت عیار اور حریص تھا۔

تھے ان کا اہلیہ بائی انتظام کرتی تھی اور جملہ باجگذار رؤسا بھی اپنا خراج اس کو ادا کرتے تھے۔ جب تک تکاجی ہندوستان میں رہا (وہ مالوے میں عرصۂ دراز تک نہیں رہا) تو وہ ہندوستان اور بندیلکھنڈ کے مقبوضات سے مالگزاری اور راجپوتانے سے خراج وصول کرتا رہا۔ مالوہ اور نیماڑ کے اضلاع اہلیہ بائی کے زیر اہتمام تھے اور بعض اوقات وہ اپنے مقبوضات دکن کے متعلق بھی احکام نافذ کرتی تھی۔ ریاست کا خزانہ جو ۲۰ لاکھ بیان کیا جاتا ہے اہلیہ بائی کے پاس رہتا تھا اس کے علاوہ اس کی ذاتی ریاست کی آمدنی ۴ لاکھ سالانہ تھی۔ وہ مذکورۂ بالا ریاست کے جمع شدہ خزانے اور اپنی ذاتی آمدنی کو اپنی مرضی کے مطابق صرف کرتی تھی۔ ریاست کی باقی ماندہ آمدنی کا حساب کتاب علیحدہ رکھا جاتا تھا اور اس سے حکومت کے اخراجات چلتے تھے۔ آمدنی اور خرچ کا حساب کتاب بڑی احتیاط کے ساتھ بالکل ٹھیک رکھا جاتا اور اہلیہ بائی سول اور لوکل فوج[۱] کی تنخواہیں ادا کر دینے کے بعد باقی روپے سرکاری خزانے میں بھیج دیتی تاکہ اس رقم سے اس فوج کے اخراجات پورے کیے جائیں جو ریاست سے باہر مامور ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تکاجی دور دراز کے ملک میں مامور ہونے اور وہاں پر معرکہ آرائیوں میں مصروف رہنے کی وجہ سے اکثر اپنی رائے سے کام لیتا لیکن ایسے ہر ایک موقع پر جس میں ریاست کے عام حقوق کا تعلق ہوتا وہ اہلیہ بائی سے استصواب کرتا تھا۔ ہندوستان کے چھوٹے اور بڑے والیان ریاست کے جو وکیل[۲] اس کی ریاست میں مامور تھے وہ صلح اور جنگ کے متعلق ہر ایک معاملے میں اور ریاست کے بیرونی تعلقات میں اس کی سرداری تسلیم کرتے تھے۔ اس نے پونا[۳]۔ حیدر آباد۔ سرنگاپٹم۔ ناگپور۔ اور لکھنؤ میں اپنے سفیر مامور

۱۶۶

---

[۱] اس فوج کو سہ بندی کہتے تھے جس کے معنی لوکل فوج کے ہیں جو اندرون ریاست امن قائم رکھنے اور مالگزاری کی وصولی میں امداد دینے کے لیے رکھی جاتی تھی اس کا لفظی ترجمہ مقامی فوج ہے۔

[۲] وکلاء

[۳] جس زمانے میں کہ تکاجی دکن میں مامور تھا اس وقت اسی کے وساطت سے پیشوا کے ساتھ جملہ خط و کتابت ہوتی رہی لیکن اس کی عدم موجودگی میں اہلیہ بائی نے دربار پونا میں ایک دانشمند ایجنٹ مامور کر دیا تھا۔

کیے تھے اور چھوٹے راجاؤں اور خاصکر ایسے رؤسا کے درباروں[1] میں جن سے خراج وصول کیا جاتا تھا اُس نے ادنیٰ درجے کے ایجنٹ مقرر کر دیے تھے۔ ۱۶۷

مذکورۂ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کا حقیقی اقتدار اہلیہ بائی کے ہاتھ میں تھا اور تکاجی اپنے اعلیٰ مرتبہ اور اہلیہ بائی کے کامل اعتماد سے مطمئن ہو کر اہلیہ بائی کی حین حیات میں فوج کی سپہ سالاری اور اپنے قرب و جوار کے علاقے سے وصولی مالگزاری کے علاوہ کوئی اور فریضہ نہیں ادا کرتا تھا جسے وہ ریاست کے دیگر کارکنوں کے مقابلے میں بآسانی وصول کر سکتا تھا۔ اُس زمانے میں جو لوگ ریاست ہلکر میں ملازم تھے وہ سب یہی بات کہتے ہیں اور ہر مزاج کا شخص تکاجی کی تعریف کرتا ہے وہ تکاجی کی اس سے زیادہ مدح سرائی نہیں کرتے ہیں کہ اپنے نواسے کے مسند[2] نشین ہونے سے اُسے تقویت حاصل تھی اور اُس نے اہلیہ بائی کی جملہ توقعات کو پورا کر دیا تھا اور وہ آخر دم تک حکم بردار۔ وفادار اور اطاعت شعار رہا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پیشوا کی خدمت میں حاضر رہنے کے لیے پونا گیا تھا لیکن دکن میں اُس کا قیام بہت مختصر رہا۔ جنگ پانی پت کے بعد بھرت پور کے جاٹوں نے مرہٹوں کے دل میں شکر گزاری کا جذبہ پیدا کر دیا تھا اور بہت سے مسلمان رؤسا بالخصوص نجیب الدولہ[3] نے اس شکست خوردہ قوم کے دل میں شعلۂ غیظ و غضب کو اور زیادہ مشتعل کر دیا تھا نجیب الدولہ کے اہل و عیال کے مسکن قلعہ نجیب آباد پر حملہ کرنے کا مستقل ارادہ کر لیا گیا اور اس پر عمل کرنے کے لیے دکن سے ایک زبردست لشکر روانہ ہو گیا۔ پیشوا کی جانب سے رام چندر گنیش[4] اس لشکر کا سپہ سالار مقرر ہوا تھا اور تکاجی

۱۶۸
۱۷۷۰ء / ۱۱۸۴ھ

---

[1]۔ دربار

[2]۔ مسند۔

[3]۔ جنگ پانی پت کی فتح زیادہ تر اس مشہور رئیس کے طرزِ عمل پر محمول کی جاتی ہے اور اس میں کلام نہیں کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کا بانی مبانی یہی رئیس تھا اور اسی اتحاد کا یہ قابلِ یادگار نتیجہ برآمد ہوا تھا۔

[4]۔ یہ سردار اسی نام کے دوسرے سردار سے جداگانہ شخص ہے جس کا عہدہ مینی والا یا مرہٹہ فوج کا کوارٹر ماسٹر جنرل تھا۔ اس سردار کے پاس اس وقت ۶۰ ہزار سوار تھے اور کہا جاتا ہے کہ ان میں بہت سے پنڈاری تھے۔

بھی اس لشکر کے ساتھ تھا مگر اُس نے ایک معمولی سا کام کیا تھا۔ ایک فارسی قلمی نسخے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملہار راؤ ہلکر اور نجیب خاں کے مابین جو دوستانہ تعلقات رہے تھے ان کی بنا پر اُس نے نجیب خاں سے مراسلت شروع کی اور اسے رام چندر نے بھی لیند کیا لیکن مادھوجی سندھیا نے اس کی سخت مخالفت کی اور دریافت کیا کہ جو انتقام لینے کے لیے ہم سب متحد ہوئے ہیں کیا اس کا بدل معقول مصالحت ہوسکتی ہے؟

(اس نے کہا) "کہ میں پیشوا کے لیے اس ملک کا مطالبہ پیش کرتا ہوں جو اس رئیس اور افغانوں کے قبضے میں ہے۔ میں اپنے بھائی[1] بھتیجوں[2] اور اپنی ٹانگ کا جس سے میں محروم ہوگیا ہوں انتقام طلب کرتا ہوں چونکہ تکاجی اس امیر کو اپنا بھائی بنانا ناپسند کرتا ہے صرف اس وجہ سے میں انتقام کی توقعات ترک نہیں کروں گا۔ خیر آپ مادھوراؤ کو پونا لکھیے اگر وہ اپنے حکم سے ایسی کارروائی کو منظور فرمائیں پھر میں تو ملازم ہوں اور اُن کے حکم کی تعمیل کروں گا"

۱۶۹ یہ خیالات تکاجی کی رائے پر عمل کیے جانے کے مانع و مزاحم نہیں ہوئے اور یہی مناسب سمجھا گیا کہ اس وقت نجیب الدولہ نے نیک مزاجی ظاہر کی ہے اُس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے ورنہ ایسے بہادر اور ہردلعزیز رئیس کے خلاف جنگ چھیڑنے سے مسلمان پھر متحد ہو جائیں گے اور اس میں یہ بھی دور اندیشی سمجھی گئی کہ اس سے مصالحت کر لینے کی وجہ سے ہم جاٹوں اور راجپوتوں سے بلا مزاحمت خراج وصول کر سکیں گے۔ اس طرح آئندہ جنگی کارروائیوں کے لیے ہماری آمدنی کے وسائل بڑھ جائیں گے چنانچہ اس حکمت عملی پر عمل کیا گیا اور اپنے ہندو دوستوں کو لوٹنے میں

---

[1] ۔ دتاجی۔

[2] ۔ جنکاجی و سبھاجی

[3] ۔ میں نے یہ ترجمہ فارسی قلمی نسخے سے کیا ہے جو نواب کمال الدین کے باپ میر الدین حسین خاں نے سر چارلس میلٹ کے واسطے لکھا تھا۔ اور کمال الدین کے بیٹے تھے یہ قلمی نسخہ مجھ کو مرحمت کیا جو الور میں گائیکواڑ کے فوجی رسالے کا آج کل کمانڈر ہے۔ میر الدین حسین خاں نے جو واقعات و مناظر پیش کیے ہیں اُن میں وہ خود ایک ایکٹر تھا۔

ایک سال اور گزر گیا[۱]۔ اس وقت نجیب الدولہ اپنی طبعی عمر کو پہنچ چکا تھا وہ مرہٹہ کیمپ میں ملاقات کے لیے خود آیا۔ سندھیا اور اس کے مابین مصالحت کرانے کی کوشش کی گئی لیکن وہ دونوں خلوص سے گفت و شنید نہیں کر رہے تھے نجیب الدولہ اپنی زندگی کے آخر ایام اپنے دار الخلافہ میں ختم کرنے کے لیے گیا۔ وہاں جانے سے چند ہفتے پیشتر اس نے اپنے خاندان پر آنے والی تباہی کا اندازہ کر کے تکاجی کے ہاتھ میں اپنے فرزند ضابطہ خاں کا ہاتھ دے دیا اور تکاجی سے اس کی حفاظت کی درخواست کی۔ اس امیر کی وفات نے مرہٹوں کے لیے ہندوستان فتح کرنے کے سنگ راہ کو دور کر دیا چنانچہ ہندوستان کا دار سلطنت اور اس کے نفیس صوبے بہت جلد مرہٹوں کے زیر نگیں آ گئے۔ اس کام کی تکمیل میں کمزور شاہ عالم نے اُن کی بہت زیادہ دست گیری کی اور اپنا نام مستعار دینے کے لیے اُس نے حکومت برطانیہ کی پناہ گیری چھوڑ دی تھی اور اب بھی اس کا جو قدرے قلیل اثر باقی تھا اس اثر کی اعانت سے اُس نے اپنے خاندان اور اپنے مذہب کے دشمنوں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اُس واحد مسلمان رئیس کو تباہ و برباد کر ڈالیں جس میں اُن کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کے لیے کافی قوت موجود تھی۔ ان واقعات نے مادھو جی سندھیا کے اختیارات میں اور بھی اضافہ کر دیا جو بہت جلد دہلی اور اس کے مضافات کا اصلی حاکم ہو گیا۔ تکاجی ہلکر مالوے کو واپس گیا جہاں اس نے اپنے سے زیادہ قابل اور حوصلہ مند رقیب کے روبرو دوسرے درجے کا سردار بن کر رہنے سے انکار کر دیا۔ پیشوا مادھو راؤ[۲] کی وفات اور رگھوبا دادا کے ہاتھ سے پیشوا کے چھوٹے بھائی نراین راؤ کے قتل کی خبر سن کر اُس وقت جملہ مرہٹہ سردار دکن میں آ گئے

سنہ ۱۱۸۵ھ

۱۷۰

سنہ ۱۷۷۲ء

بارہ بھائیوں کی پنچایت میں مادھو جی سندھیا اور تکاجی ہلکر بھی آ کر

۱۔ مرہٹے جن رؤسا کے ساتھ بہت کچھ دوستی کا دم بھرتے تھے ان میں سب سے زیادہ تکلیف نول سنگھ راجہ بھرت پور نے اُن کے ہاتھ سے اُٹھائی۔

۲۔ مادھو راؤ نے ۱۸ نومبر سنہ ۱۷۷۲ء کو وفات پائی اور اس کا بھائی نراین راؤ ۳۰ اگست سنہ ۱۷۷۳ء کو قتل ہوا۔

شریک ہو گئے۔ چونکہ جو رؤسا قاتل کے خلاف متحد ہوئے تھے وہ بارہ[1] بھائی کہلاتے تھے۔
(۱۷۱) اس اجتماع نے حکومت برطانیہ سے ان سرداروں کی جنگ کرادی۔ مرہٹوں کی تاریخ کے اس نازک زمانے میں حکومت برطانیہ جرم اور غصب کے ہم معنی خیال کی جاتی تھی مرہٹہ رؤسا نے نراین راؤ کے بعد وفات پیدا شدہ فرزند مادھو راؤ کو پیشوا بنا دیا لیکن اس اعلیٰ عہدے کے حقیقی اختیارات بالاجی جنار دن کے ہاتھ میں رہے جو عام طور پر نانا فرنویس کہلاتا ہے۔ یہ ایک قابل برہمن تھا جس نے رگھوبا کے خلاف رؤسا کو متحد کرنے میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ اس اتحاد کے نتائج بیان کر دیے گئے ہیں کہ معاہدہ سالبائی[2] نے ان لوگوں کی فتح مندی کی تصدیق کر دی جنھوں نے وہ مرتب کیا تھا۔

پونا گورنمنٹ نے نواب نظام الملک کی مدد سے ٹیپو سلطان کے خلاف جو جنگ کی اس (سنہ ۱۷۸۵۔۸۶ء) میں تکاجی ہلکر نے نہایت نمایاں حصہ لیا تھا۔ اور اس جنگ کے ختم ہونے کے بعد وہ اسی سال اہلیہ بائی کی خدمت میں آداب بجالانے کے واسطے مہیشور روانہ ہوگیا۔ وہاں پر اس کا قیام بہت مختصر ہوا چونکہ وہ ان لڑائیوں میں شرکت کے لیے طلب (۱۷۲) کر لیا گیا جن کا یہ انجام ہوا کہ بندھیل کھنڈ کے بڑے حصے پر باجی راؤ کے ناجائز فرزند علی بہادر[3] کی اور سارے ہندوستان پر مادھو جی سندھیا کی حکومت قائم کی گئی۔ تکاجی کی

۱۔ میری سمجھ میں تو آیا نہیں کہ ایک غیر محدود تعداد ظاہر کرنے کے لیے اس موقع پر ۱۲ کا ہندسہ کس وجہ سے استعمال کیا گیا ہے۔ اپنے یہاں کے رواج کی پابندی کر کے مرہٹے بارہ بھائی کی اصطلاح ابھی تک استعمال کرتے ہیں جس کے معنی مجموعے کے ہیں چنانچہ ریاست ہلکر میں آج کل مرہٹوں کا ایک رسالہ ہے جس میں مختلف رؤسا کی جماعتوں کے افراد ہیں لیکن یہ رسالہ بارہ بھائی کے نام سے موسوم ہے۔

۲۔ سنہ ۱۷۷۶ء میں کرنل اپٹن نے بھی ایک معاہدہ کیا تھا لیکن پھر دوبارہ جنگ شروع ہوگئی اور معاہدہ سالبائی مرتب ہونے تک جنگ ختم نہیں ہوئی تھی۔

۳۔ وہ باجی راؤ اول کا فرزند مسلمان بیوی کے بطن سے تھا۔ اس کی پیدائش نے باپ کی قوم میں جانے کے حق سے محروم کر دیا اگرچہ باجی راؤ اسے اپنا بیٹا مانتا تھا۔ علی بہادر نے اپنی ماں کے مذہب کے آغوش میں پرورش پائی۔

فوج کی تعداد کو مادھوجی کی فوج کی تعداد سے کوئی نسبت نہ تھی اور اسی وجہ سے ان فتوحات سے وہ بہت کم مستفید ہوا خاندان ہلکر کی طرف سے برابر کے حصے کا مطالبہ پیش ہوا اور وہ برائے بیت تسلیم بھی کر لیا گیا لیکن حسابات[1] طے ہوتے وقت مسلمہ بقایا کرنے کے لیے چند اضلاع خاندان ہلکر کو عطا کر دیے گئے مگر مادھوجی سندھیا کے اعلیٰ اقتدار نے خاندان ہلکر کو اس عطیے سے مستفید ہونے سے باز رکھا۔

سنہ ۱۷۹۲ء

۱۷۳

اور تکاجی ہلکر دربار پیشوا میں اپنا اثر قائم کرنے کے لیے روانہ ہوا لیکن وہ ان سرداران اور خاصکر لکوا دادا سے جن کو سندھیا نے ہندوستان میں چھوڑ دیا تھا لڑائی جھگڑا کرنے میں مشغول ہو گیا اور جس کا اختتام لکھیری کے راستے کی جنگ پر ہوا جہاں پر اسے ڈی بوائنی[2] کی فوج نے شکست دی۔

اور جیسا کہ پیشتر عرض کر دیا گیا ہے اس فتح مندی کے فوری نتیجے نہیں برآمد ہونے والے تھے سندھیا کے رسالے ہندوستان کو واپس گئے اور تکاجی کی فوجیں مادھوجی کے مقبوضات مالوہ سے زیادتی کا انتقام لیے بغیر اندور اور مہیسر کو چلی گئیں اس واقعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ جھگڑا خاندان ہلکر اور خاندان سندھیا کے مابین نہیں ہوا تھا بلکہ تکاجی اور مادھوجی کے کمان افسوں کے درمیان تھا۔

تکاجی صرف چند ماہ تک مالوے میں مقیم رہا اور پھر وہاں سے وہ مرہٹہ رؤسا سے ملاقات کرنے کے لیے چلا گیا جو نواب نظام علی خاں کی ریاست پر عام حملہ کرنے کو مشورہ کرنے کے لیے پونے میں جمع ہوئے تھے۔ اس حملے کی تجویز بہت روز پیشتر ہی قرار پا چکی تھی۔ اس کا نتیجہ بیان کر دیا گیا ہے۔

---

[1] یہ حسابات ملہار راؤ ہلکر اور رانوجی سندھیا کے مابین شروع ہوئے اور مذکورۂ بالا زمانے تک وہ ناتمام ہی رہے۔

[2] مرہٹوں کی دیگر شکستوں کی طرح یہ ہزیمت بھی دغابازی پر محمول کی جاتی ہے اور جو قلمی نسخہ تانتیا جوگ نے مجھ کو دیا ہے اُس میں سب سے زیادہ الزام تکاجی کے بیٹے اور بھتیجے کاشی راؤ اور باپو ہلکر پر لگایا گیا ہے۔

سنہ ۱۷۹۵ء

اس وقت تکا جی ہلکر کی عمر ۷۰ سال کی تھی اور مادھوجی سندھیا کے انتقال کے بعد سے اس کا بہت ادب اور احترام کیا جاتا تھا وہ اُن بوڑھے مرہٹہ رؤسا میں سمجھا جاتا تھا جنھوں نے مرہٹوں کے اقبال کے انتہائی عروج کو دیکھا ہے۔ لیکن اُس کی حقیقی قوت دولت راؤ سندھیا کی طاقت سے بہت کم تھی۔ جس کی جوانی کی حرارت کا اندازہ صرف اُس کی فوجی قوت سے کیا گیا تھا نواب نظام کی شکست اور مادھوراؤ پیشوا کے انتقال کے بعد اِن معاملات میں اس نے بہت کم نمایاں حصہ لیا جس کی توقع اس کی عمر اور ناموری سے ہو سکتی تھی۔ وہ اس عظیم الشان سازش کے دوران میں سندھیا کا دوست اور معاون معلوم ہوتا ہے۔ لیکن غالباً اپنی کبر سنی اور کمزوری کے باعث وہ عملی حصہ لینے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس سازش کے ختم ہونے سے کچھ عرصہ قبل اُس کا انتقال ہو گیا۔ وہ اپنی یہ یادگار چھوڑ گیا کہ وہ ایک نہایت عمدہ سپاہی۔ ایک سیدھا سچا انسان تھا اور جس میں عیاری سے کہیں زیادہ شجاعت اور مردانگی تھی۔ ایک مرہٹہ سردار کے لیے یہ کچھ کم تعریف نہیں ہے۔ تکا جی نے اہلیہ بائی کے ساتھ جس نیک مزاجی۔ شکر گزاری اور اطاعت کیشی کا ثبوت دیا اس کی وجہ سے ہم بیشتر ہی سے تکا جی کے طرفدار ہیں۔ تکا جی کے قوت و اقتدار حاصل ہونے کے وقت سے لے کر اہلیہ بائی کی وفات تک جو اس کے انتقال سے دو سال بیشتر واقع ہوئی تھی۔ اس طویل زمانے میں ان دونوں کے درمیان کوئی بڑا جھگڑا ہونا تو درکنار مخالفت تک نہیں ہوئی اس کے لیے دونوں اور خاصکر اہلیہ بائی ستائش کے مستحق ہیں۔ اب ریاست ہلکر واقعہ وسط ہند میں اہلیہ بائی کی حکومت کا حال بیان کرنا چاہیے۔ وہ ہمارے اوپر صرف معدودے چند ایسے واقعات پیش کرتی ہے جسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ لیکن اس کی حکومت کی قدر و قیمت ان واقعات کی عدم موجودگی میں بھی ہوتی ہے۔ اس کی حکومت کی نوعیت زائد از ۳۰ سال تک اُس مرفہ الحالی کا موجب رہی جو اس خاندان کو میسر ہوئی جس سے کہ اُس کا

سنہ ۱۷۹۷ء

۱۷۴

سلہ۔ یہ واقعہ مجھے اس قدر غیر معمولی معلوم ہوا کہ میں نے ایسے بہت سے اشخاص سے مفصل حالات دریافت کیے جو دونوں سے واقف تھے ان سب حضرات نے اس صداقت کی تائید کی جو اُن کی تاریخ سے ہم سکیتے ہیں۔

تعلق تھا۔ اگرچہ مادھوجی سندھیا کی کامیابی اور فہم و فراست کے باعث یہ
۱۷۵ خاندان کسی قدر گمنام ہوگیا تھا لیکن اہلیہ بائی کے عین حیات خاندان ہلکر کو
سلطنت مرہٹہ کی ایک خاص شاخ ہونے کا رتبہ حاصل رہا۔ ابھی یہ بیان کردیا گیا
ہے کہ اہلیہ بائی اور تکاجی کے درمیان ریاست کی حکومت کس طور پر تقسیم کی گئی
تھی مالوہ اور نیماڑ کے جملہ صوبجات کا انتظام اہلیہ بائی سے مخصوص تھا اُس کی
دلی تمنا یہ تھی کہ معتدل اور منصفانہ حکومت کے وسیلے سے اس ملک کی حالت کو ترقی
دی جائے اور اس کے ساتھ اُس نے اپنی رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کو بھی
ترقی دی۔ ملکی فوج کے علاوہ اس کے یہاں ایک مختصر سی اور فوج بھی تھی مگر اس
کی یہ فوج اُس کے نظم ونسق کے انصاف سے مل کر ملک کے اندر امن و امان
قائم رکھنے کے واسطے کافی تھی اور اپنی ریاست کو جملہ بیرونی دشمنوں سے محفوظ
رکھنے کے لیے اُسے اپنی ناموری اور ریاست کی فوج پر پورا بھروسہ تھا جو ہندوستان
اور دکن میں نہایت مستعدی کے ساتھ مصروف ومشغول رہتی تھی۔

ہندوؤں میں اپنی مستورات کو پردے میں رکھنے یا انھیں برقعہ پہننے کے لیے
مجبور کرنے کا رواج نہیں ہے بجز اُن صوبوں کے جہاں پر انھوں نے یہ رسم
مسلمانوں سے سیکھی ہے۔

اعلیٰ مرتبے کے مرہٹوں (نیز برہمنوں[1]) نے بجز چند مستثنیات کے اس رسم کو ۱۷۶

---

[1] مسٹر وارنگ اسکاٹ اپنی تاریخ مرہٹہ میں لکھتا ہے کہ میں نے سابق پیشوا کی بیوی کو گھوڑے پر بارہا
سواری کرتے دیکھا ہے۔

ترک کر دیا ہے۔ جس کے لیے اُن کے یہاں کوئی مذہبی حکم نہیں۔ اس لیے جب اہلیہ بائی نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا اور مُدت دراز تک جب اس نے کھلے دربار میں روزانہ بیٹھ کر راج پاٹ انجام دیا تو یہ کسی کے مذہبی معتقدات کی ہرگز خلاف ورزی نہیں تھی معتدل تشخیص جمع بندی اور دیہاتی افسروں اور زمینداروں کے مقامی حقوق کا بے حد احترام کرنا اس کے اولین اصول حکومت میں داخل تھا۔ وہ ہر ایک استغاثے کی بذات خود سماعت کرتی اور اگرچہ وہ مقدمات کو انصاف کرنے والی عدالتوں، پنچایتوں یا وزرا کے یہاں فیصلے کے واسطے بھیج دیتی تھی۔ مگر اُس تک بروقت رسائی ہو سکتی تھی اور معدلت گستری کے متعلق ہر ایک معاملے میں اُس کو اپنے فرض منصبی کا ایسا زبردست احساس تھا کہ جب تصفیے کے لیے اس کی خدمت میں اپیل پیش کیے جاتے تو وہ نہ صرف بے حد صبر سے کام لیتی بلکہ نہایت معمولی مقدمات کے متعلق بھی وہ پوری طرح چھان بین اور تحقیقات کرتی تھی۔

چونکہ ہم اس بات سے آگاہ تھے کہ اہلیہ بائی کے متعلق خاندان ہلکر کے ممبران اور متوسلین جو معلومات ہم پہنچائیں اس میں وہ طرفداری سے کام لیں گے میں نے اُن اثرات سے بچنے کے لیے جو اس کے انتظام کی معمولی تفصیلات پیدا کر سکتی ہیں ۱۷۷ دیگر ذرایع سے بھی واقعات فراہم کیے ہیں۔ یہ خیال ہوا تھا کہ جن ممالک میں پیشتر اہلیہ بائی کی حکومت تھی اس کے بعد سے وہاں پر جو نظام حکومت قائم تھا اس سے اہلیہ بائی کے نظام حکومت کا مقابلہ کرنے میں اہلیہ بائی کے نظام حکومت کی تصویر میں بہت زیادہ چمک اور رنگ آمیزی سے کام لیا گیا ہے لیکن ہر ایک طبقے اور ہر درجے کے اشخاص سے تحقیق کرنے پر بھی کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہوئی جس سے اُس کی مدحت اور ثنا خوانی یا اس کے لیے دعاگوئی میں کچھ کمی ہو سکتی ہے جو اس کا نام سنتے ہی عام طور پر کی جاتی ہے۔ جس قدر زیادہ تفصیل کے ساتھ تحقیقات کی جاتی ہیں اُسی قدر اس کی مدح سرائی کا جذبہ اور تیز ہوتا ہے۔ اگ

لے۔ سنٹرل انڈیا میں انھیں وطن دار یا دیسی حقوق رکھنے والا کہتے ہیں۔ مالگزاری کے باب میں ان کے فرایض اور حقوق کا مفصل بیان پیش کیا جائے گا۔

سب کے علاوہ یہ بات البتہ عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے کہ اس نے جو کام اپنے ذمے کر لیے تھے ان میں وہ ۳۰ سال کی عمر سے لے کر ۶۰[1] برس کی عمر تک جس طرح دماغی اور جسمانی دونوں قسم کی قوتوں کو مساوی طور پر استعمال کرتی رہی اور اپنے آخر دم تک ان تمام کاموں کو برابر انجام دیتی رہی اس کا مقولہ تھا کہ "میں اپنے کو ایشور کے سامنے اپنے ہر ایک فعل کی جوابدہ سمجھتی ہوں" اور جب اس کے وزرا انتہائی سختی سے کام لینے کی رائے دیتے تو وہ ایک نیک نہاد اور فیاض طبع خاتون کی طرح پورے جوش کے ساتھ یہ جواب دیتی کہ "ہم فانی لوگوں کو آگاہ ہو جانا چاہیے کہ ہم پرمیشور کے کاموں کو کہیں تباہ و برباد نہ کر دیں۔"

۱۷۸ اہلیہ بائی کے روزانہ معمولات کی ایک نہایت مختصر[2] داستان میرے ہاتھ لگی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ طلوع آفتاب سے ایک گھنٹہ پیشتر اٹھتی تھی اور صبح پوجا پاٹ کرتی تھی۔ پھر ایک مقررہ وقت تک اپنے مذہب کی مقدس کتابیں پڑھواکر سنتی اور اپنے ہاتھ سے بہت سے برہمنوں کو دان دیتی اور کھانا کھلاتی تھی۔ اس کے بعد وہ ناشتہ کرتی تھی جس میں ہمیشہ ترکاری کا سالن ہوتا تھا کیونکہ اگرچہ اس کے قومی قوانین کی رو سے اس کی ضرورت نہ تھی مگر اس نے گوشت کھانا ترک کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہ پھر پوجا کرتی اور پھر تھوڑی دیر آرام کرنے کو لیٹ جاتی اور پھر بیدار ہونے پر وہ کپڑے پہنتی اور قریب ۲ بجے کے وہ اپنے دربار یا اجلاس میں آجاتی

---

[1] ریاست ہلکر کی عنان حکومت اس کے ہاتھ میں ۱۷۶۵ء میں دی گئی تھی اور ۱۷۹۵ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

[2] مجھے یہ کاغذ بارال داد اموجودہ منیجر ریاست میسر نے دیا تھا۔ یہ سمجھدار بوڑھا شخص (جو اب ۹۸ برس کا ہے) اہلیہ بائی کا پڑ دادا اکنور تھا۔ اہلیہ بائی کی مورتیوں کو غسل دینا اور اس کی خدمت میں حاضر رہنا اس کے فرائض میں داخل تھا وہ اہلیہ بائی کا بے حد احترام کرتا ہے اس نے مجھ کو ایک دستی نوشتہ دیا جس میں اہلیہ کے روزانہ تقسیم اوقات کا حال اور سال کے ہر ایک مہینے میں اس نے جو عبادت اور ریاضت اپنے لیے لازمی کر لی تھی اس کی کیفیت درج تھی جو موسم کے حکمراں دیوتا کے اوصاف اور مرتبے کے لحاظ سے مختلف قسم کی ہوتی تھی۔

جہاں پر وہ عموماً ۶ بجے شام تک رہتی تھی۔ اس کے بعد وہ ۲-۳ گھنٹے تک پوجا پاٹ میں مصروف رہتی اور پھر ۹ بجے سے کام شروع ہو جاتا تھا جو ۱۱ بجے رات تک ہوتا رہتا تھا۔ بعد از اں وہ اپنی خواب گاہ میں آرام کرنے کو چلی جاتی تھی۔ ان معمولات میں

۱۷۹

جن میں عبادت، پرہیزگاری اور محنت و جفاکشی داخل تھی بہت کم فرق آتا بجز اس کے کہ برت یا مذہبی تیوہار (جن کی وہ بے حد پابند تھی) یا سرکاری ضروریات لاحق ہو جاتیں۔ اہلیہ بائی نے اپنی ریاست کے اندرونی نظم و نسق میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی تھی ہم اُن اصولوں کو بعد میں بیان کریں گے جن پر مالگزاری کی وصولیابی اور معدلت گستری مبنی تھی۔ البتہ یہاں پر صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ اس نے بیرونی راجگان سے جو تعلقات قائم کیے تھے وہ ایسے عمدہ تھے کہ اُس کی ریاست پر کبھی کوئی حملہ بجز اس کے نہیں ہوا جب کہ رانا اودے پور نے اپنے قبیلے کے افراد کی امداد کے لیے جنھوں نے رام پورے پر قبضہ کر لیا تھا چند ہفتے تک ناکام[1] کوشش کی تھی۔

بیرونی حملے سے مستثنےٰ رہنے کے علاوہ ریاست کا بے غل و غش اندرونی امن و سکون اور بھی زیادہ تعریف کے لائق تھا اور یہ امن پسند اور شریر اور لٹیرے لوگوں کے ساتھ اس کے طرزِ عمل نے پیدا کیا تھا وہ اول الذکر یعنی امن پسند حضرات کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آتی اور آخر الذکر لوگوں پر سختی مگر عدل و انصاف سے پیش آتی تھی۔

ہندوستان میں کسی حکومت کا اندازہ کرنے کے لیے اُس کے وزیروں کے مستقل یا عارضی طور پر رہنے اور اُس کے صوبجاتی اور دیگر ملازمان کی ناموری یا بدنامی ہونے سے زیادہ صحیح معیار ہمیں نہیں مل سکتا ہے، یہی وہ معیار ہے جس سے اہل ہند اپنے حکمرانوں کی جانچ کرتے ہیں۔ اہلیہ بائی کے یہاں اس کے سارے دور حکومت میں وہی

۱۸۰

---

[1] اہلیہ بائی نے فوراً اپنے باڈی گارڈ کے کمانڈر شریف بھائی کی ماتحتی میں فوج کا ایک دستہ روانہ کر دیا جس نے حملہ آوروں کو موضع بالورھا پر شکست دیدی جو مہیسر کے شمال میں ۲۴ میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ واقعہ سن کر رانا نے صلح کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔

ایک برہمن وزیر[1] رہا جس کا کیرکٹر نہایت اعلیٰ درجے کا تھا اور اُس کے بھائی منتظم لوگوں کا بھی شاذ و نادر ہی تبادلہ[2] ہوتا تھا۔

اندور پر وہ خصوصیت کے ساتھ توجہ رکھتی تھی جسے اس نے ایک گاؤں سے ترقی دے کر ایک متمول شہر بنا دیا تھا۔ وہاں کے باشندوں کے ساتھ اُس کی مادرانہ شفقت کی بہت سی حیرت انگیز حکایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ چنانچہ تکاجی ہلکر جب مع اپنی فوج کے اندور کے قریب خیمہ زن ہوا تو اس نے ایک متمول ساہوکار[3] کی دولت میں سے حصہ لینے کی خواہش ظاہر کی (چند خود غرض لوگوں کے اغوا سے)، جو لاولد مرگیا تھا۔ متوفی کی بیوی فوراً بھاگی ہوئی مہیسر پہنچی اور اہلیہ بائی سے دست گیری کی ۱۸۱ ملتجی ہوئی اُس کی ساری رام کہانی سنی گئی اور اُسے ایک خلعت عطا کیا گیا جس سے اس امر کی تصدیق ہوگئی کہ وہ اپنے شوہر کے مکان اور اس کی جائداد کی واحد مالک و مختار ہے۔ تکاجی کو یہ حکم دیا گیا کہ فوراً اندور جاؤ اور میرے شہر کے باشندوں کو ناواجب استحصال بالجبر سے مصیبت میں مت ڈالو۔ اس حکم کی فوری تعمیل نے تکاجی کی غلطی کی اصلاح کردی اور اس واقعے نے اس شہر میں اہلیہ بائی کی اور زیادہ محبت پیدا کردی جہاں پر کہ اُس کے نام کا نہ صرف احترام بلکہ پرستش کی جاتی ہے۔

اہلیہ بائی کو اپنے ملک کے اندرونی نظم و نسق میں مادھو جی سندھیا کی قوت اور ناموری سے بہت کچھ امداد ملی جس نے اُس کے وسط ہند کے جملہ مقبوضات میں

---

[1] ۔ اس کا نام گوبند پنتھ گنو تھا۔

[2] ۔ کندی راؤ ۳۰ سال تک اندور کا قماش دار یا منتظم رہا اور اس کے متعلق عام طور پر یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اُس نے اپنی آقا کو باقاعدہ مالگزاری وصول کرنے سے اس قدر خوش نہیں جس قدر کہ رعایا کی خوش حالی اور فارغ البالی کا منظر دکھا کر خوش کیا تھا۔

[3] ۔ اس ساہوکار کا نام دیبی چند تھا۔ یہ درست ہے کہ بنیوں کے یہاں کے رواج کے بموجب بیوی وارث ہوتی ہے اور جو کچھ اس موقع پر اہلیہ بائی نے کیا اگر اس کے خلاف کیا جاتا تو ہم اسے ناانصافی کہہ سکتے تھے لیکن دیسی ریاستوں میں ایسے معاملات میں عموماً یہی عمل درآمد ہوتا ہے کہ ریاست اس جائداد میں سے ایک بڑے حصے کا خود مطالبہ کرتی ہے اور پھر ایک رقم خیراتی کاموں کے لیے حاصل کی جاتی ہے۔

امن و امان قایم کر دیا تھا۔ وہ اپنے دور حکومت کی ابتدا ہی سے اس رئیس کی بے حد
مرہون منت تھی۔ اس نے مدت العمر اُس کی دوستی کو نہایت اہم محسوس کر کے نباہ دیا۔
مادھو جی سندھیا کا کیرکٹر یہ نتیجہ اخذ کرنے سے ہم کو باز رکھتا ہے کہ اہلیہ بائی کی حمایت
کرنے میں اُس کی نیت بے غرضانہ تھی۔ اگرچہ ممکن ہے کہ اُس کی یہ خواہش ہو کہ ملہار راؤ
نے اپنے ورثا کے لیے جو خزانہ چھوڑا ہے اُس پر میں بھی ہاتھ ماروں لیکن کوئی رئیس اُس
سے زیادہ اس بات کو نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اہلیہ بائی کا دوست ہونے اور پھر ایسا کرنے کا
کیا انجام ہوگا اور مادھو جی بخوبی جانتا تھا کہ میری شہرت اور ناموری میں کس قدر اضافہ
ہو گیا ہے۔ نہیں معلوم اہلیہ بائی نے اولاً اُس کی امانت کس طرح مول لی تھی۔ لیکن اس کے
۱۸۲ بعد اُس نے مادھو جی کو ۳۰[1] لاکھ روپے قرض دیا تھا اور جس نے اس قرضے کی ایک دستاویز
غالباً کبھی ادا نہ کرنے کی نیت سے لکھدی تھی اور غالباً اُس کا یہ خیال تھا کہ اس دوستی
کی بدولت بہت سی مالی مشکلات رفع ہو جائیں گی۔ اُس نے اپنے یہاں کے منیجران اور
سول و فوجی حکام کو اہلیہ بائی کی حکومت کی اعانت اور حمایت کرنے کا حکم دے رکھا تھا
اور اُس کی بدولت اہلیہ بائی کی حکومت کو بڑی تقویت پہنچی اور جو دونوں کے علاقہ جات
کے خلط ملط ہونے کے باعث کسی اور ذریعے سے ہرگز حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ اہلیہ بائی کے
دور حکومت میں ریاست ہلکر کے باجگزاروں کے ساتھ شفقت اور نرمی کا برتاؤ کیا جاتا
تھا اور اس کی وجہ سے وہ خراج ادا کرنے میں زیادہ تاخیر کرنے لگے۔ جب اس قسم کی تاخیر
واقع ہوتی تو اہلیہ بائی نہایت سختی کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کرتی جس سے باجگزار
سہم جاتے اور اس کا اثر کبھی خطا نہ کرتا۔ چھوٹے چھوٹے راجپوت سردار[2] جنھوں نے اپنی
لوٹ مار کی قابلیت کی بدولت مالگزاری میں اپنا ایک حق قایم کر لیا تھا۔ اُن کے ساتھ
دیانت داری اور عدل و انصاف کے ساتھ شرایط طے کیے گئے اور چونکہ مادھو جی سندھیا بھی
اسی حکمت عملی پر کار بند تھا اس لیے یہ لوگ بھی عموماً امن پسند اور مطمئن ہو گئے۔

[1]۔ اس قرضے کے علاوہ ہرکر بائی (جسے اکثر موسیا بائی بھی کہتے ہیں) نے جو ملہار راؤ کی چہیتی بیوی تھی مادھو جی کو
جب کہ وہ سخت مصیبت میں تھا ۱۲ لاکھ روپے دیا تھا۔

[2]۔ یہ سردار گریسیہ کہلاتے ہیں۔ ان کا حال آیندہ باب میں خاص طور پر بیان کیا جائے گا۔

اپنے گرد و پیش کے سب لوگوں کی مرفہ الحالی کو ترقی دینا اہلیہ بائی کی زندگی کا خاص اور دلی مقصد تھا۔ ہم کو بتایا گیا ہے کہ جب وہ ساہوکاروں۔ تاجروں کاشتکاروں اور کسانوں کو متمول ہوتے دیکھتی تو وہ بے حد خوش ہوتی تھی اُن کی بڑھی ہوئی دولت کو وہ استحصال بالجبر کی دلیل ہرگز تصور نہ کرتی تھی بلکہ وہ اُنھیں مزید الطافِ خسروانہ اور حفاظت کا مستحق سمجھتی تھی[1]۔

---

[1] خیالی رام نے (رمنت راؤ کا بھتیجا جو نواب بھوپال کے یہاں اعلیٰ درجے کا سول افسر تھا) جو دو سال سے میرے خاص منشیوں میں سے ہیں مجھے یہ اطلاع دی ہے کہ "۲۲ برس ہوئے جب کہ میں بیرسیہ کا منیجر تھا اس زمانے میں سیہ کچھ داس متمول ساہوکار سرونج میں لاولد مر گیا۔ سرونج کے منیجر نے ۳ لاکھ کا مطالبہ کیا اور یہ دھمکی دی کہ اگر یہ رقم ادا نہیں کی جائے گی تو ساری جائداد بحق ریاست ضبط کر لی جائے گی۔ متوفی کے خاندان والوں نے بیوہ کو ایک لڑکا متبنیٰ کر لینے کی نصیحت کی لیکن منیجر نے اس کی اجازت دینے سے قطعاً انکار کر دیا تاوقتیکہ زرِ نذرانہ یا جرمانہ ادا نہ کر دیا جائے جو اس نے طلب کیا ہے۔ بیوہ مع اپنے بھتیجے کے جسے وہ متبنیٰ کرنا چاہتی تھی اور اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی ایک جماعت لے کر فوراً مہیسر جا پہنچی۔ اہلیہ بائی نے اُنھیں ایک دن بھی لیت و لعل میں نہیں رکھا اُس نے اپنے منیجر کو برخاست کر دیا۔ تبنیت کو جائز قرار دیا اور کوئی حقیر سی رقم بطور نذرانہ لینے کی ممانعت کر دی اور پھر متبنیٰ لڑکے کو اپنی گود میں لے کر اُس کے لیے کپڑے۔ زیورات اور ایک پالکی مرحمت فرمائی اور پھر ان سب کو سرونج واپس بھیج دیا۔ وہ لوگ جب تک زندہ رہے اہلیہ بائی کے انصاف اور نیک مزاجی کی تعریف کرتے رہے اہلیہ بائی نے جس شخص کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا وہ تو ابھی زندہ ہے مگر سرونج کے موجودہ مالک امیر خاں نے اُس کی ساری دولت لوٹ لی ریاست ہلکر کے موجودہ وزیر تانتیا جوگ نے اہلیہ بائی کی بے لوثی کی ایک اور حکایت بیان کی کہ پٹی داس اور بنارسی داس دو بھائی تھے اور وہ دونوں کرگانگ میں ساہوکار تھے۔ وہ ۲ لاکھ زرِ نقد اور ۲ لاکھ ادھار کھاتے میں چھوڑ کر ایک ہی وقت میں لاولد مر گئے۔ پٹی داس کی بیوہ اہلیہ بائی کے حضور میں بمقام مہیسر حاضر ہوئی اور اگرچہ تانتیا جوگ کے بڑے بھائی نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ تیرے شوہر اور بھائی نے ریاست کی پناہ میں جو دولت جمع کی ہے وہ ریاست کے حوالے کر دے مگر اہلیہ بائی نے اس نذرانے کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اس بیوہ کو یہ ہدایت کی (کہ اگر تجھے اس روپے کی ضرورت نہیں) تو

۱۸۴ اہلیہ بائی نے نربدا کے گونڈ قزاقوں اور اس صوبے کے پہاڑی علاقوں کے بھیلوں کے ساتھ جو مصالحت کی وہ اس کے دیگر انتظامات کی طرح خوشگوار تھی۔ اور اس میں پوری کامیابی کے حاصل نہ ہونے کے وجوہ اس کی بہادری اور دانشوری کے علاوہ اور اسباب پر مبنی تھے۔ اہلیہ بائی نے اولاً ان لوگوں سے مصالحت کرنے میں نرمی کا برتاؤ کیا لیکن اسے ناکافی پاکر اس نے پھر سخت گیری شروع کی۔ کئی لاعلاج ملزم[1] گرفتار کر کے تہ تیغ کر دیے گئے۔ اس کی ایسی سخت گیری کی مثالیں شاذ ہیں اگرچہ وہ خائف کر دینا خوب جانتی تھی جب سنگدل ڈاکوؤں کے دل میں خوف پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی تھی مگر وہ نرمی اور مہربانی سے کام نکالنے کو ترجیح دیتی تھی اور جب اس نے چوکیات قائم کر کے انھیں ڈکیتی کے پیشے سے باز رکھا تو پھر اس کے ساتھ ان کی عادات کو ملحوظ رکھ کر انھیں بہتر طرز زندگی اختیار کرنے کی ہدایت کی۔ ۱۸۵ ان کے پہاڑوں سے ہو کر گزرنے والے مال پر خفیف[2] محصول لینے کے قدیم استحقاق کو اس نے تسلیم کر لیا لیکن اس رعایت اور انھیں بنجر اراضیات عطا کرنے کے[3] معاوضے میں ان سے یہ اقرار لے لیا کہ وہ سڑکوں کی حفاظت کریں اور ان کے علاقے کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اس روپے کو خیرات میں دیدے یا پبلک اور کارآمد عمارتیں بنوانے میں صرف کر دے جو تیرے شوہر کی یادگار عزت کے ساتھ قایم رکھیں گی۔ اس نے اس نصیحت کو منظور کر لیا اور گنگا میں دریا پر ایک گھاٹ اور گنپتی کا ایک مندر بنوا دیا گیا اور جو ابھی تک اس بات کی یادگار ہیں کہ جس دولت کے لینے سے اہلیہ بائی نے انکار کر دیا تھا وہ کس طرح پر صرف کی گئی۔

۱۔ ان میں سے مندروپ سنگھ ایک مشہور ڈاکو تھا جس نے دریائے نربدا کے کنارے پر بمقام سلانا ایک مستحکم قلعہ بنا لیا تھا۔ ڈاکوؤں کے اس سردار نے ۲ سال تک مجھے اس قدر دق کیا جس سے مجھے ان مظالم کا صحیح اندازہ ہو گیا جنھوں نے اہلیہ بائی کو اپنی فطرت کے خلاف ایسی سخت گیری کرنے پر مجبور کر دیا۔

۲۔ اسے بھیل کی کوڑی کہتے ہیں۔ یہ محصول ہر مقام پر مختلف ہیں لیکن کسی جگہ ایک بیل پر لدے ہوئے بوجھ پر ایک ادھیلے (نصف پیسہ) سے زیادہ نہیں ہے۔

۳۔ مجھے بھی اسی قسم کے لوگوں کے ساتھ ایسی ہی مصالحت کرنی پڑی اور ریاست ہلکر کے موجودہ وزیر کا خیال ہے کہ اہلیہ بائی کے زمانے میں ان لوگوں کے ساتھ جو تعلقات قائم ہوئے تھے ان کی تجدید پر

اندر جو مال چوری جائے اس کی سراغ رسانی کر کے مال واپس کر دیں۔ اُس کی اندرونی پالیسی کی تدابیر کے تفصیلی حالات اتنے ہیں کہ اگر انھیں بیان کیا جائے تو وہ کبھی ختم نہ ہوں گے۔ اس لیے صرف اس قدر کہدینا کافی ہے کہ عام تکالیف کی وجہ سے اہلیہ بائی عمدہ حکومت کا نمونہ بن گئی تھی۔ ہلہار راؤ کا موجودہ وزیر تانتیا جوگ اس بات سے مطمئن ہے کہ اس عجیب وغریب عورت کی مثال کی پیروی کرنے اقبال کر کے اُس نے ہمیں فوراً خوش کر دیا اور وہ اس خاندان کو مطمئن اور خوش کر رہا تھا جس کے معاملات کا انصرام اُس کے سپرد ہے اور مقبولیت عامہ حاصل کر رہا ہے۔ اور اُس کا (اہلیہ بائی کا) نام ایسی اعلیٰ درجے کی سند مانا جاتا ہے کہ جب اُس کا کوئی فعل بطور نظیر کے پیش کیا جاتا ہے تو اس پر ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہوتا ہے۔

ہندوستان کے دور دراز گوشوں تک سے اہلیہ بائی کی خط کتابت ہوتی تھی۔ یہ مراسلت برہمنوں کی وساطت سے ہوتی تھی جو اُس کی عدیم النظیر اور غیر محدود سخاوت سے فیض حاصل کرتے تھے۔ جب ریاست ہلکر کا خزانہ اس کے قبضے میں آگیا تو اس نے اس خزانے کو اپنی ذاتی ملکیت تصور کر کے خیرات اور کارہائے خیر میں صرف کرنے کی غرض سے ایک مذہبی رسم[1] ادا کی (جو ہندوؤں میں عام طور پر رائج ہے) اس نے کئی قلعے بنوائے اور سلسلۂ کوہ بندھیاچل کے اوپر جہاں کہ وہ عمودی شکل میں ہے مقام جام اُس نے بڑی دشواری اور زر کثیر کے صرف سے ایک سڑک بنوادی۔ اُس نے میسر کی مذہبی عمارتوں پر بہت روپیہ صرف کیا۔ اُس نے ہلکر کے مقبوضات واقع مالوہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ رضامند ہو کر اس نے حتی الامکان ان لوگوں کے ساتھ بے حد رعایت کی ہے۔ اور مجھے کبھی جاہل مطلق پہاڑی لوگ ایسے نہیں ملے جو اس سے زیادہ رعایت کے خواہاں ہوئے ہوں اس لیے اہلیہ بائی کے انتظام کے اس مشکل شعبے میں اس کے فاتحانہ برتاؤ کا یہ ناقابل تردید ثبوت ہے۔

[1] ۔ اس نے اپنے ہاتھ میں تھوڑا سا پانی لیا بعد اس میں تلسی کے چند پتے ڈالے اسی اثنا میں برہمن نے منتر پڑھا تب اہلیہ بائی نے وہ پانی خزانے پر ڈال دیا جس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ خزانہ خیرات کے کام میں لایا جائے گا۔

میں بہت سے مندر[۱] اور دھرم سالے اور کنوئیں بنوا دیے لیکن اُس کی فیاضی صرف اپنی ہی ریاست
تک محدود نہ تھی بلکہ اُس نے ہندوؤں کی جاترا کے سب مقامات پر مقدس عمارتیں بنوائی
تھیں اور وہاں پر ملازمان مقرر کیے تھے اور ہر سال خیرات کے لیے وہاں روپیہ بھیجا کرتی تھی ۱۸۷
ان عمارتوں میں مشرق اور مغرب میں جگناتھ واقع کٹک اور دوارکا واقع گجرات۔ شمال
میں ہمالیہ کے برفستانی پہاڑوں میں کیدار ناتھ[۲] اور جنوب میں راس کماری کے قریب
رامیشورم کی عمارتیں داخل ہیں اُس کی مشہور عمارتیں گیا میں ہیں جہاں ایک مندر میں اس
کی مورت دہادیو جی کے بت کی پوجا کر رہی ہے اہلیہ بائی کی قوم کے افراد اسے اس
وجہ سے اور بھی مقدس سمجھتے ہیں اس لیے کہ اُس کی تصویر رامچندر جی دیوتا اور سیتا جی
دیوی کے قریب رکھی ہوئی ہے۔

اہلیہ بائی مقررہ سالانہ رقوم کے علاوہ ہندوستان کے مندروں میں اپنے مقرر کیے
ہوئے عملے کے لیے معقول رقوم بھیجا کرتی تھی۔ دیگر مقدس مقامات کو چھوٹی رقمیں بھی جاتی تھیں اس معینہ خیرات کے
علاوہ اکثر و تحفے تحائف بھی بھیجا کرتی تھی۔ ہندوستان کے جنوبی شہروں میں اس کی ناموری کی سب سے بڑی وجہ
یہ ہے کہ وہ مختلف مندروں کی مورتیوں کے اشنان کے لیے گنگا جل برابر بھیجتی رہتی تھی
غالباً اپنے مذہب پر پختہ عقیدہ رکھنے اور جن دیوتاؤں کی وہ پوجا کرتی تھی اُن کی خوشنودی
اپنی اور اپنے ملک کی فلاح کے واسطے حاصل کرنے کے لیے وہ کارہائے خیر میں اس قدر ۱۸۸
روپیہ صرف کیا کرتی تھی۔ اُس کے اعمال اور اس کے ادارے فیاضی پر مبنی نظر آتے ہیں۔

۱۔ ہندیا کے سامنے موضع نیماڑ میں اُس نے جو مندر بنایا ہے اگرچہ وہ چھوٹا سا ہے مگر وہ سب سے زیادہ
خوبصورت عمارتوں میں سے ہے جو میں نے ہندوستان کے اس علاقے میں دیکھی ہیں۔

۲۔ میرے ایک پولیٹیکل اسسٹنٹ مسٹر ٹی۔ ڈی اسٹوارٹ نے جب سنہ ۱۸۱۸ء میں کیدار ناتھ کا
سفر کیا تھا اس وقت ہندوستان کے اس دور دراز مقام پر اہلیہ بائی کا جو اعزاز اور احترام
ہے اُس کے دیکھنے کا کئی بار اُسے موقع ملا تھا۔ وہاں پر اس نے مسافروں اور جاتریوں کے قیام
کے لیے ایک سنگین دھرم سالہ جو اب تک اچھی حالت میں ہے اور ایک کنڈ (تالاب) بنوایا ہے
یہ دونوں عمارتیں منڈل کے اس پار ۳ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہیں جہاں پر کسی آبادی کا نام
ونشان تک نہیں ہے۔

جو دانشمندی اور نیکی کی نہایت سچی علامت ہے۔ وہ روزانہ غربا کو کھانا کھلاتی اور خاص خاص تیوہاروں کے موقع پر ادنیٰ اقوام کے لوگوں کی دعوتیں کرتی تھی۔ موسم گرما میں مسافروں کو پانی پلانے کے واسطے اُس نے سڑکوں پر ملازم رکھے تھے اور موسم سرما شروع ہونے پر وہ اپنے نوکروں اور ضعیف آدمیوں کو کپڑے تقسیم کرایا کرتی تھی۔ عام انسانی ہمدردی کے متعلق اس کے جذبات میں اکثر غیر معمولی زیادتی ہو جاتی تھی۔ جنگل کے چوپائے، ہوا کے پرند اور دریا کی مچھلیاں بھی اس کی رحمدلی سے اپنا حصہ لیتی تھیں ان سب کے لیے خوراک مقرر تھی اور مہیسر کے قریب کے کاشتکار موسم گرما میں دوپہر کے وقت اپنے بیلوں کو پانی پلانے کے لیے ٹھیرا دیتے تھے جو اہلیہ بائی کے ملازم لایا کرتے تھے۔ اہلیہ بائی نے جو کھیت خریدے تھے اُن میں چڑیوں کے جھنڈ رہتے تھے۔ اور اہلیہ بائی کہا کرتی تھی کہ کسانوں نے اپنے غلے کے نقصان کے اندیشے سے اُنھیں نکال دیا تھا جس پر کہ اُن کی بسر اوقات کا انحصار تھا۔

ممکن ہے کہ ہم ایسی عام ہمدردی پر خندہ زنی کریں اور غالباً اس کے مذہبی تعصب پر اسے ملامت کریں جس کے باعث اُس کی خیرات کا جزو اعظم برہمنوں کے حصے میں آتا تھا اور اس نے دور دراز مقامات پر عمارتیں بنوانے اور اُن میں ملازم رکھنے پر اپنی ریاست کا خزانہ صرف کر ڈالا۔

۱۰۹

لیکن ایک ذی فہم برہمن نے نہایت اچھا سوال کیا تھا کہ اہلیہ بائی نے جو روپیہ دان پن اور کارہائے خیر میں صرف کیا تھا کیا وہ اس کا دوچند روپیہ فوج پر خرچ کر کے اپنے ملک میں ۳۰ سال تک کامل امن وسکون قائم رکھ سکتی تھی جس کے دوران میں اس کی رعایا بے حد خوش اور مطمئن رہی اور اہلیہ بائی قابل پرستش متصور ہوتی۔ (اُس نے کہا) کوئی شخص اُس کے تقدس کی سچائی پر شبہہ نہیں کر سکتا ہے لیکن اگر اُس میں صرف دنیاوی سمجھ بوجھ ہوتی تو ایسی اچھی طرح اپنا دلی مقصد حاصل کرنے کے لیے کوئی تدبیر نہ ہو سکتی۔ میں اس کی حکومت کے آخر زمانے میں پونے میں ایک خاص افسر تھا اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ صرف اُس کا نام لے دینے سے لوگوں کے دلوں میں

۱؎ میں نے اہلیہ بائی کی دانائی پر شبہہ ظاہر کیا تھا اُس کے جواب کے اصلی الفاظ میں نے لکھ دیے ہیں۔

کیسے زبردست جذبات پیدا ہو جاتے تھے۔ اُس کا دشمن ہونا یا اُس کے حاکمانہ ارادے میں اُس کی حمایت نہ کرنا اُس کی قوم کے رؤسا میں کفن چور ہونا متصور ہوتا تھا۔ جملہ والیان ملک اُسے ایسا ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ نواب نظام دکن اور ٹیپو سلطان بھی اُس کا ایسا ہی احترام کرتے تھے جیسا کہ پیشوا کیا کرتا تھا۔ اس کی عمر و اقبال کی ترقی کے لیے دعا مانگنے میں مسلمان بھی ہندوؤں کے ساتھ شریک تھے۔"

اہلیہ بائی کی نو عمری میں ایک دل چسپ مگر افسوسناک واقعہ پیش آیا جسے خاموشی کے ساتھ نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں۔ اس کے اکلوتے فرزند مالی راؤ کی افسوسناک وفات کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ اہلیہ بائی کے ایک لڑکی بھی تھی جس کا نام مکٹ بائی تھا اس کی شادی ہوئی اور پھر ایک بیٹا پیدا ہوا جس نے جوان ہو جانے کے بعد ہیضہ میں وفات پائی۔ ۱۲ سال بعد اس کے باپ کا بھی انتقال ہو گیا اور فوراً مکٹ بائی نے اپنے شوہر کے ساتھ ستی ہو جانے کا عزم ظاہر کر دیا۔ نیک نہاد اہلیہ بائی نے اپنی بیٹی کو اس مہلک ارادے سے باز رکھنے کے لیے کوئی ایسی تدبیر نہیں اُٹھا رکھی جو ایک ماں اور رانی کے بس میں تھی۔ وہ نہایت عاجزی کے ساتھ فرش خاک پر بیٹھ گئی جس طرح وہ اپنے ایشور کے روبرو بیٹھا کرتی تھی اور بڑی منت و سماجت کے ساتھ اُس سے کہا کہ للہ مجھے اس دھرتی ماتا پر اکیلا نہ چھوڑو۔ مکٹ بائی کو اگرچہ ترس آیا مگر وہ خاموش اور مستقل مزاج رہی پھر اس نے عرض کیا کہ "ماتا جی آپ کا تو اب بڑھاپا ہے اور چند سال میں آپ کی مقدس ہستی ختم ہو جائے گی لیکن میرا اکلوتا فرزند اور شوہر دونوں چل بسے اور آپ کے سدھارنے پر مجھے زندگی دوبھر ہو جائے گی۔ پھر اس حیات مستعار کو عزت کے ساتھ ختم کرنے کا وقت نکل جائے گا" اہلیہ بائی نے جب دیکھا کہ اب نصیحت کرنا بے سود ہے تو اس نے اس آخری دہشت ناک نظارے کو بچشم خود دیکھنے کا تہیہ کر لیا۔ وہ جلوس کے ساتھ پیادہ پا روانہ ہوئی اور چتا کے نزدیک جا کر کھڑی ہو گئی جہاں پر دو برہمن اُس کے بازو پکڑے ہوئے تھے اگرچہ اُس کا سخت دلی صدمہ چہرے سے ظاہر تھا لیکن وہ نہایت

لہ اس کے شوہر کا نام جسونت راؤ پانسیا تھا۔

۲۔ لڑکے کا نام نتھے با تھا۔

استقلال کے ساتھ اسے برداشت کرتی رہی۔ لیکن پہلے شعلے کے چمکتے ہی اس کی طبیعت بے قابو ہو گئی۔ اس کے نالہ و شیون نے اس زبردست مجمع کے مسرت انگیز نعروں کے شور میں اضافہ کر دیا جو اس کے چاروں طرف ہو رہا تھا جو لوگ کہ اس کے بازو پکڑے ہوئے تھے وہ اُن سے اپنے ہاتھ نہیں چھڑا سکی اور انتہائی صدمے کے باعث اُن لوگوں کے ہاتھ وہ دانتوں سے کاٹنے لگی چند نتیجہ خیز کوششوں کے بعد اُس کے حواس اس قدر درست ہو گئے کہ وہ سب کے ساتھ دریائے نربدا میں اشنان کرنے کی رسم میں شریک ہو گئی جب دونوں جل کر خاک کا ڈھیر ہو گئے تھے۔ اس کے بعد وہ اپنی محل سرائے کو واپس آئی جہاں پر ۳ دن تک ایک دانہ بھی اُس کے منہ میں اڑ کر نہیں گیا اُس پر اس درجہ رنج و غم طاری تھا کہ اُس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا اس حالت سے سنبھل جانے کے بعد اُس کے دل کو ان دونوں کی یادگار میں ایک خوبصورت مقبرہ[1] بنوا دینے سے تسکین ہو گئی جن کی وفات کا اُسے انتہائی رنج و الم تھا۔

191

بارہ مل[2] دادا کے علاوہ جو شروع سے آخر تک اہلیہ بائی کی خدمت میں حاضر رہا تھا اس اندوہناک منظر کو قریب سے دیکھنے والے کئی لوگوں کے بیان پر یہ تفصیلی حالات لکھے گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ اگرچہ اُس کے زہد و اتقا نے ایسے قوانین کی خلاف ورزی کرنے کی ممانعت کر دی تھی جن کو رسم و رواج نے جائز اور مقدس قرار دیا تھا مگر اس زہد و اتقا نے اس قابل تعریف خاتون کے فطری جذبات ہمدردی کو مغلوب نہیں کیا تھا۔

192

اہلیہ بائی نے افکار اور آلام سے کمزور ہو کر ۶۰ سال کی عمر میں وفات پائی

سنہ 1795

---

[1] اس مادرانہ شفقت کی یادگار سے زیادہ خوبصورت اور فن تعمیر کے کمل نمونے سے بہتر ہندوستان میں صرف چند جدید مقابر ہیں۔

[2] واجب الاحترام بارہ مل دادا کے ہمراہ میں اُس مقام پر گیا تھا جہاں پر کہ یہ اندوہناک نظارہ وقوع میں آیا تھا اور اگرچہ وہ بہت متاثر تھا لیکن اس نے افسوس آمیز مسرت کے ساتھ وہ مقام دکھایا جہاں پر چتا بنائی گئی تھی اور وہ جگہ بھی دکھائی جہاں پر اس کی ملکہ (اہلیہ بائی) اپنی لڑکی کی قربانی دیکھنے کے واسطے کھڑی ہوئی تھی۔

اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ مذہب کی جانب سے مقرر کیے ہوئے بہت سے برت رکھنے کی شدت کے ساتھ پابندی کرنے کی بدولت اُس نے اپنی موت کے بلانے میں جلدی کی۔ اُس کا قد میانہ تھا اور وہ بہت دُبلی پتلی تھی۔ اپنی زندگی کے کسی زمانے میں بھی وہ خوبصورت[1] نہیں سمجھی گئی۔ اس کا رنگ سانولا مگر صاف تھا اور اس کا چہرہ آخر وقت تک دلکش رہا جس سے وہ نیکی نمایاں تھی جو اس کی زندگی کے ہر ایک فعل میں ظاہر ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ شاداں اور فرحاں رہتی اور شاذونادر ہی خفا ہوتی تھی لیکن جب کسی جُرم یا شرارت کی وجہ سے وہ برافروختہ[2] ہو جاتی تو اس کے نہایت معزز ملازمان بھی اس کے پاس جانے سے تھراتے تھے

یہ غیر معمولی خاتون ہند وخواتین کے مقابلے میں زیادہ تعلیم یافتہ تھی۔ چنانچہ وہ پران اور دیگر مذہبی کتابوں کو پڑھتی اور سمجھتی تھی جن کے مطالعے کا اُسے بہت شوق تھا۔ وہ ریاست کے کاموں کو نہایت تیزی کے ساتھ انجام دیتی تھی۔ اور انتظام حد معاملہ فہم تھی۔ وہ ۲۰ سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس کا شوہر مارا گیا اور اس بدنصیبی میں اس کے بیٹے کے جنون اور بداطواری نے اور اضافہ کردیا۔ ان مصیبتوں نے اس کے دل پر بہت گہرا اثر ڈالا تھا۔ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اس نے کبھی رنگین لباس[3]۔ اور زیورات بجز ایک گلوبند کے نہیں پہنا۔ اور ہر قسم کی ترغیب وتحریص پر بھی اس کے کیرکٹر اور عادات وخصائل میں ذرہ بھر فرق نہیں پیدا ہوا۔ اہلیہ بائی کے یہاں خوشامد کو کچھ

---

[1] جب سابق پیشوا باجی راؤ کی والدہ اور رگھوبا کی خوبصورت مگر شریر النفس بیوی انندیا بائی نے غالباً اہلیہ بائی کی ناموری کی آتش حسد سے جل کر اپنی ایک خادمہ کو اہلیہ بائی کی صورت کا حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا تو اس خادمہ نے واپس آکر عرض کیا کہ "اہلیہ بائی خوبصورت تو نہیں ہے مگر اس کا چہرہ نورانی ہے" یہ سن کر اس کی مالکہ نے کہا کہ "تو کہتی ہے کہ وہ خوبصورت نہیں ہے" اور خادمہ کے جواب کے اس حصے ہی سے اسے تسلی اور اطمینان حاصل ہو گیا۔

[2] بار اہل داد امیر کا واجب الاحترام منیر تھا۔ جو عرصۂ دراز تک اس کا پسندیدہ ملازم رہا۔ اس نے بیان کیا کہ اہلیہ بائی کو جب کبھی غصہ آجاتا تو نہایت بہادر لوگوں کے بدن پر اس کا چہرہ لرزہ پیدا کردیتا تھا۔

[3] وہ ہندو بیواؤں کی طرح سفید کپڑے پہنتی تھی جن میں رنگین یا کامدار گوٹ نہیں لگائی جاتی تھی۔

دخل نہ تھا۔ چنانچہ ایک بار ایک برہمن نے اس کی مدح سرائی میں ایک کتاب لکھی۔ وہ نہایت صبر و سکون کے ساتھ اس کتاب کو سنتی رہی اور آخر میں اس نے کہا کہ "میں ایک کمزور اور پاپی عورت ہوں۔ میں اس اعلیٰ درجے کی تعریف و تحسین کی ہرگز مستحق نہیں ہوں"۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ اس کتاب کو دریائے نربدا میں غرق کر دو اور پھر اس کے مصنف[1] کی طرف اس نے کچھ التفات نہیں کیا۔

اہلیہ بائی کے جو واقعات بیان کیے گئے ہیں وہ ایسے دلائل پر مبنی ہیں[2] جن میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔

بہرحال یہ ایک غیر معمولی قسم کی تصویر ہے کہ عورت ہو کر مغرور نہیں راسخ العقیدہ ہونے پر روادار اور متحمل[3] ہے۔ دل اگرچہ نہایت عمیق باطل پرستی میں ملوث ہے مگر وہ بجز اس کے کوئی اور اثر قبول کرتا ہی نہیں جس سے اس کے زیر نگیں رعایا کی سود و بہبود کو ترقی ہو۔ ایک ایسی ہستی ہے جو اپنی خود مختارانہ قوت کو نہ صرف سچے عجز و انکسار بلکہ پوری مستعدی اور بڑی قابلیت کے ساتھ کام میں لاتی ہے لیکن وہ ایسی سخت اخلاقی پابندیوں کو ملحوظ رکھتی ہے جو دیانتداری کسی انسانی فعل پر عاید کر سکتی ہے۔ اسی کے ساتھ دوسروں کی کمزوریوں اور تغیرات کے متعلق بہت کچھ مراعات کی جاتی رہیں۔ اہلیہ بائی کے متعلق باشندگان مالوہ یہ حالات بیان کرتے ہیں۔

---

[1] ۔ بار ال دادا نے مجھ سے یہ روایت بیان کی تھی جب میں اور وہ مہیسر میں اہلیہ بائی کے محل کے بالاخانے پر بیٹھے ہوئے تھے جہاں سے دریائے نربدا کا منظر صاف نظر آتا ہے۔

[2] ۔ مستند و مستند ذرائع کے علاوہ جن سے کہ یہ حالات حاصل کیے گئے ہیں۔ مجھے اپنے فرض منصبی کی بدولت شرح و بسط کے ساتھ معاملات طے کرنے میں انہی لوگوں سے واسطہ پڑا ہے اور میں نے اہلیہ بائی کے اندرونی نظم و نسق کی تدابیر اور تجاویز کی بابت جو تفصیلی شہادت بہم پہنچائی ہے اس سے بغیر کسی شک و شبہ کے اس کی صحیح نوعیت معلوم ہو جاتی ہے۔

[3] ۔ ہندو مذہب میں عدم تحمل کوئی عیب نہیں ہے لیکن اہلیہ بائی کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ اس سے کوسوں دور تھی اور وہ اپنی ایسی رعایا پر خصوصیت کے ساتھ الطاف و نوازش کرتی تھی جن کا مذہب اس کے مذہب سے مختلف تھا۔

اس کے نام کی وہ بہت عزت کرتے ہیں اور اُسے اوتار مانتے ہیں۔ اہلیہ بائی کے متعلق نہایت متانت کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے محدود دائرے میں یقیناً نہایت پاکباز اور قابل تقلید فرماں روا تھی۔ اور اس نے اپنی یہ حیرت انگیز مثال پیش کی ہے کہ اپنے خالق کے فرایض اور حقوق محسوس کرنے سے دنیاوی فرایض ادا کرنے میں عملی فائدہ اُٹھانا ممکن ہے۔ ۱۹۵

اہلیہ بائی کی سوانح عمری کے بیان میں طوالت ہوگئی ہے لیکن خاندان ہلکر کی تاریخ میں اس کا دورِ حکومت بہت زیادہ فخر کے قابل ہے جو سرسری طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اُس نے اپنی دولت واقبال کا کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ اس لیے اب ہم اُن تباہ کرنے والوں کا حال درج کریں گے جنھوں نے وہاں آکر ترقی کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا جو اس کی حکومت نے اپنی ریاست کے باشندوں کے واسطے پیدا کی تھیں۔

اہلیہ بائی کی وفات کے بعد ۲ سال تک خاندان ہلکر کی ریاست مرفہ الحال رہی لیکن تکاجی کے انتقال پر لڑائی جھگڑے شروع ہوگئے جو اس کی تباہی کا موجب ثابت ہوئے۔ تکاجی نے اپنی بیاہتا بیوی سے ۲ بیٹے کاشی راؤ و ملہارراؤ اور اپنی خادمہ سے ۲ فرزند جسونت راؤ اور اٹوجی چھوڑے۔ اپنی پیدایش کے لحاظ سے کاشی راؤ کا حق فایق تھا۔ لیکن وہ بھدی عقل اور بھونڈے جسم کا تھا اور وہ سلطنت کے عملی فرایض کو انجام دینے کے لائق نہ تھا اس وجہ سے اُس کے باپ اور اہلیہ بائی کی یہ خواہش تھی کہ اس فرزند کو مہیسر میں رہنا چاہیے اور ملہارراؤ جو بہادر اور اولوالعزم ہے وہ فوج کا سپہ سالار ہو یا بالفاظ دیگر ملہارراؤ تکاجی کے فرایض اور اُس کا بھائی کاشی راؤ اور اہلیہ بائی کی خدمت انجام دے۔ اس تجویز کو قابل عملدر آمد سمجھنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ فیصلے کے وقت ماں کی محبت کیسی آسانی کے ساتھ اندھا بنادیتی ہے۔ دونوں بھائیوں کے متضاد کیرکٹر سے دونوں میں ایک دن بھی نباہ ہونے کی امید نہیں ہوسکتی تھی۔ اپنے باپ کی وفات کے وقت ہی سے ایک دوسرے کی تباہی کے لیے سازشیں کررہے تھے۔ ملہارراؤ نے اپنی افضل موزونیت کی دلیل پیش کرکے اپنے باپ پر یہ زور دیا تھا کہ آپ مجھے اپنا پورا جانشین قرار دے دیجیے اور اس کی تعمیل نہ ہونے پر اُس نے باپ کی مخالفت پر کمر باندھ لی وہ نانا فرنویس کی پناہ میں چلا گیا جس نے امداد دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ریاست کی فوجیں بھی اس کی حامی تھیں اس لیے شاہی اختیارات ۱۹۶

اُس کے ہاتھ میں آجانے کی قوی امید ہوتی تھی۔ کاشی راؤ نے جب کہ وہ مہیسر میں تھا دولت راؤ سندھیا یا اُس کے بدمعاش وزیر سرجی راؤ گھاٹکیا سے درخواست کی تھی کہ آپ میرے حقوق کی تائید کریں۔ چنانچہ اس کا وعدہ ہوگیا اور جب وہ پونا پہنچا تو اس کی علانیہ طرفداری کی گئی۔ لیکن اس نے بھائی کے گریز و طویل جنگ کو روکنے کے لیے اسی روز بوقت شب مصالحت ہوگئی۔ دونوں کے حلف اُٹھانے[1] کی رسم ادا ہوئی لیکن ملہار راؤ کے کیمپ کو سندھیا کی تربیت یافتہ فوجوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ملہار راؤ آفتاب طلوع ہونے پر اس خطرے سے آگاہ ہوا اور فوراً گھوڑے پر سوار ہوگیا لیکن مدافعت کا کچھ بندوبست ہونے سے پیشتر ہی پیشانی میں گولی لگنے سے اس کا کام تمام ہوگیا۔ اس ناشائستہ دغا بازی کا معاوضہ یہ ہوا کہ مادھوجی سندھیا نے اہلیہ بائی اور ہر کا بائی کو جو وثیقہ و برات[2] دی تھیں وہ واپس کر دی گئیں اور ۱۵ لاکھ روپے[3] تاوان قرار دیا گیا جس میں سے دس لاکھ نقد ادا کر دیا گیا باقی ماندہ کے لیے امبر واقع دکن کی مالگزاری رہن کر دی گئی۔

197

کاشی راؤ کے چند ساتھیوں کے علاوہ ہلکر کی ساری[4] فوج منتشر ہوگئی اور اس کا کیمپ لوٹ لیا گیا۔ بھاگنے والوں میں جسونت راؤ بھی تھا جو اپنے ہمراہ گھر کے چند سوار اور کچھ جواہرات لے گیا۔ اس نے ناگپور میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن راگھوجی بھونسلا نے

---

[1] اس موقع پر بیل بندر یا بیل کی قسم لی گئی تھی اور ہندوؤں میں یہ سب سے بڑی قسم ہے بیل کا درخت اس لیے متبرک مانا جاتا ہے کہ اُس کے پتے مہادیو جی کی پوجا میں استعمال ہوتے ہیں۔ جب یہ قسم لی جاتی ہے تو بیل کے پتوں پر ہلدی ڈال دی جاتی ہے اور فریقین ان پتوں کا آپس میں تبادلہ کر لیتے ہیں۔

[2] مجھے اس واقعے کا یقین ایسے لوگوں نے دلایا جو اس وقت ہلکر کے خاندان میں ملازم تھے لہٰذا اس واقعے کی صحت کا علم ان کو ضرور ہوگا۔

[3] اس موقع پر جو گولی بارود استعمال کی گئی اس کی ادائی کے لیے آخر الذکر رقم کا مطالبہ کیا گیا۔

[4] پونا میں ملہار راؤ اور ہلکر کی فوج صرف ۳ یا ۴ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔

اس خیال سے کہ اس کے پاس مال موجود ہے یا حکومت پونا و سندھیا[1] کو خوش کرنے کی
غرض سے جسونت راؤ کو گرفتار کرکے قید کردیا۔ وہ ۶ ماہ تک قید خانے میں رہا اس کے بعد
نکل بھاگا مگر پھر گرفتار کر لیا گیا۔ وہ اپنے محافظ سپاہیوں کو دھوکا دے کر پھر نکل گیا اور ملہار راؤ　۱۹۸
کے مارے جانے سے ڈیڑھ سال بعد خاندیس جا پہنچا۔ اس دوسری فرار میں اس کے ہمراہ
ایک مسلمان[2] سپاہی اور ایک نہایت تیز اور معتمد ہندو بھوانی شنکر[3] تھا۔ جب وہ خاندیس
پہنچے تو جسونت راؤ اپنے اتالیق جمنا بھاؤ سے ملنے کے لیے موضع گرگام کو چلا گیا جس نے
اسے ایک گھوڑی[4] اور ۳۰۰ روپے دیا اور یہ نصیحت کی یہاں قیام نہ کیجئے بلکہ مالوے کی طرف
فوراً چلا جائیے چنانچہ اول وہ قلعے کوکرناؤ میں گیا جو نندربار سے ۶ کوس کے فاصلے پر ہے۔
ہم خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس وقت اس کی حالت کس قدر سقیم ہو گئی تھی کہ وہ ۲-۳ ماہ
تک ایک بھیل سردار کا دست نگر رہا جس کے قبضے میں وہ قلعہ تھا جس میں اس نے　۱۹۹
پناہ لی تھی۔[5]

جسونت راؤ کوکرناؤ سے اول بروانی اور پھر دھرم پوری کو گیا جو نربدا کے
کنارے پوار خاندان کا ہے۔ وہاں کے راجہ انند راؤ کو جب اس کی آمد کی اطلاع

---

[1] ۔ دولت راؤ سندھیا اور پیشوا کے دونوں وزیروں نے اس موقع پر رگھوجی بھونسلا کو سخت خطوط لکھے۔

[2] ۔ اس کا نام شاہ محمد تھا۔ ہم نے پھر اس کا کچھ تذکرہ نہیں سنا اور غالباً اس کا جلد انتقال ہو گیا کیونکہ جن چند دوستوں نے اس مصیبت کے وقت اسے مدد دی تھی ان کے ساتھ اس نے احسان فراموشی نہیں کی۔

[3] ۔ جب بھوانی شنکر کے ساتھ تھا اس وقت وہ ۱۰ سواروں کا منشی تھا پھر ترقی کرکے وہ ساری فوج کا بخشی ہو گیا۔ آئندہ اس کا ذکر کیا جائیگا۔

[4] ۔ اس گھوڑی کا نام لنکا تھا۔ اس کا رنگ بادامی تھا وہ بوڑھی ہو گئی تھی اور چنداں خوبصورت بھی نہیں تھی مگر جسونت راؤ اس سے بہت مانوس تھا اور دسہرے کے روز اس کی پوجا کرتا تھا اور وہ اکثر کہتا کہ میری اقبال مندی کا موجب یہی گھوڑی ہے۔

[5] ۔ اسی زمانے میں اسے اپنے بھائی وٹھوجی کا بھی انجام معلوم ہو گیا جو پونا سے بھاگ کر ڈاکوؤں سے جا ملا تھا پھر وہ گرفتار کرکے اسی شہر میں ہاتھی کے پاؤں کے تلے کچلوا کر مار دیا گیا۔

ملی تو اس نے یہ احکام نافذ کر دیے کہ اُسے مانڈو ہو کر دھار پہنچا دیا جائے اس نے جسونت راؤ کی خدمت میں ایک خلعت اور ایک پالکی ارسال کی اور ہدایت کی کہ نہایت سیر چشمی کے ساتھ جملہ ضروریات بہم پہنچا دی جائیں۔ تقدیر کے اس پھیر کے وقت اُس کی اور اس کے ساتھیوں کی ستر پوشی کے لیے کپڑے بھی دیے گئے تھے۔

جسونت راؤ نے دھار میں ۲ و ۳ مہینے قیام کیا جہاں پر اُس کے خاندان کے چند پرانے ملازم اس کی خدمت میں حاضر ہو گئے لیکن جسونت راؤ کی طرح وہ بھی مفلوک الحال تھے۔ مگر خوش قسمتی سے اس زمانے میں رنگ راؤ اور کر نے پٹھانوں اور پنڈاریوں کی ایک جماعت اپنے ساتھ لے کر انندر راؤ[1] پر حملہ کر دیا۔

پوار راجہ بھاگا جاتا تھا اور اس نے ۲ توپیں بھی چھوڑ دی تھیں کہ جسونت راؤ نے اُس سے استدعا کی کہ آپ اپنے مقام پر قیام کیجئے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کی طرف سے لڑائی جیت دوں گا۔ پھر ایک کاغذ کا پرزہ لے کر اُس نے اور کر اور پنڈاریوں کے سرداروں کے نام ایک مختصر سا رقعہ لکھا کہ "جسونت راؤ راجہ پوار کے ساتھ ہیں اور میرے خاندان کے قدیم وفادار کی حیثیت سے بہتر یہی ہے کہ تم واپس چلے جاؤ" پنڈاریوں کو اولاً شبہ ہوا لیکن جب قاصد نے اس کی صداقت ان کے ذہن نشین کر دی تو وہ پیچھے ہٹ گئے اور گڑبڑ کرنے لگے۔ اس اثنا میں وہ توپیں واپس لے لی گئیں۔ یہ دیکھ کر جسونت راؤ اپنے گھوڑے پر سے کود پڑا اور ایک شاہ بلوطی ڈنڈا ہاتھ میں لیا اور اس کے ہمراہیوں میں بھی اس کی مثال دیکھ کر جوش پیدا ہو گیا۔ انھوں نے افغانوں کا نشانہ تاک کر ۲۔۳ باڑھیں ماریں جو حملہ کرنے کے لیے آگے کی طرف بڑھنے لگے تھے جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ میدان چھوڑ کر پسپا ہوئے اور اُن کے ساتھ اور کر بھی بھاگ گیا۔

انندر راؤ کی شکر گزاری اس خدمت کے موافق تھی جو انجام دی گئی تھی لیکن جسونت راؤ نے اس کے معاوضے میں بجز اس وعدے کے کچھ طلب نہیں کیا کہ جب کبھی میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں تو مجھے پناہ دی جائے۔

جب سندھیا کو جسونت راؤ کے دھار سے بھاگ جانے کی اطلاع ملی تو اس نے

۲۰۰

[1] یہ حملہ موضع کسوول پر ہوا تھا جو دھار کے جنوب مغرب میں ۱۶ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

فوراً انندراؤ کو یہ دھمکی دی کہ اگر تم جسونت راؤ کو گرفتار نہ کروگے یا اُسے اپنے یہاں سے نہ نکال دوگے تو ہماری سخت ناراضی کا موجب ہوگا۔ لیکن جسونت راؤ کی فیاضی طبع نے اُسے یہ اجازت نہیں دی کہ وہ اپنے پناہ دہندہ کی تباہی کا باعث ہو جو اس کے مزید قیام سے یقیناً ہو جاتی۔ اُس نے انندراؤ سے تھوڑا سا روپیہ طلب کیا۔ چنانچہ علاوہ ۱۰ ہزار روپے نقد کے ۱۰۰ سوار بھی اُس کی نذر کیے گئے۔ اب وہ ان سواروں کو لے کر مع تمام ان اُمیدوار مرہٹہ کے سواروں کے دھار سے روانہ ہوگیا جس نے اپنے کو جسونت راؤ کے مقدر سے وابستہ کر دیا تھا۔ اُس نے اس جماعت میں ایک سو بیس حامی اور شامل کیے جن کے گھوڑے اور مال واسباب اُس نے پونے میں لوٹ لیا تھا۔ ان کے پاس نہ تو کوئی ہتھیار تھے اور نہ اُن کے جسم پر نیا لباس تھا۔ اُس نے اپنی اس جماعت سے پہلا دھاوا دیپل پور میں کاشی راؤ کے..انجی سواروں پر کیا اور ایسی پھرتی کے ساتھ اُن پر اچانک حملہ کیا کہ وہ پریشان ہوکر رہ گئے۔ اس فتح میں چند عمدہ قسم کے گھوڑے اور بہت کچھ زر نقد اُس کے ہاتھ لگا جو اُس نے دیپل پور کی بیکس رعایا سے جبراً وصول کیا تھا۔ اُس کا یہ کارنامہ ڈکیتی کا پیشہ اختیار کرنے کی ابتدا تھی اور مالوہ آنے کے بعد سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اپنی قوت کو برقرار رکھنے اور دولت راؤ سندھیا کے چنگل سے اپنے خاندانی مقبوضات کو چھڑانے کے لیے یہی وطیرہ مناسب اور موزوں تصور کیا تھا۔ اس وقت کاشی راؤ سندھیا کے ہاتھ میں محض ایک کھلونا بنا ہوا تھا۔ جسونت راؤ اس خاندان کے غرور اور جذبات سے بے خبر نہ تھا جس کی ناجائز نسل سے وہ پیدا ہوا تھا اور وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ خاص حکومت غصب کرنے کی جرأت کرنے میں خاندان ہلکر کی رعایا اور طرفداروں کے تعصبات کا لحاظ کرنے یا اُن سے چشم پوشی کرنے سے وہ کس قدر قوت حاصل کر سکتا ہے یا ضایع کر سکتا ہے۔ اُس نے یہ حیلہ پیش کرکے کہ کاشی راؤ تو دماغی اور جسمانی دونوں قسم کے قدرتی نقایص کی وجہ سے حکومت کرنے کے لائق ہرگز

۲۰۱

۲۰۲

لہ۔ دریائے چنبل کے سیدھے جانب ۲۴ میل کے فاصلے پر دیپال پور واقع ہے۔ یہ قصبہ ہلکر کے خاندان کے قبضے میں ہے شوالیر دھدر نائک کاشی راؤ کا ملازم جو ایک فوجی دستے کے ساتھ یہاں خیمہ زن تھا اندور کا رخ کیا اور جاتے ہوئے پائیگاہ Pagah کے سواروں کو دیپال پور کی حفاظت کے لیے چھوڑ گیا۔

نہیں ہے۔ پھر اُس نے ملہار راؤ[1] کے شیر خوار فرزند کندی راؤ کے ساتھ اپنی حمایت اور اطاعت کیشی کا اعلان کر دیا اور دھار سے روانہ ہونے سے پیشتر اُس نے اپنی مہر پر فارسی زبان میں "جسونت راؤ فدوی سوائی کندی راؤ"[2] کندہ کرالیا۔ اپنے اس عہدے کے اختیارات کی بنا پر اس نے فوج جمع کرنی شروع کی جس میں پنڈاری۔ بھیل۔ افغان مرہٹے اور راجپوت الغرض ہر قوم کے لوگ بلا امتیاز بھرتی کیے گئے۔ دیپل پور سے جورا اور وہاں سے ماہر پور گیا جورا کے منیجر[3] نے جسونت راؤ کو گرفتار کرنا چاہا لیکن ماہر پور کے ناظم نے ہر قسم کی امداد دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ مغرب کی طرف سارنگ پور پہنچا۔ اس قصبے کا ایک شخص سید وزیر حسن مالوے میں پہلا معزز آدمی تھا جس نے اس کی حمایت کی۔ یہ شخص اس سے پیشتر خاندان ہلکر کے یہاں ملازم رہ چکا تھا۔ اس سردار نے جسونت راؤ کی ناموری میں اضافہ کر دیا اور ۴۰ یا ۵۰ سوار، ۲۰ یا ۳۰ پیادے اور ۵۰۰ نقد بطور نذرانہ کے جسونت راؤ کی خدمت میں پیش کیے اور اُس کے مشورے سے جسونت راؤ نے امیر خاں سے ۵۰۰ اہیدل سپاہی امداد کے طور پر طلب کیے جو اس وقت بھوپال میں خیمہ زن تھا اس مسلمان سردار نے جسونت راؤ کی فرمایش کو منظور کر لیا۔ اس نے شجال پور کی جانب فوراً کوچ کر دیا اور ان دونوں سرداروں کی پہلی ملاقات رانا گنج میں ہوئی جو غارت گری کی تاریخ میں بہت مشہور و معروف تھے۔ آپس میں اتحاد و اتفاق کرنے کی شرایط بہت جلد طے ہو گئیں۔ امیر خاں نے یہ اقرار کیا کہ میں آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا اور جسونت راؤ نے یہ تحریری وعدہ کیا کہ آیندہ ہر ایک لوٹ اور فتح میں آپ کا اور میرا

۲۰۳

۱۷۹۸ء

---

[1] یہ لڑکا اپنے باپ کے انتقال سے چند ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔

[2] فارسی مہر میں "جسونت راؤ فدوی سوائی کندی راؤ" کندہ تھا اور مرہٹی مہر میں "مہالیہ (یہ جیجوری یعنی) کے شوہر ملہار راؤ کے فرزند کندی راؤ کا پالاگن"

[3] اس زمانے میں جورا کا منیجر گنگا رام کوٹھاری بنیا تھا۔ وہ ایک قابل شخص تھا اور جسونت راؤ نے صاحب اقتدار ہو جانے پر گنگا رام کے اس وقت کے طرز عمل کو روپیہ وصول کرنے کا حیلہ قرار دیا اور اُسے ایک بڑے عہدے پر مامور کر دیا وہ ۱۰ برس تک رام پورہ۔ بام پورہ اور چند دیگر اضلاع کا منیجر رہا۔ گنگا رام کا فرزند منگی رام ابھی تک ریاست ہلکر میں ملازم ہے۔

برابر کا حصہ ہوگا۔ ان دونوں کا زمانہ یکساں طور پر خلاف تھا اس لیے ان میں آپس میں عہد و پیمان ہو گیا۔ اس کے علدر آمد میں کوئی ایسا شک و شبہہ مانع نہیں ہو سکتا تھا جس سے اُن کے ذاتی حقوق کو نقصان پہنچے۔ ان دونوں نے مل کر شجال پور کے عامل سے ایک رقم کا مطالبہ کر کے اس کام کی بسم اللہ کی کیونکہ چند روز پیشتر اس افسر نے نذرانے میں صرف ۲۰۰ روپے پیش کر کے جسونت راؤ کی توہین کی تھی جس کی پاداش میں اب جسونت راؤ اور اُس کے جدید رفیق کو اپنے یہاں سے ٹالنے کے لیے اُسے ۷ ہزار روپے دینا پڑا شجال پور سے روانہ ہو کر چند تاجروں کو لوٹ لیا اور اس ڈکیتی میں ۲۰ ہزار روپے کے کپڑے ہاتھ لگے۔ اس مال غنیمت کی بدولت اُس نے اپنی جدید فوج کی تنخواہ ادا کی اور پھر ہزاروں رنگروٹ اس کی فوج میں اور بھرتی ہو گئے۔ ۲۰۴

اس کے بعد اُس نے دولت راؤ سندھیا کے چند قصبے اور اضلاع میں لوٹ مار کی ہنڈیا کو تباہ و برباد کر کے وہ منڈیسر کے سامنے موضع کسراود[1] میں گیا جہاں پر شویلیر دو درناک کے کمپو سے ایک سخت معرکہ ہوا۔ جو اُس پر حملہ کرنے کے لیے اُس افسر کے مستقر اندور سے بھیجا گیا تھا۔ نہایت سخت جنگ و جدال کے بعد جسونت راؤ کو فتح نصیب ہوئی دشمن کی فوج تباہ ہو گئی اور ۸ جھنڈے اور ۴ تو پیں جسونت راؤ کے ہاتھ لگیں۔ اس فتح یابی سے اُس کے وسائل اور شہرت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ اس کے بعد اُس نے فوراً ہی مہیسر کی طرف کوچ کیا مگر وہاں سے اُسے پسپا ہونا پڑا اور پھر بھاگ کر سنواس پہنچا جہاں پرا سے ۷ تو پیں مل گئیں اور مرمت کرانے کے بعد وہ ان توپوں کو برگونڈا[1] لے گیا تاکہ کاشی راؤ کی فوج کو جو اس وقت اندور میں مجتمع تھی اپنے جھنڈے کے نیچے آنے کی دعوت دے چونکہ وہ ایک ایسے راجہ کی خدمات انجام دینے سے سخت بیزار تھی جس کی حکومت برائے بیت تھی اور اُس نے دیکھا کہ جسونت راؤ نہایت اولوالعزم اور بہادر سردار ہے اور وہ اس خاندان کو جس سے ہم وابستہ ہیں سندھیا کی بے اصول حرص و طمع سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ ان خیالات کا یہ اثر ہوا کہ نجیب خاں مع اپنے ۸ سو سواروں کے اور شویلیر دو درناک ۱۷۹۸ء ۲۰۵

[1] موضع برگونڈا چھاؤنی مئو سے جانب جنوب مغرب ۲ میل اور اندور سے ابی کمتہ ہیں ۱۹ میل کے فاصلے پر ہے۔ اندور سے جام گھاٹ ہو کر مہیسر کو جانے والی سڑک پر یہ موضع واقع ہے۔

مع اپنی بٹالین[1] کے جسونت راؤ سے جا ملے اور خدا کی شان دیکھئے کہ وہ شخص جو بے یار و مددگار پونے سے بھاگ گیا تھا سال ختم ہونے سے پیشتر ہی اب ایک عظیم الشان فوجی لشکر کا سردار بن گیا اور سنٹرل انڈیا میں ریاست ہلکر کی ساری رعایا اُسے اپنے نوجوان راجہ کا سرپرست تصور کر کے اُس کی اطاعت اور فرماں برداری کرنے لگی۔ جسونت راؤ نے تربیت یافتہ افواج سے سمجھوتہ کرنے کے بعد مہیسر کی طرف کوچ کیا جہاں پر اہلیہ بائی کے خزانے کا پتا بڑی مشکل سے لگا اور روایت ہے کہ بہت کچھ زر نقد اور جواہرات اُس کے ہاتھ لگے لیکن اس حد تک تو یہ روایت بالکل صحیح ہے کہ اس کے بعد اُس نے فوراً ہی تنخواہیں ادا کرنی شروع کر دیں اور اپنی فوج[1] و سلطنت میں ضابطہ اور قانون کی پابندی قائم کرنے کا تہیہ ظاہر کر دیا۔

جسونت راؤ مہیسر میں ۳ ماہ قیام کر کے اپنی فوجی چھاؤنی برگونڈا کو چلا گیا لیکن وہ اپنی بندوق سے نشانہ بازی کر رہا تھا کہ بندوق پھٹ گئی جس سے اُس کی ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی اور اس حادثے کے پیش آنے کی وجہ سے اُسے وہاں پر زیادہ عرصے تک

۲۰۶

[1] ۔ جسونت راؤ نے اس موقع پر اپنے سواروں کو ۳ حصوں میں تقسیم کیا اول درجے کے قد و قامت والے گھوڑے رکھنے والے سواروں کی تنخواہ ۵۰۰ روپے دوسرے درجے کی ۳۰۰ روپے اور تیسرے درجے کی ۲۵۰ روپے سالانہ مقرر کی گئی افسروں کو بہت زیادہ ملتا تھا انھیں مہینے میں صرف ۲۰ یوم کی تنخواہ دی جاتی تھی اور باقی حساب سال کے اختتام پر بے باق ہوتا تھا۔ اس انتظام میں مسلمان اور ہندو ملازمان میں خاص امتیاز رکھا گیا تھا۔ مسلمانوں کو تو مذکورہ بالا شرح سے تنخواہ ملتی تھی مگر ہندو سرداروں کو اول درجے میں ۴۰۰ روپے۔ دوسرے میں ۳۰۰ روپے اور تیسرے میں ۱۵۰ روپے سالانہ دیے جاتے تھے۔ میں نے اس امتیاز کی وجہ دریافت کی تو بعض لوگوں نے بیان کیا کہ یہ امتیاز امیر خاں اور مسلمان سرداروں کے اثر سے تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ پٹھانوں کی وجہ سے تھا کیوں کہ ان کے گھوڑے زیادہ مضبوط تھے اور اُنھیں زیادہ خوراک کی ضرورت ہوتی تھی بعض کا خیال ہے کہ لوٹ مار کے لیے مرہٹوں کی باگ ڈور ڈھیلی تھی۔ لیکن اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سے اپنی مرہٹہ فوج کی قبیح عادتوں کی اصلاح مدنظر تھی جو اپنے پاس بہت سے ٹٹو رکھتے تھے جن پر کہ اُن کے نوکر سوار ہوتے تھے اور وہ ان سب ٹٹوؤں کا نام رجسٹر میں لکھوا دیتے تھے اور اگرچہ ان کی شرح تنخواہ کسی قدر کم تھی لیکن اس رعایت کی وجہ سے وہ فی الحقیقت مسلمان سواروں سے زیادہ ہو جاتی تھی۔

ٹھیرنا پڑا۔ اب اس وقت اُس نے اپنے دوست امیر خاں کو نواب کا خطاب دیا اور اس موقع پر بیش قیمت تحائف[1] بھی مرحمت فرمائے اور پٹھان سردار نے اسے اپنی مہر پر اپنے کو جسونت راؤ ہلکر کا فدوی، کندہ کر کے اپنی اس خوشامد سے اُسے خوش کر دیا۔ ۲۰۷
یہ نیا نواب مع ایک زبردست لشکر کے لوٹ مار کرنے اور روپیہ وصول کرنے کے واسطے مشرق کی جانب چلا گیا۔ دلواس کے راجہ ایک لاکھ روپے دینے پر مجبور ہوئے۔ آگرے سے ایک کثیر رقم وصول کی گئی اور پھر خوب لوٹ کھسوٹ ہوئی اس کے بعد امیر خاں نے بیر سیہ۔ سرونج اور ساگر کی طرف کوچ کیا اور پھر ان شہروں اور بالخصوص ساگر کو سنہ ۱۷۹۹
جہاں سے بہت سا مال غنیمت اُس کے لشکر کے ہاتھ لگا اُس نے تاخت و تاراج کر دیا۔ ساگر اُس وقت پیشوا کے زیر نگیں تھا اور نائک راؤ نے اگرچہ کئی دن تک مدافعت کی لیکن آخر کار قلعہ کر کے فتح کر لیا گیا اور ایک شخص[2] نے جو اس وقت امیر خاں کے ساتھ تھا اس فتحیابی کا حال اس طرح بیان کیا ہے کہ ان ایام میں (تقریباً ایک ماہ) جب تک کہ فوج اس بد نصیب شہر کے نزدیک مقیم رہی گڑبڑ اور بے محابا لوٹ مار برابر جاری رہی اور اس شخص کے بیان سے ہم کو معلوم ہوا کہ قلعہ کرنے کے روز ساگر میں آگ لگا دی گئی اور ان ایام میں آگ کبھی ایک حصے میں اور کبھی شہر کے دوسرے حصے میں شعلہ زن رہی۔ اگرچہ تقریباً ۴۰ یا ۵۰ سپاہی اور باشندگان قتل ہوئے لیکن باقی تمام باشندے تباہ ہو گئے کیوں کہ کوئی مال و اسباب نہیں چھوڑا گیا اور آخر ایام تالابوں اور کنووں سے مال نکالنے میں صرف کیے گئے جن میں عارضی طور پر پوشیدہ رکھنے کے لیے کچھ مال و اسباب ڈال دیا گیا تھا۔ روایت ہے کہ امیر خاں نے اپنی فوج کی زیادتیوں کو روکنے کے لیے بہت کچھ کوشش کی جس سے اُسے مالی نقصان بھی ہوا اور اُس کی ناموری میں بھی بٹا لگا لیکن وہ ایک ایسی بھیڑ کا سردار تھا جو اس کے احکام کی تحقیر کرتی۔ اس کی فوج میں زیادہ تر پٹھان تھے جن کی تمردی اور گستاخی کی کچھ حد نہ تھی۔ جب اُن کا کمانڈر اُنھیں لوٹ مار سے باز رکھنے کی ہدایت کرتا تو اُس کی ۲۰۸

---

[1] ان تحائف میں ایک ہاتھی۔ ایک گھوڑا۔ ایک بیش قیمت خلعت اور چند جواہرات شامل تھے۔
[2] اس کا نام خیالی رام تھا جو ہمت رائے کا بھتیجا تھا اور وہ مع اپنے باپ اور بھائیوں کے امیر خاں کے یہاں ملازم تھا۔

سابقہ ادنیٰ حالت بیان کرکے وہ طعنہ زنی کرتے اور اُس کا مذاق اُڑاتے تھے اور اس سے دریافت کرتے کہ کیا تو بھول گیا کہ تجھے بڑا آدمی کس نے بنادیا ہے اور اسے یہ دھمکی دیتے کہ ہمیں ناراض کرنے سے تو ایک لمحہ میں اپنی اصلی حالت یعنی کس مپرسی کے عالم میں پہنچ جائے گا۔ ان واقعات کے راوی کا بیان ہے کہ وہ ایسے صبر کے ساتھ جو ہرگز اُس کے شایان شان نہیں تھا وہ ان کی گستاخی کو برداشت کرتا تھا اور منت وسماجت کے ساتھ اُن سے کہتا کہ جاؤ اپنے فرائض منصبی ادا کرو۔ ساگر کے باشندوں میں سے ہر ایک مرد اور عورت پر طرح طرح کے مظالم کیے گئے اور اُن کی بے حرمتی کی گئی افغان سپاہی جب کسی برہمن یا شریف ذات کے ہندو کو پکڑتے تھے تو اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر وہ اچھی طرح معائنہ کرتے کہ اس کے سر کی کھال نرم اور ملائم ہے یا نہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ فارغ البالی کی زندگی بسر کرتا ہے یا وہ مزدور پیشہ ہے اور اپنے اس معائنے کے نتیجے کے مطابق یا تو وہ اپنے قیدی کو چھوڑ دیتے یا پھر اُس پر جبر وستم کرنا شروع کر دیتے۔

ساگر کے مظالم سے وہ نتائج برآمد ہوئے جن کی توقع کی جاسکتی تھی امیر خاں کی فوج جو پہلے بے ترتیب تھی اب بالکل بے قابو ہو گئی۔ جو مال غنیمت لوگوں کے ہاتھ لگا تھا اُنھیں بس اُس کے بچانے کی فکر لاحق تھی اور جن لوگوں کے ہاتھ تھوڑا سا مال آیا تھا وہ شاکی اور غیر مطمئن تھے ونائک راؤ نے راجہ ناگپور سے استدعا کی اور بینی[1] سنگھ جو راجہ کا مقرب سردار تھا اُس کی مدد کے واسطے بھیج دیا گیا وہ ایسی تیزی کے ساتھ گئے کہ امیر خاں کو اُن کی آمد کی اس وقت خبر ہوئی جب ساگر چند میل رہ گیا وہ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اُس نے اپنی فوج کو حاضر ہونے کا حکم دیا لیکن صرف ۲ ہزار آدمیوں نے اُس کے حکم کی تعمیل کی۔ باقی ماندہ نے علانیہ عدول حکمی کی ان میں سے بعض نے تو تنخواہ نہ ملنے کا عذر پیش کیا اور بعض لوگوں نے اس وقت تو یہ وعدہ کرکے ٹال دیا کہ تیار ہو جانے پر آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی بہت سے افغان[2] سردار

۲۰۹

[1] ۔ یہ سردار گاول گڈھ میں مارا گیا جب سنہ ۱۸۰۳ء میں ڈیوک آف ونگٹن نے اس قلعے کو فتح کیا تھا۔ وہ جنگ کے دوران میں قتل ہوا اور اپنی سپاہیانہ بہادری کا نام چھوڑ گیا۔

[2] ۔ اس شرمناک حرکت کرنے والے سرداروں کے نام اکبر خاں ہمت خاں دراب شاہ اور نادر خاں تھے۔

جو مال غنیمت سے مالا مال ہو گئے تھے کیمپ سے باہر نکلتے ہی مخالف سمت میں قلعہ راہند گڈھ کو چلے گئے جو وہاں سے ۲۵ میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ قلعہ نواب بھوپال کے تحت تھا۔ ان کی کمینہ حرکت کی تقلید اور بہت سے سپاہیوں نے کی اُمیر خاں اس خرابی سے بے خبر تھا وہ باقی ماندہ فوج کی امداد کے بھروسے پر سواروں کے ایک مختصر دستے کے ساتھ آگے کو بڑھتا چلا گیا۔ اس نے ناگپور کی فوج پر ایک حملہ کیا جس میں وہ گھوڑے سے نیچے گرا دیا گیا مگر وہ اپنے گھوڑے پر دوبارہ سوار ہو گیا۔ ایک سپاہی نے امیر خاں کو گھوڑے سے گرتے ہوئے دیکھ کر یہ سمجھا کہ ہمارے سب آدمی ضائع ہو گئے وہ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا ساگر کے قریب کی لائین میں آگیا۔ سب لوگوں نے گھبرا کر دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے اور امیر خاں کیا کر رہا ہے وہ اس قدر خوفزدہ تھا کہ اُس کی زبان سے ایک لفظ تک نہ نکل سکا۔ اُس نے دونوں ہاتھ ہلا کر اشارے سے کہا کہ اب اپنا بوریا بستر باندھ کر چل دو اسی اشارے پر فوراً عملدرآمد ہو گیا اور چند منٹ میں سارا کیمپ خالی ہو گیا اور امیر خاں نے جب اس ناتمام جنگ کے بعد شام کے وقت واپس آیا تو اُس نے اپنے کیمپ کو ایسی حالت میں پایا حالانکہ اُس کا ارادہ دوسرے روز پھر حملہ کرنے کا تھا۔ اس کا حیرت و استعجاب بیان میں نہیں آسکتا ہے۔ بجز اس کے اُسے کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کی فوج فلاں سمت کو بھاگ گئی ہے اس نے دشمنوں کے اسقدر نزدیک معدودے چند آدمیوں کے ساتھ قیام کرنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ اس واقعے کی اطلاع غنیم کو بھی ضرور مل گئی ہوگی۔

۲۱۰

اس نے اپنے کیمپ میں مع اُس کے اسباب کے آگ لگا دینے کا حکم دیا اور پھر وہ راٹھ گڈھ کی طرف روانہ ہو گیا جہاں پر نہ صرف وہ لوگ موجود تھے جو پسپا ہو کر بھاگ گئے تھے بلکہ اُس کا بھائی کریم الدین بھی تھا جسے جسونت راؤ نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ اُس کی امداد کے واسطے روانہ کیا تھا۔ اپنی خراب وخستہ حالت کی وجہ سے

۲۱۱

لہ۔ جنابی رام کا بیان ہے کہ میں نے ایک خوفزدہ بھاگنے والے سے سوال کیا تو اُس نے اس کے جواب میں صرف بھاگنے کا اشارہ کر دیا۔

۴۔ ۴ روز تک مختلف جماعتوں نے آپس میں ایک دوسرے کو لعنت و ملامت نہیں کی۔ خود امیر خاں کے پاس سر لگانے کو نہ تو کوئی خیمہ تھا اور نہ اس لباس کے علاوہ جو اُس کے جسم پر تھا ایک جوڑہ کپڑا تھا۔ لیکن گورنر راٹھ گڈھ[1] کے مختصر سے ہدیے اور وہاں کے ایک متمول ساہوکار[2] کی لوٹ نے اُن کی فوری ضروریات کو پورا کر دیا اور کریم الدین نے اس حملے کی بد انتظامی پر اپنے بھائی کو لعنت و ملامت کرنے کے بعد جو جسونت راؤ نے اُس کے سپرد کیا تھا اُسے یہ مشورہ دیا کہ آپ اپنے گزشتہ نقصانات کی اس طرح پر تلافی کیجیے کہ جن افسروں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا انھیں مجبور کیجیے کہ وہ اس مال غنیمت میں سے ایک حصہ آپ کی نذر کریں جس کی بدولت اُنھوں نے یہ بے غیرتی اختیار کی تھی۔ امیر خاں یہ مطالبہ پیش کرنے پر آمادہ ہو گیا لیکن افغان سردار اس تجویز سے بہت برافروختہ ہو گئے اور وہ دوسرے روز کیمپ چھوڑ کر چلے گئے۔ کریم الدین نے تہیہ کر لیا کہ ان کو ایسی آسانی سے نہ جانے دوں گا اور اُس نے اپنی فوج کا ایک دستہ لے کر اُن کا تعاقب کیا اور موضع کر دونی کے قریب پہنچ کر اُن کا محاصرہ کر لیا۔ ۳ روز تک کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہیں برآمد ہوا لیکن چوتھے روز صبح کے وقت افغان سرداروں کے کیمپ پر حملہ کیا گیا اور تھوڑی سی جھڑپ کے بعد اُنھیں شکست نصیب ہوئی اور وہ مختلف سمتوں کو بھاگ کر چلے گئے۔ بیوفاؤں کا سردار اکبر خاں مارا گیا اور اُس کا سر مع کل

۲۱۲

---

[1] ۔ محمد خاں پسر موید محمد خاں اس وقت راٹھ گڈھ کا گورنر تھا اس نے ۵ ہزار روپے اپنے ناخواندہ مہانوں کی نذر کیا۔

[2] ۔ ڈال چند مشہور ساہوکار کا بھتیجا موہن لعل راٹھ گڈھ میں جا چھپا تھا امیر خاں کو اس کا پتا لگ گیا چنانچہ اس نے گورنر سے موہن لعل کو طلب کیا جو اس کے حوالے کر دیا گیا موہن لعل نے ۵ ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا اور روپے کی وصول یابی کے لیے وہ خیالی رام کے سپرد کر دیا گیا۔ ایک ہزار روپے ادا کر دینے کے بعد موہن لعل نے باقی روپے لانے کے واسطے اپنے گھر میں جانے کی اجازت طلب کی اور پھر چھت کے ایک روشندان سے نکل کر بھاگ گیا۔ موہن لعل کی اس حرکت سے خیالی رام کو بہت غصہ آیا اور اسی کے ساتھ وہ خائف بھی ہو گیا اور پھر موہن لعل کا پتا نہ نکلنے پر وہ اس کی دکان پر گیا اور اس کا صفایا کر دیا اس ترکیب سے امیر خاں کو پورے ۴ ہزار روپے مل گئے۔

مال غنیمت کے امیر خاں کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ کریم الدین نے یہ خدمت اپنی اس فوج کی مدد سے انجام دی جس میں پنڈاری تھے اور اس طرح اُس نے اپنے بڑے بھائی کو اطاعت طلبی کا عمدہ سبق دیا لیکن یہ نوعمر سردار اپنے بڑے بھائی امیر خاں سے ہر لحاظ سے زیادہ کارگزار اور ہنر تھا اور جسونت راؤ اُس پر جس قدر اعتماد اور نوازش کرتا تھا وہ اُس کی فرزانگی کا بدیہی ثبوت ہے۔ لیکن اُس نے جو ناموری حاصل کر لی تھی اس سے بہرہ ور ہونے کے لیے اُس کی عمر نے وفا نہیں کی وہ شجال پور پر حملہ کرنے میں مارا گیا اور اس کی وفات اور وہاں کی لوٹ مار سے جس نے کہ اس قصبے کو بالکل تباہ کر دیا جسونت راؤ اُس سے بھی زیادہ برافروختہ ہوا جتنا کہ وہ ساگر میں امیر خاں کی کارروائی سے ہوا تھا۔ جسونت راؤ نے یہ خبر سن کر کہ امیر خاں میری حکومت کا مخالف ہو گیا ہے شام راؤ[1] ماڈک کو مع ایک جرار لشکر کے امیر خاں کی گرفتاری کے واسطے بھیج دیا۔ امیر خاں نے اس کارروائی سے خائف ہو کر اپنا ایک معتمد افسر اندور روانہ کر دیا اور اس کی معرفت اطاعت مندی اور وفاداری کا پیام بھیجا لیکن جسونت راؤ نے امیر خاں کی صداقت کی آزمایش کے لیے یہ فرمایش کی کہ وہ میرے خیمے میں تن تنہا چلا آئے۔ امیر خاں چونکہ بڑا ہوشیار تھا اور وہ سختی کی بجائے ہمیشہ نرمی سے اپنا کام نکالنے کی کوشش کیا کرتا تھا اس لیے جسونت راؤ کی فرمایش کی تعمیل کرنے میں اُس نے کچھ تامل نہیں کیا۔

۲۱۴

وہ صرف سو سوار لے کر شام راؤ کے کیمپ پر پہنچا اور پھر اُس کے ہمراہ اندور گیا اور فوراً ہی جسونت راؤ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُس نے اپنی ڈھال اور تلوار جسونت راؤ کے سامنے رکھ دی اور عرض کیا کہ آپ افترا پرداز لوگوں کے کہنے میں آگئے۔ میں اپنے ہتھیار آپ کے نذر کرتا ہوں جو بجز آپ کی خدمت کے کبھی استعمال نہیں ہوں گے۔"

اس عجز و انکسار ئے جسونت راؤ کا غصہ فوراً نہیں ٹھنڈا کیا اور نہ اس کا تعصب دور ہوا لیکن امیر خاں اس کا اعتماد حاصل کرنے کی غرض سے ایک روز علی الصباح

[1] ہمت راؤ۔

تن تنہا بغیر کسی ملازم کے جسونت راؤ کے حضور میں حاضر ہوا اور اپنا خنجر اس کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ "اگر آپ کے دل میں اب بھی شکوک موجود ہیں تو اس خنجر سے میری جان نکال کر اپنے شبہات کا خاتمہ کر دیجئے اور مجھ کو اطمینان ہو جائے گا کہ آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ ریاست کی بھلائی کے لیے ہے۔"

۲۱۴

جسونت راؤ نے فوراً اُسے گلے سے لگا لیا اور کہا کہ مجھے سخت ندامت اور شرمندگی ہے کہ میں نے ایسے نیک اور وفادار دوست کی نیت پر شبہ ظاہر کیا۔

یہ سب واقعات ایسی سرعت کے ساتھ یکے بعد دیگرے نمودار ہوئے کہ قبل اس کے کہ دولت راؤ سندھیا اپنے مقبوضات مالوے کے تحفظ کے لیے فوج جمع کرے وہ نصف تباہ حال ہو چکے تھے اس صوبے کے باشندوں نے چونکہ زائد از ۴۰ سال تک بڑے چین اور آرام سے گذر کی تھی اس لیے وہ اس طوفان کے مقابلے کے واسطے ہرگز تیار نہ تھے جو اب ان کے سر پر آ ٹوٹا غارت گری کی باگ ڈور چھوڑ دی گئی اور پھر دغا بازی۔ غداری ظلم و ستم ایسی سرعت کے ساتھ نمودار ہوئے کہ صرف چند ماہ کے اندر ہر ایک ضلع بدامنی اور جور و ستم کا شکار ہو گیا۔ سندھیا کی آمد نے ہلکر کو اپنی افواج کے اجتماع پر مجبور کر دیا جن کی تعداد ۶۰ اور ۷۰ ہزار کے درمیان تھی۔

سنہ ۱۷۹۹ء

سندھیا نے اپنی فوج کا جو مختصر سا دستہ پہلی بار مالوہ روانہ کیا اس نے شکست پائی لیکن جسونت راؤ کو ستوا اس کے مقام پر شکست فاش نصیب ہوئی جہاں سے وہ اندور کو واپس چلا گیا۔ وہاں پر چند روز قیام کرنے کے بعد جسونت راؤ نے سارنگ پور کی طرف کوچ کر دیا اور اس مقام پر امیر خاں سے آملا۔ اگرچہ اس وقت بارش کا زور تھا لیکن اس نے سندھیا کی فوج کے ایک ڈویژن پر بمقام اُجین حملہ کرنے کا تہیہ کر لیا جس میں ۸ بٹالین اور ۲۰ توپیں تھیں۔ جس روز کہ وہ اُجین کے قریب پہنچے اسی دن سے نوک جھونک تو شروع ہو گئی تھی لیکن ۸ روز کے بعد میدان کارزار گرم ہو گیا۔

۲۱۵

لہ ہم ابھی مفصل طور پر بیان کر چکے ہیں کہ جسونت راؤ کی فوج کس طور پر مرتب ہوئی تھی علاوہ دیگر حضرات کے بہت سے پنڈاری اس کے جھنڈے کے نیچے آگئے تھے لیکن قادر بخش۔ ٹکو۔ اور صاحب خاں کی جماعتوں کے علاوہ تقریباً تمام دیگر پنڈاری سردار سندھیا سے مل گئے تھے جب کہ اس نے مالوے کی طرف رخ کیا تھا۔

بہت سخت لڑائی ہوئی لیکن جسونت راؤ کی فرزانگی اور حوصلہ مندی نے اسے فتح مند کر دیا۔ اُس نے غنیم کی اول صف پر پوری قوت اور جوش کے ساتھ حملہ کرنے کا حکم دیا اور اسی کے ساتھ امیر خاں کو ہدایت کی کہ اب اپنی فوج سے دائیں بازو کو نالے کے راستے سے پوشیدگی کے ساتھ واپس کر دو اس فوج نے اجین کی طرف ایک قلعہ بنا لیا اور وہاں سے آتی ہوئی معلوم ہوئی گویا وہ سندھیا کی آخر صف کی حفاظت کر رہی تھی اس فوج کو غنیم نے اپنا دوست سمجھ کر خوشی کے نعرے بلند کیے لیکن جب اُس نے حملہ کر دیا تو اُس کے بعد اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ سندھیا کو ایسی شکست فاش نصیب ہوئی کہ ساری فوج کا خاتمہ ہو گیا۔ اس فتح یابی کے بعد اجین میں لوٹ مار نہیں ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جسونت راؤ نے اپنی فوج میں ضابطے کی کس قدر پابندی قایم کر رکھی تھی اور اُس کی شخصیت کا کیسا زبردست اثر تھا لیکن اُس نے اجین کے متمول باشندگان سے خود زبردست تاوان وصول کر لیا جو اُن پر حقیقی یا قیاسی دولت کے لحاظ سے عائد کیا گیا تھا۔ یہ بھی ایک عجیب تو ارد ہے کہ اس موقعے پر جسونت راؤ نے استحصال بالجبر کا وہی طریقہ اختیار کیا جو لٹیروں کے سردار یعنی نادر شاہ نے دہلی میں اختیار کیا تھا اور ان دونوں مقامات پر بہت سے کمین اور پاجی باشندگان نے شہر[1] کے مختلف محلوں سے روپیہ وصول کرنے کا وہاں کے فاتح سے ٹھیکہ لے لیا تھا اور پھر زر نقد یا سامان جو کچھ بھی مل سکا وہ وصول کر لیا گیا۔ ۲۱۶

لیکن سندھیا نے اپنی فوج کی شکست اور اپنے صدر مقام پر غنیم کا قبضہ ہونے کا نہایت بیرحمی کے ساتھ بہت جلد انتقام لے لیا۔ چنانچہ برسات ختم ہو جانے کے بعد سندھیا نے سرجی راؤ گھٹکیا کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ اندور پر حملہ کرنے کے واسطے روانہ کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اپنے غنیم کی قوت کا غلط اندازہ کیا اگرچہ اس بات کو تسلیم کرنے کی معقول وجہ موجود ہے کہ شویلیرڈ ودرنگ اس کے احکام کی تعمیل کرنے پر آمادہ نہ ہوتا لیکن جس افسر نے اس کی جانب سے اجین میں فتوحات

---

[1] ہندوستان میں شہر کو پولیس کے انتظام کے مد نظر محلے یا وارڈ میں اسی طرح تقسیم کیا جاتا ہے جیسا کہ یورپ میں ہوتا ہے۔

حاصل کی تھیں وہ اس وقت جورا ہیں مع اپنے بریگیڈ کے موجود تھا اور وہ اس کی طلبی پر فوراً حاضر ہو جاتا لیکن جسونت راؤ نے یہ خیال کر کے کہ اس خدمت کے واسطے میرے رسالے کافی ہیں وہ اپنے ساتھ پلٹن کا ایک ڈویژن لے گیا جس میں ایک بھی یورپین افسر نہیں تھا۔ مگر وہ اپنے ہمراہ وہ سب توپیں لے گیا جو جین میں اس کے ہاتھ لگی تھیں اور جن کی تعداد ۳۰۰ کے قریب تھی۔

جسونت راؤ اندور میں گھٹکیا کی آمد سے چند روز پیشتر پہنچ گیا تھا۔ گھٹکیا موضع نیچل پور میں خیمہ زن ہوا جو اندور سے جنوب کی طرف ۳ میل کے فاصلے پر تھا اور اس کے قریب جسونت راؤ نے قیام کیا تھا۔ دونوں فوجوں کے مابین ۹-۱۰ دن تک چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اور گولہ باری ہوتی رہی۔ اس کے بعد جسونت راؤ نے حملہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس لیے امیر خاں اور بھوانی شنکر (بخشی فوج) کو رات کے وقت کوچ کرنے کا حکم دیا اور انھیں یہ ہدایت کر دی کہ ۱۰-۱۲ ہزار فوج کا ایک قلعہ بنا دو تاکہ کل صبح ہوتے ہی غنیم کی پچھلی صف کے سامنے بلند مقام پر جا پہنچے اور پھر حملہ شروع کرنے کے اشارے کے لیے توپ کا ایک گولہ چھوڑا جائے گا لیکن اس انتظام کا وہی حشر ہوا جو اس سے بہتر منظم فوجوں کا اس طور پر ہو چکا ہے لیکن حملہ کرنے کے لیے جسونت راؤ کی فوج کے روانہ ہونے سے پیشتر ہی غنیم کی پچھلی صف کی فوج آپہنچی۔ گھٹکیا کے پنڈاریوں کی گستاخی نے جسونت راؤ کے مسلمان سواروں میں انتقام کا جذبہ پیدا کر دیا جو ان کی امداد کے واسطے آئے تھے۔ پنڈاری بہت جلد بھاگ گئے اور گھٹکیا کی مرہٹی فوج نے بھی ان ہی کی تقلید کی جو اُن کی مدد کرنے کے لیے آئی تھی۔ چنانچہ فوج میں گڑبڑ مچ گئی اور سندھیا کی پیدل سپاہ کے ایک حصے نے ہتھیار ڈال دیے اور توپیں چھوڑ دیں اس حملے کو روکنے کے لیے جسونت راؤ کی کوشش بے سود ثابت ہوئی اور اپنی فتح یابی کو جاری نہ رکھنے کے باعث اس کے ہاتھ سے میدان نکل گیا۔ وہ ذری دیر تک تذبذب میں رہا لیکن قبل اس کے کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا سندھیا کی پیدل سپاہ کے دل سے خوف و اندیشہ دور ہو گیا اس فوج نے یہ دیکھ کر کہ غنیم کے پاس صرف ۲۰۰-۳۰۰ سوار رہ گئے ہیں اُن پر حملہ کیا اور انھیں پسپا کر دیا۔ جسونت راؤ نے کئی بار ان میں گڑبڑ

۲۱۷

پیدا کرنے کی بے سود کوشش کی۔ اس وقت امیر خاں اور بھوانی شنکر اپنے مقررہ ۲۱۸
مقامات پر پہنچ گئے لیکن حملے کے اشارے کے لیے توپ کی آواز یا متحدہ حملے کی بجائے
انھوں نے یہ دیکھا کہ جسونت راؤ کو نصف شکست ہو چکی ہے اور دن بہت زیادہ
چڑھ گیا ہے سندھیا کی فوج کے لیے حملہ کرنے کا یہ بہت اچھا موقع تھا کیونکہ ہلکر کی
بہت سی فوج شہر میں آرام کرنے کے لیے چلی گئی تھی مگر اس نازک موقع پر بعض سرداروں
نے مویشیوں پر اسباب لادنے کے احکام نافذ کر دیے۔ اس کارروائی سے جسونت راؤ
کی فوج والوں کو کامل ہزیمت نصیب ہونے کا یقین ہو گیا اور غروب آفتاب سے
پیشتر ہی انھوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ پنڈاریوں نے فوراً ہی اپنا بوریا بستر
باندھنا شروع کر دیا۔ یہ لوگ ہمیشہ فوج میں اس موقع کو تاکتے رہتے ہیں اور بہت
جلد یہ کھلبلی لاعلاج ہو گئی۔ یہ دیکھ کر کہ میدان ہاتھ سے نکل گیا جسونت راؤ اپنی
توپیں، کیمپ اور اپنا صدر مقام غنیم کے لیے چھوڑ کر مع چند سپاہیوں کے اور اپنے
گھوڑے کے جام کو بھاگ گیا۔

جنگ اندور کی شکست مختلف وجوہ پر محمول کی جاتی ہے مثلاً پیدل سپاہ کی
نمک حرامی۔ توپ خانہ والوں کی دغابازی جو سندھیا کی اجین سے برخاست کی ہوئی
فوج میں سے بھرتی کیے گئے تھے اور امیر خاں کا اپنے گھوڑے کے مارے جانے کے
بعد درختوں کی آڑ میں چھپ کر ایک بڑی مثال قائم کرنا لیکن اگرچہ اس شکست کے
متعلق بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن ہماری رائے میں صدر مقام کے نزدیک ہونے کی وجہ سے ۲۱۹
ابتدا ہی میں بہت زیادہ ابتری پیدا ہو گئی تھی اور ہر شخص نے جسونت راؤ پر یہ اعتراض
کیا تھا کہ فوج کے قیام کے لیے اس جگہ کا انتخاب نہایت ناموزوں اور نامناسب تھا۔

سرجی راؤ گھاٹکیا نے اندور میں جو مظالم کیے وہ بیان کر دیے گئے ہیں یہ مظالم
ان زیادتیوں سے کہیں زیادہ تھے جن کا ارتکاب امیر خاں نے ساگر میں کیا تھا۔
دونوں میں البتہ اس قدر فرق ضرور تھا کہ اگرچہ امیر خاں میں اقتدار اور جوش کی

لہ۔ اس کوچ کرنے کے غیر محتاط حکم کا الزام جسونت راؤ ہلکر کے دو منظور نظر یعنی دھرما کنور
اور ہرناتھ داداپر لگایا جاتا ہے۔

کمی تھی مگر کم از کم اُس نے اپنے غدار ماتحتوں کو ان جرائم سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن سرجی راؤ کے متعلق ہر ایک کا یہی بیان ہے کہ وہ اس نظارے سے خوش ہوتا تھا اور اُس نے ایسے ایسے مظالم کرنے کے لیے پنڈاریوں کی حوصلہ افزائی کی جو اس وحشی قوم کے واسطے بھی بالکل نئی قسم کے تھے۔ ان بیانات میں مبالغہ آمیزی کا شبہہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور معلوم ہوا ہے کہ ان کی بدولت اندور کے کنوئیں بدنصیب عورتوں کی لاشوں سے پٹ گئے تھے جنھوں نے اُس بے حرمتی اور بے رحمی سے بچنے کے لیے خودکشی کا ارتکاب بخوشی کر لیا جو ۱۵ دن مسلسل جاری رہی تھی۔ اندور کا ہر ایک باشندہ یا تو قتل ہوا یا وہاں سے بھاگ گیا اور ہر ایک مکان مسمار کر دیا گیا اور اس طور پر لوٹ مار قتل عام اور تباہی و بربادی کا خاتمہ ہوا۔ روایت ہے کہ ۴-۵ ہزار آدمی تباہ ہو گئے اور باقی ماندہ جو اپنی جان بچا کر بھاگ گئے ان کا مال و اسباب کچھ سلامت نہیں رہا۔

جسونت راؤ کے دشمن تو اس لوٹ کھسوٹ سے آسودہ ہو گئے مگر اس دوران میں وہ جام میں بند پڑا رہا جو کوہ بندھیاچل کے کنارے پر ایک محفوظ مقام ہے اور جس میں ایک مستحکم قلعہ بھی ہے لیکن چونکہ پنڈاری اس کے کیمپ سے دو ایک میل کے فاصلے تک روزانہ آتے رہتے تھے اس لیے اُس کی رسد ختم ہونے لگی اور اُس نے اپنی فوج کی جسے نہ تنخواہ اور نہ خوراک ملتی تھی بڑی مشکل سے وعدہ کر کے روک تھام کی کہ اس حالت کو درست کرنے کے لیے بہت جلد مناسب تدابیر اختیار کی جائیں گی۔ جسونت راؤ کی اس وقت کی انتہائی مفلسی کا اندازہ اس تدبیر سے ہو سکتا ہے جو اس وقت اس نے اختیار کی۔ اہلیہ بائی کے خزانے میں اُسے جو زیورات حتیٰ کہ مستورات کے مصنوعی زیورات بھی اُس نے توڑ ڈالے اور اندازاً پانچ پانچ روپے کا سونا ہر ایک سوار کو دے دیا اور اپنے سواروں سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ سپاہیوں کو ایک مہینے کے واسطے خوش کر دیں گے۔ اس کے بعد اُس نے تھوڑا سا سامان مہیسر بھیج دیا اور اپنے ملازم اور سوار لے کر ایک دن میں ۴۰ میل طے کر کے متمول شہر رتلام جا پہنچا اور وہاں پر خوب لوٹ کھسوٹ کی۔ وہاں پہنچ کر اُس نے اپنے سپاہیوں سے کہہ دیا کہ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اب تم جانو اور تمھارا کام جانے۔

یہ دعوت (اس کے بھو کے سپاہیوں کے لیے فی الحقیقت یہ دعوت ہی تھی) ۱۳ دن تک جاری رہی اور ان ایام میں ہر ایک آدمی اور مویشی نے اپنی شکم سیری کر لی۔ اس کے بعد وہ مال غنیمت سے مالا مال فوج کے ساتھ جس قدر کہ گھوڑوں پر لادا جا سکتا تھا مہیسر واپس لے آیا اور وہاں پہنچ کر اس نے اپنے ساتھیوں سے صاف الفاظ میں کہ دیا کہ آپ کو وقت پر تنخواہ دینے کے لیے میرے جملہ ذرایع آمدنی ختم ہوگئے ہیں لیکن جو لوگ کہ ڈاکہ زنیؔ میں میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہوں میں اُن کی رہبری کرنے کے لیے تیار ہوں اور یقیناً ہر درجے کا فوجی ملازم اس وعدے کو سن کر بے حد خوش ہوا تھا۔ ۲۲۱

دولت راؤ سندھیا نے جب دیکھا کہ کاشی راؤ کے میل سے مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے اُس نے کاشی راؤ سے استدعا کی کہ آپ میرا کیمپ چھوڑ دیجئے اور مہیسر کو چلے جائیے جہاں پر جسونت راؤ کی آمد سے ۲ دن بعد وہ پہنچ گیا۔ جسونت راؤ اُس کے ساتھ بہت مہربانی اور ادب کے ساتھ پیش آیا لیکن اُس سے صاف کہ دیا کہ آپ ہمارے انتظامی معاملات میں کچھ دخل نہ دیجئے گا۔ ایک روز کاشی راؤ "دولت راؤ سندھیا کے دربار میں اپنے رسوخ پر فخر کر رہا تھا تو اس نے جسونت راؤ سے یہ استدعا کی کہ آپ میرے اور دولت راؤ سندھیا کے درمیان مصالحت کرا دیجئے۔ اس پر جسونت راؤ نے بگڑ کر کہا "بس خاموش رہو۔ اگر ایشور خاندان ہلکر پر کرپا کر کے تمھیں عورت بناتا تو تم بچے جن کر ایک اور گھر کو فائدہ پہنچاتے لیکن تم نام کے مرد ہو اس لیے تم اپنی ہی تباہی کا موجب ہوئے" سندھیا نے کاشی راؤ سے مہیسر جانے کی استدعا کرنے کے علاوہ ۲۲۲

لہ۔ اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے سارا روپیہ صرف کر ڈالا تھا (جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ ۲۰ یا ۳۰ لاکھ سے زیادہ تھا) جو اہلیہ بائی کے خزانے میں اُسے ملا تھا۔ جب اس خزانے پر اس کا قبضہ ہو گیا تو اس نے فوج کو باقاعدہ تنخواہ دینے کے انتظامات منسوخ کر دیے تھے اور اس نے علی الاعلان کر دیا تھا کہ اب ڈاکہ زنی کے علاوہ میرے پاس کوئی اور وسیلہ آمدنی کا نہیں رہا ہے۔

لہ۔ میں نے یہ قصہ ایک نہایت معزز شخص سے سنا ہے جو اس گفتگو کے وقت موجود تھا اور دوسروں سے بھی اس کی تصدیق کرائی گئی ہے۔

اور کارروائی بھی کی۔ اس سے کچھ عرصہ پیشتر اُس نے ملہار راؤ کے بیٹے کو رہا کرنے
اور اُس کے ساتھ خاندان ہلکر کے جملہ مقبوضات واپس دینے کا اس شرط پر وعدہ
کیا تھا کہ جسونت راؤ میرے علاقے کو آیندہ تباہ نہ کرے اور اگرچہ جسونت راؤ
کا صرف اُسی قدر مطالبہ تھا جس کو پورا کرنے کے لیے دولت راؤ آمادہ تھا
لیکن جسونت راؤ اب ایسا زبردست ڈاکو بن گیا تھا کہ وہ اپنے اس فعل کو
آسانی کے ساتھ ترک نہیں کر سکتا تھا۔ اسی سلسلے میں ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں
کہ جسونت راؤ نے بعض ایسے مقبوضات کی واپسی کا بھی مطالبہ کیا جو ملہار راؤ
اول کے زمانے سے خاندان ہلکر کے قبضے میں نہیں رہے تھے۔ اس مطالبے کا
انکاری جواب ملنے پر اُس نے ایک بڑے پیمانے کی جنگ کے لیے تیاریاں
شروع کر دیں۔

سنہ ۱۸۰۱ء

اُس نے دکن میں پیشوا اور سندھیا کے علاقے کو لوٹنے کے واسطے فتح سنگھ
کو بنگش پٹھانوں کے ۲ سرداروں[1] کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اُس نے خود شمال کی طرف
کوچ کیا اور راستے میں جو مشہور شہر پڑے اُن سب سے بھاری تاوان وصول کیا۔
اس نے اس حملے کو شروع ہی میں ظالم سنگھ والئی کوٹا (جہاں پر کہ وہ جا رہا تھا)
کو اپنی ریاست تباہی سے بچانے کے لیے ۱ لاکھ روپے ادا کرنے پر مجبور کر دیا۔

۲۲۳

اس زمانے میں جسونت راؤ کی پیدل سپاہ کے جملہ بریگیڈ اُس سے آ ملے تھے اگرچہ
اُن کی حالت میں بہت کچھ تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ شویلیر دودور نائک جیسے نہ تو
اپنی جان کا کچھ خوف ہوا اور جس نے نہ اپنے ہم وطنوں سے کچھ خط و کتابت
کی جو سندھیا کے یہاں ملازم تھے بلکہ وہ رام پورہ[2] میں بالکل الگ تھلگ رہا۔ جسونت راؤ
نے دودور نائک کے پاس شام راؤ میڈک کو یہ اطمینان دلانے کے لیے بھیجا کہ آپ

---

[1] نوبی۔ پکھروڈ، منڈیسر اور ان کے متعلقہ دیہات کو لوٹ مار سے بچنے کے لیے بڑی بڑی
رقوم ادا کرنی پڑیں۔

[2] دودور نائک کو فوجی مصارف کے لیے رام پورہ اور اُس کا ملحقہ علاقہ عارضی جائداد کی طور
پر عطا کر دیا گیا تھا۔

کے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا جائے گا۔ شام راؤ میڈک نے یہ دیکھ کر کہ دبو دُرنائیک اُس کے وعدے سے مطمئن نہیں ہوا اُس نے دبو دُرنائیک[1] کی فوج کو اُن کے بقیہ مطالبات کا روپیہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے ورغلایا کہ اپنے افسر کا ساتھ چھوڑ دو اور ہماری فوج میں داخل ہو جاؤ جو اس وقت جاؤد میں ہے اور پھر وہاں سے ساری پیدل سپاہ بجز ایک بٹالین اور ۲ توپوں کے مہیسر بھیج دی گئی اور اس وقت سواروں کے رسالوں نے جسونت راؤ کی ماتحتی میں راجپوتانے کے اضلاع میں لوٹ مار شروع کر دی تھی۔ وہ شمال میں ٹونک تک پہنچا تھا کہ اُس کے تعاقب میں بھیجی ہوئی سندھیا کی ایک فوج وہاں آپہنچی جس نے جسونت راؤ کو مغرب کی طرف ڈھکیل دیا۔ میواڑ کے ناتھ دُوارا مندر کے تمول کی خبریں سن کر اُسے وہاں بہ تعجیل کے ساتھ پہنچنے کی ترغیب ہوئی تاکہ وہاں کے خزانے اور جواہرات کو لوٹ کر جن سے فیاض طبع پرہیزگار ہندوؤں نے اپنے مندر کو آراستہ کیا تھا اپنی فوج کی تنخواہیں بے باق کر دے۔ مرہٹہ سپاہی بعض اوقات ایسی صورت میں بھی جب کہ اُن کا قدرے نقصان ہوتا ہو مذہبی

۲۲۴

---

[1] دبو دُرنائیک اگرچہ خود رام پورے میں رہتا تھا مگر اُس نے اپنے اہل و عیال اور اپنی جائداد کو ظالم سنگھ کی نگرانی میں دے دیا تھا۔ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ شام راؤ میڈک میری فوج کو میری عدول حکمی کرنے کے لیے ورغلایا ہے۔ وہ اپنے ہمراہ ۲۰۰ سوار لے کر کوٹا چلا گیا اور جس گھر میں کہ شام راؤ مقیم تھا اس کا محاصرہ کرنے کے بعد خود اُس گھر کے اندر گھس گیا اور اُسے مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ ظالم سنگھ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر جسونت راؤ کے ان مقرب سردار کو میری ریاست کے اندر کسی قسم کا گزند پہنچے گا تو اس کا نتیجہ میرے حق میں بہت بُرا ہوگا۔ وہ بہت عجلت کے ساتھ اُس مکان میں جا پہنچا اور اُس نے دیکھا کہ دونوں میں بہت سخت بحث اور جھگڑا ہو رہا ہے اُس نے دونوں کو علٰحدہ کر دیا اور دبو دُرنائیک کو روک دیا۔ جسونت راؤ نے دبو دُرنائیک کی حوالگی کا مطالبہ کیا لیکن ظالم سنگھ نے اس فرمائش کی تعمیل کرنے سے صاف انکار کر دیا اور یہ جواب دیا کہ اس حرکت سے میرے نام پر بدنامی کا داغ لگ جائے گا۔ اس فرانسیسی کمانڈر کو وہاں سے چلے جانے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے جسونت راؤ کو تھوڑا سا نذرانہ دے دیا اور دبو دُرنائک مع اپنے اہل و اسباب کے ظالم سنگھ کے گارڈ کی حفاظت میں ہندوستان کو روانہ ہوگیا۔

جذبات کا کسی قدر لحاظ کرتے تھے لیکن جسونت راؤ نے ان معاملات کے متعلق اپنے ہم وطنوں کے شکوک رفع کردیے اور پھر جسونت راؤ کے وہاں پہنچ جانے پر اُس کے آدمی ناتھ جی کی مورتی اُٹھا لے گئے جس میں ۴ یا ۵ لاکھ روپے کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اور غالباً اس طرح بچ کر بھاگ جانے کے بعد سے اُنھوں نے معتدل روش اختیار کی چنانچہ دو سال بعد اُس نے اُسی مندر کو پھر لوٹا اور وہاں کے مالِ غنیمت کا نام تمسخر کے طور پر پرشاد رکھا یعنی دیوتا نے مہربان ہوکر یہ عطیہ مرحمت کیا ہے۔[1] اس ملحدانہ ظرافت نے جسونت راؤ کو اُن کے ٹھالوں میں ہر دلعزیز بنا دیا جو اُس کی فوج پر حاوی تھے جن کی وہ خاص طور پر خوشامد درآمد کیا کرتا تھا لیکن جسونت راؤ کی اس حرکت سے ہندوؤں کو بڑا صدمہ پہنچا تھا۔ ابھی تک بعض ہندوؤں کا یہ اعتقاد ہے کہ اس جرم کے ارتکاب سے بیشتر ہی اُس کے دماغ میں فتور آگیا تھا لیکن بعض ہندو جسونت راؤ کی افسوسناک موت کی یہ وجہ بتاتے ہیں کہ اس نے اس جرم کے ارتکاب سے ایک خاص دیوتا کو ناراض کردیا تھا۔

۲۲۵

جسونت راؤ میواڑ کے بڑے حصے کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد رام پورہ چلا گیا جو چمبل کے کنارے پر واقع ہے اور اُس کی فوج اسی علاقے میں مقیم رہی۔ یقین کیا جاتا ہے کہ جسونت راؤ کے ہاتھ ایک بہت بڑا خزانہ لگا جو قریب کے قلعہ ہنگلیس گڈھ میں چھپا دیا گیا تھا۔ رام پورے سے وہ امجھیڑا گیا اور وہاں کے راجہ کے پرجوش گر بے اثر مقابلے سے برافروختہ ہوکر اُس نے وہ شہر لوٹ لیا اور پھر اُس میں آگ لگادی اس کے بعد اُس نے دریائے نربدا کو عبور کرکے سندھیا کے علاقہ نیماڑ پر حملہ کیا اور اُسے بالکل تباہ کر ڈالا۔ اُس زمانے میں کھنڈوا نہایت آسودہ حال شہر تھا وہ جلا کر خاکستر کردیا گیا اور برہام پور سے بہت بھاری تاوان وصول کیا گیا یہاں پر اُس کی پیدل سپاہ بھی آگئی پھر وہ اپنی پیدل سپاہ اور چند سوار لے کر روپیہ وصول کرنے کے لیے خاندیس کو روانہ ہوگیا۔[2] اور امیر خاں و دیگر سرداران اپنی فوج کے مصارف کے لیے نواب نظام اور پیشوا کی ریاست لوٹنے کے واسطے

---

[1] یہاں پرشاد کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے جس کے معنی دیوتا کا تحفہ ہے۔

[2] مالی گاؤں۔ ٹوکا۔ کیگاؤں۔ پارا۔ سنجن اور جالنے سے بہت بھاری تاوان وصول کیا گیا اور ان کے قریب

۲۲۶ مختلف اطراف کو بھیج دیے گئے۔ جسونت راؤ کی فوج نے پونا جانے میں جیسے جور و ستم
اور غارت گری کی اُس کے حالات بیان کرنا محض بے سود ہوگا۔ پونے کی جانب اُس
کے کوچ نے ایسی ہیبت پیدا کر دی تھی کہ اُس سے متاثر ہو کر دولت راؤ سندھیا
نے پیشوا کی اعانت کے واسطے ایک فوج بھیج دی۔ جب اُس کی فوج جسونت راؤ
کی فوج کے سامنے سے گذری تو دونوں کی فوجوں میں قدرے جھڑپ ہوگئی جس میں
امیر خاں کو سندھیا کی ۲ باقاعدہ بٹالین پر کسی قدر کامیابی حاصل ہوگئی لیکن اس کے
بعد پھر بغیر کسی مزید ایذا کے دولت راؤ سندھیا کی فوج اپنی منزل مقصود پر جا پہنچی۔

دولت راؤ سندھیا اور باجی راؤ پیشوا کی متحدہ افواج کی جسونت راؤ کی
سنہ ۱۸۰۲ء فوج سے ۲۵ اکتوبر کو جو معرکہ آرائی ہوئی اُس کی کیفیت ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔

جسونت راؤ نے غنیم کے مقابلے میں اپنی فوج کو اس طرح پر کھڑا کیا تھا کہ
رسالے تو اگلی صف میں تھے اور اُن کے داہنے بائیں بازو پر پیدل سپاہ تھی۔ فوج کی
۲۲۷ اس ترتیب کے بعد جسونت راؤ ایک بلند مقام پر جا کر کھڑا ہو گیا جہاں سے وہ
معرکہ آرائی کو صاف طور پر دیکھ سکے۔ جسونت راؤ کے بعض معتمد افسران کے بیان
کے بموجب اُسے اس وقت بھی یہ توقع تھی کہ پیشوا سے سارے معاملات دوستانہ
مصالحت کے ساتھ طے ہو جائیں گے لیکن اگر فی الحقیقت اُسے ایسی امید تھی تو پھر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کے بہت سے دیگر قلعے لوٹ لیے گئے۔ امیر نے تین دن تک امیر خاں کا سخت مقابلہ
کرنے کے بعد اطاعت قبول کر لی ملہار راؤ کی وفات کے بعد سے اس شہر پر سندھیا کا قبضہ تھا۔ سندھیا
کو اس شہر کی تباہی سے بچانے کی بے حد فکر دامن گیر تھی لیکن اُس کی ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ امیر خاں
وہاں سے ونکور گیا جہاں کے جاگیردار نے اس کا مقابلہ کیا اور انجام یہ ہوا کہ جاگیردار بالکل تباہ و برباد ہو گیا
اور پھر پٹھانوں نے اس شہر میں خوب لوٹ مار کی اور اُسے برباد کر ڈالا۔ ان کارناموں کے بعد امیر خاں
مقام قلمتیا پر جسونت راؤ سے جا ملا اور اُس شہر کو لوٹنے کے واسطے اپنی دلی تمنا ظاہر کی۔ جسونت راؤ نے
اس متبرک مقام کو نقصان پہنچنے کی اجازت دینے میں قدرے تامل کیا لیکن آخر کار اُس نے وہاں سے
۵ ہزار روپے تاوان لینے کی اجازت دیدی مگر باشندگان سے اس کی سہ چند رقم جبریہ وصول کر لی گئی۔

لے۔ جسونت راؤ نے خواہ کیسے ہی وعدے وعید کیے ہوں لیکن دولت راؤ اور پیشوا دونوں کو جسونت راؤ سے سخت

بہت جلد یہ خام خیالی دور ہو گئی اُس کے دشمنوں نے حملہ شروع کیا اور وہ جسونت راؤ
کے ایک رسالے کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جسونت راؤ اس رجعت قہقری
کو دیکھ کر اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اُس نے اپنے سپاہیوں کی ایک مختصر سی
جماعت کو مخاطب کر کے یہ نصیحت کی کہ جو حضرات میدان جنگ میں مرنا یا فتح
حاصل کرنا پسند نہیں کرتے ہیں وہ اپنی بیوی بچوں کے پاس واپس چلے جائیں اور
اُس نے ایک آہ سرد بھر کر اپنے متعلق کہا کہ "اپنی جان بچانے کے لیے میرا تو ارادہ
ہی نہیں ہے کیونکہ اگر مجھے فتح نصیب نہ ہو تو پھر میں بھاگ کر کہاں جا سکتا ہوں"
اس نے اپنے ارادے کے اس اعلان کی تائید اپنے عمل سے کر دکھائی وہ نہایت

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: نفرت تھی اور انتہائی مجبوری کے سوائے دولت راؤ تو کسی طرح بھی
مصالحت پر رضامند نہیں ہو سکتا تھا۔ انھی ایام میں جسونت راؤ کا بھائی پونے سے بھاگ گیا تھا
اپنی ضروریات سے تنگ آ کر اُس نے ایک معمولی ڈاکو کی زندگی اختیار کر لی وہ گرفتار ہو گیا اور
ہاتھی کے پاؤں تلے کچل دیا گیا یہ سچ ہے کہ اس نے ایک ایسے جرم کا ارتکاب کیا تھا جس سے وہ
سزائے موت پانے کا مستحق تھا لیکن وہ تکاجی ہلکر کا بیٹا تھا اور اُسے معمولی مجرم کی طرح سزا دینے
کو مرہٹے بڑا ظلم تصور کرتے تھے جسونت راؤ مجرمانہ اور ظالمانہ زندگی اختیار کرنے کے متعلق باجی راؤ
کے اس فعل اور کندی راؤ کے مقید ہونے کو بطور عذر کے پیش کرتا تھا لیکن جسونت راؤ اپنی
اس مجرمانہ زندگی میں اس حد تک بڑھ گیا کہ نہ تو وہ کسی کو معافی دے سکا اور نہ اُسے یہ امید
باقی رہی تھی کہ کوئی شخص میرے قصور کو معاف کر دے گا۔ اس کے علاوہ یہ بات ہے کہ اُس نے
لٹیروں کا ایک جم غفیر بکھیر رکھا تھا جو اُسے اور آگے بڑھنے پر مجبور کرتا تھا اس کے پاس
کوئی مستقل ذریعہ انہیں تنخواہ دینے کا نہیں تھا اور اس لیے وہ جس ملک میں کام کرتے تھے اسی
کی لوٹ مار سے اُن کی بسر اوقات ہوتی تھی جسونت راؤ اگرچہ صادق القول نہ تھا مگر وہ باجی راؤ
کی اطاعت کا زبانی اقرار کرتا تھا۔ اس نے حکومت برطانیہ سے دوستانہ دست اندازی کرنے کی التدعا
کی لیکن مستند کاغذات سے ثابت ہوتا ہے کہ شروع ہی سے وہ حکومت برطانیہ کی پالیسی کا مخالف تھا کیونکہ
اسے معلوم تھا کہ حکومت برطانیہ نظام غارت گری کو درہم برہم کرنے کے درپے ہے جس پر کہ
اس کے وجود اور اس کے تابعداروں کی وابستگی کا انحصار تھا۔

عجلت کے ساتھ اپنی پیدل سپاہ کے پاس گیا جو ایک انگریز کمانڈر[1] کے ماتحت معرکہ آرائی میں مصروف تھی۔ اور ادھر اُدھر گھوڑا دوڑا کر اس نے انہیں لعنت ملامت اور نصیحت و ہدایت کی اور اس طرح وہ ان کی پریشانی کو دور کر کے انھیں از سر نو ترتیب دینے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ دہشت اور گھبراہٹ رفع ہو گئی اور اُسے اپنی کوششوں کے صلے میں فتح مندی حاصل ہو گئی۔ دشمن کے بے شمار آدمی مقتول اور مجروح ہوئے اور اُن کا کیمپ لوٹ لیا گیا۔ پونا لوٹ کھسوٹ سے اس لیے محفوظ رہا کہ فاتح (جسونت راؤ) نے اُسے خاص اپنے واسطے رکھ لیا۔

امیر خاں کے آدمی لڑائی کے شروع ہونے کے وقت سب سے اول بھاگ جانے پر تیار ہو گئے لیکن اب لوٹ مار کے وقت وہی پیش پیش تھے۔ وہ شہر کے قریب پہنچے تھے کہ اُنھوں نے قتل عام اور لوٹ مار شروع کر دی لیکن جسونت راؤ ۲۲۹ نے یہ دیکھ کر حکم دیا کہ ان پر توپوں سے گولہ باری کر دی جائے۔ اور صرف یہی ایک ایسا حکم تھا جس کی پٹھانوں نے تعمیل کی لیکن وہ لوٹ کھسوٹ سے کلیۃً محترز نہیں رہے حتیٰ کہ پٹھانوں کی ایک جماعت نے اس فوجی دستے کو جو محل کی حفاظت کے لیے بھیجا گیا تھا مجبور کرنے کی کوشش تھی۔ جسونت راؤ مجروح تھا مگر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر موقع پر آ گیا اور اُس نے ۲۔۳ پٹھانوں کو خود اپنے بھالے سے زخمی کر دیا۔ اُس نے اُجین کی طرح اس موقع پر بھی اپنی قابل تعریف شجاعت اور ستعدی ظاہر کر دی۔ اُس کے دوست امیر خاں نے اس قدر ناموری نہیں حاصل کی۔ جب وہ لڑائی کے اس خوش گوار انجام پر جسونت راؤ کو (جو اپنے زخموں کی مرہم پٹی کر رہا تھا) مبارکباد دینے کے واسطے آیا تو جسونت راؤ نے مسکرا کر کہا کہ "بھائی آپ خوش نصیب تھے کہ بھاگ کر بچ گئے" امیر خاں نے متانت سے جواب دیا کہ وہ بیشک میں بچ گیا لیکن بھائی ملاحظہ فرمائیے کہ میرے گھوڑے کی باگ ڈور کی کلغی[2] توپ کے گولے سے لوٹ گئی تھی۔ بار باطن مرہٹے نے اس حادثے

---

[1] ۔ کپتان ہارڈنگ نامی ایک مہم آزما نوجوان جو کچھ عرصے سے اس کے پاس ملازم تھا۔ وہ اس معرکے میں کام آیا اور اس کی موت پر جسونت راؤ نے بہت افسوس کیا۔

[2] ۔ اعلیٰ افسر کی کلغی عموماً نقرئی ہوتی ہے اور اس میں ایک پر لگا ہوتا ہے۔ یہ کلغی گھوڑے کے دونوں کانوں کے

کے سبب پر اپنی بداعتقادی ظاہر کرکے ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ "آپ بڑے خوش نصیب ہیں کہ توپ کا گولہ آپ کے گھوڑے کے کانوں اور اُن کے درمیانی زیور میں نہیں لگا۔"

جس شخص نے یہ عجیب وغریب گفتگو بیان کی اس نے کہا کہ پٹھان سردار (امیر خاں) اس بھونڈے اور سخت مذاق سے پریشان اور شرمندہ معلوم ہوتا تھا۔

اس فتح یابی کے بعد جسونت راؤ نے ۱۵ روز قیام کیا اور پھر امرت راؤ[۱] (جس کے ملکر ۲۳۰ اس نے پہلے سازش کی تھی) کی آمد نے اُسے اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنے قومی رسم ورواج کی خلاف ورزی کے بدون اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کی کوشش کرے۔ امرت راؤ نے اس بنا پر کہ چونکہ باجی راؤ نے اپنے صدر مقام سے بھاگ کر فی الحقیقت گدی چھوڑ دی تھی اس لیے بغیر پیشوا کا لقب اختیار کرنے کے ریاست کا سارا کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اُس نے برطانوی رزیڈنٹ[۲] متعینہ پونا کے ساتھ بہت کچھ ادب واحترام کا برتاؤ کیا اور ہر طرح پر کوشش کی کہ وہ اس جدید حکومت سے مصالحت کرے لیکن یہ بات ناممکن معلوم کرکے اُس نے رزیڈنٹ کو بھی چلے جانے کے لیے بہ اکراہ پروانۂ راہداری دیدیا۔

دو مہینے تک باشندگان پونا پر کسی قسم کی زیادتی نہیں روا رکھی گئی اس زمانے میں مالگذاری وصول کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا اُس سے کسی قسم کا خوف اور اندیشہ نہیں پیدا ہوا لیکن حکومت برطانیہ کی تیاریوں نے جو امرت راؤ کی تجاویز کے خلاف تھیں پونا کی رعایا کو بہت زیادہ متردد اور پریشان کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ امرت راؤ نے جسونت راؤ سے اس امید پر سازباز کی تھی کہ میں ریاست پونا کا دیوان یا وزیر بن جاؤں گا جس کی اُسے ہمیشہ سے دلی تمنا تھی۔ لیکن باجی راؤ کے فرار اور حکومت برطانیہ کے ساتھ اُس کا معاہدہ ہو جانے سے یہ ساری امیدیں خاک میں مل گئیں اور اس وجہ سے امرت راؤ کو یہ اختیار حاصل نہیں رہا کہ وہ اُن ۲۳۱

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ درمیان اُس کے سر پر لگائی جاتی ہے

[۱]۔ پیشوا کے باپ کا متبنیٰ ہونے کے باعث اس کا بھائی کہلاتا تھا۔

[۲]۔ سر باری کلوز مرحوم۔

وعدوں کو پورا کرے جو اُس نے اپنے محسن سے کیے تھے۔ اس کے محسن نے اپنی فوج کی فوری ضروریات پورا کرنے کے لیے ایک گرانقدر رقم کا مطالبہ کیا۔ اور جو پونا کو لوٹ لینے ہی سے دستیاب ہو سکتی تھی اس لیے اب لوٹ مار کی ٹھان لی گئی۔ ہر ایک خوشنما مکان کے اندر لیٹرے گھس پڑے اور اُس پر گارڈ کا پہرہ لگا دیا گیا۔ اور ہر ایک ایسے باشندے کو جس کی بابت مشہور تھا کہ اس کے پاس مال واسباب ہے گرفتار کر لیا گیا۔ اُن پر سختیاں کی گئیں تاوقتیکہ اس نے مطلوبہ رقم ادا نہ کر دی اور ہر طرف سوار متعین کر دیے گئے تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں۔ اس ترکیب سے بے شمار مال غنیمت ہاتھ لگ گیا۔ جسونت راؤ نے اپنی فوج کی تقایا تنخواہ بیباق کر دی اور پھر اپنے خزانے کو وافر دولت سے پُر کر کے اس نے وسط ہند کی طرف کوچ کر دیا۔

دولت راؤ سندھیا اس دوران میں جبکہ یہ واقعات رونما ہوئے بمقام برہام پور خیمہ زن رہا اور وہ جنگ کے واسطے تیاریاں کرنے میں مشغول رہا چونکہ وہ راگھوجی بھونسلا سے مل کر حکومت برطانیہ سے نبرد آزمائی کرنا چاہتا تھا۔ (سنہ ۱۸۰۳ء) مرہٹہ عہدیہ کی چوٹی کے ممبران کو جسونت راؤ کی اعانت حاصل کرنا اشد ضروری محسوس ہوا چنانچہ ایک معاہدہ مرتب ہوا جس کی رو سے جسونت راؤ کے اشتراک عمل[1] کا وعدہ ان شرائط پر حاصل کیا گیا کہ اُسے وہ سارا علاقہ دے دیا جائے جو اس سے قبل خاندان ہلکر کا مقبوضہ تھا اور کندی راؤ اور جسونت راؤ کی بیٹی بیما بائی کو رہا[2] کر دیا جائے۔ (۲۳۲)

لہ۔ دولت راؤ سندھیا کے جن افسران نے معاہدہ سرجی انجن گاؤں میں گفت وشنید کی تھی انھوں نے جسونت راؤ کے اس وعدے کو صاف طور پر تسلیم کیا ہے جو اس نے حکومت برطانیہ کے خلاف مرہٹی عہدیہ کا ساتھ دینے کے لیے کیا تھا۔

لہ۔ دولت راؤ سندھیا نے جب پونا میں ملہار راؤ کو قتل کیا تھا اس وقت ان دونوں بچوں کو بھی قید کر لیا تھا۔ کچھ عرصے تک یہ بچے اسیر گڈھ میں مقید رہے۔ لیکن اب جسونت راؤ کے کیمپ میں بھیج دیے گئے تھے۔

دولت راؤ سندھیا نے جب جسونت راؤ کے بھتیجے اور لڑکی کو اس کے پاس روانہ کیا جو اس وقت مہیسر میں تھے تو اسے یہ بھی لکھ بھیجا کہ چونکہ لڑائی فوراً شروع ہونے والی ہے اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنی فوج کا ایک حصہ دکن کو بھیج دیں گے۔ جسونت راؤ نے اولاً اس استدعا کو منظور کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اور امیر خاں کے سب رسالے دریائے نربدا کو عبور کر چکے تھے جو بارش کی وجہ سے زوروں پر تھا (یہ برسات کا وسطی زمانہ تھا) لیکن جب آخری کشتی میں وہ امیر خاں کے ساتھ سوار ہو گیا تو اُن دونوں میں کچھ گفتگو ہوئی جس کے متعلق پھر کچھ پتا نہیں لگا البتہ اس کے بعد سے تدابیر میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی کیوں کہ اس کے دوسرے ہی روز پٹھان فوج نے دریا کو پھر عبور کر کے واپس جانا شروع کر دیا[1]
معلوم ہوا ہے کہ جسونت راؤ نے اپنے اس طرزِ عمل کے عذر و معذرت میں دولت راؤ سندھیا کے نام ایک لمبا چوڑا خط روانہ کیا جس میں اپنی فوج کی تنخواہ دینے کے لیے روپیہ نہ ہونے کا عذر پیش کیا تھا اور اسی کے ساتھ دولت راؤ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ اپنی پیدل سپاہ۔ توپیں اور بال بچے مالوے کو روانہ کر دیجئے اور وہاں پر برطانیہ کے خلاف قزاقانہ جنگ شروع کر دیجئے اور اگر آپ ایک بادشاہ کی طرح یا بالفاظِ دیگر باقاعدہ فوج لے کر جنگ کرنے کا قصد کریں گے تو آپ کو شکست نصیب ہوگی لیکن اگر آپ مرہٹوں کی طرح لڑیں گے تو یقیناً آپ فتح یاب ہوں گے۔ سندھیا سے یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ ایک ایسے شخص کی نصیحت پر کچھ زیادہ توجہ کرے گا جس نے اپنی پہلی حرکت ہی سے اپنی نمک حرامی کا اظہار کیا ہے اور وہ جب میری فوجوں کو ہندوستان اور دکن میں مصروفِ کارزار دیکھے گا۔ وہ وسطِ ہند میں میرے علاقوں کو غیر محفوظ دیکھ کر اس موقع سے فائدہ اُٹھائے گا۔ وہاں پر لوٹ مار مچا کر انھیں تباہ کر ڈالے گا اور اسی زمانے میں امیر خاں مغربی اضلاع یعنی آشٹا۔ شجال پور اور رامٹ واڑہ میں لوٹ مار

۲۴۴

[1] ۔ ہلکر کے خاندان کے تمام کاغذات تلف ہو گئے۔ میں اس واقعے کو بہت سے ایسے لوگوں کی تصدیق پر بیان کر رہا ہوں جو اس زمانے کے حالات سے باخبر تھے۔

کررہا تھا۔ جسونت راؤ برسات کا موسم اندور میں گزارنے کے بعد رام پورے کے قرب و جوار میں گیا اور وہاں سے دریائے چمبل کے کناروں پر وہ کچھ عرصے تک اپنا ڈیرا ڈالے رہا۔ پھر اُس نے ریاست جے پور کی طرف رُخ کیا اور اُس نے اُن علاقوں کو خوب لوٹا کھسوٹا اور جبریہ روپیہ وصول کیا جہاں سے ہوکر اُس کی فوج گذری تھی سندھیا نے اس کے بعد فوراً ہی حکومت برطانیہ سے صلح کر لی لیکن عظیم الشان نقصانات اُٹھانے اور چند متنازعہ فیہ شرائط کے باعث ناراض ہوجانے کے باعث اُس نے جسونت راؤ سے پھر گفت و شنید شروع کر دی اور یہ نامہ و پیام اباجی انگلیا کی وساطت سے ہوا اور اُس نے سندھیا کا یہ مقولہ پیش کیا کہ "راگھو جی بھونسلا نے میرے ساتھ بے وفائی کی۔ میرے وزراء نے مجھے دھوکے دیے۔ میری فوج نے میرا ساتھ چھوڑ دیا اب صرف جسونت راؤ کی ہمت و شجاعت سے مجھے مرہٹوں کی فلاح کی کچھ توقع ہے" اس کے جواب میں جسونت راؤ نے کہا کہ میں نے اس قسم کی جنگ کے نتیجے کا پیشتر ہی اندازہ کر لیا تھا۔ جیسی لڑائی کہ سندھیا[1] برطانیہ سے لڑنا چاہتا تھا لیکن اُس نے میری نصیحت کو حقیر سمجھ کر ٹھکرا دیا۔ میں انگریزوں کے خلاف ایک بار اور زور لگانے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ دولت راؤ میرے پاس اسقدر روپیہ بھیج دے جس سے کہ میں اپنی فوج کو حرکت میں لاسکوں۔ اباجی کی معرفت جسونت راؤ کو اس کا یہ جواب ملا کہ سندھیا[1] کے پاس کوئی خزانہ موجود نہیں جسے وہ آپ کی خدمت میں پیش کر سکے البتہ آپ اس کے مشہور شہروں سے نذرانہ وصول کر سکتے ہیں۔

۱۸۰۴ء

جسونت راؤ نے اس رعایت کو نہایت مسرت کے ساتھ منظور کر لیا۔ اور امیر خاں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ بندیل کھنڈ کے مغربی علاقوں اور بھیلسا سے اپنی

---

[1] ۹ سال ہوئے کہ رام پورے کے قریب چھاؤنی کوٹا میں آگ لگ جانے سے افسوس کہ سارے کاغذات اور اُس زمانے کی خط و کتابت جل گئی اور آگ کے شعلوں سے شاید ہی کوئی شے بچ سکی تھی۔ میں نے یہ واقعات دو معزز اشخاص کے بیان پر تحریر کیے ہیں جن میں سے ایک صاحب تو دربار لکھر میں تھے اور دوسرے صاحب خفیہ طور پر امیر خاں کے یہاں مامور کر دیے گئے تھے جن کو اس گفت و شنید کی تفصیل اور نتیجہ باقاعدہ بھیج دیا گیا تھا۔

ضروریات پورا کرلے۔ چنانچہ امیر خاں نے اس ہدایت سے پوری طرح دل کھولکر ۲۳۵
فائدہ اُٹھایا۔ اور جسونت راؤنے منڈیسر کی طرف کوچ کیا۔ یہ شہر نہ صرف ایک
صوبے کا صدر مقام تھا بلکہ گجرات۔ راجپوتانہ۔ مالوہ اور ہندوستان کی تجارت
کا زبردست مرکز تھا۔ یہ شہر تمول میں اُجین کی برابر تھا اگرچہ وسعت میں اس
کے مساوی نہ تھا۔ ہلکر نے ۲ مختلف موقعوں پر یہاں سے تاوان وصول کیا تھا
لیکن جن لوگوں سے جبراً روپیہ لیا گیا تھا اُن کے نقصانات کی معافی مالگزاری
سے ایک حد تک تلافی ہوگئی تھی اور اس وجہ سے سارا شہر تباہ نہیں ہوا تھا۔
لیکن جسونت راؤ جب اس شہر سے ۱۲ میل کے فاصلے پر تھا تو باشندگان کو فرار
ہونے سے روکنے کے لیے وہ صرف ۳ لاکھ روپے بطور جرمانہ کے قبول کرنے پر
رضامند ہوگیا لیکن دوسرے روز جب اُس نے شہر کا پورے طور پر محاصرہ کرلیا
اور وہ ۳۰۰ توپیں وہاں کے کمزور استحکامات پر گولہ باری کرنے کے واسطے
لے آیا تو اُس نے وہاں کے گورنر کو طلب کرکے فرمایش کی کہ شہر ہمارے حوالے
کردو ورنہ فوری حملے کے نتائج بھگتنے پڑیں گے چونکہ مقابلہ کرنا بے سود تھا اس
لیے وہ شہر حوالے کرنے پر راضی ہوگیا۔ چنانچہ شہر کی ساری دولت باقاعدہ لوٹ لی گئی۔
شہر کے ہر ایک محلے میں افسر تعینات کردیے گئے اور اُنھیں فوجی سوار۔ محاسب اور مزدور
دیدیے گئے۔ صرف گورنر کے مکان کو مستثنےٰ کرکے ہر ایک مکان کی اس حد تک
تلاشی لی گئی کہ جو مکان آرام دہ یا کسی آسودہ حال کا نظر آیا اُس کا فرش تک
کھودڈالا گیا۔ اور بجز ان کپڑوں اور زیورات کے جو مستورات کے جسم پر تھے ۲۳۶
سارا مال واسباب اپنے قبضے میں کرلیا گیا۔ اگرچہ چند سرکاری ملازمان پر اس شبہے میں
کہ انھوں نے مال کہیں چھپادیا ہے کسی قدر سختی کی گئی۔ جس سے انھوں نے پوشیدہ
کیا ہوا مال بتادیا باقی کوئی ظلم اور زیادتی نہیں ہوئی اور نہ کسی کو ذلیل کیا گیا
لیکن اندھادھند لوٹ مار کے مقابلے میں اس باقاعدگی سے لوٹ کھسوٹ مکمل
ہوگئی اور نقصانات بھی بہت زیادہ ہوئے اس موقع پر ریاست اور رعایا
دونوں کے نقصان کا اندازہ کم از کم زائد از[1] ۱۰ لاکھ پونڈ ہے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ

[1] ۔ جس قلمی نسخے سے میں نے یہ حالات لیے ہیں اس میں نقصان کا تخمینہ ایک کروڑ روپے کا درج ہے

جسونت راؤ کو زر نقد۔ جواہرات۔ زیورات اسباب اور غلہ اندازاً ۱۰۰ لاکھ روپے کا ملا تھا جس سے اُس نے اپنی فوج کی تنخواہیں بیباق کیں جس سے اُس وقت حکومت برطانیہ کے ساتھ نبرد آزمائی کرنے کی فرمائش کی گئی تھی۔

۱۸۰۴ء

کچھ عرصے سے جسونت راؤ اور لارڈ لیک کے مابین صلح کی گفت و شنید ہو رہی تھی۔ اگرچہ جسونت راؤ دوستی کا دم بھرتا تھا لیکن اُس کے مطالبات کی نوعیت سے اُس کی بے وفائی ظاہر ہوتی تھی اور ہندوستان کے راجاؤں کے نام اُس نے مزاحمت کے لیے جو خطوط روانہ کیے تھے اُن سے اُس کی معاندانہ تجاویز ظاہر ہوگئیں اور پھر اس کی تصدیق اس طرح پر ہوگئی کہ معقول مصالحت کے واسطے جو تجویز پیش کی گئی اُسے اُس نے نامنظور کر دیا۔ انگریزی افسران[1] کے وحشیانہ قتل نے اُس جنگ کی نوعیت بتا دی جو ہونے والی تھی۔ جسونت راؤ نے لارڈ ویلزلی کو جو دکن میں کمان افسر تھا نہایت مغرورانہ اور گستاخانہ[2] الفاظ میں ایک مراسلہ بھیجا تھا جو اعلان جنگ کے مرادف متصور ہو سکتا تھا لیکن گورنر جنرل نے جنگ سے اُس وقت تک احتراز کیا جب تک کہ کمپنی کے مقبوضات کی سلامتی اور امن و سکون کے لیے تدابیر کرنے کی ساری امیدیں منقطع نہ ہوگئیں۔

۲۳۷

جسونت راؤ اور برطانیہ کی جنگ کے واقعات کی تفصیل بیان کرنا اس تاریخ کے مقاصد کے دائرے سے باہر ہے۔ اس جنگ کے شروع ہوتے ہی جسونت راؤ کے قبضے سے ٹونک رام پورے کا قلعہ اور صوبہ نکل گیا لیکن کرنل مانسن

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جس کے ۲ شلنگ فی روپے کی شرح سے ۱۰ لاکھ پونڈ ہوئے۔

[1] ان افسران کے نام ٹاڈ۔ ریان اور وکرز تھے وہ اودے پور سے ۱۴ میل کے فاصلے پر بمقام ناہر مگمیانہ قتل کیے گئے تھے۔ یہ واقعہ مئی ۱۸۰۴ء کا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ افسران انگریزی سپہ سالار اعظم سے خط کتابت رکھتے تھے۔

[2] یہ خط فروری ۱۸۰۴ء میں لکھا گیا تھا جسونت راؤ نے تحریر کیا تھا کہ دو کوسوں تک کے علاقے تباہ کر دیے جائیں گے۔ اُسے (لارڈ لیک کو) دم لینے کی ایک لمحہ بھر بھی مہلت نہ ملے گی اور مسلسل جنگ سے لاکھوں انسانوں پر ایسی مصیبت نازل ہوگی جس میں میری فوج سمندر کی لہروں کی طرح چھا جائے گی۔

کے ماتحت ایک فوجی دستے کے مالوے کی طرف پیش قدمی کرنے میں اگرچہ اولاً
کامیابی حاصل ہو گئی لیکن اس کی بدولت ہلکر اپنی ساری فوج ایک مختصر سے
دستۂ فوج کے مقابلے پر لے آیا جسے کسی مقام سے مدد نہیں پہنچ سکتی تھی اور
ہماری فوج کی تباہ حال پسپائی کے باعث ہلکر ایک عظیم الشان لشکر لے کر
ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہو گیا۔ اس واقعے سے اُس کے
تابعداروں کو کامیابی کی جو امید ہوئی تھی وہ مسلسل قابل یادگار شکستوں کی
بدولت خاک میں مل گئی۔ اور ایک ہی ماہ کے اندر دہلی کے حصے میں ناکامی۔
فرخ آباد میں اُس کے رسالوں کی مکمل بربادی ڈیگ میں پیدل سپاہ کی ہزیمت
اور توپوں کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اگرچہ اس کے بعد بھرت پور پر
زبردست حملہ کرنے میں برطانیہ کو بھی زبردست نقصان ہوا لیکن یہ واقعہ
ہلکر کی پسپائی کی ضرورت کو نہ روک سکا جو ہندوستان میں داخل ہونے کے
۷ ماہ بعد مع اپنی شکست خوردہ اور خوار و خستہ فوج کے واپس گیا اور اس کی فوج
کی کل توپیں اور سازوسامان ضایع ہو گیا تھا۔ اس کی فوج کے متعلق ایک نہایت
مستند بیان سے معلوم ہوا کہ جب وہ ہندوستان میں داخل ہوا اُس وقت اُس
کے پاس ۹۲ ہزار فوج تھی جس میں ۶۶ ہزار سوار ۹ ہزار پیدل۔ ۷ ہزار گولہ انداز
۱۹۰ توپیں تھیں لیکن اب واپسی کے وقت صرف ۵ ہزار سوار۔ ۷ ہزار پیدل
اور گولہ انداز اور ۳۵ توپیں باقی رہ گئیں تھیں۔ اُسے زیادہ تر یہ نقصان پہنچا
کہ فوج والے اُس کا ساتھ چھوڑ گئے اور ان جانے والوں میں بعض اُس کے
نہایت پرانے اور بہترین افسران بھی تھے۔

۲۳۸

ا۔ قلعہ ہنگلیس گڈھ کی تسخیر۔

۲۔ اُس کے نہایت پرانے اور بے حد وفادار دوست بھوانی شنکر نے بھی اس موقع پر اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اور اس بے وفائی کی صرف یہ وجہ ہوئی کہ جسونت راؤ کے ایک نالائق بھو ہرناتھ دادا کی عداوت کی وجہ سے اس کی عزت اور زندگی دونوں معرض خطر میں پڑ گئی تھیں۔ ہرناتھ دادا نے ایک ایسے شخص کو تباہ کرنے کے واسطے اس فوج کے ذریعے سے کوشش کی تھی جس کا چال چلن اور

۲۳۹ دولت راؤ سندھیا دوبارہ سرجی راؤ گھٹکیا کے اثر میں آجانے کی وجہ سے برطانیہ کے ساتھ ایک اور جنگ میں مبتلا ہونے والا تھا مگر اس لڑائی کے واقعات نے اُسے خطرے سے آگاہ کردیا اُس نے حکومت برطانیہ سے ایک اور معاہدہ کرلیا اور وہ اس مردود وزیر کے مشورے سے ہمیشہ علٰحدہ رہنے پر رضامند ہوگیا جو دولت راؤ کی گمراہی کا بانی مبانی تھا۔ اس نے جسونت راؤ کا ساتھ بالکل چھوڑ دیا جو ہلکر کی فوج سے علٰحدگی اختیار کرنے سے بیشتر امباجی انگلیا کے لوٹے جانے میں خاص محرک اور ایکٹر تھا۔ امباجی انگلیا ایک افسر تھا جسے سندھیا نے اپنے نہایت زرخیز اور آسودہ حال صوبوں کے انتظام کے واسطے عرصہ دراز تک ملازم رکھا تھا اور اب وہ ایسے ظالمانہ اور غیر منصفانہ ذرایع سے جن سے کہ اس نے دولت جمع کی تھی اپنی دولت[1] حوالے کردینے پر مجبور کیا گیا تھا۔

۲۴۰ جسونت راؤ موسم برسات کے دوران میں میواڑ میں مقیم رہا لیکن اس کے شمالی ہندوستان میں دوبارہ داخل ہوکر وہ نہایت تیز روی کے ساتھ پنجاب کو چلا گیا۔ انگریزی فوج نے اس کا تعاقب کیا اور پنجاب پہنچ کر اُسے مصالحت کرنے پر مجبور کردیا جس کے شرائط کی رو سے اُس نے ہلکر کا وہی علاقہ لینے پر قناعت کرلی جو اہلیہ بائی کے زمانے میں تھا (چمبل کے شمال میں جملہ مقبوضات اور حقوق اس سے مستثنیٰ رہے) اور اُس نے اپنے وحشیانہ ارادے ترک کردیے جو لوٹ مار کے ذریعے مرہٹوں کی سابق شان و شوکت از سر نو حاصل کرنے کے لیے اُس نے عرصہ دراز سے سوچ رکھے تھے۔ لیکن یہ معلوم کرنا بہت دشوار ہے کہ اس آخری جنگ میں وہ کن توقعات کی بنا پر شرکت کرسکتا تھا اُس کے کئی افسران نے دریافت کرنے پر یہ بیان کیا کہ اُسے رنجیت سنگھ سے امداد ملنے کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ طرز عمل اس کے مقابلے میں بہت اعلیٰ درجے کا تھا حالانکہ وہ فوج بھوانی شنکر کی اس قدر عزت کرتی تھی جس قدر وہ ہرناتھ داد اسے متنفر تھی۔ بھوانی شنکر جب میرے پاس آیا اور میرے اور اُس کے درمیان جو گفتگو ہوئی اُس سے میں یقین کرتا ہوں کہ بھوانی شنکر کی نیت بخیر تھی۔

[1] امباجی سے ۵۲ لاکھ روپیہ جبراً وصول کیا گیا جس میں سے نصف روپیہ جسونت راؤ کے حصے میں آیا۔

توقع تھی (اور اگر کامیابی حاصل ہوگئی) تو اُسے یہ بھی امید تھی کہ دولت راؤ سندھیا اپنی قوم کے فائدے کی طرف پھر مائل ہو جائے گا لیکن غالباً حقیقت الامر یہی تھا کہ اُس کے دکن اور وسط ہند کے مقبوضات نکل چکے تھے (چونکہ اُس کے وہاں کے علاقے پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا) اور بجز ڈاکہ زنی کے فوج کو اپنے پاس رکھنے کا کوئی اور وسیلہ نہ تھا اس لیے وہ اپنی فوج کی رہبری ایک ایسے ملک میں کرنے کا خواہاں ہوا جہاں پر فوج کا گزارہ ہو سکے اور ظن غالب تو یہی ہے کہ سندھیا نے یہ تجویز جسونت راؤ اور اُس کے غدار ہمراہیوں کو ایک دُور و دراز ملک میں لے جاکر تیار رکھی تھی جس سے ایک عارضی مقصد حاصل ہوگیا۔

جب جسونت راؤ پنجاب سے واپس ہوا تو وہ ایک ماہ تک جے پور میں ٹھیرا رہا۔ اُس کی فوج نے ریاست کے کھیت تباہ کر دیے اور اُس نے راجہ اور وزرا کے خائف ہو جانے کے باعث ۱۸ لاکھ روپے جبراً وصول کر لیے (ان وجوہ سے جن کا بیان کرنا غیر ضروری ہے) چونکہ راجہ اُس زمانے میں حکومت برطانیہ کی دوستی اور حمایت سے محروم ہو گیا تھا۔ جے پور سے وہ مارواڑ میں گیا جہاں پر اُس نے اپنی آمدنی کے لحاظ سے فوج کی مقدار کم کر کے اس کی مکمل اصلاح کر دی اور جو فوج باقی رہی اُس میں فرماں برداری اور ضابطے کی پابندی جاری کر دی۔ اس نے بے مصرف سواروں کو جنھیں اس وقت تک اس لیے رکھ چھوڑا تھا یہ کہہ کر برخواست کر دیا کہ تم اپنے گھروں کو واپس جاؤ یا کوئی اور ملازمت تلاش کر لو کیونکہ میرے پاس نہ تو اس قدر آمدنی ہے جس سے میں تمھاری تنخواہ ادا کروں اور نہ مجھ میں انگریزوں سے لڑائی جاری رکھنے کی قوت ہے۔

جب جسونت راؤ اجمیر میں تھا تو راجہ مان سنگھ والئی جودھپور نے وہاں جاکر اُس سے ملاقات کی اور وہ اپنے ہمراہ اس کے اہل و عیال کو بھی لے آیا جن کو راجہ مان سنگھ نے اپنی نگرانی میں لے لیا تھا جب جسونت راؤ پنجاب کی جانب روانہ ہوا تھا۔

مان سنگھ نے راجہ جے پور کے خلاف ایک جنگ میں جسونت راؤ سے امداد کی استدعا کی جو اودے پور کی عالی نسب اور حسین رانی کے لیے ان دونوں

والیان ریاست میں چھڑ گئی تھی۔ دونوں راجہ اس رانی سے شادی کرنے کے دعوے دار تھے لیکن راجہ جے پور نے ۱۸ لاکھ روپیہ جسونت سنگھ کو اس شرط پر دے دیا کہ وہ مان سنگھ کو امداد نہ دے۔ مان سنگھ نے اس بے ایمانی پر جسونت سنگھ کو بہت کچھ لعنت و ملامت کی اور اس کی دوستی ترک کردی۔ لیکن اس چکنے گھڑے پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا کیونکہ اس کی ساری عمر وقتی ضرورت پر ہر قسم کے تعلقات قربان کردینے میں صرف ہوئی تھی۔ جسونت راؤ کی فوج میں نہایت سخت بغاوت ہوگئی اور اپنی وعدہ خلافی کے لیے اس کو بطور عذر کے پیش کر کے وہ اپنے پرانے دوست سے رخصت ہوا البتہ اس قدر وعدہ کر لیا کہ میں اس لڑائی میں غیر جانب دار رہوں گا اور اس کے بعد میں آپ کی امداد کے لیے امیر خاں کو بھیج دوں گا۔ ۲۴۲

جسونت راؤ کی فوج میں بغاوت کرنے والے زیادہ تر دکھنی سردار تھے اور ان کے علاوہ کچھ اور بھی جن کو برخواست کرنے کا اس نے اعلان کر دیا تھا۔ اس نے ان کی بقایا ادا کرنے کے اطمینان کے لیے اپنا بھتیجا کندی راؤ بطور یرغمال کے ان کے حوالے کر دیا لیکن اس کی ٹال مٹول سے برافروختہ ہوکر انھوں نے یہ کوشش کی کہ اس لڑکے کو حکومت کے مستقل طور پر زیادہ اختیارات مل جائیں جس کے نام پر حکومت ہو رہی تھی اور ریاست کے دیوان گنپت راؤ کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر جو اس لڑکے کے ہمراہ موجود تھا انھوں نے اس لڑکے کا جھنڈا نصب کر دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ چونکہ خاندان ہلکر کا جائز وارث یہی لڑکا ہے اس لیے ہم سب پر اسی کی اطاعت واجب ہے۔ اور جسونت راؤ جو ایک غلام کی اولاد سے ہے وہ صرف غاصب متصور ہو سکتا ہے۔

گنپت راؤ اس موقع پر خود غرض آلۂ کار بنا ہوا تھا لیکن کندی راؤ نے

لے۔ گنپت راؤ قید کر لیا گیا مگر وہ کسی ترکیب سے نکل بھاگا۔ اولاً وہ بھاگ کر جے پور پہنچا وہاں سے پھر وہ بنارس گیا اور جسونت راؤ کے ریاست ہلکر میں فرمان روا رہنے کے وقت تک وہ واپس نہیں آیا۔

جس کی عمر صرف ۱۰ سال کی تھی اپنی سمجھ اور عمر سے کہیں زیادہ جوش کے ساتھ اس کارروائی پر ایک ڈانٹ بتائی اور کہا کہ "تم کو تمھاری تنخواہ مل جائے گی جو تمھارا مقصد ہے اور پھر میری تباہی کے لیے تم سب میرا ساتھ چھوڑ دو گے" اس بچے کے قیاسات سچی پیشین گوئی ثابت ہوئے جسونت راؤ کو جے پور میں جس قدر روپیہ ملا تھا اس نے وہ سب باغیوں کے حوالے کر دیا اور وہ اپنی تنخواہیں لے کر اپنے اپنے گھر کو سدھار گئے۔ اسی ہفتے میں کندی راؤ کی وفات کا اعلان فوج میں کر دیا گیا اس میں کچھ شبہہ نہیں ہے کہ جسونت راؤ نے اپنے گرو چمنا بھاؤ کی نصیحت پر کندی راؤ کو زہر دیا تھا۔ یہ گرو نہایت سنگ دل اور بے رحم شخص تھا اور اسی کے دباؤ اور اثر سے جسونت راؤ نے چند بدترین حرکات کا ارتکاب کیا تھا۔ باغیوں کے روپے سے جو ہیبت جسونت راؤ کے دل میں سما گئی تھی وہ کندی راؤ کی قربانی سے نہیں رفع ہوئی اور کاشی راؤ اگرچہ بچ گیا مگر ابھی تک اس کی جان بھی معرض خطر میں تھی۔ اس کی جان لینے کا مستقل ارادہ کر لیا گیا اور یقین کیا جاتا ہے کہ یہ دوسرے ظالمانہ فعل کا مشورہ بھی چمنا بھاؤ ہی نے دیا تھا اور اس کام کو انجام دینے کے لیے اس نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

۲۴۴

ك ۔ چمنا بھاؤ بیمار کے ضلع کر گونڈ میں گیا جس کا انتظام اس کے سپرد تھا اور وہاں پر کاشی راؤ اور اس کی بیوی چمنا بھاؤ کی سپردگی میں تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا ارادہ ان کو قتل کرنے کا نہیں تھا لیکن دادعین خاں کی ماتحتی میں بنگش خاں کے پٹھانوں نے ان کو رہا کرانے کی کوشش کی اسی وجہ سے وہ اُن کے قتل کر ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔ بنگش خاں نے اس کام پر جو آدمی مامور کیے تھے اُن کی رپورٹ کی بنا پر بنگش خاں نے اس کارروائی کی مفصل کیفیت اس طرح بیان کی کہ ہمارا مقصد کاشی راؤ کو رہا کرانے کا تھا تاکہ شاید ہماری اس کوشش سے اُس کا مقدر سیدھا ہو جائے۔ اس نے اپنے ایک افسر کے بیان کے بموجب بتایا کہ اس قتل کا ارتکاب کر گونڈ سے تھوڑی دور ایک جنگل میں ہوا۔ لیکن اس واقعے کی مفصل کیفیت ایک سپاہی نے بھی بیان کی ہے جو اس وقت چمنا بھاؤ کے یہاں نوکر تھا اور غالباً اس کام میں اُس نے عملی حصہ بھی لیا تھا وہ کہتا ہے کہ کاشی راؤ اور اس کی بیوی بیجا گڑھ بھیج دیے گئے اور وہاں کے زمین دوز

ان جرائم کا نتیجہ عام تنفر تھا۔ لیکن جسونت راؤ کے ڈر سے اس تنفر کا اظہار دبا دیا گیا تھا۔ جس کی انتہائی سنگ دلی سے جنون کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ 245 جو بہت جلد زور پکڑ گئے اور جسونت راؤ کے گھر والوں اور اس کے ملازمان کا بیان ہے کہ اس کے بھتیجے کندی راؤ کے قتل کے دن سے جسونت راؤ کے جنون کی ابتدا ہوئی تھی۔

جب جسونت راؤ کی فوج میں بغاوت پھیلی تھی اس وقت اس نے امیر خاں کو مسلمانوں کے ٹھنڈا کرنے پر مامور کیا تھا۔ جو سب سے زیادہ شورش کر رہے تھے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے امیر خاں نے یاد دلایا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان حاصل شدہ علاقے کو نصف نصف تقسیم کرنے کا قول و قرار ہوا تھا اب اپنا وعدہ پورا کیجئے۔ اگرچہ جسونت راؤ نے اس وعدے کے پورے طور پر وفا کرنے میں بہت کچھ ٹال مٹول کی لیکن اس نے دیگر علاقوں کے علاوہ پرگنہ پڑاوہ[1] ٹونک امیر خاں کو دیدیے اور کوٹا سے خراج کی وصولیابی بھی اس کے سپرد کر دی اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ قلعے کے قریب ایک مکان میں وہ بطور قیدیوں کے رکھے گئے اور بنگش خان کے پٹھانوں نے اس گھر کا محاصرہ کر لیا تب انھیں فوراً قتل کر دینے کا حکم دیدیا گیا سپاہیوں نے جن میں سے ایک میں بھی تھا اس حکم کی تعمیل کرنے سے صاف انکار کر دیا جس پر میرے سامنے چمنا بھاؤ کا ایک رشتہ دار کمرے میں داخل ہوا اس نے اول کاشی راؤ کا سر قلم کیا پھر اس کی بیوی انندی بائی کا کام تمام کر دیا۔ انندی بائی حاملہ تھی اور یہ خبر پھیل گئی اور سب لوگوں نے اس کو صحیح تسلیم کر لیا کہ انندی بائی کے لڑکا پیدا ہوا اور وہ بچا لیا گیا۔

لیکن اس آخری روایت کی کچھ اصلیت نہیں ہے کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ چمنا بھاؤ نے اسی وقت اپنے آقا سے بیان کیا تھا کہ "میں نے ریاست ہلکر کے راجہ ہونے کے جو اختیارات غصب کیے تھے ان میں میری یا میرے لڑکوں کی مزاحمت کرنے والا وہاں پر ایک متنفس بھی موجود نہیں تھا۔

[1] یہ پرگنہ آگرا اور کوٹا کے درمیان واقع ہے اس کی آمدنی ۵۰ ہزار روپے سالانہ ہے۔

اُس سے ظاہری طور پر علیحدگی اختیار کر لی اور امیر خاں راجہ جگت سنگھ والئی جے پور کے یہاں ملازمت کرنے کے لیے چلا گیا اور اُس نے امیر خاں کی امداد سے اودے پور کی رانی ہاتھ آجانے کی توقع میں جو راجہ مان سنگھ سے جنگ ہونے کا موجب تھی امیر خاں اور اُس کے لشکر کو تنخواہ دینے کا وعدہ کر لیا۔

جسونت راؤ نے اپنی فوج کے اس حصے کو راجہ جے پور کے حوالے کر کے اپنی موعودہ امداد دے دی لیکن راجہ جودھ پور سے اپنے وعدے کے ایفا کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ امیر خاں اب میرے یہاں ملازم نہیں ہے اور حقیقت الامر یہ ہے کہ اس زمانے میں ہی نے امیر خاں نے آزادی حاصل کر لی تھی اور وہ اور اُس کا لشکر راجپوتانے کی لوٹ مار پر بسر اوقات کرتے تھے۔

ہلکر نے بام پورہ جانے کے بعد توپیں ڈھالنا شروع کر دیا اور ایسے جوش و خروش کے ساتھ اپنی فوج میں ترمیم و تنسیخ اور اصلاحات شروع کر دیں جس سے پورے طور پر نمایاں ہوتا ہے کہ اس کا جنون ترقی پر ہے پہلے تو اس کا حافظہ رخصت ہوا اور پھر روزانہ اُس کا مزاج چڑچڑا اور سخت ہوتا گیا آگ کی بھٹیوں اور لوہا ڈھالنے کے کارخانوں میں سخت محنت کرنے سے کثرت مے نوشی کے اثرات میں اضافہ ہو گیا جس کا وہ عرصۂ دراز سے عادی ہو گیا تھا۔ اور دن رات وہ لوہے کے کارخانوں میں رہتا اور جدید توپیں تیار کرنے کے لیے وہ لوہا گلا کر اپنے ہاتھ سے سانچوں میں ڈالتا تھا بڑی سخت محنت اور جفاکشی کے بعد اُس نے ۳ یا ۴ مہینے میں ۲۰۰ سے کچھ اوپر برنجی توپیں ڈھالی تھیں

ملے جسونت راؤ ہلکر اپنی نوجوانی کے وقت سے ہی عیاش تھا اُس نے جب پونا (۱۸۰۲ء) میں فتح کیا تو اُس کی مے نوشی میں بہت زیادتی ہو گئی اُسے چیری اور ٹیبری برانڈی بہت زیادہ مرغوب تھی اور یہ تیز شرابیں اس کے یہاں اس کثرت کے ساتھ جاتی تھیں کہ بمبئی کی دکانوں میں ان شرابوں کا اسٹاک ختم ہو جاتا تھا۔

ملے سوبھا رام ہندو کاریگر اُس کی ڈھلائی کے کارخانے کا چیف ڈائرکٹر تھا۔ وہ مان سنگھ چودھری کا غلام اور شاگرد تھا۔ جو عرصۂ دراز تک اُجین کے کارخانے کا مہتمم رہا اور کہا جاتا ہے کہ وہ زبردست

۲۴۶

۲۴۷

جن میں بہت سی توپیں بہت دور فیر کرنے والی تھیں۔ چونکہ ہندوستان کی ایک لڑائی میں اُس نے تجربہ کر لیا کہ ملکی بندوقوں والے رسالے کے مقابلے میں یہ توپیں بے حد کارآمد ثابت ہوئیں اس لئے وہ اپنے توپ خانے کے اس شعبے پر بہت ناز کرتا تھا اس نے تجویز کی کہ سواروں کے رسالوں میں ۲ ہزار خاندانی متوسلین[1] کے علاوہ ایسے آدمی ہونے چاہئیں جن کو ماہوار تنخواہ دی جائے اور سواری کے لیے انھیں سرکاری گھوڑے دیے جائیں اور ایسے ۱۰ ہزار سواروں کی اس نے رجمنٹیں تیار کیں اور اُس نے مختلف مقامات پر گھوڑے خریدنے کے لیے آدمی روانہ کیے تاکہ ایسے سواروں کی تعداد دوچند کردی جائے۔ اُس نے اپنی باقی ماندہ پرانی پیدل سپاہ کی پلٹنوں کو توڑ دیا اور ۱۰ نئی باتریاں تیار کیں۔ اس جدید فوج میں اُس نے آدمیوں اور گھوڑوں کی پیمائش کا ایک خاص معیار مقرر کیا۔ گھوڑے صرف اس صورت میں خریدے جاتے تھے جب اُن کا ڈیل ڈول اچھا ہوتا تھا لیکن باتریاں تین حصوں[2] میں تقسیم کی گئی تھیں بڑی، متوسط اور چھوٹی۔

ہر ایک رنگروٹ اپنے جثّے کی موزونیت کے لحاظ سے فوجی دستے میں بھیجا جاتا تھا جسونت راؤ نے یہ اصلاحات اس طور پر انجام دیں جسے اُس کی دلی وحشت ظاہر ہوتی تھی۔ وہ جو حکم دیتا اُس کی تعمیل فوراً ہو جانی ضروری تھی ورنہ اُس کی سختی اور غصے کی کچھ حد نہ ہوتی تھی۔ وہ بہ نفس نفیس ہر ایک کام کی نگرانی کرتا تھا۔ اور پو پھٹتے ہی فوج کی قواعد لینے کے لیے نکل جاتا۔ سواروں سے پیدل سپاہ پر حملہ کراتا جو فوراً ہی

۴۴۸

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ عالم تھا جسونت سنگھ چونکہ تھوڑی دیر لگ جانے پر بے حد برافروختہ ہو جاتا تھا اس لیے جدید توپیں ڈھالنے کا سامان خواہ کہیں اور کسی قیمت پر کیوں نہ ملے خرید لیا جاتا تھا۔

[1] ۔ یہ دو ہزار سوار سلح دار کہلاتے تھے یعنی ایسے سوار جو اپنا گھوڑا رکھتے ہیں اور اُن کو کل مصارف کے لحاظ سے تنخواہ دی جاتی تھی۔

[2] ۔ ان باتریوں کے مرہٹہ نام اُتم، مدھم اور کنشٹ تھے۔ اور فوجی دستے انھی ناموں سے مشہور تھے۔

توپ خانے کے پاس چلی جاتی اور پھر اُسے حکم دیا جاتا کہ سواروں اور گھوڑوں پر قریب سے فیر کرو (وہ ہنس کر کہا کرتا) تاکہ دونوں سخت آتش باری کے عادی ہو جائیں۔ یہ مصنوعی جنگ روز آنہ دو بار ہوا کرتی تھی وہ ساری فوج اور ہر ایک سپاہی کو خود حکم دیا کرتا اور اس میں اُس نے ایسی مستعدی اور سرگرمی سے کام کیا کہ فوج کی اس قدر اصلاح ہوگئی جو بیان میں نہیں آسکتی ہے لیکن اس عجیب وغریب شخص کی یہ کارروائی اب قریب ختم کے آگئی تھی۔ اس نے اپنے جنون کے اس درجے پر پہنچنے سے قبل ۷، یا ۸ ماہ اس طور پر گزارے تھے جن کے متعلق ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اُس کے مصاحبوں کو بہت عرصہ پیشتر ہی سے اُس کی یہ حالت معلوم تھی لیکن اُس کی ہیبت اور رعب کے باعث سب لوگ کوئی سخت کارروائی کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ جسونت راؤ بھی اپنے جنون کی ترقی سے بے خبر نہ تھا۔ پنجاب سے واپس آکر اُس نے بعض ممتاز افسروں کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ کیا جس کی وجہ سے ان میں سے بہت سے افسر بھاگ گئے اور بلرام سیٹھ ترقی پاکر دیوان ریاست ہوگیا جس کی وساطت سے برطانوی حکومت[1] سے گفت و شنید کی گئی تھی۔ وہ بلرام سے اکثر کہا کرتا کہ مجھ کو اپنی دماغی کیفیت کی بڑی فکر ہے اور بعض اوقات بڑی بے صبری کے ساتھ وہ بیان کر دیتا کہ "ایک وقت میں ایک بات کہتا ہوں اور لمحہ بھر کے بعد ہی اُسے بھول جاتا ہوں مجھے کوئی دوا دو" اور بلرام اس فرمائش کی تعمیل کا وعدہ کر لیتا اور جسونت راؤ اپنے ارشاد کی تعمیل ہو جانے سے مطمئن ہو جاتا اور جو کچھ واقع ہو گیا ہوتا اُس کا کچھ خیال نہ کرتا۔ اس جنون کی حالت میں اُس نے مختلف اشخاص کے قتل کے واسطے بے شمار احکام نافذ کیے تھے لیکن صرف ایک یا دو اشخاص کو اس حکم سے تکلیف پہنچی باقی لوگ وزیر کی نیک بختی اور نوازش سے سلامت رہے۔ جو اپنی فطری بزدلی کے باعث اپنی جان کے اندیشے سے کانپتا رہتا تھا[2] لیکن اس کے ساتھ وہ دوسروں کی جان بخشی کے لیے

۲۷۹

۱۔ جنوری ۱۸۰۶ء میں جو معاہدہ پنجاب میں کیا گیا تھا اُس میں اس شخص اور ایک ادنیٰ کارکن شیخ حبیب اللہ نے میرے ساتھ صلح کی گفت و شنید کی تھی۔

۲۔ جسونت راؤ سے بلرام سیٹھ کی ملاقات کا حال نہایت مضحکہ انگیز ہے وہ ایک باریک چادر اوڑھ کر

ہمیشہ کوشاں رہتا تھا۔

۲۵۰ لیکن یہ حالت بہت روز تک نہیں قائم رہ سکتی تھی۔ ایک روز رات کے وقت جب کہ گنگارام کوٹھاری محل کے پہرہ داروں کا افسر تھا۔ محل کی مستورات چیختی ہوئی باہر نکل آئیں اور کہا کہ مہاراجہ کی غضبناکی سے ہماری جان اس وقت خطرے میں ہے۔ گنگارام نے مستورات کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔ وہ محل کے اندر چلا گیا اور اس نے اسی وقت بلرام سیٹھ کو بھی بلوا لیا۔ شروع میں تو انہیں جسونت راؤ کا پتہ نہیں ملا کہ کہاں ہے لیکن پھر روشنی لے کر ڈھونڈا تو دیکھا کہ وہ ڈھیلے ڈھالے کپڑوں کے ایک گٹھے میں چھپنے کی کوشش کر رہا ہے۔ حاضر الوقت اصحاب نے یہ رائے قایم کی کہ چونکہ اس کا جنون اب اس حد کو پہنچ گیا کہ وہ آزاد نہیں چھوڑا جا سکتا ہے اس لیے آدمیوں کو اس کے پکڑ لینے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ وہ پکڑ لیا گیا اور گھسیٹ کر باہر لایا گیا تاکہ مستورات اپنے کمروں میں واپس آسکیں۔ جب جسونت راؤ کو پکڑنے کے لیے قوت سے کام لیا گیا تو جو کچھ ہو رہا تھا اس کے دماغ کو قطعی اس کا احساس نہیں ہوا لیکن اس نے اپنے کو آزاد کرنے کے لیے اپنی جسمانی قوت سے کام لیا جو جنون کی وجہ سے اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اس پر قابو حاصل کرنے کے لیے ۳۰ و ۳۵ آدمیوں کی ضرورت لاحق ہوئی لیکن آخر کار اس پر بھی اثر پڑا اور چند گھنٹے پیشتر تک جس کے ادنیٰ سے ادنیٰ حکم کی اصلی یا فرضی تعمیل فوراً ہو جاتی تھی اب وہ وحشی جانوروں کی طرح مضبوط رسوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ رات تو پریشانی میں گزری لیکن پھر یہ معقول تجویز قرار پائی کہ اس کو چھپانا نہیں چاہیے۔ دوسرے روز صبح ہوتے ہی اس کی اصلی حالت

۲۵۱ کی اطلاع جملہ سول اور فوجی افسران کو زبانی یا تحریری مراسلوں سے کر دی گئی۔ کسی قسم کی گڑبڑ نہیں پیدا ہوئی بلکہ سب لوگ اس کا نتیجہ دیکھنے کے منتظر ہے تیسرے روز

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جسونت راؤ کے سامنے بیٹھ کر کانپتا رہتا تھا جسونت راؤ اکثر دریافت کیا کرتا کہ "بلرام سیٹھ تمہارا کیا حال ہے" جس کا عموماً یہی جواب دیا جاتا کہ "بخار چڑھا ہے" باوجود اس قدر خوف کے وہ اپنی جگہ پر بدستور قائم رہا حالانکہ بڑی ہمت والے نوکری چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

جسونت راؤ کے ہوش و حواس درست ہو گئے اور اُس نے دریافت کیا کہ مجھے کس وجہ سے باندھا گیا ہے اور جب اسے جو کچھ ہو چکا تھا اس سے واقف کرایا گیا اُس نے صرف اس قدر کہا کہ "تم نے ٹھیک کارروائی کی میرا جنون بہت بڑھ گیا ہو گا لیکن میری رسیاں کھول دو اور میرے بھائی امیر خاں کو بلا بھیجو اور مجھے آرام لینے دو" لوگوں کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ بیرام پورے میں کوئی بھوت رہتا ہے اُس نے جسونت راؤ کا دماغ خراب کر دیا ہے اس وجہ سے اس کو قصبۂ گروٹ[1] بھیج دیا جو اس شہر سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔

اس کے جنون کی اگرچہ روز بروز زیادہ تصدیق ہونے لگی لیکن وہ پیشتر کی طرح اب اتنا خطرناک نہیں رہا تھا۔ وہ خود ایک خیمے میں رہنے لگا جس کے گرد پہرہ لگا دیا گیا اور اس کے چند نہایت معتمد ملازم اُس کی جان کے نگراں اور محافظ قرار دیے گئے۔ یہ لوگ بہت جلد اُس کے جنون کے دورے سے آگاہ ہو گئے جو بار بار ہوا کرتے اور جن کی نوعیتیں مختلف ہوتی تھیں بعض اوقات اُس کے جنون کے دورے نہایت وحشیانہ ہوتے لیکن زیادہ تر شرارت اور حماقت کا حیرت انگیز مرکب ہوتے تھے۔ امیر خاں اُس کے احکام کی تعمیل کے لیے فوراً دوڑا ہوا آیا اور اُس نے اُس کی صحت یابی کے لیے ہر ایک امکانی کوشش کر ڈالی۔ وہ اپنے ساتھ ایک مسلمان طبیب کو لایا تھا جس سے شفایابی کی توقع تھی اور ہمارے نزدیک بھی وہ واقعی نہایت ہوشیار اور سمجھ دار شخص تھا کیونکہ اول تو اُس نے جسونت راؤ کے مرض کو کسی آسیبی خلش پر محمول کرنے کا مذاق اُڑایا اور پھر اُس نے بھی آخر میں دوا دینے سے انکار کر دیا کیونکہ جن لوگوں کے سپرد جسونت راؤ کے کھانے پینے کا اہتمام تھا وہ اس طبیب کے قابو میں نہیں تھے اور وہ جسونت راؤ کو ایسی چیزیں کھلا دیتے تھے جو طبیب کے نزدیک اس کے مرض کے لیے مضر تھیں۔

دولت راؤ سندھیا نے اس کے علاج کے لیے ایک برہمن[2] کو بھیجا لیکن

[1] ۔ یہ مقام بام پورہ سے جنوب مغرب کی سمت میں ۱۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔
[2] ۔ اس شخص کا نام کندی راؤ جوشی تھا۔

جسونت راؤ نے یا تو اس وید سے متنفر ہو جانے کے باعث جو دوا دینے کے وقت بہت کچھ من منا تا اور گن گناتا تھا اور یا اُس راجہ کی اپنی نظر میں کچھ وقعت نہ ہونے کے باعث جس نے اس وید کو بھیجا تھا اس وید کے ساتھ نہایت غیر مہذب اور بیہودہ مذاق[1] کرنا شروع کر دیا لیکن نتیجہ یہ ہے کہ شفا یابی کی جملہ تدابیر ناکام ثابت ہوئیں۔

تقریباً ایک سال تک جنون کی حالت میں رہنے کے بعد اس کے دماغ میں بے حد کمزوری پیدا ہو گئی اس حالت میں وہ نہ تو کسی سے کچھ بات چیت کرتا تھا اور نہ اپنے گرد و پیش کی کسی چیز کو شناخت کرتا تھا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ اُس کی داشت[2] ہوتی تھی اور شیر خوار بچوں کی طرح اُسے صرف دودھ کھلایا جاتا تھا۔ اس تدبیر سے وہ ۳ سال تک اور زندہ رہا اور پھر اس نے شہر بام پورے میں وفات[3] پائی۔ اور وہاں اُس کی خاک کے تودے پر ایک خوبصورت مقبرہ[4] بنا دیا گیا ہے۔ ۲۵۳

جسونت راؤ کا قد متوسط تھا لیکن اس کا جسم گٹھیلا اور پھرتیلا تھا وہ سیاہ فام

---

[1] یہ مذاق صرف الفاظ اور برہمن وید تک محدود نہ تھا بلکہ یہ امر موجب مسرت ہے کہ جو لوگ جسونت راؤ کے پاس موجود رہتے انھوں نے چمنا راؤ کی جو اس کے گرد ہونے سے زیادہ اس کو جرائم پر ورغلانے کے لیے مشہور تھا یہ حالت دیکھی کہ جسونت راؤ اسے مشورہ کرنے کے بہانے سے اپنے قریب بلاتا اور اپنے اس گرد کو خوب زد و کوب کرتا تھا۔

[2] جو عورت کہ جسونت راؤ کے پاگل پن کے زمانے میں اُس کی خدمت میں رہی اور اس حالت میں اُسے کھانا کھلاتی تھی اس کا نام لکشمی بائی تھا یہ ایک نہایت معزز اور شریف خاتون تھی اس نے جسونت راؤ پر اس قدر قابو حاصل کر لیا تھا کہ وہ ایک بچے کی طرح اس کا کہنا مانتا تھا۔

[3] جسونت راؤ نے ۱۱ ہر کار تک سمت ۱۸۶۸ مطابق ۳۰ / اکتوبر سنہ ۱۸۱۱ع کو وفات پائی۔

[4] اسے چھتری کہتے ہیں میں نے جب اس مقام کو دیکھا تھا تو یہ معلوم کر کے مجھ کو بے حد مسرت حاصل ہوئی کہ جسونت راؤ کا ایک گھوڑا جو اسے بہت عزیز تھا اپنے آقا کی قبر کے پاس آرام و آسایش اور عمدہ خوراک پاتا ہے۔

تھا اور ایک آنکھ پھوٹ جانے سے اُس کا چہرہ بہت بے رونق ہو گیا تھا لیکن اپنی تیز مزاجی کے جوش و خروش کی وجہ سے اس کا طرز بیان نہایت خوش گوار تھا اور یہ تیز مزاجی نہ صرف جسمانی ساخت کی وجہ سے تھی جو ہر ایک خطرے اور مصیبت میں بدستور قائم رہی بلکہ وہ اس کے خوفناک جنون کی حالت میں بھی باقی رہی جس نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ جسونت راؤ نے نہایت عمدہ تعلیم پائی تھی وہ فارسی خوب سمجھتا تھا۔ اگرچہ وہ فارسی نہ تو بول سکتا اور نہ لکھ سکتا تھا لیکن وہ اپنی مادری زبان یعنی مرہٹی بہت صحیح لکھتا تھا اور وہ نہایت تیز اور قابل محاسب تھا۔ شہسواری اور جملہ فنون سپہ گری میں صرف معدود چند اشخاص کو اس پر فضیلت حاصل تھی اس کی جرأت و ہمت اس کے فنون کے مساوی تھی۔ اور اس کا اس نے ہر موقع پر ثبوت دیدیا تھا۔ چنانچہ پونا میں سندھیا نے توپ خانہ اس کے سپرد کر دیا تھا۔ توپ خانہ کے ایک زبردست سپاہی نے اسے زخمی کر دیا اور اسے گھوڑے پر سے نیچے گھسیٹ لیا جسونت راؤ نے زمین پر آ کر اپنے مدمقابل سے کشتی لڑی اس اثنا میں اس کا ایک ملازم اس کی مدد کے لیے آ گیا اور اس نے جسونت راؤ کے دشمن کو قتل کر کے جسونت راؤ کو پھر گھوڑے پر سوار کرا دیا۔ ایسے معرکوں اور ہر ایک ایسے کام میں جس میں جسمانی قوت درکار ہوتی ہے اس نے بہت کچھ ناموری حاصل کی تھی۔ ان کاموں میں ان جملہ اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے جو اس میں موجود تھے جو تعریف کے مستحق ہیں اور اس کے جتنے اور اس کے عادات و خصائل سے ایسے ہی کارناموں کی توقع کی جا سکتی تھی۔ جسونت راؤ ایک مرہٹہ سردار کا بیٹا تھا جس سے یہی توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ لٹیرے

ؔ۔ جسونت راؤ کی ایک آنکھ برگونڈا میں ایک توڑے دار بندوق کے پھٹ جانے سے پھوٹ گئی تھی۔ ہندوستان میں یہ ایک مشہور بات ہے کہ کانا بھی ہوتا ہے چنانچہ جسونت راؤ نے آنکھ پھوٹ جانے پر ایک روز مذاقیہ طور پر کہا تھا کہ "میں تو پہلے ہی بدمعاش تھا لیکن اب بدمعاشوں کا گرو ہو جاؤں گا"

سواروں کی کمان کرے گا اور اُس نے بچپن ہی میں اس حالت کے جملہ لوازمات
حاصل کر لیے تھے اور اگر اُس کا باپ زندہ رہتا تو جسونت راؤ مرہٹہ فوج کا
ایک نہایت بہادر اور مستعد ڈاکو ہوتا اور اُسے ابتدا ہی سے اس ناموری
کے حاصل کرنے کا شوق تھا اور اُس کا دائرۂ عمل صرف احکام کی تعمیل تک
محدود رہتا تو وہ اپنے اور دوسروں کے واسطے نہایت خوش گوار ثابت ہوتا
۲۵۵ لیکن ایک بھائی کے قتل[1] اور دوسرے[2] بھائی کے شارع عام پر پھانسی پانے سے اپنی جان
کو معرضِ خطر میں دیکھ کر وہ بھاگ جانے پر مجبور ہو گیا۔ پھر اس کے مقدر نے
اُسے ریاست ہلکر کی مسند پر بٹھا دیا۔ اُس نے نہایت خطرناک روش اختیار کی
اور ممکن تھا کہ اُس کی طبیعت پاکیزہ خیالات کی طرف مائل ہو جاتی لیکن اُس
نے بہت جلد نیکی اور خوش اخلاقی کے ہر ایک جذبے کی جانب سے بے حسی
اختیار کر لی۔ لیکن اگر معاملہ برعکس ہو جب بھی چونکہ اُس نے ابتدا ہی
میں ایک نہایت خراب عروج حاصل کر لیا تھا جس سے پیچھے ہٹنا اگر ناممکن
نہیں تو نہایت دشوار ضرور تھا۔ کیونکہ اگرچہ اُس کی قدرتی قوت حکمرانی میں
اُسے مدد دیتی تھی لیکن جسونت راؤ نے ہمیشہ اپنے کو صرف اس قدر ثابت
کیا ہے کہ وہ ڈاکوؤں کی فوج کا سردار ہے جن کو وہ اپنی فہم و فراست۔ اپنی
ناموری اور اپنے مطلب سے امداد دیتا تھا اور اس کے معاوضے میں وہ اس
کی باغیانہ زندگی کے انقلابات میں اس کے مدد و معاون رہیں۔ جسونت راؤ
کا اُن کی بدچلنی پر کچھ قابو نہ تھا گو وہ اُن پر حکومت کرتا تھا اور وہ
جسونت راؤ کی قوت سے خائف رہتے تھے اور اُنھیں یہ تسلی اور اطمینان تھا
کہ ہمارے بدترین مظالم کا وہ خود خوگر ہے اور وہ اس قدر اطاعت کیشی کے ساتھ
اس کی حکم برداری کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ نہایت خوفناک سفاک ڈاکو بن گیا تھا
لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جس کام کو اس نے انجام دیا وہ اس کی

۱۔ جس کا قاتل دولت راؤ سندھیا ہے۔

۲۔ پیشوا باجی راؤ نے انجام دی۔

فطرت کے عین مطابق اور موزوں تھا۔

فی الحقیقت قدرت ہی نے اُسے لٹیروں کے گروہ پر حکومت کرنے کے واسطے بنایا تھا۔ جو شخص بھی اس کے پاس آجاتا اُسے بہلانے پھسلانے کے فن میں ۲۵۶ اس کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ جب کبھی اُس کے سپاہی یا افسران تنخواہ نہ ملنے سے غدار یا غیر مطمئن ہو جاتے تو وہ اول خوشامد۔ پھر خوش گپی اور بعد ازاں بذلہ سنجی سے انھیں خوش کر دیتا لیکن اگر وہ اُسے کچھ دھمکی دیتے تو وہ ایسا آگ بگولہ ہو جاتا کہ بڑے سے بڑے شیر دل بھی کانپتے اور تھرانے لگتے چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اس نے ایک پٹھان افسر[1] سے جھلا کر کہا (جس نے فوج کے پونا جانے کے وقت تنخواہ نہ ملنے کی شکایت کرنے کے لیے اُسے روک لیا تھا) "غلطی سے مجھے امیر خاں نہ سمجھنا تم کو کچھ اور دینے کی بجائے میں اس گستاخی کی پاداش میں تمہارا سارا مال و اسباب لوٹ لوں گا"، چنانچہ وہ شخص فوراً بھاگ گیا اور اس نے سزا سے بچ جانے ہی کو خوش نصیبی تصور کیا۔ لیکن جسونت راؤ کا غصہ بہت جلد رفع ہو گیا۔ اور جو لوگ کہ اُس کے یہاں ملازمت کر چکے ہیں اُن کا بیان ہے کہ وہ فطرۃً مہربان اور فیاض تھا۔ لیکن حکومت کا جذبہ اُس پر حاوی اور اس کو حاصل کرنے اور قایم رکھنے کے واسطے سب کچھ روا تھا اور اُس کے نالائق محبوب[2] بھی جو متعدد تھے۔ کسی مصیبت کو رفع کرنے یا وقتی مقاصد حاصل کرنے کے لیے وعدہ خلافی یا کسی ظالمانہ حرکت کے متعلق یہ کہنے کے مجاز نہ تھے کہ ہم اس کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ ایسے ارادوں سے کام کرنے کے لیے وہ پاکباز اور نیک نہاد اہلیہ بائی کی عمدہ کارروائیوں کو ملیامیٹ ۲۵۷ کرنے کے لیے وہ تباہی کے دیو کی طرح آیا جس لمحے سے کہ اس نے وسط ہند میں اپنی زندگی کا آغاز کیا اسی وقت سے تباہی اور بربادی کے کام کا آغاز ہو گیا اُس کے حامیؔ (کیونکہ ایسے

---

[1] جمشید خاں جو گذشتہ ایام میں نیاڑ کا نیمر تھا اور جس کے انتقال کو صرف چند مہینے گزرے ہیں۔

[2] اس کا گرو چمنا بھاؤ اور ہرنا تھ دادا (قوم کا حجام) اُس کے خاص محبوب تھے جن کی اس نے تربیت کی اور اعلیٰ رتبے پر پہنچا دیا لیکن یہ بتانا سخت دشوار ہے کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ پاجی تھا۔

بہت سے اشخاص موجود ہیں جو اس کی حرکات کی طرفداری کرتے ہیں) کہتے ہیں کہ اُس کے پاس کوئی ملک حفاظت کرنے کے لیے نہیں تھا اور سندھیا کی ناانصافی نے اسے معاصیات میں اس درجہ مبتلا کر دیا تھا کہ ان کو ترک کرنا ناممکن ہو گیا اور چونکہ اس کے پاس کوئی مستقل وسیلہ اس قدر آمدنی کا نہیں تھا جس سے کہ وہ ایک فوج کی تنخواہ ادا کر سکتا اور اپنی زندگی اور حکومت بغیر خطرے میں ڈالنے کے وہ اس فوج کو برطرف نہیں کر سکتا تھا۔

یہ سب باتیں ایک خاص حد تک درست ہیں لیکن درحقیقت جسونت راؤ کے دل میں عمدہ اور باقاعدہ حکومت کے قوانین کی کچھ وقعت نہیں تھی اور اس نے کبھی کسی قسم کا میلان اس کے قائم کرنے کا ظاہر نہیں کیا وہ کئی بار اپنا دلی مقصد ظاہر کر چکا تھا کہ قدیم نظام غارت گری کو ازسرنو زندہ کر کے میں تمام ہندوستان میں مرہٹوں کی حکومت قائم کرنے کا آرزومند ہوں لیکن اب زمانہ بدل گیا تھا کیوں کہ مغلوں کی زوال پذیر سلطنت کی بجائے اُسے انگریزوں کی اوج پذیر حکومت سے مقابلہ کرنا تھا اور اس قومی فوج کی بجائے جو سیوا جی کے پاس تھی اُس نے گوناگوں ظالم لٹیروں کی ایک جماعت رکھ چھوڑی تھی جو لوٹ مار کی چاٹ کے علاوہ کسی اور مشترک اصول سے واقف نہ تھی۔ ہندوستان کے حملے میں شکست نصیب ہونے سے یہ سردار لوٹ اور فتح مندی کے خواب سے بیدار ہو گیا۔

اس نے اپنی فوج کی اصلاح کے لیے کوشش کی اور اپنی حکومت کے اندرونی انتظام کی درستی کے لیے اُس نے بہت کچھ ہائے واویلا کیا لیکن اس کا دور اختتام پر آ گیا۔ اُس کی زندگی کا آغاز مصیبت سے ہوا اور ہر شخص کو اُس کی زندگی میں انتہائی افلاس۔ مظالم انقلابات۔ حرص و ہوس اور جرائم دکھائی دیتے ہیں۔ اور بالآخر اس کی زندگی جنون کی حالت میں ختم ہو گئی اس کی زندگی یہ سبق دے گئی ہے کہ اگر اعتدال اور نیکی کا مادہ طبیعت میں نہ ہو تو شجاعت اور فہم و فراست سلطنت کے کاروبار کو کامیابی کے ساتھ چلانے اور رعایا کی فلاح کے حق میں کس قدر بے کار ثابت ہوتی ہے۔

۲۵۸

۱۰ سال کے مختصر عرصے میں اس کے زیر نگیں ملک پر جو اثر پڑا تھا اس کی وجہ سے جسونت راؤ کے حالات کسی قدر وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

تکا جی کے یوم وفات ہی سے مصیبتوں کے دور کا آغاز ہوا کیونکہ اس لحظے سے رعایا کو یہ اطمینان بھی نصیب نہیں ہوا جو خود مختار فرماں روا کی رعایا کو عموماً ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ خود ظلم کرتا ہے لیکن کم از کم دوسرے ظالموں کو اپنی رعایا سے دور رکھتا ہے۔ جسونت راؤ نے اپنی رعایا کو کئی بار اپنے دشمنوں کے واسطے بے پناہ چھوڑ دیا تھا علاوہ بریں خود اس کی فوج جو زیادتیاں رعایا پر کرتی تھی ان مظالم ہی سے وہ اپنی رعایا کو نہیں بچا سکتا تھا۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے جب تک کہ عنان حکومت اس کے ہاتھ میں رہی اس کی رعایا اور اس کے اعزہ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ وہ نہایت مستعد اور دلاور سپاہی ہے جو اپنے مقدر سے لڑتا ہے اور آخر وقت تک انقلاب اور اصلاحات کی امیدیں قایم رہیں لیکن جب اس کی حکومت ختم ہوگئی اور اس کی فوج تے اُن قیود کی ذلت اور توہین کی جو کمزور وزرا اور کمانڈر اس پر عاید کرنا چاہتے تھے تو پھر رعایا کی تکالیف اُن لوگوں کے پاجی پن سے ناقابل برداشت ہوگئیں جو اُن پر ظلم وستم ڈھاتے تھے۔ ۲۵۹

حقیقت الامر یہ ہے کہ جسونت راؤ کے مجنون ہو جانے کے وقت سے ہلکر کی حکومت ختم ہوگئی تھی اور پھر معاہدہ منڈیسر کی رو سے اس کا از سرنو آغاز جسونت راؤ کے فرزند ملہار راؤ نے کیا یہاں ان مختلف وزرا اور سرداروں کے حالات بیان کرنے کی بھی ضرورت ہے جنھوں نے اس خاندان کے نام سے گیارہ برس تک حکومت کی جو غیر معمولی بدامنی کا زمانہ تھا کیونکہ اس کی مقامی تاریخ کی اہمیت کے علاوہ اس سے اہل ہند کے عادات وخصائل، تعصبات معتقدات اور کیرکٹر پوری طرح اجاگر ہو جائیں گے۔

ساتواں باب

حالات دربار ہلکر

جسونت راؤ کے مجنون ہو جانے کے بعد یعنی ۱۸۰۸ء تا ۱۸۲۰ء

۲۶۰

جسونت راؤ کے مجنون ہو جانے کے بعد خاص خاص معاملات کا انصرام بظاہر بلرام سیٹھ کے سپرد ہوا تھا لیکن وہ ہر ایک معاملے میں تلسا بائی کی ہدایت کے بموجب عملدرآمد کرتا تھا جس نے کچھ عرصے سے اپنے حسن و جمال اور دانائی و فرزانگی کی بدولت ریاست میں بہت کچھ رسوخ اور اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ اب وہی اس ریاست کی حکمران متصور ہوتی تھی اس کے بعد کے جنگ و جدال اور اس خاتون کی وفات ایک خاص دلچسپی رکھتی ہے۔ اور اس وجہ سے اس خاتون کی حقیقت کے متعلق چند الفاظ گوش گزار کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔ ایک شخص عجیبھا نے فرقۂ مان بھاؤ[1] کا

---

[1] کرشنا بھٹ عیار فرقۂ مان بھاؤ کا موجد تھا جو جنوبی ہند میں بہت مشہور ہے۔ اس مت والے ویدوں

گرد ہونے کی حیثیت سے مقامی طور پر کچھ شہرت حاصل کر لی تھی۔ اور ملہار راؤ اول کی محبوبہ
مدخولہ ہریکا بائی اس گرو کی چیلی ہو گئی تھی اور ہرکا بائی کی خاص خادمہ مینا بائی نے بھی مجیبھا
کو اپنا گرو بنا لیا اور اس کے مکان پر آنے جانے کی وجہ سے اس کی ملاقات تلسا بائی سے بھی ۲۶۱
ہو گئی جو اس مان بھاؤ ساد ھو کے گھر میں رہتی تھی اور اس کی بیٹی سمجھی جاتی تھی جسونت راؤ
سے ملاقات ہونے سے پیشتر ہی تلسا بائی کی شادی ہو گئی تھی لیکن پہلی نظر پڑتے ہی جسونت راؤ
اس پر عاشق ہو گیا اور چند ہی روز میں تلسا بائی جسونت راؤ کے محل میں داخل ہو گئی۔ اس کا
شوہر قید خانے میں پہنچا دیا گیا لیکن پھر تلسا بائی کی درخواست پر وہ جیل خانہ سے رہا کر کے
دکن میں اپنے گھر بھیج دیا گیا اور اسے اپنی پری جمال بیوی کے معاوضے میں ایک گھوڑا ایک جوڑا
اور تھوڑا سا روپیہ مل گیا۔ تلسا بائی نے جسونت راؤ کی بیوی بننے کے دن سے ہی اس پر قابو
حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ چند ہی روز میں اس کے گھر بار کی مالک بن گئی اور اس کی وجہ سے
ریاست کے ہر ایک معاملہ میں اس کا اثر و اقتدار قائم ہو گیا اور پھر جسونت راؤ کے
مجنون ہونے کے زمانے میں فی الحقیقت وہی حکمراں تھی۔ مرہٹے عورتوں کے اس قسم کے ۲۶۲
حقوق کو فوراً تسلیم کر لیتے ہیں چنانچہ تلسا بائی کے ان اختیارات پر کسی نے علانیہ حرف گیری
نہیں کی۔ وہ روزانہ دربار یا اجلاس کرتی تھی لیکن اس کا طریقہ اہلیا بائی کے طرز عمل سے
بالکل مختلف تھا۔ وہ ہمیشہ چلمن کے پیچھے بیٹھتی تھی اور اپنے وزرا اور افسران سے اپنی
معتمد خادمہ کی معرفت گفتگو کرتی تھی جو باہر بے نقاب رہتی تھی۔

ابتدا میں تلسا بائی نے بلرام سیٹھ پر پورا اعتماد کیا کیونکہ امیر خاں اس وزیر کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کو مقدس مانتے ہیں لیکن پورانوں اور گیتا کے منکر ہیں۔

لہ۔ اس فرقے کے سادھوؤں کو پوپ اور اسقف اعظم کی طرح (عورتوں سے ہر قسم کا تعلق رکھنے کی ممانعت ہے) البتہ بھتیجے اور بھتیجیاں بن کر ان سے مل سکتے ہیں۔

لہ۔ شام راؤ میڈک اسے مانڈو سے پھیر لے آیا جہاں وہ مجیبھا کے ساتھ گئی ہوئی تھی اور وہ تلسا بائی کے حسن و جمال کا بھاٹ بن گیا۔ اور غالباً اس نے اس مطلب سے جسونت راؤ کو تلسا بائی سے آشنائی کرنے کی ترغیب دی کہ تلسا بائی کے اقتدار سے مجھ کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ ہرسورا کے موجودہ منیجر یعنے شام راؤ کے بھتیجے نے یہ واقعات مجھ سے بیان کئے ہیں۔

مددمعاون تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ برام سیٹھ کو پورے اختیارات حاصل ہیں لیکن پھر فوج بہت جلد نافرمان ہو گئی۔ پیدل سپاہ جسونت راؤ کو پکڑ کر اپنی لائن میں یہ کہہ کر لے گئی کہ جادو کے زور سے وہ پاگل کر دیا گیا ہے اور ہم اس کا علاج کریں گے۔ لیکن امیر خاں نے اس بغاوت کو رفع کر دیا۔ پھر اسے بہت جلد راجپوتانہ میں اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے مالوہ چھوڑ کر جانا پڑا لیکن وہ دربار ہلکر میں اپنا نمایندہ غفور خاں کو بنا کر چھوڑ گیا جس کی شادی امیر خاں کی سالی سے ہوئی تھی غفور خاں کو نواب کا خطاب دیا گیا اور بلرام سیٹھ نے اس کے ذاتی اخراجات اور ... افوج کے مصارف کے لئے جس کے رکھنے کا اس نے اقرار کیا تھا[۲] ۰ ۲ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کر دیا۔ یہ واقعات جسونت راؤ کے مقید ہونے سے ۱۰،۸ ماہ کے بعد رونما ہوئے تھے۔

۲۶۳

وہ فوج جو گذشتہ موسم میں دریائے کالی سندھ پر مقیم رہی تھی وہ موسم برسات کے قریب آنے پر جنوب کی طرف روانہ ہو گئی اور اس نے مئو میں اپنی چھاؤنی بنالی اور وہاں پر بلرام سیٹھ کی پہلی کارروائی سے اس کے اختیارات تقریباً سلب ہو گئے۔ پیدل سپاہ کی ۱۲ باٹزیوں میں سے ہر ایک باٹری مع توپوں کے ایک جداگانہ افسر کی ماتحتی میں تھی۔ اس نے اس ساری فوج کا ایک کیمپ بنایا اور اس کی کمان دھرما کنور کو دی (جو جسونت راؤ کا مقرب ملازم تھا) اور اسے کرنل کا خطاب دیا گیا۔ یہ شخص نہایت بہادر اور بے چین طبیعت کا تھا۔ اس شخص نے ابتدا ہی میں ان لوگوں کی نصیحت کو توجہ کے ساتھ سنا جنھوں نے اسے زمام حکومت چھین کر اپنے ہاتھ میں لینے کا مشورہ دیا تھا۔ چنانچہ اس نے پہلی کارروائی یہ کی کہ جسونت راؤ تلسا بائی اور گھر کی دیگر مستورات کے خیموں پر پردہ لگا دیا اور دوسری کارروائی یہ کی کہ صاف صاف حکم دیدیا کہ بغیر میری اجازت کے کسی شخص کو پاگل راجہ اور تلسا بائی سے ملنے کی اجازت نہیں ہے اور اسی کے ساتھ اس نے وزرا اور دیگر افسران ریاست کو ہدایت کی کہ آپ صاحبان بدستور اپنا اپنا کام انجام دیتے رہیں لیکن انھیں متنبہ کر دیا کہ

۲۶۴

[۱] اس مقصد کے حصول کے لئے اس کے پاس کافی وسائل موجود تھے جسونت راؤ نے مالی حالت بہت عمدہ چھوڑی تھی اور خزانے میں جو ۱۰ لاکھ روپیہ موجود تھا اس پر امیر خاں نے قبضہ کر لیا تھا۔

[۲] غفور خاں کو جو جاگیر دی گئی تھی اس کی آمدنی کا یہی تخمینہ تھا۔

خبردار بلا میرے استمزاج اور منظوری کے کوئی کارروائی ہرگز نہ کرنا۔ دھرما کنور نہایت دلیر اور باہمت مشہور تھا اگرچہ اسے سب کو خائف کرنے میں کچھ عرصے کے لئے کامیابی حاصل ہو گئی مگر ایسی سختی کا لازمی نتیجہ مخالفت تھا۔

خاندان ہلکر کی مستورات (خاصکر تلسا بائی) نے خفیہ طور پر مراسلت کی اور اس سے استدعا کی کہ ہم جس مصیبت میں گرفتار ہیں اس سے ہم کو نجات دلائیے اور پھر غفور خاں نے دھرما کو تباہ کرنے کے لئے بلرام سیٹھ اور دیگر افسران سے اتحاد کر لیا۔ راجہ مہیت رام[1] بھی ان میں شامل ہو گیا۔ یہ شخص ایک سال پیشتر ریاست حیدرآباد سے بھاگ کر جسونت راؤ کے پاس رام پورے میں آیا تھا اور جسونت راؤ نے اس کا خیر مقدم[2] کیا تھا اور اسے مع ایک ہزار فوج کے اپنے یہاں نوکر رکھ لیا تھا۔ اس بے ضابطہ فوج کی بہت سی تنخواہ واجب الادا تھی اور اس کی ادائی کے مطالبے کا عذر پیش کر کے جسونت راؤ کو نظر بند[3] کر لیا تھا۔ چنانچہ

۲۶۵

[1] مہیت رام نے پہلی ترقی یہ کی کہ وہ مانسیور ریمانڈ کا پیشکار ہو گیا جب کہ وہ افسر حضور نظام کے یہاں فوج کا کمان افسر تھا۔ ۱۷۹۹ء میں جب کہ وہ فوج برخاست ہوئی اور فوج کی تنظیم دوبارہ ہوئی اس وقت مہیت رام نہایت کارآمد شخص ثابت ہوا گر میر عالم وزیر حیدرآباد کے انتقال پر اس شخص نے ریاست میں بغاوت اور شورش پیدا کرنے کی کوشش کی جس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ مہیت رام ممالک محروسہ سرکار عالی سے بدر کر دیا گیا۔

[2] ۔ روایت ہے کہ اس نے جسونت راؤ کے روبرو یہ تجویز پیش کی جسے اس نے پسندیدہ نظر سے دیکھا تھا کہ حکومت برطانیہ کی مدافعت سے چونکہ نواب نظام الملک غیر مطمئن ہیں اس لئے آپ حضور نظام کی امداد کے واسطے دکن تشریف لے چلیے اور ان کو برطانیہ کے اثر سے نجات دلانے کی کوشش کیجئے۔ اس وقت کے اخبارات میں یہ اطلاعیں شائع ہوئیں لیکن حضور نظام نے بیشک رزیڈنٹ کے مشورے پر جسونت راؤ ہلکر کے نام ۳ر فروری ۱۸۰۹ء کو ایک مراسلہ روانہ کیا جس سے جسونت راؤ کی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی اور جسونت راؤ نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ حضور والا نے اس شخص کی عواگی کی ممانعت کر دی ہے جو میری پناہ میں آگیا ہے۔ اس لئے میرا ارادہ مہیت رام کو کلکتہ بھیجنے کا ہے تاکہ کونسل اس کی قسمت کا فیصلہ کر دے۔

[3] ۔ اس نظر بندی کو دھرنا کہتے ہیں اور رواج کے مطابق ہندوستان کی بے قاعدہ فوج کو بقایا یا تنخواہ وصول کرنے کے لیے اپنے سرداروں پر یہ پابندی عائد کرنے کا استحقاق حاصل تھا جس کی

یہ کارروائی معمولی طور پر ہوئی اور مرہٹہ فوج کے دستور کے موافق دھرما کنور اس اہانت کو رفع کرنے کے لیے کوئی سخت کارروائی نہ کر سکا کیونکہ اس نے شروع ہی سے دیکھ لیا تھا کہ یہ توہین فی الحقیقت میری ہو رہی ہے۔

بلرام سیٹھ اور گنگا رام کوہٹاری نے دست اندازی کے حیلہ سے مہیت رام کو آمادہ کر لیا کہ ۳۰ ہزار روپے لے کر فوج میں جائے۔ وہ بظاہر رضامند ہو گیا لیکن فی الحقیقت اسے ۲۰ ہزار روپے وصول ہوگئے اس موقع پر دھرما کنور کو معلوم ہو گیا کہ اگر اس کی جان کے خلاف نہیں تو میری حکومت کے خلاف ضرور ایک زبردست سازش کی گئی ہے۔ چنانچہ فوراً اس نے ایک مستقل کارروائی شروع کر دی۔ اس نے مہیت رام کو حکم دیا کہ فوراً کیمپ سے روانہ ہو جاؤ اور خود غفور خاں کے خیمے پر گیا اور اسے امیر خاں کا نابندہ کہکر مخاطب کیا اور مختصر الفاظ میں بڑی جرات کے ساتھ اس سے عرض کیا کہ" امیر خاں کا مجھ سے وہی رشتہ ہے جو جسونت راؤ کے ساتھ تھا حالانکہ میں جسونت راؤ کا غلام ہوں میں نے امیر خاں کے ساتھ احترام اور آپ کے ساتھ دوستی ظاہر کرنے کے لیے آپ کے ہمراہیوں کے مصارف کے لیے جوڑا اور دیگر اضلاع بطور جاگیر دیے جانے کی منظوری حاصل کر لی لیکن آپ نے کس لیے اور کس وجہ سے مجھے گرفتار کرنے اور تباہ کرنے کے واسطے مہیت راؤ پردیسی کے ساتھ سازش کر لی ہے"

غفور خاں اس کے طرز کلام سے کچھ خائف نہیں ہوا اور اس واقعے سے صاف انکار کیا۔ یہ گفتگو رات میں ہوئی تھی اور صبح کو دن نکلتے ہی ایک فوج مع ۲ توپوں کے مہیت رام کے خیموں[1] پر جا پہنچی جس کو چلے جانے کا پھر حکم دیدیا گیا تھا۔ اس نے اس آخر حکم کی تعمیل کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کی لیکن اس کے ملازمان جو اس وقت

۲۶۶

۲۶۷

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ روے جب تک کہ حساب صاف نہ ہو جائے ان کو نقل و حرکت اور کھانے پینے کی اجازت نہ دی جاتی تھی جو جماعت کہ یہ پابندی عائد کرتی تھی اس پر بھی یہ پابندی عاید کی جاتی تھی اور دونوں کے بھوکے رہنے کی تکلیف بہت جلد مصالحت کرا دیتی تھی۔ دھرنا کے دستور کو ہر شخص سمجھتا ہے اور اس کی نہایت سختی کے ساتھ تعمیل کی جاتی ہے۔ دوسری فوجیں اس جماعت کے خلاف ہتیار اٹھانے کی مجاز نہ تھیں جس نے اپنے بقائے کی وصولی کے لئے یہ وطیرہ اختیار کیا ہو۔

[1] ۔ مئو کے قریب جسونت راؤ کی چھاونی تقریباً اس کل اراضی پر تھی جس پر کہ اب انگریزی چھاؤنی ہے اور موجودہ مستقر کے سامنے مہیت رام کے خیمے استادہ تھے۔

کھانے پکانے یا اور کاموں میں مصروف تھے وہ فوراً ہی منتشر کر دیے گئے۔ تاخیر نافرمانی کا ثبوت سمجھی گئی اور جب وہ اس سخت کارروائی پر بڑبڑا رہا تھا اس کی ذات پر حملہ کیا گیا اس وقت اس کے پاس صرف ایک نوکر موجود تھا اس لئے اس نے کچھ مزاحمت نہیں کی۔ دھرما کنور کے ایک سپاہی نے اسے گولی مار دی اس کا سر کاٹ کر عام مجرموں کی طرح جسونت راؤ کے خیمے کے سامنے ڈال دیا گیا۔ غفور خاں اس ہنگامے کے شروع ہوتے ہی اپنے دوست کو بچانے کی خاطر جسونت راؤ کے خیمے پر گیا تھا لیکن یہ دیکھکر کہ موقع نہیں رہا اس نے دھرما سے استدعا کی کہ لاش کے ساتھ جلانے کے واسطے اس کا سر واپس دیدیا جائے۔ لیکن غفور خاں کو اس قدر کامیابی ضرور حاصل ہوئی کہ اس نے رہبت رام کے ہمراہیوں کے گھوڑے اور اس کا مال و متاع جو بہت زیادہ[1] تھا واگذاشت کرا لیا جو کہ ریاست نے شروع ہی میں ان سب کو ضبط کر لیا تھا۔ امیر خاں اس وقت راجہ ناگپور سے برد آزمائی کرنے میں مصروف تھا۔ جب کہ اسے غفور خاں کے خط سے یہ حالات معلوم ہو گئے اس نے غفور خاں کو ہدایت کی کہ تم بدستور اپنی جگہ پر رہو اور وعدہ کیا کہ تمھاری اور خاندان ہلکر کی اعانت کے لئے میں بہت جلد ایک فوج روانہ کر دوں گا۔ ایک جاسوس نے اس خط کے مضمون سے دھرما کو مطلع کر دیا۔ چنانچہ اس نے غفور خاں کو حکم دیا کہ فوراً کیمپ سے چلے جاؤ ورنہ اپنی جان کی خیر نہ سمجھنا۔ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ غفور خاں جوراکو گیا یہاں پر رہبت رام کا ایک بھتیجا[2] اور سندھیا کا ایک ڈاکو سردار[3] اس سے آملے۔ اور وہ اپنے ساتھ ۲۰۰۰ آدمی اور ۳ توپیں لائے تھے۔ غفور خاں نے اس جمعیت کی مدد سے نہ صرف اپنی جاگیر[4] کے علاقوں سے جس قدر ممکن تھا جبریہ روپیہ وصول کیا بلکہ اس نے

۲۶۸

لہ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس نہایت بیش قیمت جواہرات تھے جن میں سے اکثر جواہرات جسونت راؤ کے خزانے میں رکھ دیے گئے تھے لیکن اس زمانے کے کاغذات میں درج ہے کہ اپنے اور اپنے ہمراہیوں کے مصارف کے لئے اس نے بہت سے جواہرات فروخت کر دیے تھے۔

لہ۔ زیبت راؤ

لہ۔ دھونڈا پنت تانتیا

لہ۔ جائداد

قریبی اضلاع میں بھی لوٹ مار شروع کر دی۔ لیکن دھرما کنور کی پیش قدمی پر وہ کوٹا واپس جانے پر مجبور ہو گیا جس نے جورا پر قبضہ کرنے کے لئے ایک فوج بھیج دی تھی اور اپنے درباریوں اور فوج کو اپنے ساتھ لیکر وہ بھی اس حیلے سے روانہ ہو گیا کہ جسونت راؤ ہلکر کو اودے پور کے قریب مہادیو جی کے مندر میں لئے جاتا ہوں چونکہ چند برہمنوں نے بتایا ہے کہ اسے اس تدبیر سے آرام ہو جائے گا۔ یہ کمینہ غاصب قابل ستائش ہے کہ اس نئے ضابطہ کو برقرار رکھا جس پر شاذ و نادر ہی ہندوستانی فوجوں میں عملدرآمد کیا جاتا ہے کیونکہ اگرچہ روپیہ بجبر وصول کیا گیا لیکن راستے کا کوئی کھیت نہیں مسمار کیا گیا اور نہ کسی شہر میں لوٹ مار ہوئی۔ ۲۶۹

بہت سے وجوہ سے دھرما کے کوچ میں تاخیر واقع ہو گئی اور وہ صرف بڑا صدری ایک پہنچنے پایا تھا کہ امیر خاں[1] ایک زبردست لشکر لے کر آ دھمکا۔ یہ فوج پنڈاریوں کی شرکت سے بہت بڑھ گئی تھی جو اس وقت امیر خاں کے مطیع ہو گئے تھے۔ امیر خاں نے اپنے سواروں کی امداد سے ہلکر کے خیمے کا محاصرہ کر لیا اور وہاں کے سردار سے یہ مطالبہ کیا کہ جسونت راؤ فوراً ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ دھرما نے اس کو نہیں منظور کیا۔ صرف سواروں کا باقاعدہ رسالہ اس کا ساتھی رہا باقی سب اس کی شکست کے خواہاں تھے۔ چنانچہ میدان کارزار گرم ہوا اور تقریباً ۵ روز تک خوب لڑائی ہوئی۔ امیر خاں کی پیدل سپاہ اپنے غنیم کی باتریوں اور توپوں پر کچھ اثر نہ ڈال سکی اگرچہ ان کی رسد کی آمد کے وسائل منقطع ہو گئے تھے اور انہیں زیادہ عرصے تک مقابلے کرنے کی امید نہیں رہی تھی۔ سوار روز بروز زیادہ دلیر ہوتے جاتے تھے امیر خاں نے بھی اس وقت غیر معمولی شجاعت ظاہر کی۔ اس نے بہ نفس نفیس اپنے آدمیوں کو ہمت دلائی کہ خاندان ہلکر کو ذلت اور خطرے سے بچانے کی حتی الامکان کوشش کرو جس میں کہ وہ مبتلا ہے۔ خاندان ہلکر بھی کچھ معمولی نہ تھا چنانچہ دھرما نے یہ دیکھکر کہ اس پر سخت دباؤ پڑ رہا ہے اور اب بچنا اگر ناممکن نہیں تو سخت دشوار ضرور ہے ایک نہایت

---

[1] ۔ انگریزی فوج بماتحتی سر ہنری کلوز کی پیش قدمی سے اس وقت امیر خاں ریاست ناگپور سے چلے جانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

خطرناک حرکت کی۔ بڑا صدری سے فوج کے روانہ ہونے کے روز دھرما کنور (ایک مختصر
سے فوجی دستے کی نگرانی میں) پاگل جسونت راؤ۔ تلسا بائی اور نوعمر ملہار راؤ[1] کو ایک گھنے
۲۷۰
یا سنسان جنگل میں لے گیا تھا اور اس میں شک نہیں کہ جنگ کے موجبات کا خاتمہ کر کے
اپنے بچاؤ کی امید میں اس کا ارادہ انھیں قتل کر ڈالنے کا تھا۔ لیکن اس کی یہ تجویز
ناکام[2] رہی کیونکہ جسونت راؤ کے ایک ملازم نے باڈی گارڈ[3] کے ایک مرہٹہ سردار
رتو پٹیل[4] کو اس ساری کارروائی سے مطلع کر دیا۔ وہ فوراً گھوڑا دوڑاتا ہوا اس موقع پر
جا پہنچا اور اس نے سب سپاہیوں کے مجتمع ہونے کے احکام صادر کر دیے۔ رتو پٹیل
نے دھرما کنور سے دریافت کیا کہ آپ راجہ صاحب کو ایسے مقام پر کس غرض سے لائے ہیں؟
تلسا بائی جو زار و قطار رو رہی تھی اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا کہ یہ شخص
ہم سب کو یہاں قتل کرنے کی نیت سے لایا ہے۔ دھرما کنور نے جو عذرات پیش کئے
ان سے اس کے اقدام جرم کی اور تصدیق ہوتی تھی اور چونکہ رتو پٹیل کے پاس اب
سواروں کی کافی تعداد موجود تھی جن سے کہ وہ کام لے سکتا تھا چنانچہ اس نے ساری
فوج کو ٹھہر جانے کا حکم دیا[5] اور اس کے بعد دھرما کی فوج کے افسران سے دھرما اور اس کے
مشیر خاص سو بھارام کو گرفتار کرالیا۔ بقایا تنخواہ کی ادائی کے وعدے سے دھرما کنور
کی فوج والے اپنے کمان افسران کے مخالف کر دیے گئے اور دوسرے روز صبح کے وقت
۲۷۱
یہ سب افسران تلسا بائی کے خیمے پر پابجولاں لائے گئے۔ تلسا بائی نے حکم دیا کہ ان کا
سر فوراً قلم کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک گاڑی میں بٹھا کر ان افسران کو فوجی لائن سے
ایک میل کے فاصلے پر پہنچا دیا گیا اور وہاں پر وہ سب قتل کر دیے گئے۔

---

[1] - خاندان ہلکر کا موجودہ سردار جو اس وقت صرف ۴ سال کا تھا۔
[2] - دھرما کنور کے گرفتار ہونے پر اس کے خلاف کئی آدمیوں نے شہادت دی جو اس جرم کے اقدامات سے آگاہ تھے۔
[3] - پائیگاہ۔
[4] - میں اس سیدھے سادے سپاہی سے خوب واقف ہوں وہ ابھی تک پیگاہ کا کمان افسر ہے اور
نوجوان راجہ کے دربار میں اس کی بہت عزت ہے جس کی جان اس نے بچائی تھی۔
[5] صدری سے ۲ میل کے فاصلے پر متصل سان گڈھ۔

ایام مصیبت بعض لوگوں کو قابل تعریف بنا دیتے ہیں۔ دھرماکنور[1] اپنی مستعدی[2] اور دلاوری کی بدولت جسونت راؤ سندھیا کا منہ چڑھا خادم بن گیا تھا۔ غالباً اس نے اپنے آقا کے بہت سے اوصاف حاصل کر لیے تھے۔ بلرام سیٹھ نے جو فوجی اختیارات اسے مرحمت فرمائے تھے ان کے ملنے ہی کے دن سے اس نے اپنے ذاتی اغراض کے لئے ان اختیارات سے کام لینا شروع کر دیا اور جو اعتماد بلرام سیٹھ نے اس پر کیا تھا اس نے اس کے معاوضے میں اس طرح پر اپنی ناشکر گذاری کا ثبوت دیا۔ لیکن جس طور پر اس نے رذیل لوگوں کے ایک ہجوم کو اپنے قابو میں رکھا جو اس کی ماتحتی میں دیا گیا اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہ تھا اگر جسونت راؤ کے اہل و عیال اور ریاست کے خاص افسران پر چند قیود عائد تھے تو اسی کے ساتھ وہ اس بات سے بھی مطمئن تھے کہ فوج مطیع اور فرماں بردار ہے اور ہماری ریاست محفوظ و مامون ہے۔ دھرما کے اطوار و عادات نہایت کمینہ اور ذلیل تھے اور وہ بڑا شرابی تھا چنانچہ جب اس کی گرفتاری کے لیے تیاریاں ہو رہی تھیں اور اس نے یہ اندازہ کر لیا کہ میرا یہ حشر ہونے والا ہے تو گرفتار ہونے کے وقت تک وہ اپنی زندگی کی اس آخر شب میں سوبھا رام کے ساتھ بیٹھا ہوا شراب پیتا رہا اور ناچ دیکھتا رہا۔ سوبھا رام ایک نہایت عیار بدمعاش شخص تھا اور دھرماکنور کے ساتھ اس نے دغا بازی کی تھی اور دھرماکنور کے جرائم نے اسے اس کی ہمدردی سے محروم نہیں کیا ہے جو قابل تعریف شجاعت اور مردانگی کی بابت پیدا ہوا کرتی ہے اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں اس نے جو طرز عمل اختیار کیا اس سے ہمدردانہ جذبات پیدا ہو گئے تھے۔ تلسا بائی نے قتل کا حکم نافذ کرنے کے وقت جب ارشاد فرمایا کہ "ان لوگوں کو ہنگ لیس بھیج دو" یہ ایک قلعے کا نام ہے جس میں

۲۰۲

[1] دھرماکنور ذات کا اہیر تھا جو وسط ہند میں بکثرت آباد ہیں اور انھوں نے مالوے کے نزدیک شمال مشرق میں ایک صوبے کا بھی یہی نام رکھا ہے۔

[2] سنہ ۱۸۰۵ء میں جب میں نے جسونت راؤ کے ساتھ پنجاب میں معاہدہ کیا تھا اس وقت دھرماکنور کسی بار [illegible] دکلاز کے پاس خفیہ ہدایات لیکر آیا تھا اور نسبتاً اس زمانے میں جسونت راؤ کو اس پر پورا اعتبار رکھتا وہ بڑا معتبر اور مستعد تھا اور میری رائے میں وہ سمجھ دار اور جفاکش معلوم ہوتا تھا۔

ریاست کے قیدی رکھے جاتے ہیں۔ یہ سن کر سوبھارام کو اپنی کمزوری کی وجہ سے جاں بخشی کی امید ہوگئی اور اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ "ہم کو قید خانے میں بند کرنے کے واسطے لئے جاتے ہیں" لیکن ہنگ لیس ایک خونخوار دیوی کا بھی نام ہے اور دھرما کنور نے جو تلسا بائی کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھتا تھا فوراً یہ جواب دیا کہ "بھائی تم غلطی پر ہو وہ ایک آسمانی ہنگ لیس ہے جس کے پاس ہم بھیجے جاتے ہیں"

جلاد نے دھرما کنور کی گردن پر ایک ہاتھ سے وار کیا مگر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ اس پر دھرما کنور نے قہرآلود نظر سے جلاد کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے بدمعاش دونوں ہاتھ سے وار کر کیونکہ یہ دھرما کا سر ہے جو کاٹا جاتا ہے۔[1]

پیدل سپاہ کی پلٹنوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارا بقایا فوراً ادا کر دیا جائے جس کی خاطر ہم نے اپنے سرداروں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ امیر خاں نے اپنی فوج کے ہر ایک کمانڈر پر جرمانہ عائد کر دیا اور اس سے پنڈاری سردار بھی مستثنیٰ نہ ہوئے۔ اور اس ترکیب سے ۲ لاکھ روپے وصول کر لیا جس سے پیدل سپاہ کی قدرے ضروریات رفع ہوگئیں۔ ۲۷۳

امیر خاں فوج کے ساتھ دو ماہ تک رہا پھر احکام موصول ہونے پر راجپوتانے کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ ریاست ہلکر کا خراج وصول کرے جو راجہ جے پور اور دیگر رؤسا کے ذمے باقی تھا۔ تانتیا علی کر نہایت عیار برہمن تھا اور جس کا ہلکر کے خاندان کی مستورات پر بیحد اثر تھا اس نے وزیر ریاست کو برطرف کرانے کی کوشش کی۔ امیر خاں کو پیشتر سے اس کے اس ارادے کی خبر تھی اور اس وجہ سے اس نے تلسا بائی سے استدعا کی تھی کہ اگر آپ کسی وقت بالارام سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہیں تو آپ اسے میرے کیمپ میں بھیجدیجئے گا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں اس کا کام تمام کر دوں گا اور اسی کے ساتھ امیر خاں نے بالارام کو مطلع کیا کہ اگر آپ کو میرے پاس آنے کی ہدایت کی جائے تو آپ ضرور تشریف لائیں اور میری طرف سے بے کھٹکے رہیں۔ اس کے چند روز بعد امیر خاں وہاں سے روانہ ہو گیا تلسا بائی نے وزیر کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ امیر خاں کے پاس چلے جاؤ ۲۷۴

[1] ۔ مجھے دھرما کے خاتمے کے حالات اس موقع کے ایک شاہد سے معلوم ہوئے ہیں اور اس قابل تعریف شخص کے آخر الفاظ کی تصدیق اس کے جلاد سے ہوئی جو اس وقت اندور میں موجود ہے۔

اور پھر امیر خاں سے کہا کہ تم اب اپنا وعدہ پورا کرو اور مجھے اور میری ریاست کے اس دشمن سے نجات دلاؤ۔ لیکن اس کا نتیجہ اس کی توقع کے بالکل برعکس نمودار ہوا بالارام کی بڑی آؤ بھگت ہوئی اور امیر خاں نے اس سے نہ صرف اس قدر کہا کہ میں نے آپ کی جان بچانے کے لئے یہ داؤ چلا تھا بلکہ اس کے قتل کی ہدایت کا خط بھی اسے دکھا دیا۔ اس گفت و شنید کے بعد یہ تجویز قرار پائی کہ بالارام امیر خاں کی فوج کی بقایا تنخواہ کے بل ادا کر دے اور اسی طرح اسے مالی مشکلات سے سبکدوش کر دے اور اس کے معاوضے میں امیر خاں اس کی وزارت کا حامی رہے گا وزیر نے اس تجویز کو قبول کر لیا اگرچہ بالارام جانتا تھا کہ وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ بالارام نے امیر خاں کو اجازت دی کہ اب اپنے سرداروں اور افسران کو میرے نام کی بل دید یجئے۔ یہ بل مختلف تاریخوں کے تھے اور ان کی مقدار تقریباً ایک کروڑ ۴۰ لاکھ روپے کی تھی۔ جن لوگوں کو یہ احکام دیے گئے وہ ان کی ایک ردی کاغذ سے زیادہ وقعت نہیں کرتے تھے لیکن انھیں اس قدر ضرور امید تھی کہ کچھ نہ کچھ ضرور وصول ہو جائے گا اور یہ بل ان لوگوں نے لے لیے جن کو وصولی کی کوئی اور صورت نظر نہیں آتی تھی۔ امیر خاں خود ہلکر کے دربار میں گیا تاکہ تلسا بائی اور وزیر کے درمیان مصالحت کرا دے چنانچہ بڑی مشکلات کے بعد اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی اور بالارام کے سپرد ریاست کے سارے معاملات کر دیے گئے اپنے تقرر کے بعد بالارام کو سب سے پہلے یہ فکر لاحق ہوئی کہ کسی نہ کسی ترکیب سے ان بلوں کا روپیہ ادا کر دیا جائے جن کی ادائگی کا اس نے اقرار کر لیا ہے تاکہ وہ حتی الامکان اس وعدے کو وفا کرے جو اس سے امیر خاں نے کر لیا تھا ہلکر کے دربار اور فوج کے مصارف کے لئے

لے۔ ہم اس داد و ستد کا اندازہ اس واقعے سے کر سکتے ہیں کہ بالارام نے صرف ۲ لاکھ روپے نقد دیا اور پھر ۲ لاکھ روپے کے کپڑے فوج میں تقسیم کر دیے اور اس طرح کل مطالبہ بے باق ہو گیا گویا روپے میں آدھ آنے سے بھی کم دیا گیا شرح ادائی مختلف تھی چنانچہ بعض لوگوں کو تو روپیہ میں اتنا بھی نہیں ملا ایک شخص دل سکھ رائے نے مجھ سے بیان کیا کہ مجھے ۱۲ ہزار روپے دیے جانے کا حکم تھا جس کے معاوضے میں نہایت خوشی کے ساتھ میں نے ۹۰۰ روپے کا کپڑا منظور کر لیا۔

اس زمانے میں نہایت ظالمانہ تدابیر اختیار کی گئیں چنانچہ چند خاص افسران صوبیدار مقرر
کر کے مع فوجی دستے کے علاقے پر بھیج دیئے گئے اور انھیں ہدایت کر دی گئی کہ اس
فوج کا خرچہ تمھارے ذمے ہے اور اس صرفے کے علاوہ تم جس قدر روپیہ اور وصول
کر سکو وہ حکومت کے مصارف کے لئے بھیج دو۔ یہ احکام عموماً ان لوگوں کو دیئے گئے
تھے جو فوج کی گذشتہ تنخواہ ادا کرنے۔ خزانے میں پیشگی روپیہ داخل کرنے کے
ذمہ دار قرار دیئے گئے علاوہ بریں انھیں تلسا بائی کے منہ چڑھے وزراکو رشوتیں
بھی دینی پڑتی تھیں اور اس کے بدلے میں ان صوبیداروں کو اپنے علاقے میں
لوٹ کھسوٹ کا اختیار حاصل ہو گیا تھا ان کا دائرہ عمل صرف اپنے علاقے ہی تک
محدود نہ تھا جہاں سے اُن کو بھاری تاوان وصول کرنے پڑتے تھے۔ چنانچہ ہلکر کے
علاقوں کی طرح سندھیا اور پوار کے علاقے بھی ان تکالیف کو برداشت کرتے تھے
ان لٹیرے صوبیداروں کے ہاتھ میں حملہ کرنے کا یہ حیلہ موجود تھا کہ اپنی مدافعت کا
ہمارے پاس کوئی وسیلہ نہیں ہے اور ایک مرتبہ ریاست کے افسران ہونے کی
وجہ سے بروقت ان لوگوں نے پنڈاریوں سے کہیں زیادہ ظالمانہ جرائم کا ارتکاب کیا۔
اُن مقرر شدہ قزاقوں[1] کے حالات بیان کرنا محض تضیع اوقات ہوگا کیونکہ ان کے

---

[1] ان اعلیٰ افسران میں پہلا شخص جگو باپو تھا اس کے ساتھ ۹ پلٹنیں بھیجی گئی تھیں جن میں سے دو پلٹنوں کی کمان
روشن بیگ کے ہاتھ میں تھی۔

یہ شخص اولاً ایک معمولی سپاہی تھا اور پھر ترقی پا کر کمان افسر ہو گیا اور اُس نے اپنی شجاعت
اور جواں مردی کی بدولت ہلکر کے فوجی افسروں میں ناموری حاصل کی۔ بلرام سیٹھ نے باپو وشنو کو
دوسرا صوبیدار مقرر کیا جو آجکل بخشی فوج ہے۔ اس کی فوج میں پیدل سپاہی تھے لیکن اس علاقے پر
بسر اوقات کرنے کے لئے ایک اور فوج بھیجی گئی تھی جس میں سوار ہی سوار تھے۔ سندھیا کے چند
مواضعات لوٹنے کے بعد یہ فوج ملہار گڑھ پر پڑی جو غفور خاں کے قبضے میں تھا (۱۸۱۷ء)۔
اس کے ذاتی اثر اور امیر خاں کے نام کی ہیبت کی وجہ سے لیٹروں کی یہ جماعت اس علاقے
سے واپس نہیں طلب کی جا سکتی تھی جو اس کے گذارے کے لیے اسے دیدیا گیا تھا۔ اسی سال
ایک اور شخص نے بھی بہت نمایاں کام کئے اور وہ اول بار ہی میدان میں آیا تھا اُس کی ترقی اور

مظالم اور زیادتیوں کی نوعیت تقریباً یکساں تھی ۔

۲۷۷ اگرچہ جسونت راؤ نے خود تباہی اور بربادی کا کام شروع کردیا تھا لیکن جب تک اُس کے ہوش و حواس بجا رہے وہ راجہ تھا اور اگرچہ وہ خود سختی اور زیادتی کرتا تھا لیکن اسی کے ساتھ دوسروں کی زیادتی پر انھیں سزا دینے کی قوت اور اختیارات اُسے حاصل تھے ۔ دھرما کی ذلیل غاصبانہ حکومت میں بڑا

۲۷۸ رعب و داب رہا جس کی وجہ سے بڑے بڑے سرکش مطیع اور طابع فرماں رہے

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ ۲۱۷ ۔ جب اس کے ہاتھ میں ایک فوج کی کمان تھی اس وقت کے اُس کے طرز عمل ہی سے مالوے کی کس مپرسی کی حالت اور دربار ہلکر کی کیفیت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے اس کا نام رام دین تھا یہ شخص ادنیٰ درجے کا برہمن تھا وہ کمپنی کے علاقہ ہندوستان کا رہنے والا تھا اور جسونت راؤ نے اُسے اپنا اردلی مقرر کیا تھا لیکن پھر وہ اپنے ایک نامور اور با اثر بھولن جمعدار کا مقرب بن گیا جس نے اُسے مہیسر کا انتظام سپرد کر کے نمایاں کر دیا ۔ رام دین نے اپنی ترقی کے وسائل بہم پہنچانے کیلئے مہیسر کے باشندوں کو خوب لوٹا کھسوٹا ۔ اور پہلے ہی موقع پر اُس نے ایسی شرمناک بدمعاشیاں کیں اور اس کے خلاف شکایت کا ایک طومار ہوگیا اور تلسا بائی نے تنگ آکر اُس کی گرفتاری اور قید کے احکام نافذ کر دیے ۔ یہ واقعہ اس زمانے میں پیش آیا تھا جب بالارام کو ازسرِنو اختیارات ملے تھے اور امیر خاں کی مداخلت سے اُس نے رہائی حاصل کی تھی اور اس میں شک نہیں کہ اس نے مال غنیمت میں سے امیر خاں کو بھی حصہ دیا تھا ۔ رام دین نے امیر خاں کے راجپوتانہ روانہ ہو جانے پر مینا بائی کی زیر پرستی سے اپنا کام نکالیا جس کو اس زمانے میں تلسا بائی کے معاملات میں بہت کچھ رسوخ حاصل تھا ۔ چنانچہ رام دین نے مینا بائی اور دیگر لوگوں کو بڑی بڑی رشوتیں دیں اور اس ذریعے سے اس بدمعاش شخص کو صوبیداری کے کل لوازمات یعنی خلعت فرمانروا کی مُہر اور ریاست کا جھنڈا مرحمت ہوگیا ۔ اُس نے یہ وعدہ کر کے مرہٹہ سواروں کا ایک رسالہ اپنے ساتھ لیا کہ ان کے مصارف کا میں ذمہ دار ہوں ۔ ابتدا میں اُس کے پاس تقریباً سو سوار اور دو توپیں تھیں لیکن کامیابی سے اس کی آنکھیں چکاچوند ہوگئیں اور نئی بھرتی کر کے اس نے اپنی فوج کی تعداد بڑھالی اس نے ۴ پلٹنیں بنالیں اور پھر مینا بائی کے اثر سے اس سردار کو اپنی مختصر فوج کے لئے بہت سی توپیں اور دستیاب ہوگئیں اور پھر اس کی فوج مالوے کے مغربی علاقوں کے لئے

لیکن اس کی وفات پر امیر خاں نے اسی پالسی کو اپنے لئے مناسب اور موزوں تصور کیا جبکہ وہ ناگپور سے لیکر جودھپور تک تاخت و تاراج کر رہا تھا کہ ریاست ہلکر کے وزرا اور وہاں کے فوج کے کمان افسران ایسی بدامنی کی حالت میں رہیں کہ وہ دربار ہلکر سے اس کے اقتدار کے ازالے کے لئے آپس میں ہرگز اتحاد نہ کرسکیں کیونکہ دربار ہلکر کا نام ہی نواٰس کے ہاتھ میں لوٹ اور استحصال بالجبر کا بڑا حیلہ تھا۔

تلسا بائی[1] ایک عیار ہستی کی اگر بیٹی نہیں تو شاگرد ضرور تھی جو مصنوعی تقدس کے ساتھ دنیاوی مکروہ ہوا کا بندہ تھا اس نے تلسا بائی کو زمانہ علوم و فنون کے علاوہ کچھ اور بھی لکھایا پڑھایا تھا وہ اچھی خاصی تعلیم یافتہ تھی اور ایک ایسے ملک میں جہاں پر عورتوں کو شاذ و نادر ہی تعلیم دی جاتی ہو وہ ایک غیر معمولی عورت متصور ہوتی تھی وہ حسین و جمیل لیکن زود رنج تھی۔ اس کے انداز معشوقانہ تھے۔ وہ بداخلاق بھی تھی اُس میں بیحد ذہانت اور جودت تھی اور بعض اوقات تو اس نے بیحد ہمت و جرات کا اظہار کیا اس کے مزاج میں جور و ظلم بہت زیادہ تھا جو پردہ نشینی کے تو بالکل منافی تھا کیونکہ اس نے پردہ نشینی ہی میں پرورش پائی تھی اور اہلیہ بائی کی مثال کے بالکل برعکس (جو ہر معاملے میں اُس کے برعکس ہی کرتی تھی) آخر دم تک نہایت سفاک اور ظالم رہی

۲۷۹

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ ۲۷۸: خطرے کا موجب بن گئی۔ جن لوگوں کو وہ لوٹ سکتا تھا اُنھیں بلا امتیاز لوٹ لینے کا اسے حق حاصل تھا اور اس کے سپرد یہی کام تھا کہ وہ لوٹ مار کرتا رہے۔ تباہی کی آمد کا اس سے بہتر اب تک انتخاب نہیں ہوا تھا اس کے کیرکٹر کی خصوصیات یہ تھیں کہ غلامی۔ جھوٹ اور کمینگی کی معجون مرکب نہایت عیار خوشامدی مغرور لاف زن کسی اصول یا خیال کا پابند نہیں مصیبت کے وقت کمینہ خوشحالی کے وقت گستاخ۔

اُس نے اپنے یا خاندانی تعلقات کی کبھی پروا نہیں کی اور جبکہ کوئی فوری خطرہ محسوس نہ ہوتا تو وہ بلا امتیاز ہر ایک قوم اور ہر شخص سے جبریہ روپیہ وصول کر لیتا تھا۔ اس معاملے میں اس کا اندازہ بالکل ٹھیک ہوتا تھا اور اُس کی یہ ہوشیاری ہی اُس کی کارروائی کی معاونت کرتی تھی۔

اس شخص کے حالات کے بیان میں کسی قدر طوالت ہو گئی لیکن اس کی ملازمت اُن کارروائیوں کی ایک عمدہ مثال پیش کرتی ہے جن کی بدولت صوبۂ مالوہ میں ناقابل بیان مصائب نازل ہوئے۔

[1] بیٹھا مان بھاؤ سادھو عام طور پر تلسا بائی کا حقیقی باپ سمجھا جاتا ہے یہ مصنوعی سادھو مہیسر میں رہتا تھا

تلسا بائی کو پردے میں رکھنے کا سبب اس کا شباب اور حسن وجمال تھا لیکن غالباً اُس کی بدچلنی اور آوارگی بھی اُس کے پردے[لے] میں رہنے کا باعث تھی ابتدا میں وہ اسقدر بے حیا نہ تھی جس سے کہ سرکشی پیدا ہو جائے کیونکہ وہ بخوبی سمجھتی تھی کہ اگر عام طور پر یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ آوارہ مزاج عورت ہے تو اس سے اس کی حکومت کے اقتدار کو نقصان پہنچے گا۔ اہلیہ بائی کی مثال نے عورت کو حکمرانی کے اختیارات دینے کی تائید کا خیال پیدا کر دیا تھا اور تلسا بائی کو اس سے نفع پہنچا لیکن یہ دھوکا بہت جلد دور ہو گیا تلسا بائی کے ہر ایک فعل سے ظاہر ہو گیا کہ اس میں جملہ زنانہ نزاکتیں، دلفریبیاں اور بدکاریاں موجود تھیں لیکن اس میں کوئی ایسی نیکوکاری نہیں تھی جو ان بداعمالیوں کے اثر کو زائل کر دیتی علاوہ بریں اُس اعتماد کے حاصل کرنے کی بھی خواہاں تھی جو اُس کی پیشرو اہلیہ بائی کو میسر تھا۔ ۲۸۰

مینا بائی کا حال ہم ابھی بیان کر چکے ہیں وہ ملہار راؤ کی مدخولہ ہر کیا بائی کی خادمہ اور مجیبھا مان بھاؤ مہنت کی چیلی تھی۔ اب وہ تلسا بائی کی معتمد تھی اور اُس نے خوشامد و چاپلوسی اور اپنی مالکہ کی تفریحات کا بند و بست کرنے سے اپنی مست شباب مالکہ پر اپنا پورا اثر جما لیا تھا۔ یہ ۶۰ برس کی ڈھڈو بڑی لالچی تھی اس نے بہت روپیہ جمع کر لیا تھا کیونکہ جو لوگ اس کی اعانت کے خواستگار ہوتے وہ رشوت دینے پر مجبور ہوتے۔ وہ عبادت گزار تھی لیکن اس کی پوجا پاٹ صرف اپنے مت کے اعمال تک محدود تھی اور اس وجہ سے بہت سے راسخ الاعتقاد ہندو اس کے مخالف تھے کیونکہ وہ لوگ فرقہ مان بھاؤ کو ناپاک اور نجس تصور کرتے ہیں مگر وہ اپنے خیالات پوشیدہ

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ ۲۱۹۔ اور اپنی چیلی ہر کیا بائی کی مہربانی سے بہت امیر ہو گیا تھا۔ اُس کی پالکی، گھوڑے اور بہت سے نوکر تھے۔

لے۔ پردے کے معنی چلمن یا نقاب کے ہیں لیکن اکثر یہ لفظ استعارے کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس کے معنی گوشہ نشینی کے ہیں چنانچہ ہندوستان میں بہت سی مستورات پردے میں رہتی ہیں لیکن یہاں پر اور اسی طرح بہت سے دیگر حالات میں جہاں پر کہ عورتیں کاروبار کرتی ہیں پردے کے لغوی معنی لیے جاتے ہیں چونکہ وہ ایک چلمن کے پیچھے بیٹھتی ہیں جہاں پر وہ دوسروں کی باتیں سن سکتی ہیں اور اپنی باتیں دوسروں کو سنا سکتی ہیں

رکھتے تھے ورنہ مینا بائی فوراً اُن کی توہین کرکے یا اُنھیں کچھ نقصان پہنچا کر انتقام لے لیتی۔

بالارام سیٹھ وزیر ریاست قوم کا بنیا تھا۔ وہ جسونت راؤ کے مویشیوں کے لئے دانہ تلوانے اور فراہم کرنے کی نگرانی پر ایک معمولی اہلکار تھا جسونت راؤ کے پنجاب جانے پر بالارام کا عہدہ بڑھ گیا اور اُس پر اس درجہ اعتماد ہو گیا تھا کہ حکومت برطانیہ سے معاہدہ کرنے میں وہی نمایندہ بنایا گیا تھا۔ اس موقع کی کامیابی نے اُس کے آقا کے دل پر ایسا اثر کیا کہ مذکورہ وجود سے بالارام سیٹھ وزیر اعظم بن گیا! اس شخص کا مزاج نرمی۔ دروغ گوئی۔ نیک بختی اور ہوا و ہوس کا مجموعہ تھا۔ اور وہ اس موقع اور اس کام کے لئے جو اُسے انجام دینا تھا نہایت موزوں ثابت ہوا۔ اُس کے پاس ابتدا سے ہی کچھ دولت نہ تھی جو ضائع ہو جاتی اور نہ اُس کے پاس کبھی کوئی جائداد ہوئی۔ اس سے جو سوال کیا جاتا اُس کے متعلق وہ وعدہ ضرور کر لیتا تھا اگرچہ اُس نے اپنا کوئی وعدہ کبھی وفا نہیں کیا لیکن وہ بظاہر اس قدر نیک مزاج اور خوش اخلاق تھا جس کی وجہ سے دھوکا کھانے پر بھی کوئی شخص اُس سے ناراض نہیں ہوتا تھا۔ وہ دیگر حضرات کے مقابلے میں ہمیشہ بہتر معلوم ہوتا تھا اور فی الحقیقت وہ سب سے بہتر تھا اگرچہ اپنی نیک بختی کی وجہ سے وہ تلسا بائی اور اُس کی مُنہ چڑھی مینا بائی کا مطیع اور فرماں بردار تھا لیکن اور لوگ تلسا بائی اور مینا بائی کی فضول خرچیوں کے مانع اور مزاحم اسی کو سمجھتے تھے۔ اگرچہ وہ بغاوتوں کے درمیان رہتا تھا لیکن اُس کی ذات ہمیشہ مامون اور محفوظ رہتی کیونکہ فوج والے اُسے اپنا کرم گستر تصور کرتے تھے کیونکہ اُسے جسقدر بھی وصول ہو سکتا وہ فوج والوں کو دیدیتا اور اس کے ساتھ اُن سے یہ وعدہ کر لیتا تھا کہ آیندہ جسقدر بھی روپیہ دستیاب ہوگا

۲۸۱

۲۸۲

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ ۱۵:۔ اور چلمن کے روزنوں میں سے وہ دوسروں کو دیکھ سکتی ہیں مگر وہ نظر نہیں آتی ہیں۔

[1] وہ اگروال بنیا تھا۔ اس کا خاندان جگور ضلع ہریانہ سے آیا تھا لیکن اُس کی پیدائش یا کم از کم اُس کی پرورش مالیگاؤں ضلع خاندیس میں ہوئی تھی۔

[2] ۱۸۰۵ء میں اس شخص نے ہلکر اور برطانیہ کے مابین مصالحت کے لئے معاملات طے کئے تھے۔

وہ تمھارا ہوگا۔ فی الحقیقت وہ فوج والوں کا کارکن بن گیا تھا۔ غالباً وہ اسی حیلے سے جبر یہ روپیہ وصول کرتا تھا کہ فوج کی سرکشی رفع کرنے کے لیے اُن کا مطالبہ بیباق کرتا ہے۔ ایسے کارپرداز[۱] ایسے وزیر رام دین جیسے کمان افسران، غیر منظم اور باغی فوج سے اس ملک کی حالت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ راعی اور رعایا دونوں کے حقوق کی کچھ توقیر نہ تھی۔ ہر جگہ ظلم و ستم کے مناظر دکھائی دیتے تھے۔ کھلے ہوئے دیہات اور قصبات میں لوٹ مار ہوتی تھی۔ چہار دیواری سے محصور قصبات پر گولہ باری کی جاتی تاوقتیکہ وہ خراج ادا نہ کردیتے جو سردار لوٹ مار میں کامیاب ہوگئے تھے اُنھیں وہ لوگ حملہ کرکے لوٹ لیتے جو ان سے زیادہ طاقتور تھے۔ سندھیا۔ ہلکر پوار اور پنڈاریوں کے سواروں میں باہم لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں اور راجپوت فرماں روا اور لٹیرے سردار موقع اور مصلحت کے لحاظ سے مختلف جماعتوں میں شرکت کرتے۔ بھیل جو فطرۃً لٹیرے ہیں باقاعدہ حکومت کے فقدان سے شہ پاکر میدانی علاقوں میں مال غنیمت تلاش کرنے کے لیے اپنے پہاڑی قلعوں سے نکل پڑے تھے۔ دیہاتی لوگ لاچار اور بے بس ہوکر ڈاکو بن گئے تھے اور اپنے پڑوسیوں کو لوٹ کر اپنے نقصان کی تلافی کرلیتے تھے یہ حالت عرصۂ دراز تک نہیں قایم رہ سکتی تھی۔ چنانچہ بہت جلد لٹیروں کے گروہوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی روزی پیدا کرنے کے لیے یہاں سے کسی دور دراز مقام پر چلے جائیں۔ ۲۸۳

ہلکر کا کوئی علاقہ اس زمانے کی عام تباہی سے نہیں بچا تھا۔ دیواس اور دھار کے پواروں اور نواب بھوپال کے علاقے۔ سندھیا کے چند علاقے اور راجپوت ریاستیں بجز ریاست کوٹا کے اس عام تباہی میں مبتلا ہوگئی تھیں کیونکہ اُن وجوہ سے جن کا تذکرہ بعد کو کیا جائے گا اس عام تباہی کے دوران میں ریاست کوٹا کی خوشحالی اور سرسبزی کو اور فروغ حاصل ہوگیا تھا اس غارت گری کے زور کے دوران ہی میں جسونت راؤ نے بمقام بام پورہ وفات پائی اور ۱۸۱۱ء

---

[۱] اس شخص کا حال انگریزی کتاب کے صفحہ ۲۷۶ کے نوٹ میں درج ہے۔

سنہ ۱۸۱۱ء

اس کے انتقال سے پیشتر تلسا بائی نے ملہار راؤ کو متبنہ کرلیا تھا اور اپنے حقیقی فرزند کی طرح اس کی پرورش کی ملہار راؤ کیسرا بائی[1] کے بطن سے جسونت راؤ کا بیٹا پیدا ہوا جو ایک ہنچ ذات کی عورت تھی لیکن جسونت راؤ نے اُسے اپنے محل میں داخل کرلیا تھا۔

اپنے باپ کی وفات کے بعد یہ لڑکا مسند نشین کر دیا گیا اور عام طور پر وہ راجہ مان لیا گیا۔ کوٹا کا قابل کارپرداز ظالم سنگھ اس نوعمر راجہ کی خدمت میں اپنا ہدیہ پیش کرنے کی غرض سے بام پورے میں حاضر ہوا۔

جسونت راؤ کے انتقال سے ۱ ماہ بعد تلسا بائی کی حکومت پر ایک وار ہوا جس کا بانی مبانی دولت راؤ سندھیا سمجھا گیا۔

اس راجہ کا ایک رشتہ دار جتیبا مینا نوعمر ملہار راؤ کے یہاں ملازم ہو گیا تھا اور اس کی وساطت سے ۲ پلٹنوں کو جو جگوبا کے زیر کمان تھیں غدار بنا دیا گیا اور بقایا تنخواہ کے مطالبے کے بہانے سے یہ فوج ایک سازش کی حمایت کے واسطے بام پورے کی طرف روانہ ہو گئی اور خاندان ہلکر کی ۲ عورتیں ایما بائی اور لارا بائی[2] اس سازش کی بظاہر سرغنہ بتائی گئیں۔ یہ بات طے ہو گئی تھی کہ لارا بائی اندر راؤ ہلکر جو اگر ہزار جا لین کے بیٹے ہیبت راؤ[3] کو متبنٰے کرے جس کے حقوق خاندانی اولاد کے لحاظ سے حرامی باپ کے حرامی فرزند کے حقوق سے زیادہ قابل ترجیح ہیں جس کو چند بدمعاشوں نے مل کر اپنے ذاتی اغراض کے باعث مسند نشیں کر دیا ہے۔ لیکن راز فاش ہونے پر

۲۸۴

---

[1] موجودہ والئ ریاست کی ماں کیسرا بائی ذات کی کمہارن تھی۔

[2] ایما بائی ملہار راؤ کی بیوہ تھی جو پونا میں مارا گیا تھا اور لارا بائی جسونت راؤ کی بیوی تھی۔

[3] ہیبت راؤ ۱۶ برس کا تھا۔ اس سازش کی ناکامی پر وہ خاندیس کو بھاگ گیا جہاں اس نے پھر اپنی ایک جماعت بنانے کی کوشش کی لیکن بالا رام سیٹھ نے بھائی رام داس نے اس کے ہمراہیوں کی اس مختصر جماعت پر جو اس نے تیار کی تھی حملہ کر کے اُسے شکست دیدی۔ ریاست ہلکر کی مسند کے اس مصنوعی دعویدار کا پھر کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ دکن کے کسی مقام پر کس مپرسی کے عالم میں رہتا ہے۔

یہ سازش ناکامیاب رہی۔ غفور خاں نے اس موقع پر ایک نمایاں کارنامہ انجام دیا جو ملہار راؤ کا حامی تھا اور نہ صرف جملہ وزرا بلکہ ظالم سنگھ بھی جو اس وقت بہرام پورے میں تھا اس کے معاون بن گئے۔ جگو بالپو کی پلٹنیں اولاً پسپا ہونے پر مجبور کی گئیں پھر ان سے ہتھیار لے لیے گئے اور ان کا ساز و سامان لوٹ لیا گیا۔ اور بدبخت ایما بائی اور لارا بائی جن کا برائے نام اس سازش سے تعلق تھا تہ تیغ کر دی گئیں جتیبا مینا فرار ہو گیا اور اس کی جائداد ضبط کر کے تباہ کر دی گئی۔ چند دیگر خفیف مجرمان کو پھانسی دی گئی اور جگو بالپو (غالباً برہمن ہونے کی وجہ سے) طویل قید بامشقت کے علاوہ کسی مزید سزا سے بچ گیا۔

فوج کی متواتر بغاوتوں اور ان سے پیدا ہونے والے خطرے کی وجہ سے دیوان گنپت راؤ چند تجاویز لے کر مہاراجہ سندھیا کے حضور میں حاضر ہوا از انجملہ ایک تجویز یہ بھی تھی کہ مالی امداد کے معاوضے میں آپ ریاست ہلکر کا ایک علاقہ رہن رکھ لیں۔ کہا جاتا ہے کہ دولت راؤ سندھیا نے اس تجویز کو بھی ویسی ہی مسرت کے ساتھ سنا جیسا کہ اس نے دوسری تجویزوں کو سنا تھا چونکہ اس سے ہلکر گورنمنٹ پر اسے اقتدار حاصل ہونے کی توقع پیدا ہو گئی۔ ایک معاہدہ قرار پایا اور دیوان مع سندھیا کے چند ساہوکاروں کے واپس آیا جن کو یہ ہدایات کی گئی تھیں کہ جب نامزد شدہ علاقوں کی دستاویزات سندھیا کے حوالے کر دیے جائیں اس وقت وہ فوج کے مطالبات بے باق کرنے کا بندوبست کر دیں۔ لیکن غفور خاں نے اس تجویز کی تکمیل میں اپنے اور اپنے آقا کے اقتدار کی تباہی دیکھی اور پھر اس نے اپنے دوستوں (خاص کر تانتیا جوگ[1] سے) مشورہ کرنے کے بعد امیر خاں کو اپنے اور ریاست ہلکر کے

۲۸۵

۲۸۶

---

[1] ریاست ہلکر کا موجودہ وزیر تانتیا جوگ کرادی برہمن ہے (اس فرقے کے حالات اور رسم ورواج کے لیے "بمبئی کی ادبی انجمن کی کارروائیاں" Transactions of the Banbay Society کی جلد سوم صفحہ ۵۶۸ ملاحظہ کیجیے) وہ خاندیس میں پیدا ہوا تھا گر بچپن ہی میں

حقوق کی حفاظت کے واسطے جودھ پور سے طلب کیا۔ چنانچہ پٹھان سر بہت جلد دربار ہلکر میں جا پہنچا اور اُسے اس معاہدے کے کالعدم کرانے میں پوری کامیابی حاصل ہو گئی۔

تلسا بائی کو امیر خاں کی زبانی یہ سن کر بہت غصہ آیا کہ امیر خاں سے اس کی بابت کہا گیا کہ وہ ایک بے وفا عورت ہے اور تانتیا جوگ[1] کے دشمنوں نے تلسا بائی کو یہ یقین دلایا کہ وہی اس تہمت کا بانی ہے۔ تلسا بائی نے فوراً اس کا سر قلم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن اپنے دوستوں[2] کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ہیسر چلا آیا جہاں پر اس کا بڑا بھائی بالاجی ناتھ ہری پنت کے یہاں گماشتہ تھا جو اس وقت مالوے میں ایک بڑا ساہوکار تھا۔ اس ساہوکار (جس کا نام اس نوعمر برہمن نے اعزاز کے لیے اختیار کیا تھا) کا روبار اہلیہ بائی کے انتقال کے بعد بگڑ گیا۔ لیکن چونکہ تانتیا گمبو کے ایک یورپی کمانڈر کے یہاں ملازم تھا اور وہ اس کا معتمد بن گیا اور وہ ان علاقوں کے انتظام میں شریک ہو گیا جو اس فوج کے مصارف کے واسطے دیا گیا تھا اور فوج کی تنخواہ دینے کے لیے روپیہ فراہم کرنے کا کل کام اسی کے سپرد کر دیا گیا۔ جسونت راؤ کے ہندوستان فتح کرنے سے بیشتر تانتیا کا تعلق انگریز افسران کے قتل سے بیشتر تک ہلکر کے رسالوں سے رہا۔ اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد اس نے فوج کی ملازمت ترک کر دی اور وہ اُجین کو واپس آ گیا جب فوج مالوہ واپس آ گئی تو پھر وہ بھی اس میں داخل ہو گیا اور بالارام سیٹھ کی دوستی اور پشت پناہی میں وہ حسب معمول ساہوکاری کا (جو وہ اب تک کرتا ہے) کام کرنے لگا۔ دھرما کے کمان افسر رہنے کے وقت تک اس کی سخت گیری کی وجہ سے تانتیا جوگ نے فوج سے کوئی سروکار نہیں رکھا لیکن دھرما کے انتقال ہو جانے پر پلٹنوں کا جائزہ تانتیا جوگ کے سپرد کیا گیا جس کے نظام کو اس نے تبدیل کر دیا اور پھر اس کے جاہ و حشمت کو اور عروج حاصل ہو گیا۔

[1] ۔ تانتیا ملیکر کرہی وہ شخص تھا جس نے اس موقع پر تلسا بائی کو تانتیا جوگ سے ناراض کر دیا تھا اور پھر لامحالہ دونوں کے درمیان ناقابل اصلاح نفرت پیدا ہو گئی۔

[2] ۔ غفور خاں نے تانتیا جوگ کو سب سے پہلے اس خطرے کی اطلاع دی اور اس کے فرار ہونے میں دست گیری کی۔

کوشش اور مدد سے وہ تلسا بائی کے انتقام سے باز آیا۔ وہ کوٹا چلا گیا اور وہاں کچھ ماہ تک ٹھیرا رہا۔ امیر خاں کے کیمپ سے چلے جانے کے بعد سندھیا سے مالی امداد حاصل کرنے کی تجویز پھر پیش ہوئی اور بلرام سیٹھ و مینا بائی کے مشورے سے تانتیا جوگ کو گوالیار بھیج دیا گیا۔ اس نے ایک معاہدہ طے کیا۔ جس کی رو سے یہ قرار پایا کہ سندھیا ۴ لاکھ روپے سالانہ ادا کرے بشرطیکہ اسی قدر آمدنی کا علاقہ اس کے حوالے کر دیا جائے۔ دوسرا معاہدہ مختلف واقعات اور خاص کر فوج کی عام بغاوت کی وجہ سے منسوخ ہو گیا۔ اس فوجی بغاوت کی وجہ سے تلسا بائی مجبوراً کمسن ملہار راؤ کو لے کر غفور خاں کے خیمے میں چلی گئی اور پھر اپنی فوج کی زیادتیوں کی وجہ سے اس نے گنگور کے قلعے میں پناہ لی جو عارضی طور پر ظالم سنگھ مختار ریاست کوٹا کو دیدیا گیا تھا۔ ۲۸۸

تانتیا جوگ کوٹا سے واپس آگیا اور اس نے ظالم سنگھ کے اثرات کی اعانت سے ریاست کے معاملات کی رہبری میں نمایاں حصہ لینا شروع کیا وہ ایک سازش کا شکار ہونے والا تھا جس کا بندوبست مینا بائی نے اس کی اور دیگر حضرات کی گرفتاری کے واسطے کیا تھا تا کہ ان لوگوں کی جائداد لوٹ کر فوج کی تنخواہ ادا کر دی جائے اور ریاست کا نظم و نسق رام دین کے ہاتھ میں دیدیا جائے۔ رام دین نے اپنی فوج اور اپنے بھائی کے جو حال ہی میں وارد ہوا تھا جو نہ صرف صاحب جائداد تھا بلکہ کئی بڑے بڑے اضلاع کا ٹھیکہ دار بھی تھا اور اس کا تعلق اجین کے کئی بڑے بڑے ساہوکاروں سے تھا۔ جن میں سے ایک ساہوکار اس کے ہمراہ گنگور سے اس لیے آیا تھا کہ مجوزہ انقلاب کی حمایت جس فوج نے

لہ ۔ اس شخص کا نام کمن لعل عرف جوشی ہے یہ شخص تعلیم یافتہ اور کاروباری ہے اس نے عرصہ دراز تک لوٹ مار میں زیادہ حصہ لیا ہے اس طرح اور دوسرے ذرائع سے اس نے کثیر دولت پیدا کر لی ہے وہ اجین میں رہتا ہے اور دولت راؤ سندھیا نے اپنے کئی علاقوں کا انتظام سپرد کرنے کا وعدہ کیا تھا بشرطیکہ وہ میری رضامندی حاصل کر لے اس نے اس کے متعلق بھی کوشش کی لیکن اس کی بد اعمالی کی وجہ سے صاف انکار کر دیا گیا۔

سے ۔ بھگوت داس ایک معزز اور متمول شخص ہے۔

کی ہے۔ اُس کو بقایا اور آئندہ تنخواہ وصول ہوجانے کا اطمینان دلادے۔ ۲۸۹
ہر ایک دربار کی ایک معینہ تاریخ ہوتی ہے اور اگر ہندوستان کے
چند درباروں کی معینہ تاریخ بے نقاب کردی جائے تو سازش اور عیاشی کے
حیرت انگیز مناظر رونما ہوجائیں گے۔ دربار ہلکر کے اس زمانے کے روزمرہ واقعات
بیحد شرمناک اور بدمعاشانہ ہیں۔

تلسا بائی اپنی سیہ کاریوں کے لیے بے حد رسوا اور بدنام تھی لیکن دیوان
گنپت راؤ کے ساتھ ناجائز تعلق کی اب عام شہرت ہوگئی جس کے بہت بڑے
نتائج برآمد ہوئے۔ تانتیا جوگ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اُس نے
دیوان ریاست کو یہ نصیحت کی تھی کہ اب[۱] اپنی اور اپنی جماعت کی خیر سگالی
کے لیے تلسا بائی کی نفسانی خواہش کو پورا کردئے اور اس میں شک نہیں کہ
اُس نے اپنی جماعت کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ایسی حرکت
دور اندیشی اور احتیاط کے خلاف ہے اور وہ اس اثر کو زائل کرنا ہرگز
پسند نہیں کرتا جس کی بدولت اُسے اور اس کے احباب کو حکومت ملی
ہے۔ آن کی پہلی غرض بینا بائی کی تباہی تھی جس پر تلسا بائی بلاشک وشبہ ۲۹۰
راضی ہوگئی تھی۔ تلسا بائی اپنے نفسانی جذبات کی غلام تھی اور اب اپنے
عاشق کی بے حد دلدادہ ہوگئی تھی گنپت راؤ کی تجاویز کی تعمیل کی خاطر اس
کا سابق منظور نظر قید کردیا گیا تانتیا علیکر اس وقت ریاست سندھیا کے
گماشتوں اور ساہوکاروں کے ساتھ واپس جارہا تھا جو ضروری بیشگی رقم

۱؎ ۔ جسونت راؤ کو اپنے شہوانی جذبات پر کچھ قابو حاصل نہ تھا اور اس کے درباری
الطاف خسروانہ حاصل کرنے کے لیے عموماً اپنی مستورات کی عصمت قربان کردیتے تھے۔ چنانچہ
گنپت راؤ کی گل اندام بیوی راجہ اور وزیر کے درمیان ایک قسم کی کڑی سمجھی جاتی ہے۔
اس زمانے میں جس کا حال میں لکھ رہا ہوں اس خاتون نے تانتیا جوگ کے ساتھ
مل کر کھلم کھلا سازش کی اور اپنے شوہر اور اس کے درمیان یہی خاتون خوش فہمی کا
خاص وسیلہ تھی۔

ادا کرنے اور مالی امداد کی سالانہ ادائیگی کی ضمانت کرنے کے واسطے جس کا وعدہ سندھیا نے کیا تھا اُس کے ہمراہ تھے۔ لیکن یہ خبر سن کر تانتیا کوٹا میں رُک گیا کہ نہ صرف اس کی حامی و مددگار بینا بائی قید ہو گئی ہے بلکہ رام دین فوجی کمانڈر بھی حوالات میں ہے جس پر تانتیا کو بے حد وثوق اور اعتماد تھا اور وہ نہ صرف سارا روپیہ اپنے دشمنوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہوا جسے وہ اپنا رسوخ بڑھانے کی خاطر لایا تھا بلکہ وہ بقایا تنخواہ کی ضمانت کے لیے ہلکر کے شورہ پشت سواروں کے سپرد کر دیا گیا۔

ان واقعات کے بعد تلسا بائی گنگور سے اپنے کیمپ کو چلی گئی فوج والوں کو کچھ روپیہ دیدیا گیا اور پھر چند روز بعد سب لوگ موسم برسات گزارنے کے لیے قصبۂ بکسی کے قریب چلے گئے جو دریائے کالی سندھ پر واقع ہے۔

۲۹۱

رام دین اور بینا بائی قید کر کے فوج کے ساتھ لائے گئے اور رام دین کے ہاتھی کے متعلق غفور خاں اور تانتیا جوگ میں جھگڑا ہو گیا اور یہ جھگڑا غفور خاں کے تانتیا علیکر کو پناہ دینے سے بہت بڑھ گیا جو کوٹا سے آیا تھا اور جس نے تلسا بائی کو مسند سے برطرف کر کے اُس کی قیدی بینا بائی کو مسند نشین کرنے کی غرض سے اپنی ایک جماعت مرتب کرنے کی کوشش کی تھی۔ بالارام کے دوستوں کا بیان ہے کہ گنپت راؤ اور تلسا بائی کے درمیان علانیہ آشنائی سے خاندان ہلکر کی جو رسوائی اور بے حرمتی ہوئی اس سے متاثر ہو کر بالارام اس سازش میں شریک ہوا تھا لیکن تلسا بائی اور اُس کے آشنانے (جو ناسمجھ تھا)[1] تانتیا جوگ کی قابلانہ ہدایت پر عمل کیا جس نے بینا بائی کو فوراً

[1] میجر اگینو نے جب دیوان کے متعلق تانتیا جوگ سے گفتگو کی تو اس نے کہا کہ "وہ گنپت راؤ ذاتی طور پر ہمیشہ سے ایک کمزور اور قابل نفرت شخص ہے" گنپت راؤ کی یہ تقریر قابل تائید شہادت معلوم ہوتی ہے اور جس زمانے میں کہ یہ شخص گنپت راؤ اور تلسا بائی کا مشیر تھا اُس وقت اُس کی دونوں پر حکومت تھی لیکن وزیر کے دوست کہتے ہیں کہ یہ حالت نہیں تھی۔ میں نے تانتیا کے نہایت معتمد کارکن راؤجی ترمبک سے دریافت کیا کہ آیا گنپت راؤ ایک کمزور شخص نہ تھا اور اس کی وجہ سے

رہا کر دینے کا مشورہ دیا۔

یہ خاتون اگرچہ مقید تھی لیکن اس وقت تک اُس کا ادب و احترام ہوتا ۲۹۲
تھا لیکن اب گنپت راؤ نے اس قیدی کا مطالبہ کیا اور اس کی مالکہ (تلسا بائی)
انکار نہیں کر سکی۔ یہ خاتون جس کے ساتھ بے حد پیار و محبت کا برتاؤ ہوتا رہا
اب گنگورے جانے کے لیے موسلا دھار بارش کے وقت گھسیٹی گئی اس نے بحد
منت و سماجت کی کہ مجھے اپنی مالکہ (تلسا بائی) کے آخری درشن کر لینے دو اور
اُس نے اپنی اس التجا کو پیش کرنے میں اس قدر ہائے واویلا مچایا کہ اُسے
تلسا بائی کے خیمے تک پہنچا دیا گیا اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ صرف یہ چند
منٹ ہی کے لیے مجھے خیمے کے اندر جانے کی اجازت دیدی جائے۔ لیکن
گنپت راؤ کے ورغلانے سے تلسا بائی اس قدر بگڑی ہوئی تھی کہ اُس نے باآوازبلند
کہا تھا کہ سب لوگ سن سکیں "اسے اندر نہ آنے دو۔ اسے لے جاؤ" اور لاؤ وہ
گنگور لائی گئی اور پھر وہاں سے بجل پور پہنچا دی گئی۔ یہاں پر چند روز تک اُسے
دم لینے کا موقع مل گیا لیکن پھر باڈی گارڈ کے رسالے کو ہدایت کی گئی کہ مینا بائی
سے ایک کثیر رقم جبریہ وصول کرلے۔ اُس پر ہر طرح کی سختی کی گئی لیکن اُس نے ۲۹۳

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ وہ تانتیا جوگ جیسے شخص کے ہاتھ میں صرف آلۂ کار نہ تھا اُس نے فوراً
برجستہ جواب دیا کہ "گنپت ایسے نیم احمقوں میں سے ہے جو مشکل سے کسی کے قابو میں آسکتا
ہے۔ اکثر معاملات میں اس سے جو کچھ کہا جاتا ہے اُسے کر دیتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی وہ اپنی
رائے سے بھی کام کرتا ہے جس سے سارے کام خراب ہو جاتے ہیں علاوہ بریں دیوان گنپت راؤ
اکثر تلسا بائی کے خوش کرنے کے لیے بھی بعض کام کر دیتا تھا جس کا کلام شیریں اور دلفریب ہوتا
تھا مگر بعض وقت تمسخر انگیز ہوتا اور وہ ریاست کے معاملات کو بالکل نہیں سمجھتی تھی اور اُسے اپنے
جذبات پر قابو حاصل نہ تھا اس کا مزاج اس قدر تیز تھا کہ اس کی بدولت وہ نہایت ظالمانہ حرکات کر بیٹھتی تھی۔
لہ۔ بجل پور مینا بائی کو بطور جاگیر کے دیا گیا تھا یہ مقام اندور سے ۳ میل کے اندر ہے اور پھر اُس نے
اپنے گرد ہرا بائی کو بجل پور دیدیا جو اب تک اس گاؤں پر قابض ہے اگرچہ اس گاؤں کی آمدنی
اب کم ہو گئی ہے۔ یہ گرد مینا بائی کے ساتھ اُس کے آخر سفر میں گیا۔

شروع ہی سے انکار کیا کہ میں تو ایک روپیہ بھی نہیں دوں گی وہ اس سے منکر نہ تھی
کہ اس نے بہت دولت جمع کی ہے اور وہ اکثر جوش میں آکر کہتی تھی کہ "مجھے تلسابائی کے
پاس لے چلو اگر وہ ۱۰ لاکھ طلب کرے تو میں فوراً دیدوں گی" لیکن مینابائی کے دشمن
ہمیشہ اس ملاقات سے احتراز کرتے تھے اور ان کی سختیاں برابر جاری رہیں حتیٰ کہ ان کا
مقصد پورا ہوگیا۔ مینابائی نے بھوک اور ظلم وستم سے تنگ آکر زہر کھالیا اور اس طرح اس
معاملے کو ختم کردیا لیکن وہ نہایت استقلال کے ساتھ آخر وقت تک اپنے اس ارادے پر
قائم رہی کہ میں ان لوگوں کو نفع نہیں پہنچنے دوں گی جو میری تباہی کے موجب ہیں۔
اس واقعے کے بعد جلد فوج نے بغاوت کردی اور ان کی شورش سے تنگ آکر تلسابائی
بڑی مشکل سے اپنے کیمپ سے نکل کر بھاگی اور اس نے پھر گنگور میں پناہ لی۔ کچھ عرصہ
پیشتر ظالم سنگھ نے یہ قصبہ تلسابائی کو واپس کردیا تھا[2]۔ تلسابائی نے گنگور پہنچ کر فوراً ہی
نہایت فیصلہ کن کارروائی شروع کردی۔ توپ خانہ اور پیدل سپاہ کی کئی پلٹنیں ابھی تک
اس کی فرماں بردار تھیں۔ لیکن اول الذکر سے خائف ہوکر اس نے بجز چند چھوٹے
دستوں اور غفور خاں کی فوج سے اپنی فوج کے مسلمانوں کو وہاں سے دور چلے جانے
پر مجبور کردیا اور یہ اعلان کردیا کہ اس کے بعد ہلکر کی ملازمت میں صرف ہندو بھرتی
کیے جائیں اور یہ کارروائی اس حیلے کی بنا پر کہ مسلمان زیادہ شورہ پشت ہیں اور
حقیقت یہ تھی کہ یہ تنخواہ دار فوج امیر خاں کی تابعدار تھی جسے وہ اپنا خاص دشمن سمجھتی
تھی۔ ان کارروائیوں سے اس کے اختیارات پر ایک زبردست حملہ کیا گیا۔ یہ سازش
کی گئی کہ تلسابائی کے قبضے سے نوعمر رئیس کو نکال لیا جائے کیونکہ اس کی ساری قوت کا
انحصار اس رئیس کو اپنے قبضے میں رکھنے پر ہے۔ تانتیا جوگ اور گنپت راؤ
کے اس خطرے سے آگاہ ہونے سے پیشتر ہی فوجی دستوں نے پیدل سپاہ کی پلٹنوں اور توپخانے کی مدد سے

۱۔ مینابائی کے خزانے کا کچھ پتا نہیں لگا۔ اس نے بہ نظر احتیاط اس خزانے کو ہلکر کی ریاست سے باہر پہنچا دیا تھا
اور ہلکر کے لوگوں کو یقین ہے کہ مینابائی کے خزانے کا بڑا حصہ کشن گڑھ تحصیل اجمیر کے ایک ساہوکار کے پاس ہے تانتیا جوگ کو یقین
ہے کہ اسی ساہوکار کے پاس بہت روپیہ ہے۔ اس نے روپیہ وصول کرنے کے لیے بہت کوشش کی لیکن اس وقت تک وہ ناکام رہا ہے۔
۲۔ ظالم سنگھ نے یہ ضلع ٹھیکے پر لیا تھا لیکن چونکہ جس قدر ٹھیکہ وہ دینا چاہتا تھا اس سے بہت زیادہ
رقم مانگی جاتی تھی اس لیے اس نے یہ قصبہ واپس کردیا۔

اُن کے گھروں کا محاصرہ کرلیا۔ دیوان تو قید کرلیا گیا لیکن تانتیا جوگ اپنے ۵۰
ہمراہیوں کے ساتھ اُس گڑھ میں بھاگ کر چلا گیا جہاں پر تلسا بائی رہتی تھی
اُس نے فوراً ہی گڑھی کی حفاظت کا بندوبست کیا اور جنابا نائک نے جو باڈی گارڈ
کا کمانڈر تھا اور تلسا بائی کا منہ چڑھا تھا اس نازک موقع پر اُس کو مدد دینے
کی کوشش کی جس سے اُس کی شرافت ظاہر ہوتی ہے جس وقت جنابا کو تلسا بائی
کی حالت کا علم ہوا وہ کیمپ سے قصبے کو ۲۰۰ آدمی لے کر جا پہنچا اور جس مقام
پر گڑھی کی دیوار نیچی تھی وہاں پر وہ دیوار پر چڑھ کر بلا کسی مزاحمت کے
گڑھی کے بیرونی پھاٹک پر جا پہنچا۔ چند باغی اس دروازے کی حفاظت
کررہے تھے لیکن اُس نے ایسے زور کے ساتھ یکایک حملہ کردیا کہ وہ سب
قتل یا مجروح ہوگئے تانتیا جوگ اور تلسا بائی نے بڑے تپاک کے ساتھ اس
کا خیر مقدم کیا جس وقت وہ اندر پہنچا تو اس وقت تلسا بائی گود میں ملہار راؤ
کو اور ایک ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے بیٹھی تھی۔ اُس نے کہا کہ میں نے اپنے جی میں
ٹھان لی ہے کہ اگر اس بچے کو لینے کی کوشش کی گئی تو میں اس خنجر سے اپنے
کو ہلاک کرلوں گی مگر اس بچے کو نہ جانے دوں گی کیوں کہ اس کے نام سے
تو میں حکمرانی کررہی ہوں۔ لیکن خطرہ رفع ہوگیا کیونکہ جنابا کی تیز رو کامیابی نے
پیدل سپاہ میں ایسی ہلچل ڈال دی کہ وہ فوراً اپنی چھاؤنی کو واپس گئی اور
قصبے پر مرہٹہ سوار قابض ہوگئے جو اس ہنگامے کی خبر سن کر اپنی چھاؤنی سے
تلسا بائی کی مدد کے واسطے سرپٹ اُڑے ہوئے آئے تھے۔ غفور خاں بھی گڑھی
کے ایک دروازے کی حفاظت کررہا تھا لیکن اس پر یہ ٹھیک شبہ کیا گیا کہ وہ
بھی بغاوت پیدا کرانے والوں میں سے ہے اس لیے اُس کو یہ فہمائش کردی گئی
کہ یہاں سے دور جاکر رہو اُس نے اس نصیحت کو قبول کرلیا اور وہ اپنے خیمے
میں چلا گیا۔ اگرچہ اس وقت یہ سازش کامیاب نہیں ہوئی لیکن جن وجوہ سے
توپ خانہ اور پیدل سپاہ کو اس سازش کا آلہ بننے کی ترغیب ہوئی تھی وہ
بدستور موجود تھے۔ وہ اپنی بقایا تنخواہ کے لیے شور مچاتے تھے اور وصولی میں
تعجیل ہونے کی غرض سے اُنھوں نے گنپت راؤ کی قید کی سختیوں میں اضافہ کردیا

۲۹٦ اگرچہ وہ جانتے تھے کہ اس کا کیا اثر اور کیا نتیجہ ہونے کی توقع ہوسکتی ہے۔ تلسا بائی نے جب گنپت راؤ کا حال سنا تو وہ نہایت بے قرار ہوگئی اور اس نے تانتیا جوگ سے فرمائش کی کہ دیوان کی رہائی کے لیے اپنی انتہائی کوشش کر ڈالے علاوہ بریں اس قصبے کے حصول کے لیے اس نے تانتیا جوگ کو اپنے بیش قیمت جواہرات دیدیے۔ تانتیا جوگ نے کچھ اور روپیہ فراہم کرنے کا انتظام کیا اور ایک معاہدہ ہوگیا۔ اس بغاوت میں ۳ ہزار آدمی شریک تھے انھوں نے اپنے قیدی کو رہا کر دیا۔ توپیں اور دیگر ہتھیار واپس دیدیے اور اپنی جان و مال کی حفاظت کی ضمانت بطور یرغمال لے کر وہ ملازمت سے سبکدوش ہوگئے اور اس دائمی مصیبت کے مقام کو چھوڑ کر وہ ہندوستان میں اپنے اپنے وطن کو سدھار گئے۔ بیدل سپاہ کو تشدد آمیز کارروائیاں کر کے اپنا روپیہ جبراً وصول کرنے میں چونکہ کامیابی حاصل ہوگئی تھی یہ دیکھ کر ہلکر کے سواروں کے تقریباً سب رسالے گنگور میں آدھمکے[1]۔ از سر نو سازشیں اور بغاوتیں ہونے لگیں اور بلرام سیٹھ پر شبہ کیا گیا کہ اس نے نہ صرف گزشتہ بغاوتوں کی تحریک کی تھی بلکہ اس نے فوج کے کمان افسروں کو ورغلایا تھا کہ اپنے مطالبات کے لیے خوب غل غپاڑا مچائیں[2]۔ یہ بات پورے طور پر نہیں معلوم ہوسکی کہ آیا نفس الامر یہی تھا یا یہ روایت

۲۹۷ اس کو تباہ کرنے کی غرض سے وضع کی گئی تھی اور غالباً آخر الذکر خیال صحیح ہے۔ لیکن امیر خاں سے حاصل کی ہوئی امداد۔ تانتیا علیکر کے ساتھ اس کا تعلق اور غفور خاں کے ساتھ اس کی سازش ان جملہ امور سے ہم یہ یقین کر سکتے ہیں کہ جو جماعت اس وقت برسر حکومت تھی اس کے یہاں ایسی صورت میں اسے کوئی عہدہ ملنا ممکن نہ تھا لیکن اگر وہ دیوان ریاست کے ساتھ تلسا بائی کے علانیہ ناجائز تعلق کی علی الاعلان مذمت کرنے سے تلسا بائی کو ناراض نہ کرتا تو اب بھی

---

[1] ٹھاکر داس کہتا ہے کہ یہ باغی سپاہی ۱۰ دن کے اندر اپنے گھر چلے گئے۔ گنگور میں تین رسالے آ گئے جن کی کمان روشن بیگ روشن خاں اور حسین علی کے ہاتھ میں تھی۔

[2] ٹھاکر داس سے جب اس معاملے کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے بیان کیا کہ تلسا بائی کو اپنے منہ چڑھے بلرام کے ساتھ اس لیے علانیہ نفرت ہوگئی کہ اولاً اس نے باغیانہ حرکات سے خطرہ

اُس کی جاں بخشی ہو سکتی تھی۔ اور اس ناجائز تعلق کی وجہ سے ہندوستان بھر میں بدنامی ہو رہی تھی اس کی بدولت خاندان ہلکر کو شرمندگی اور ذلت نصیب ہوئی تھی بلرام سیٹھ کے قتل کے واقعات سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کی پیشکار سے تلسا بائی کس درجہ برافروختہ ہوگئی تھی بغاوت شروع ہونے کے وقت ہی سے بلرام کی سخت نگرانی ہونے لگی اور اُسے گنگور سے جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ وہ ۳۰ دن تک مقید رہا اس کے علاوہ آدھی رات کے وقت تلسا بائی کے پاس بھیج دیا گیا جس۔ نیز اس سے ملاقات اس صورت سے کی کہ گنپت رائے اور چند ملازمان اُس کے ہمراہ تھے۔ بالارام سو رہا تھا جبکہ اُس کی حاضری کا حکم پہنچا۔ رات کے وقت جو کچھ پیش آیا تھا اور قاصدوں کی گفتگو سے اسے شبہ ہو گیا کہ کچھ دال میں کالا ہے۔ اُس کے گھر والے خوف زدہ ہوگئے اور اُس کی بیوی نے بہتے ہوئے آنسوؤں سے اُس کو اس حکم کی تعمیل سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن اُس نے بیوی کو ایک طرف ڈھکیل دیا اور کہا کہ اس گریہ و زاری سے باز آجاؤ اور مجھے عدول حکمی کا مجرم بنانے کی کوشش نہ کرو۔ ہو! وہ تلسا بائی کے حضور میں حاضر ہوا اور اُس سے جاں بخشی کی درخواست کی۔ اُس نے عرض کیا کہ ایسے شخص کی جان لینا محض فضول ہے جس کے پاس کوئی جائداد لوٹے جانے کے واسطے نہیں ہے البتہ اس کی ایسی ساکھ قائم ہے کہ وہ باغی فوج کو اطمینان دلا سکتا ہے اُس نے چند روز تک جاں بخشی کے لیے بہت کچھ منت سماجت کی تاکہ یہ دیکھ لیا جائے کہ فوج میں جو شورش برپا ہے اُسے وہ رفع کر سکتا ہے یا نہیں۔ اس درخواست کے جواب میں تلسا بائی نے اُسے بہت ڈانٹا ڈپٹا اور بہت سے الزامات دئے اور کہا کہ میں جن مصیبتوں میں آج کل مبتلا ہوں ان سب کے بانی مبانی تم ہی ہو۔ ان الزامات سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ہید اکر دیا دوسرے اُس نے سابق ہندوستانی سواروں کے ساتھ سازش کی تھی جس کی وجہ سے اُس نے اپنے نفع کی خاطر انھیں رکھ چھوڑا تھا تیسرے وہ تلسا بائی کے عیاشانہ بدچلنی پر اسے نصیحت اور بعنت ملامت کیا کرتا تھا۔

انکار کرنا محض بے سود[1] تھا جو اُس پر عائد کیے گئے تھے تلسا بائی نے حکم دیا کہ "اُس کا سر اُڑا دو"

۲۹۹

اُس وقت اردلی کے دو سپاہی[2] بھی حاضر تھے۔ گنپت راؤ نے اُن سے سوال کیا کہ کیا تم نے سرکار کا حکم نہیں سُنا۔ سپاہیوں نے بڑی مروت سے کام لے کر جواب دیا کہ "ہم سپاہی ہیں، جلاد نہیں ہیں" یہ جواب سن کر گنپت راؤ نے اپنی تلوار سونت کر بلرام کے ایک ہاتھ مارا اور اُس کے دو ملازمان[3] نے اس وحشیانہ اور ظالمانہ کام کی تکمیل میں اُس کو مدد دی۔ لاش گھسیٹ کر ایک تاریک کمرے میں ڈال دی گئی دوسرے روز یہ خبر مشہور ہوئی کہ وزیر روپوش ہو گیا کسی نے اس کو باور نہیں کیا۔

یہ کام تلسا بائی اور گنپت راؤ ہی نے انجام دیا تھا لیکن رائے عامہ یہ تھی کہ اس جرم میں تانتیا جوگ بھی شریک[4] ہے اور چونکہ اس وقت اُس کا رسوخ واثر بہت زیادہ تھا اس وجہ سے یہ خیال عام طور پر پھیل گیا تھا۔

---

[1] ۔ علاوہ دیگر جرائم کے تلسا بائی نے اُس پر یہ الزام بھی لگایا تھا کہ تم نے روشن بیگ کی حرکات پر اپنی خوشنودی ظاہر کرنے کے لیے اُسے ایک خلعت بھیجا۔

[2] ۔ ان سپاہیوں کا نام دین سنگھ اور لعل سنگھ ہے وہ ابھی تک ملازم ہیں۔

[3] ۔ حسو با حضوریا نے دوسرا ہاتھ مارا اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد بھیم سنگھ بندیلے نے اس کی لاش گھسیٹ کر پھینک دی۔ قاتلوں نے اس کے جسم پر سے چند زیورات اُتار لیے اور کہا جاتا ہے کہ اس مال غنیمت میں سے دیوان نے اپنے حصے میں ایک مرصع ہار لیا تھا۔

[4] ۔ تانتیا کے نہایت معتمد ملازم راؤ جی ترمبک کا بیان ہے کہ میرا آقا بلرام سیٹھ کے قتل کا شروع سے مخالف رہا اور اگرچہ وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ تانتیا جوگ اور تلسا بائی وگنپت راؤ کے درمیان اس کے بعد ایک سال تک کوئی سخت مخالفت نہیں ہوئی تھی البتہ اس کے بعد تانتیا جوگ کی عدم موجودگی میں ظالم سنگھ کی چھاؤنی میں سریت راؤ کی سازشوں کی بدولت سخت مخالفت ہو گئی تھی وہ کہتا ہے کہ گنگور میں تلسا بائی کے دربار میں بہت کچھ سکون رہا چونکہ تانتیا جوگ نے گنپت راؤ کی رہائی میں امداد دینے سے پیشتر تلسا بائی سے یہ حلفیہ قسم

۳۰۰ بہرحال وہ اس قتل کے وقت موجود نہیں تھا اور اس کے ارتکاب کی
شرکت کا وہ شروع ہی سے منکر ہے۔ اس فعل سے بہت نفرت پھیل گئی۔ بالارام
کا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ وہ اس قدر خوش مزاج۔ سلوک کرنے اور دوسروں
کے قصوروں کے معاف کر دینے کا اس درجہ متمنی تھا کہ باوجود جھوٹے
وعدوں اور غلط حرص و طمع کے ہر ایک طبقے اور درجے کے لوگ اس کے گرویدہ
ہو گئے تھے۔ ابھی تک اُس کے قتل پر لوگ دست تاسف ملتے ہیں اور اُس
کے قتل کو وحشیانہ اور ظالمانہ فعل بتلاتے ہیں۔

گنگور میں جو ماجرا گزر رہا تھا اس کی خبر پاتے ہی غفور خاں نے اپنا
ایک معتمد[1] تانتیا جوگ سے یہ دریافت کرنے کے واسطے روانہ کیا کہ باہم وعدہ وعید ۳۰۱

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ دے دی تھی کہ وہ گنپت راؤ کے ساتھ ناجائز تعلق نہیں رکھے گی جس کی
بدولت اُس کے خاندان اور اُس کے حامیوں کی سخت ذلت اور رسوائی ہوئی ہے۔ راؤ جی
ترمبک نے اس کے بعد کہا کہ سب سے پہلے زور آور مل نے تانتیا جوگ کو اطلاع دی تھی کہ
تلسا بائی بلرام سیٹھ سے سخت ناخوش ہے کیونکہ وہ روشن بیگ سے خط و کتابت کرتا ہے اور گنپت راؤ
کی قید کا بانی اُسی کو سمجھتی ہے۔ تانتیا نے دیوان ریاست سے گفتگو کی اور درخواست کی کہ
اس کی جان نہ لی جائے اور مشورہ دیا کہ اُسے زیر حراست رکھا جائے۔ وہ کہتا ہے کہ اس قدر
جلد بلرام کے قتل کی خبر سن کر تانتیا جوگ کو بے حد حیرت و استعجاب ہوا تھا لیکن وہ اپنے
خیالات ظاہر نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُس کے لیے بجز اُس ملازمت کے جس پر وہ مامور تھا کوئی
اور جگہ پناہ لینے کی نہ تھی۔ راؤ جی ترمبک کہتا ہے کہ جس وقت یہ واقعات پیش آئے اس وقت
میں منڈیسر میں روپیہ وصول کر رہا تھا

[1] یہ بیان اس قتل میں شرکت کرنے والے سے حاصل کیا گیا ہے لیکن پھر مجھ کو موتی رام سے
اس کا حال معلوم ہوا یہ وہ شخص ہے جسے غفور خاں نے اس موقع پر بھیجا تھا۔ اس کا بیان حسب ذیل ہے
بالارام کے قید ہونے کے تین دن بعد غفور خاں نے مجھے تلسا بائی کی خدمت میں بالارام
کی خیریت معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ تلسا بائی نے فرمایا کہ "میرا ارادہ بالارام کو کسی قسم کی تکلیف
دینے کا نہیں ہے لیکن میں چاہتی ہوں کہ حسابات طے ہو جائیں اور پھر وہ رہا کر دیا جائے۔"

کرنے کے بعد آپ کا اس کارروائی سے کس طرح تعلق ہو گیا اور ہیں یہ معلوم

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور اسی رات بالارام قتل کیا گیا تھا۔ دوسرے روز امیر سنگھ آیا اور اس نے غفور خاں کو اس واقعے کی اطلاع دی کہ میں تانتیا کے پاس حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا گیا تانتیا نے کہا کہ مجھے بائی جی نے تو یہ ارشاد کیا ہے کہ بالارام کہیں بھاگ گیا ہے۔ میں نے اس کو باور نہیں کیا اور پھر وہی سوال دُہرایا پھر دیوان ریاست تلسا بائی کے پاس گیا اور اس کے بعد فوراً ہی میری طلبی ہوئی لیکن میرے وہاں پہنچنے سے پیشتر ہی بائی جی نے ایک جمعدار کو طلب کر کے اس سے دریافت کیا تھا تم نے بالارام کو کس طرح بھاگ جانے دیا اس نے یہ حیلہ پیش کیا کہ سرکار میں اس وقت سو گیا تھا چنانچہ اُس کے کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا اور اُس غریب کے کئی کوڑے رسید کیے گئے پھر میں نے تانتیا جوگ سے سوال کیا کہ اس کارروائی کا کیا نتیجہ جب کہ مجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ بالارام قتل کر دیا گیا ہے۔ اب ہم تلسا بائی کے قریب پہنچ گئے۔ دیوان صاحب نے بائی جی سے میرا خیال بیان کیا اور کہا کہ یہ شخص میرے بیان کو سچ نہیں مانتا ہے۔ اس پر بائی جی تو آپے سے باہر ہو گئیں اور ہماری طرف مخاطب ہو کر سوال کیا کہ غفور خاں میرا مخدوم ہے یا خادم؟ اور اگر وہ بالارام کے دیکھنے کا بے حد آرزومند ہے تو وہ یہاں جلد آئے اور میں اس کی ملاقات کرا دوں گی جو اس باتری میں ہو گی جہاں پر کہ بالارام اب بیٹھا ہوا ہے،" بالارام کی لاش ایک صندوق میں بند کر کے اُس باتری میں بھیج دی گئی تھی جس کا تلسا بائی نے اس وقت حوالہ دیا ہے۔ موتی رام نے کہا کہ اس کے بعد میں فوراً وہاں سے رخصت ہو گیا کیونکہ وہ بہت زیادہ غصے میں تھی اگرچہ مجھے اپنی جان کا کچھ خوف نہیں ہوا تھا۔

جب غفور خاں اور تانتیا جوگ میں مصالحت ہو گئی اور اس وقت غفور خاں نے تانتیا جوگ کو خوش کرنے کے لیے اس بات سے قطعی انکار کیا کہ میں نے موتی رام کو ہرگز یہ اختیار نہیں دیا تھا کہ وہ اس قدر گستاخی کرے اور عدول حکمی کی یاداش میں اُس نے موتی رام کو برخواست کر دیا اس نے اور ملازمت کر لی اور کچھ عرصے تک وہ کپتان برگس کے پاس رہا لیکن جس وقت غفور خاں جاگیر کی سند مل جانے پر دیوان ریاست سے آزاد ہو گیا اس نے فوراً ہی موتی رام کو واپس بلا لیا اور اب وہ غفور خاں کا خاص منشی ہے۔ یہ واقعات قابل یقین ہیں۔

کرنا چاہتا ہوں کہ آپ امیر خاں سے کیا کہنا چاہتے ہیں۔

نانا جوگ نے اس واقعے سے اپنی قطعی لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ مجھے تو یقین ہے کہ بالارام اگرچہ مقید ہے لیکن ابھی تک وہ بقید حیات ہے اس پر قاصد نے تسلی بخش جواب طلب کیا پھر جو کچھ گذرا تھا اس کی اطلاع نانا جوگ نے گنپت راؤ اور تلسا بائی کو دیدی۔ اس کے بعد وزیر نے قاصد کو یہ باور کرانے کی پھر کوشش کی کہ بالارام ابھی تک زندہ ہے لیکن وزیر کو اس کوشش میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی اس اثناء میں تلسا بائی نے شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر باآواز بلند کہا کہ "کیا غفور خاں میرا مخدوم ہے" یا میرا خادم ہے۔

"جاؤ اس سے کہدو کہ اگر تجھ کو بالارام سے ملنے کی اس قدر تمنا ہے تو یہاں چلے آؤ تم دونوں کی ملاقات کرادی جائے گی"۔

یہ پیام سن کر غفور خاں کچھ خائف نہیں ہوا۔ اور دو دن بعد یہ سن کر کہ اس پر حملہ کرنے کی فکر ہو رہی ہے وہ وہاں سے کچھ فاصلے پر چلا گیا۔ اس پر تلسا بائی نے فوراً اس کے چلے جانے کا سبب دریافت کیا اور اُسے یہ اطمینان دلانے کی ہر طرح کوشش کی کہ میرے دل میں تمھاری طرف سے کچھ کدورت نہیں ہے چنانچہ غفور خاں واپس تو آگیا لیکن اپنے پرانے مقام کی بجائے روشن بیگ کی پلٹنوں کے نزدیک خیمہ زن ہو گیا۔

تین دن بعد تلسا بائی فوج میں گڑبڑی دیکھ کر قصبے سے باہر چلی گئی کیونکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گنگور کا محاصرہ ہو جائے گا۔ جنیا نائک[1] کی جلد بازی سے پیدل سپاہ میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا جس میں روشن بیگ نے غفور خاں کی اعانت سے نمایاں حصہ لیا۔ گولہ باری ہونے لگی اس موقع پر تلسا بائی نے بڑی جرأت سے کام لیا حتیٰ کہ ایک گولہ اس ہاتھی کے ہودے پر آکر لگا جس میں کہ ملہار راؤ بیٹھا ہوا تھا۔ اس حادثے سے عام وحشت پھیل گئی اور تلسا بائی ایک گھوڑے پر خود سوار ہوئی اور دوسرے پر ملہار راؤ کو گنپت راؤ کے ساتھ بٹھا کر فوراً

[1] مرہٹہ سردار جس نے گنگور کی مدافعت میں بڑی بہادری سے کام لیا تھا۔

وہاں سے (باڈی گارڈ و مرہٹہ سواروں کو لے کر) بھاگ کھڑی ہوئی اور چلتے چلتے البوٹے[1] میں جا کر دم لیا۔ روشن بیگ کی بٹالین گنگور جا پہنچیں اور اس پر قابض ہو گئیں۔ سب سے اول انھوں نے بالارام کی لاش کا پتا لگایا جو سٹر گئی تھی۔ اس کی لاش اس کے ہم قوموں نے اپنے رواج کے بموجب جلا دی۔ اس موقع پر گنگور اچھی طرح لوٹا گیا۔ سواروں کی بقایا تنخواہ کا ایک جز ادا کر دیا گیا اور آن کے کمان افسران (بالخصوص روشن بیگ) مال غنیمت سے مالا مال ہو گئے۔

۳۰۴ اس میں شک نہیں کہ ان واقعات کے دوران میں جو گنگور میں رونما ہوئے امیر خاں اور اس کے گماشتوں کی سازشوں کو فوج کی بغاوتوں نے تقویت پہنچائی تھی۔ امیر خاں کی یہ خواہش تھی کہ تلسا بائی اپنے موجودہ اختیارات سے محروم ہو جائے اور ان سازشوں کا یہ انجام ہوا کہ امیر خاں اور تلسا بائی کے تعلقات بالکل منقطع ہو گئے۔ "تانتیا جوگ ایک جماعت کا اور غفور خاں دوسری جماعت کا سردار بن گیا۔ اول الذکر کے پاس صرف مرہٹے اور باڈی گارڈ کا رسالہ تھا لیکن اس کے قبضے میں ملہار راؤ کے ہونے سے اسے فضیلت حاصل تھی کیونکہ عام طور پر یہ خیال تھا (حتیٰ کہ مخالفین کا بھی)[2] کہ جس جماعت کے قبضے میں ملہار راؤ رہے گا وہی برسر حکومت سمجھی جائے گی اور غفور خاں کے پاس اپنے وفادار ہمراہی برخاست شدہ مسلمان سوار اور پیدل سپاہ کی پلٹنیں مع توپوں کے تھیں۔

تانتیا جوگ نے پہلی کارروائی یہ کی کہ اس نے سندھیا کے نیجر منڈیسر سے ایک معاہدہ کیا جس کی بدولت اسے امباجی کے کیمپ کی مدد مل گئی اس کیمپ میں

---

[1] یہ قصبہ سونڈ وارے میں ہے اور دیواس کے پواروں کی ملکیت سے ہے یہ مقام گنگور سے جنوب مغرب کی جانب ۱۶ میل کے فاصلے پر ہے۔

[2] گنپت راؤ میں اس قدر عقل نہ تھی کہ اس کا مدمقابل بنتا۔ اور تلسا بائی بھی بجز اس حالت کے کہ ملہار راؤ کی سرپرست ہونے کے جذبہ سے متاثر ہو کر کوئی کارروائی کرتی تھی غفور خاں کے مقابلے میں ہیچ تھی۔

۵ پلٹنیں اور ۳۰ توپیں تھیں۔ اس فوج کے مصارف کے لیے ایک رقم ماہوار ادا کرنی قرار پائی لیکن امبا جی بے حد محتاط تھا اور وہ لڑائی سے گریز کرتا تھا بالآخر دربار ہلکر اپنے اس جدید یار وفادار سے متنفر ہو گیا۔

۳۰۵

سندھیا اور امیر خاں دونوں ریاست ہلکر کی اس تباہ حالی سے اپنا اپنا مطلب نکالنے کی فکر میں تھے سندھیا نے اپنا ایک قاصد امیر خاں کی خدمت میں روانہ کیا اور اس سے درخواست کی کہ ان کارروائیوں سے اجتناب کیجیے جن سے خاندان ہلکر کی تباہی اور ذلت ہوتی ہے۔ تلسا بائی کی اس استدعا کو قبول کریجیے کہ غفور خاں علیحدہ کر دیا جائے۔ امیر خاں دولت راؤ کی مداخلت کا اس قدر مخالف تھا کہ وہ کسی طرح بھی راضی نہ ہو سکتا تھا لیکن معاملات کو معقولیت کے ساتھ روبراہ لانے کی بھی اسے بے حد فکر لاحق تھی۔ چنانچہ اس نے غفور خاں کو ہدایت کی کہ لڑائی فوراً بند کر دی جائے اور تلسا بائی کو یہ اطمینان دلایا کہ اگر آپ اپنے دربار میں مقیم رہیں اور ادھر ادھر اڑی اڑی نہ پھریں تو میرا وعدہ کرتا ہوں کہ فوج پر یہ دباؤ ڈالوں گا کہ وہ اپنی بقایا تنخواہ کا نصف حصہ لینے پر راضی ہو جائے اور میں اپنے گماشتے کو واپس بلا لوں گا جس سے آپ ناراض ہیں۔ مصالحت کی اس گفت و شنید میں ظالم سنگھ والئی کوٹا نے امیر خاں کی تائید کی اور کہا کہ اس عہد نامے کی شرائط کی پوری تعمیل ہونے کا میں ضامن اور ذمہ دار ہوتا ہوں۔ لیکن تلسا بائی غالباً صحیح وجوہ کی بنا پر اس نتیجے پر پہنچی کہ امیر خاں کا مقصد مجھے حکومت سے محروم کر دینے کا ہے اور وہ ریاست کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کا خواہاں ہے۔ اس لیے امیر خاں کی درخواست کے جواب میں تلسا بائی نے کہا کہ غفور خاں فوراً واپس طلب کر لیا جائے اور پیدل سپاہ کی پلٹنیں اطاعت شعاری اختیار کریں۔ امیر خاں نے آخر الذکر مقصد کے حصول کے لیے ہر طرح پر کوششیں کیں مگر سب بے سود ثابت ہوئیں

۳۰۶

لیکن ظالم سنگھ کار پرداز ریاست کوٹا پر فیصلے کا انحصار کر دینے سے جانبین میں از سر نو جنگ چھڑنے سے رک گئی۔ ملہار راؤ کی فوج اس کی چھاؤنی سے کوچ کر کے ۱۲ میل کے اندر اس مقام پر جا پہنچی جہاں تا نتیا جوگ نامور کیا گیا تھا

اس کے بعد بہت جلد غفور خاں بھی امیر خاں کی طرف سے وہاں آپہنچا۔ الغرض فریقین میں مصالحتیں اور نزاعات ہوتے حلفیہ وعدے کرتے اور قول و قرار توڑنے میں ۳ ماہ گزر گئے لیکن بارش کے اختتام پر وسط ہند کی طرف انگریزی فوج کی آمد کی خبر نے فریقین میں پھر اتحاد کرا دیا جو کسی صورت میں ہرگز ممکن نہ تھا۔ سنہ ۱۸۱۷ء

ظالم سنگھ کو اب اپنے ہی بچاؤ کی فکر دامن گیر تھی اور اپنے ایسے دوستوں سے اپنا پیچھا چھڑانے کی فکر میں تھا کہ جو اسے بھی لے ڈوبیں گے اور وہ ان کی امداد نہیں کر سکتے ہیں تانتیا جوگ کے کیرکٹر کی فی الحقیقت یہ تعظیم کی گئی کہ اس نازک موقع پر دانشمند اور تجربہ کار کارپرداز کوٹا نے اسے منتخب کیا کیونکہ تانتیا جوگ ہی ایسا شخص تھا جو ہلکر کے منتشر ہوا خواہوں کو متحد کر سکتا تھا اور اس کی جان کی حفاظت کے لیے ۳ سو سپاہیوں کا ایک دستہ اپنی دوستی کے ثبوت میں روانہ کیا۔

ان واقعات کی تفصیل بتانے سے بیشتر جن کی بدولت معاملات نے بہت جلد نہایت نازک صورت اختیار کر لی اس اثر کا بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جو سندھیا اور ہلکر میں از سر نو اتحاد قائم کرنے اور مرہٹوں کی حکومت عظیمہ کی گزشتہ جیسی قوت پیدا کرنے کے لیے مرہٹہ فرمانرواؤں کو متفق اور متحد کرنے کے لیے عرصہ دراز سے استعمال ہو رہا تھا اگرچہ یہ ساری کوششیں محض بے سود ثابت ہوئی تھیں۔ ۲۰۷

جس روز سے کہ بدمعاش ترمبک[1] جی کو باجی کے دربار میں اقتدار حاصل ہوا اسی تاریخ سے اس راجہ نے اپنی پالیسی تبدیل کر دی اور انگریزی حکومت کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور گنگا دھر[2] شاستری کے قتل پردہ

---

[1] ترمبک جی کو باجی راؤ کے دربار میں پورا اقتدار سنہ ۱۸۱۵ء میں حاصل ہوا تھا۔

[2] گنگا دھر شاستری وزیر بڑودہ حکومت برطانیہ کے مشورے سے جس کی حفاظت اور ضمانت پر وہ نامزد ہوا تھا اپنے آقا اور پیشوا کے درمیان حسابات طے کرنے کی غرض سے پونا آیا تھا

بدنام منہ چڑھا ترمبک جی) غدار شریک جرم قرار دیا گیا اس وقت ان سازشوں نے نہایت نازک صورت اختیار کر لی۔ سندھیا اور ہلکر کے مابین گنپت راؤ اور پھر تانتیا الیکر نے جو مصالحت کرائی تھی اس کا حال بیان کر دیا گیا ہے۔ اس معاہدے[۱] کی پہلی شرط یہ تھی کہ فریقین پیشوا کے مطیع اور فرماں بردار رہیں اور آپس میں اتحاد و اتفاق رکھیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ انگریزوں کے خلاف اتفاق کرنا مقصود تھا اور اُن کا ارادہ یہ تھا کہ نہایت احتیاط کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم بڑھایا جائے لیکن چونکہ باجی راؤ کی حالت روبہ تنزل تھی اور وہ اپنے اور اپنے منہ چڑھے کے متعلق لحظہ بلحظہ نہایت مشوش اور خوفزدہ ہو رہا تھا اس لیے اُس نے کافی امداد حاصل کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش فوراً شروع کر دی چنانچہ سندھیا کے پاس قاصد بھیجے گئے اور اسی زمانے میں ہلکر کے دربار میں ایک ناموز شخص[۲] آ پہنچا۔ سب وزیروں نے اس سے ملاقات کی اور اس کی بہت کچھ آؤ بھگت ہوئی لیکن معاملات کی حالت کسی معاملے میں اتحاد و اتفاق کرنے کے لیے ناموزوں تھی اور بالارام سیٹھ کی وفات کے بعد سے حصول اختیارات کے لیے جو جھگڑے ہو رہے تھے اُنھوں نے باجی راؤ کی ساری کوششوں کو خاک میں ملا دیا۔ اس رئیس نے آیندہ سال کے شروع میں ایک اور قاصد[۳] روانہ کیا جو ہلکر کے کیمپ میں ذری دیر

۳۰۸

سنہ ۱۸۱۵ء

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ترمبک جی نے اُسے قتل کرا دیا اور واقعات کی رو سے اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ اس جرم کا ارتکاب باجی راؤ کے علم سے ہوا تھا۔

[۱]۔ مراسلہ از طرف میجر اگینو بنام چیف سکرٹری گورنمنٹ مورخہ ۳۱ر اگست سنہ ۱۸۱۸ء

[۲]۔ اس شخص کا نام گنپت راؤ تھا مگر اُسے عام طور پر گنو باپنت کہتے تھے مراسلہ منجانب ویلزلی قایم مقام رزیڈنٹ متعینہ دربار گوالیار بنام سکرٹری ایڈم مورخہ ۲۰ر فروری سنہ ۱۸۱۹ء میں درج ہے کہ یہ شخص پیشوا کا خط لے کر گیا تھا۔ وہ ۴ر اساڑ سمت ۱۸۷۳ء کو ہلکر کیمپ میں پہنچا تھا جہاں نہایت عزت احترام کے ساتھ اُس کا استقبال کیا گیا۔

[۳]۔ اس شخص کا نام ڈھنڈو پنت تھا لیکن پوشیدہ رہنے کی خاطر اُس نے اپنا نام کرشن راؤ رکھ لیا تھا۔

سنہ ۱۸۱۶ع پیشتر پہنچ گیا جب کہ وزرا اور رؤسا نے سارے جھگڑے راجہ کوٹا کے سپرد کردیئے تھے اس دوسرے سفیر نے کہا کہ ہمارے یہاں کافی دولت موجود ہے اور اُس نے کہا کہ مجھے پورا یقین ہے کہ میری کوشش سے سندھیا اور امیر خاں دونوں ان تجاویز کو منظور کرلیں گے اور پھر اُس نے ملہار راؤ کے وزرا پر ان تجاویز پر عمل کرنے پر زور دیا۔ کچھ عرصے تک ظالم سنگھ کی چھاؤنی میں قیام کرنے کے بعد وہ پٹھان سردار (امیر خاں) کے خیمے پر حاضر ہوا اس نے تجاویز کو نامنظور نہیں کیا لیکن اُس نے ۴ لاکھ روپے بطور زر پیشگی کے طلب کیا۔ اس رقم کی ادائی پر وہ رضامند ہوگیا۔ اُس نے ہلکر کے کیمپ کو ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں ضروری بلوں کے ادا کرنے کی ہدایت کی۔ لیکن مصالحت کی گفت وشنید کے لیے یہ تاخیر نہایت مہلک ثابت ہوئی۔ انگریزی فوج آپہنچی اور امیر خاں نے انگریزوں کی پیش کردہ شرائط کو قبول کرلیا۔ سر ڈیوڈ آکٹر لونی سے اپنی پہلی ملاقات کے بعد اُس نے باجی راؤ کے سفیر کو چلتا کیا اور اُس نے غفور خاں کو لکھا کہ اگر تم پسند کرو تو میں تلسا بائی کو مشورہ دوں کہ وہ دکن جانے کا خیال نہ کرے اور کیمپ میں میری آمد کا انتظار کرے تاکہ میں اُس کے اور انگریزوں کے سارے جھگڑے طے کرادوں امیر خاں کے ساتھ پیشوا کی مصالحت کا یہ نتیجہ برآمد ہوا لیکن دربار ہلکر میں پیشوا کے گماشتوں کی سازشیں کامیاب ہوگئیں۔

۲۰۹

سنہ ۱۸۱۷ع

گنپت راؤ[1] کے گھر کا پشتینی ملازم ایک بے حد عیار برہمن تھا جو اس مشن کے ساتھ پونے کو گیا تھا۔ اُس نے اس مشن کی کامیابی کے لیے بے حد کوشش کی۔ اس وقت ظالم سنگھ کے پاس تانتیا جوگ کے موجود نہ ہونے سے اس شخص کو اس سردمہری کو ترقی دینے میں کامیابی حاصل ہوگئی جو اس وزیر اور دیوان کے درمیان واقع تھی اور جس وقت دیوان کا دل اپنے دوست کی طرف سے پھر گیا۔ اُس وقت پھر تلسا بائی کے بھی ویسے ہی خیالات ہوگئے۔ اس جماعت کو اُن فوجی سرداروں کی اعانت سے اور تقویت حاصل ہوگئی جو تانتیا کے کیمپ

۲۱۰

---

[1] سری پت راؤ۔

کو واپس آجانے ہی کے بعد سے اپنی تنخواہ کی ضمانت کے لیے اُسے گرفتار کرنے کے واسطے اُکسا دیے گئے تھے۔

اس جماعت نے جس کے ہاتھ میں [1] اب سلطنت ہلکر کی عنان حکومت تھی باجی راؤ کے استحقاق کی حمایت کا اقرار کر لیا تھا۔ اس جماعت کو باجی راؤ کے ایجنٹ سے ایک لاکھ ۶۰ ہزار روپیہ مل گیا جس کا ایک جز فوج میں تقسیم کر دیا گیا دکن کی روانگی کا اعلان ہو گیا اور ساری فوج کو بلا تاخیر حاضر ہونے کے احکام نافذ کر دیے گئے۔ یہ واقعہ ماہ نومبر کا ہے اور دسمبر کے شروع میں ساری فوج ماہد پور سے ۶۰ میل کے فاصلے پر آکر جمع ہو گئی اور اس کے بعد اُس نے ماہد پور کو کوچ کیا۔ اب ساری فوج نہایت خوش و خرم تھی کیونکہ نربدا کو عبور کرنے کے بعد دیوان ریاست اور اُس کے دوستوں نے ماہ بماہ تنخواہ دینے کے بڑے بڑے دعوے کیے تھے لیکن انگریزی فوج کے ایک ڈویژن کے آگے [2] آجانے سے جو ماہد پور سے ۵ میل کے فاصلے پر تھا اور دوسری فوج کے مالوے میں داخل ہو جانے کی خبر نے اُن کے خیالات پر گہرا اثر ڈال دیا۔ ۱۸۱۷ء

مسٹر میٹکاف رزیڈنٹ دہلی نے ٹھاکر داس کو دربار ہلکر کا اخبار نویس مقرر کیا تھا۔ اس کے ہاتھ ہلکر کے نام ایک خط روانہ کیا گیا جس میں دوستی ظاہر کی گئی تھی لیکن کوئی خاص تجویز نہیں پیش کی گئی تھی لیکن اب صورت حال تبدیل ہو گئی تھی اور کوئی مستقل کارروائی کرنے کی ضرورت تھی چنانچہ ایک جلسۂ شوریٰ منعقد کیا گیا اور تانتیا جوگ (اگرچہ اس وقت وہ قیدی تھا) اس جلسے کا صدر بنایا گیا۔ اُس نے یہ صلاح دی کہ آگرے کی انگریزی فوج کے کمان افسر کی خدمت میں کسی معزز شخص کو صلح کی گفت و شنید کے واسطے ۲۱۱

[1] ۔ میری فوج ۲ر دسمبر ۱۸۱۷ء کو آگرا پہنچی تھی۔

[2] سر طامس ہسلاپ کے زیر کمان اول ڈویژن نے اُجین جانے میں یکم دسمبر ۱۸۱۷ء کو دریائے نربدا کو عبور کیا تھا۔

روانہ کیا جائے لیکن اس کی تجویز نہیں منظور ہوئی اور اس کے سر یہ الزام تھوپا گیا کہ اس نے انگریزوں سے سازش کر لی ہے اور اس کی وجہ سے نہ صرف اُس کی سزا بڑھا دی گئی بلکہ سختیوں میں اور اضافہ کر دیا گیا۔ پلٹنوں کے کمان افسران اس سے سخت نفرت کرتے تھے جو اس شورے کے بعد رسالوں کے چند افسروں کو لے کر غفور خاں کے خیمے پر گئے۔ اور وفاداری کا عہد و پیمان کر کے اتحاد و اتفاق کا قول و قرار کیا تاکہ پیش آنے والے خطرے کا مقابلہ کر سکیں چنانچہ پھر آگرے کے ڈویژنل کمان افسر[1] سے مراسلت کی گئی اور جب اس نے طامس ہسلاپ کی فوج سے اُجین کے نزدیک مل جانے کی غرض سے کوچ کیا اور ہلکر کے وزرا سے صاف کہدیا کہ اگر فی الحقیقت آپ صلح کے خواہاں ہیں تو اس جنرل کے مستقر پر اپنا ایک وفد روانہ کر دیجیے اس تجویز پر عملدرآمد ہوا اور معاہدے کے لیے گفت و شنید کے کامل اختیارات لے کر کارکن آگئے۔ نہایت فیاضانہ شرائط[2] پیش کیے گئے لیکن غدار سپاہ کی کامل

۳۱۲

[1] ۔ آگرہ پہنچنے پر میں نے ملہار راؤ کو ایک خط دوستانہ پیرایے میں لکھا تھا جس سے یہ غرض تھی کہ اس کے وزرا اپنے خیالات کی صاف طور پر تشریح کر دیں چونکہ ان کا اثر حکومت برطانیہ پر پڑتا ہے لیکن اس مراسلے کے وہاں پہنچنے سے پیشتر ہی نوعمر راجہ کی طرف سے ایک خط میرے پاس آیا جس میں معمولی سلام و دعا کے علاوہ اس قدر اور لکھا تھا کہ آپ سے اس خاندان کی قدیمانہ رسم ہے اور امید ہے کہ آپ دوستانہ اور صلح جویانہ تعلقات قایم رکھیں گے۔ میں نے اپنے خط میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ اگر اجازت ہو تو ملہار راؤ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے ہم اپنا ایک افسر مامور کر دیں لیکن اس کا کچھ جواب نہیں دیا گیا۔ میں تو روانہ ہو کر اُجین کی جانب بڑھا اور ایک مختصر سا رقعہ گنپت راؤ کے نام بھیجا اور اسے مطلع کر دیا کہ میرا ارادہ سپہ سالار اعظم سر طامس ہسلاپ سے ملنے کا ہے اور میں نے اُسے متنبہ کر دیا کہ اگر خطرے سے مامون و محفوظ رہنا چاہتے ہو تو صلح کی گفت و شنید میں تعجیل کرو۔

[2] ۔ ہلکر کے وکلا اور میرے مابین ۱۵ ار دسمبر ۱۸۱۷ء کو جو کانفرنس ہوئی اس کی کارروائی ہیں۔ شرائط مفصل طور پر درج ہیں جن سے یہ غرض تھی کہ ہلکر کی حکومت کی حالت ایسی بنا دی جائے جو دیگر ریاستوں کے لیے قابل برداشت ہو اور اس کی یہ شرط تھی کہ پنڈاریوں سے کلیۃً قطع تعلق

اصلاح پر زور دیا گیا جب کہ اُنھوں نے اس کی عدم تعمیل کے متعلق یہ عذر پیش کیا کہ یہ جماعت ہمارے قابو سے باہر ہے تو وزرا سے کہہ دیا گیا کہ اگر آپ اپنے راج اور اپنی سلامتی کے خواستگار ہیں تو اپنی اس فوج کو انگریزی چھاؤنی میں لے آیئے اور اس بدکار اور سرکش فوج کی اصلاح کا کام ہمارے کمان افسر پر چھوڑ دیجئے جس نے کہ اپنے فرماں روا کے جس کی وہ برائے نام ملازم ہے علاقوں کو تباہ کیا ہے اور امن عامہ میں رخنہ اندازی کی ہے۔ صلح کی اس گفت وشنید کے زمانے میں فی الحقیقت ہلکر کی فوج کا کوئی افسر نہ تھا۔ پلٹنوں کے کمان افسروں کو یہ اطمینان تھا کہ اگر حکومت برطانیہ سے مصالحت ہو جائے گی تو پھر وہ انتشار اور پریشانی رفع ہو جائے گی جس کے باعث ہم کو اہمیت حاصل ہے اور اس وجہ سے وہ جنگ کے حامی تھے اور اس لیے جو لوگ مصالحت کے خواہاں تھے یہ اُن سب کے سخت مخالف تھے اور ان ہی کے اثر کی وجہ سے دوستانہ نامہ وپیام کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں آیا۔ جو لوگ کہ لڑائی کے خواہاں تھے اُنھوں نے مرہٹہ سواروں کو یہ شہ دی کہ انگریزی فوج کے مویشی اور سپاہیوں پر روزانہ حملہ کر کے چھیڑ خانی شروع کر دیں۔ سر طامس ہسلاپ کے ماہد پور کو روانہ ہونے سے ایک روز پیشتر اس کی سرحدی چوکیوں کے سنتریوں پر حملہ کیا گیا اور ہر ایک حرکت سے جنگ کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کر لیا جائے باغی فوج کا زیادہ حصہ برخاست کر دیا جائے المختصر نظام غارت گری کو بالکل مسدود کر دیا جائے کیونکہ وہ دوسری ریاستوں کے امن کے خلاف ثابت ہوا ہے۔ اس معقول تبدیلی پر عملدرآمد کرنے کے لیے انگریزی حکومت نے اپنی امداد بلامعاوضے کے پیش کی اور کسی علاقے کا مطالبہ نہیں کیا اور یہ بھی وعدہ کیا کہ جس فوج کو برطرف کرنے کی آپ سے فرمائش کی گئی اس کی برخاستگی پر تنخواہ کا جو مطالبہ ہوگا اس کے ادا کرنے میں انگریزی حکومت آپ کو مالی امداد بھی دے گی۔

لہ۔ تلسا بائی گرد وپیش کے واقعات سے بعد خوف زدہ ہو گئی تھی اور اُس کا منظور نظر گنپت راؤ ان مختلف مشوروں اور جماعتوں کے باعث اس نازک وقت میں تلسا بائی کو کسی قسم کی مدد دینے کے متعلق بے حد پریشان اور فکرمند تھا۔

۱۸۱۷ء
۲۱۴

ارادہ ظاہر ہوا ملہار راؤ کے کیمپ میں جو واقعات پیش آئے تھے ان کی اطلاع موصول ہونے سے اس کے انجام کا پیشتر سے اندازہ ہو گیا تھا۔ جہاں پر کسی باضابطہ حکومت کا فقدان تھا اور جنگ یا صلح ہونے کا مسئلہ بھی دیگر معاملات کی طرح باغی سپاہیوں کے جاہل اور گستاخ افسروں کی پرشور مجلس شوریٰ میں طے کیا گیا تھا۔

اس وقت غفور خاں ایسی جماعت سے مل گیا تھا جو گنپت راؤ اور تلسا بائی کو تباہ کرنے کی فکر میں تھی اور اس مقصد کے حصول کے لیے وسائل کی کچھ کمی نہ تھی کیونکہ اگرچہ رام دین اُن سے مل گیا تھا مگر باقی سب لوگ ان سے سخت متنفر تھے۔ بالا رام کے قتل کی وجہ سے سوار فوج اُن سے سخت ناراض تھی۔ "تانتیا جوگ اپنے ساتھ سختی کا سلوک ہونے کی وجہ سے اس سازش کا خاص معاون بن گیا اور اپنے مقید ہونے کی وجہ سے وہ اس سازش کی اعانت کرنے کے وسائل سے محروم نہیں تھا۔ لیکن اس سازش کے خاص کارکن باڈی گارڈ کے خاص خاص افسران تھے چنانچہ ایک شخص نے اس جماعت کے کمانڈنگ[1] افسر کے حکم سے نوعمر ملہار راؤ کو بہلا پھسلا یا جب کہ وہ اپنے خیمے کے باہر کھیل رہا تھا اور اسی وقت تلسا بائی کے خیمے پر ایک گارڈ کا پہرہ لگا دیا گیا۔ گنپت راؤ اس کی امداد کے واسطے آیا لیکن جب اُسے معلوم ہو گیا کہ ملہار راؤ تلسا بائی سے جدا کر دیا گیا ہے اس وقت، اس کو اس سازش کا اندازہ ہو گیا تو وہ واپس لوٹا اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اُس نے بھاگ جانے کا قصد کیا لیکن اس کے دشمنوں کی ایک جماعت نے دریائے سپرا پر اُسے آگھیرا۔ اُس کے بھالے کا ایک خفیف سا زخم لگا پھر وہ گھوڑے پر سے اُتار لیا گیا۔ سازوسامان لوٹ لینے کے بعد اُس کے گھونسے رسید کیے گئے۔ اور طرح طرح سے اپنا غصہ اُتارنے کے بعد دشمن اُسے قید کر کے گالیاں دیتے ہوئے پیدل سپاہ کی لائن میں لے گئے یہ واقعہ ۲۰ دسمبر کو صبح کے وقت پیش آیا تھا لیکن

[1] صدر الدین حوالدار یا باڈی گارڈ کا کمان افسر۔

پھر رات کے وقت ایک اور زیادہ افسوسناک منظر دکھائی دیا۔ غالباً تلسا بائی کو مار ڈالنے کی تجویز پیشتر ہی سے قرار پاگئی تھی کیونکہ جو گارڈ اس کے خیمے پر تعینات تھا وہ اس قدر سخت تھا کہ اس نے کسی شخص کو تلسا بائی تک جانے کی اجازت نہیں دی۔ اس بدمزاج عورت نے کھانا ترک کر دیا اور وہ دن بھر زار و قطار روتی رہی۔ پھر دریا کے کنارے لے جانے کے لیے اُسے گرفتار کر لیا (جو اس کے قتل کا مقام قرار دیا گیا تھا) کہا جاتا ہے کہ جس جرم کا اس پر الزام لگایا تھا اس نے وہ دوسروں کے سر تھوپا اور جو سپاہی اُس کو لیے جاتے تھے اُنھیں اپنے زیورات رشوت میں دے کر اپنی جان بخشی کے لیے اُن سے منت درخواست کی۔ جب یہ وقوعہ پیش آیا اُس وقت آفتاب طلوع ہونے والا تھا اور اُس کی آہ و زاری سے اکثر لوگ بیدار ہو گئے جو اپنے کیمپ میں سو رہے تھے اور اس شخص کے بیان کے بموجب جس نے اس منظر کو خود دیکھا تھا "کہ جس عورت نے کبھی کسی پر رحم نہیں کیا اس کے بچانے کے لیے نہ تو کسی نے قدم اُٹھایا اور نہ کسی نے زبان ہلائی" دریائے سیپرا کے کنارے پر اُسے پالکی میں سے اُتار لیا۔ اُس کا سر اُس کے تن سے جدا کر دیا گیا اور اس کی لاش دریا میں پھینک دی گئی۔ اور کریا کرم کے عام ہندو رسوم بھی ادا نہ کرنے دیے گئے۔

۲۱۶

تلسا بائی قتل ہونے کے وقت پورے ۳۰ سال کی بھی نہیں تھی وہ حسینہ و جمیلہ تھی اور اپنے دلفریب انداز معشوقانہ اور زود فہمی کے لیے وہ مشہور تھی۔ اس کی فصیح البیانی پر صرف چند حضرات کو فضیلت حاصل تھی اور اس کی اس چرب زبانی کا یہ اثر تھا کہ جو لوگ اس کے حضور میں باریاب ہوتے وہ اس کی خواہشات پورا کرنے کے لیے فوراً آمادہ ہو جاتے تھے۔ وہ نہایت عمدہ شہسوار تھی (جو مرہٹہ عورت کا خاص وصف ہے) اور اس کی سواری کے جلو میں ہمیشہ شریف مستورات کی ایک جماعت رہتی تھی۔ اس رانی کی تاریخ سے بہتر کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی ہے کہ فطرت کے فیاضانہ عطیات نے کس طرح گمراہ ہو کر کمینہ اور ناپاک اطوار اختیار کر لیے۔ اگرچہ وہ جسونت راؤ کی بیوی نہ تھی لیکن چونکہ اس کا گھر بار اس کے سپرد تھا اور جسونت راؤ کی مشیر و وارث بنی اس کا فرزند تلسا بائی

کی تفویض میں تھا اس لیے اُس کے احکام کی تعمیل جسونت راؤ کی بیوہ ہونے کی حیثیت سے کی جاتی تھی۔ چونکہ وہ متوفی جسونت راؤ کی منظور نظر تھی اور ریاست کے حقیقی فرماں روا کی سرپرست تھی اس لیے خاندان ہلکر کے جملہ متوسلین اُس کے بے حد حامی و طرفدار تھے لیکن ان سب باتوں سے قطع نظر کر کے دیکھیے کہ زندگی میں کسی نے اُس کی توقیر نہ کی اور مرنے پر کسی کو افسوس نہ ہوا۔ غفور خاں چونکہ تلسا بائی سے سخت ناراض تھا اس لیے اُس کے قتل میں وہ بھی ملوث کہا جاتا ہے۔ تانتیا جوگ بھی اُس کا مخالف تھا اور جن لوگوں پر اُسے بہت زیادہ اعتماد تھا وہی اُس کے قتل میں بڑی سرگرمی سے عملی حصہ لینے والے تھے لیکن ملہار راؤ کی ماں کیسرا بائی اس شبہے سے صاف بچ گئی اور اس میں کچھ شبہہ نہیں ہے کہ اس ظالمانہ فعل سے صرف فوجی افسران کی جماعت ہی کا لگاؤ نہ تھا جنھوں نے اس وقت حکومت کو غصب کر لیا تھا۔ یہ فوجی افسران تلسا بائی کے قتل کے مؤید ضرور تھے لیکن اسے فوجی سپاہیوں نے قتل نہیں کیا بلکہ تلسا بائی کو ان لوگوں نے قتل کیا جن کا فرض منصبی ہر ایک سرکاری مجرم کو قتل کرنا تھا اور اس حرکت کو وہ لوگ جو اس وقت برسر اقتدار ہیں قابل مذمت نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ تلسا بائی کے قتل میں جن لوگوں نے اپنے ہاتھ سے جلاد کا کام کیا تھا وہ ریاست[1] ہلکر میں اپنی ملازمت پر بدستور قایم ہیں۔ ۲۱۷

تلسا بائی کے گرفتار ہونے کے دن انگریزی فوج مہد پور کے قریب دریائے سپرا کے کنارے پر ہلکر کے کیمپ سے قریب ۱۰ میل کے جا پہنچی تھی ایک پر زور جلسہ منعقد ہوا جس میں فوجی افسران نے یہ فیصلہ کیا کہ اس وقت موقع اچھا ہے جنگ کا خطرہ مول لے لینا چاہیے۔ چنانچہ ۲۱ دسمبر کو بوقت صبح سواروں کی ایک ۱۸۱۷ء

[1] رأوجی ترمبک سے دریافت کیا گیا کہ تلسا بائی کے قتل میں کون کون شریک تھا اُس نے کہا کہ میرے نزدیک ہلکر کے کیمپ میں بجز گنپت راؤ اور رام دین کے ہر ایک شخص اس کے قتل کا خواہاں تھا سعادت خاں اور محی الدین علی دو میواتی جمعداروں نے جلاد کا کام کیا تھا سعادت خاں کے انتقال کو ۵ ماہ ہوئے ہیں اور محی الدین علی اندور میں ملہار راؤ کے محل کا پہرہ دینے والی دو سو پیدل سپاہ کا کمان افسر ہے۔

زبردست جماعت دریا کے دائیں کنارے کو عبور کر کے انگریزی فوج سے مقابلہ کرنے کے لیے آئی۔ اس سے ایک روز پیشتر ملہار راؤ کے نام ایک رقعہ بھیج دیا گیا تھا جس میں اس کی حالت کے خطرات سے آخری مرتبہ اُسے متنبہ کر دیا گیا۔

۳۱۸

جس وقت فوج کوچ کر رہی تھی اُس وقت جواب موصول ہوا اُس میں ٹال مٹول اور معمولی باتیں کہنے کے بعد آخری فقرہ جس مطلب سے لکھا تھا اُس کے متعلق کوئی مغالطہ نہیں ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ "اگر آپ ایک قدم بھی آگے بڑھائیں گے تو اس کو یاد رکھیے گا کہ یہ فوج ہلکر کی ہے"۔

اس سے قبل فوجی افسران میں خواہ کیسے ہی اختلافات ہوں لیکن عام خطرے کو محسوس کر کے اور اپنی فوج کی نیک نامی کو مدنظر رکھ کر اس موقع پر اُن میں وقتی اتحاد ہو گیا۔ اُنھوں نے ۲۰ تاریخ کو رات کے وقت آپس میں وفاداری کرنے کا حلف اُٹھایا اور اگلی صبح کو نہایت قابلیت اور ہوشیاری کے ساتھ فوج آراستہ کی گئی۔ جن سواروں نے دریائے سپرا کے دائیں کنارے کو عبور کیا تھا وہ ایسی جگہ مقیم ہوئی۔ جہاں پر وہ پیش قدمی کرنے والی فوج کو مصروف کارزار دیکھ کر پریشان کر سکتے تھے اور اُس کے ذخائر اور ساز و سامان کو خطرے میں ڈال سکتے تھے۔ پیدل سپاہ اور توپ خانے کی پشت پر باقی ماندہ سوار تھے[1] جنھوں نے ایک مستحکم مقام پر اپنا پہرہ جمایا تھا جو دائیں جانب گہرے نالے اور بائیں جانب دریائے سپرا کے ناہموار کنارے کی آڑ میں تھے اُس رسالے کا کمان افسر رام دین تھا جس نے دریا کو عبور کیا تھا۔ پیدل سپاہ روشن بیگ کی ماتحتی میں تھی۔ باڈی گارڈ کا رسالہ زیر کمان صدر الدین اور غفور خاں مع اپنے ہمراہیان کے پچھلی صف میں نوعمر راجہ کے گرد و پیش رہے۔

انگریزی فوج نے شروع ہی سے بھاری توپوں سے گولہ باری کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

۳۱۹

---

[1] جن کی تعداد قریب ۷۰۰۰ کے تھی۔

جزوی اور چھوٹی لڑائیوں سے گریز کیا گیا اور ہمارے سوار دریا کو عبور کر کے نیچے چھپ گئے اور وہ وہاں پر اُس وقت تک رہے کہ ہماری فوج کے پیش قدمی کرنے والے دستے نے غنیم کے بائیں پہلو پر (جو اس کا زبردست مقام تھا) حملہ کرنے کے لیے اشارہ کیا اور نہایت سخت معرکہ آرائی کے بعد ذرا ہی دیر بعد ہم کو ہر جگہ فتح نصیب ہوئی۔ ہلکر کی فوج بدحواس ہو کر بھاگ نکلی۔ غنیم کے جن سواروں نے شروع میں بڑی بہادری دکھائی تھی وہی سب سے پہلے میدان چھوڑ کر بھاگے۔ توپ خانے کی تباہ کن آتش باری بند ہونے سے پیشتر ہی غنیم کے سواروں اور پیدل سپاہ کے چھکے چھوٹ گئے۔

لڑائی کے وقت ملہار راؤ ایک ہاتھی پر سوار تھا اور کہتے ہیں کہ وہ بہت خوش تھا لیکن جب اُس نے اپنے سواروں کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو وہ زار و قطار رونے لگا۔ اُس نے اپنی فوج والوں سے واپس آنے کی درخواست کی۔ اُس کے چچازاد بھائی ہری ہلکر نے اس لڑائی میں بہت دلیری دکھائی۔ اُس نے ۲ میسوری سواروں کو تہ تیغ کر دیا تھا کہ اُس کے گھوڑے کے گولی لگی۔ یہ دیکھ کر ملہار راؤ نے چیخ کر کہا کہ بھائی جان کو دوسرے گھوڑے پر سوار کرا دو۔ یہ مختصر قصے اُس امر کے ثبوت کے لیے یاد رکھے گئے ہیں کہ خاندان ہلکر کے نوخیز راجکماروں نے اس قابل یادگار موقع پر ایسی جرأت اور شجاعت ظاہر کی جس پر اس خاندان کے متوسلین فخر کرتے ہیں کیونکہ یہ شجاعت ہی اُن کی نمایاں خصوصیت ہے۔

۳۲۰　غنیم کی فوج سیتا مئو کی جانب رات بھر بھاگتی رہی اور علی الصباح وہاں جا پہنچی۔ پلٹنوں کے تباہ ہو جانے کے بعد تانتیا جوگ اور دیوان گنپت راؤ اپنے گارڈ سے نگاہ بچا کر بھاگ گئے اور انھوں نے ماہد پور میں عارضی طور پر پناہ لی۔ اور پھر رات کے وقت ماہد پور سے چل کر ملہار راؤ کے پاس جا پہنچے جس کی ماں کیسرا بائی اس وقت ریاست کی مالک تھی اُس نے تانتیا کو طلب کیا اور اُسے وزارت کا اعزازی خلعت پہنا کر اپنے فرزند اور ریاست کے کاروبار کو اُس کے ہاتھ میں دیدیا۔ بھاگی ہوئی فوج سیتا مئو سے منڈیسر گئی

یہاں پر کریم خاں مع پنڈاریوں کی ایک جماعت کے خیمہ زن تھا۔ اس سردار
نے اپنی خدمات پیش کیں لیکن اب اُس سے اتفاق کرنے کی کسی کو خواہش
نہ تھی۔ انگریز تعقب میں تھے لیکن اب کامیاب مقابلہ یا جنگ کی طوالت کی
امیدیں منقطع ہوگئیں سیتا مئو سے میر ظفر علی[1] جو پیشتر گماشتہ تھا صلح کی درخواست
دے کر روانہ کیا گیا۔ اُسے معاہدے کا ابتدائی مسودہ دیا گیا اور اس کو بتا دیا گیا
کہ جب تم اس پر دستخط لے کر واپس آؤگے تو اس وقت لڑائی ختم ہوجائے گی وہ اس
معاہدے کی تکمیل کرا کے اس وقت سے صرف چند گھنٹے[2] پیشتر منڈیسر پہنچا جو باقی ماندہ
مرہٹہ فوج پر انگریزی فوج[3] کے حملہ آور ہونے کے واسطے مقرر کیا گیا تھا۔ مرہٹہ
فوج پرتاب گڈھ سے ۱۶ میل کے فاصلے پر خیمہ زن تھی اور اس فوج کو اس
بروقت اطاعت کے علاوہ کوئی اور شے تباہی اور ہلاکت سے نہیں بچا سکتی
تھی۔ اس کی بدولت یہ بلا بالکل ٹل گئی۔

تانتیا جوگ اگلے روز کیمپ میں آیا اور ۶ جنوری کو معاہدۂ منڈیسر کی
تکمیل ہوگئی جس کی رو سے اگرچہ خاندان ہلکر نے راجگان راجپوتانہ کے متعلق
اپنے حقوق۔ اپنے علاقے واقع ریاست جے پور اور سلسلۂ کوہ ست پڑا کے جنوبی
علاقہ جات سے دست برداری دیدی لیکن گورنمنٹ برطانیہ کی اعانت و دستگیری

۳۲۱

---

[1] میر ظفر علی غفور خاں کا ایجنٹ تھا۔ وہ اس وقت بالکل بدل گیا اور فرار ہونے میں دربار کا
ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ بعد میں اس کے پاس امیر خاں کے بہت سے خطوط آئے جس میں
اس کے ساتھ دینے پر اصرار کیا گیا تھا۔ لیکن اسے اپنا مفاد خاص طور پر پیش نظر تھا چنانچہ جس انعام
کے حاصل کرنے کی وہ کوشش کر رہا تھا اسے مل گیا۔ یعنی ہلکر کی طرف سے جو جاگیر اسے ملی تھی اس پر
اس کے حقوق اس شرط پر مصدق ہوگئے کہ وہ سواروں کی ایک جماعت کی امداد کرے گا۔

[2] میری فوج غنیم کے تعاقب میں ۱۲ دسمبر کی صبح کو ماہد پور جا پہنچی اور رات کے وقت کوچ کرنے کے لیے میں نے
تیاری کرلی تھی اور دوسرے روز غنیم پر حملہ کرنے والا تھا جو اپنی حالت اور موقع کے لحاظ سے ہرگز بچ کر
نہیں نکل سکتا تھا۔

[3] گورنر جنرل کی خاص نوازش سے خاندان ہلکر کو اُس کے وطن واقع گاؤں اور چاندور میں

سے باقی ریاست اُس کے قبضے میں رہی فی الحقیقت یہ بات ریاست ہلکر کے لیے
۳۲۲ بالکل نئی تھی کیونکہ گزشتہ ۲۰ سال کے دوران میں نہ تو اس کی کوئی مستقل آمدنی
تھی اور نہ حکومت ہی تھی۔ اس ۲۰ سال سے زیادہ عرصے میں ریاست ہلکر کا
نام کو حیلہ قرار دے کر لٹیرے ہر قسم کے ظلم وستم اور لوٹ مار کرتے رہے۔

منڈیسر کے معاہدے سے اس ریاست میں جو زبردست انقلاب پیدا
ہو گیا اس کے عمدہ اثرات کو خاندان ہلکر کے بعض متوسلین نے تو بہت پسند کیا
تھا لیکن جس وقت مرہٹہ سرداروں نے یہ سنا کہ صلح نامے پر دستخط ہو گئے اسی وقت
وہ سب مل کر باجی راؤ کے یہاں جا پہنچے جو ابھی تک لڑائی پر آمادہ تھا۔ مرہٹہ
سرداروں کا کمان افسر رام دین تھا جو تانتیا جوگ سے ناقابل تصفیہ جھگڑوں
کے باعث مرہٹوں کا ساتھ چھوڑنا چاہتا تھا اور اس کی ترقی مراتب کی تصدیق
حال ہی میں اس واقعے سے ہوتی ہے کہ برطانی حکومت کے ساتھ اس کی وساطت
سے صلح نامہ مرتب ہوا۔ ماہد پور کی شکست خوردہ پلٹنوں کے باقی ماندہ سپاہی
رام پورہ چلے گئے تھے اور پھر جنرل براؤن کی فوج نے اُن پر وہاں اچانک حملہ
کر کے انھیں تباہ کر دیا اور اُن کی توپیں چھین لیں۔ نئے وزیر اور برطانیہ کی پناہ
میں آ جانے والے لوگوں نے اس واقعے پر کچھ تاسف نہیں کیا جس نے ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ۔ دبیکھ کے حقوق عطا کر دیے گئے۔

لہ ۔ باجی راؤ کے اطاعت قبول کر لینے پر رام دین بھی مطیع ہو گیا اور اُس نے اپنی فوج برخاست کر دی اور اُس نے وعدہ کر لیا کہ میں مالوے میں پھر کبھی واپس نہ آؤں گا اور اس کے صلے میں سلطنت برطانیہ نے اُس کی ۳ ہزار روپے سالانہ پنشن مقرر کر دی اور اب وہ انگریزی عملداری میں رہتا ہے۔

لہ ۔ ریاست ہلکر کا خزانہ ۱۰ برس تک خالی رہا اور خاندانی جواہرات جو کسی زمانے میں بہت بیش قیمت تھے اب اُن کی تعداد بہت کم ہو گئی تھی اور اس بات کو تسلیم کرنے کے معقول وجوہ موجود ہیں کہ ماہد پور کی لڑائی میں ہرگز ۲۰ لاکھ روپیہ نہیں غرق ہوا۔ اس نقصان کے متعلق بہت کچھ مبالغہ کیا گیا لیکن بعد کو تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ نقصان کی مقدار بہت کم تھی۔

دو الیہ ریاست کو غدار فوج سے نجات دلائی اور چند غذیبانہ و تکلیف دہ حقوق کو منسوخ کر دیا۔ ۳۲۳

جسونت راؤ کے مجنون ہو جانے کے وقت سے لے کر ملہار راؤ اور حکومت برطانیہ کے درمیان صلح ہو جانے کے زمانے تک کے حالات نہایت شرح اور بسط کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں جن کے پڑھنے سے ریاست کی یہ حیرت انگیز تصویر نظر آتی ہے کہ بجز ذاتی رائے کے ہر قسم کے تعلقات کالعدم ہو گئے تھے اور حکومت کی اصلیت جاتی رہی تھی اور صرف نام ہی نام باقی رہ گیا تھا۔ اس انتشار اور مظالم کے زمانے میں البتہ سب لوگ اپنے فرماں روا کی شخصیت کا بڑا ادب اور احترام کرتے تھے اور اسی کی بدولت وہ لوگ اپنے جرائم کی سزا پانے سے کچھ عرصے تک بچے رہے جن کی سپردگی میں فرماں روا تھا اس کا نام (اگرچہ وہ نابالغ تھا) سب کے متحد ہو جانے کا وسیلہ باقی رہ گیا تھا لیکن اس غیر منظم قوم اور اسی طرح کے دیگر امور میں سب کو از سر نو متحد کرنے کی قوت موجود تھی جس نے سب کو متحد کرنے کا ایک نہایت اہم مرکز پیدا کر دیا تھا۔ جو واقعات کہ بیان کیے گئے وہ ایک اور خیال سے بھی نہایت کار آمد ہیں۔ ان کارروائیوں کے کرنے والے اکثر حضرات ابھی تک ریاست میں اپنے عہدوں پر موجود ہیں اور اسی سے ہم اُن کے آیندہ طرز عمل کا اندازہ کر سکتے ہیں لیکن ہم کو ابھی ایک شخص کا اور حال بیان کرنا ضروری ہے۔ ۳۲۴ جو خاندان ہلکر کے ماتحت ہونے کا مدعی تھا اور ہندوستان میں گذشتہ ۳۰ سال میں جو انقلابات اور تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کے دوران میں اُس نے ترقی کر کے اس قدر اہمیت حاصل کر لی کہ اس کا علحدہ ذکر کرنا مناسب ہوگا نہ کہ ضمنی ذکر جو اس باب میں کر دیا گیا ہے۔

۳۲۵
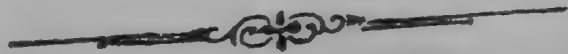
آٹھواں باب

امیر خاں

امیر خاں سنبھل ضلع مراد آباد کا باشندہ ہے۔ اس کا باپ ایک ملّا یا پیر تھا اور اس کے پاس تھوڑی سی جائداد تھی۔ امیر خاں جب ۲۰ سال کا ہوا تو اس وقت وہ مع اپنے بھائی کریم الدین کے ہندوستان سے چلا گیا اس کے پاس ۔ ملازم ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے قصبے میں وہ ایک معزز اور با اثر شخص تھا۔ وہ مع اپنے ملازمان کے اہیرواڑہ[2] میں زمیندار[1] رانوؤ کے یہاں نوکر ہو گیا اس کے بعد پیشوا کے ایک مرہٹہ افسر[3] نے اُسے اپنے یہاں رکھ لیا جس کے سپرد مالوے کے چند اضلاع کا انتظام تھا۔ اور اس ملازمت

۱۔ دلیپ سنگھ

۲۔ یہ علاقہ مالوے کی شمالی و شرقی سرحد پر واقع ہے اور اس میں بہت سے اضلاع ہیں۔

۳۔ اس افسر کا نام دوجی تھا وہ ارون کے ۵ محال ٹامن وغیرہ متصل سرونج کا کلکٹر تھا۔

سے پھر وہ ایک کلکٹر مال[1] کے یہاں ملازم ہوگیا۔ ان جملہ ملازمتوں میں امیر خاں اور اس کے ہمراہی بطور سہ بندی یا مقامی فوج کے نوکر رکھے گئے تھے۔ ۳۲۶
امیر خاں کے ہمراہیوں کو ۳-۴ روپے ماہانہ فی کس اور امیر خاں کو اُن کا کمان افسر ہونے کی حیثیت سے ۱۰-۱۵ روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ لیکن بہت جلد اس نوجوان سپاہی کے لیے ترقی کے روشن امکانات کا دروازہ کھل گیا۔ چنانچہ چھوٹی ریاست بھوپال کے وزیر چھوٹے خاں کے انتقال پر جو نزاعات پیدا ہوئیں اُن کی وجہ سے مختلف جماعتوں کو چند نئے ملازم رکھنے پڑے اور حیات[2] محمد خاں نے امیر خاں کو مع اس کے ۶۰ سوار اور ۶۰ پیدل سپاہیوں کے اپنے یہاں نوکر رکھ لیا اور امیر خاں نے یہ ملازمت ۱۲ ماہ تک کی اس کے بعد راگھوگڈھ کے سابق رؤسا درجن لعل اور جے سنگھ کے یہاں اُس نے نوکری کر لی جنھیں دولت راؤ سندھیا نے اُن کے علاقے سے نکال دیا تھا اور اب وہ اُن ہی کھیتوں کو لوٹ کر اپنی بسر اوقات کرتے تھے جن کو کسی زمانے میں اُنھوں نے جوتا تھا۔

ان راجپوت رؤسا کی ان کے مرہٹہ دشمنوں سے جو ابتدائی معرکے ہوئے اس میں امیر خاں نے بہت کچھ ناموری حاصل کی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ ۵۰۰ سواروں کا افسر بنا دیا گیا اور آپ سے ایک پالکی بطور انعام دی گئی اور اس لیڈری فوج میں جس کی تعداد تقریباً ۱۵ ہزار تھی وہ ایک ممتاز ہستی بن گیا۔ لیکن راجپوتوں کے ساتھ معرکہ آرائی ہونے سے اس کی مزید پیش قدمی رک گئی جس میں کہ پتھروں کی بارش سے وہ اس قدر مجروح ہوگیا تھا کہ وہ ۳۲۷ ۳ ماہ تک سرونج میں پڑا رہا قبل اس کے کہ اُس میں نقل و حرکت کی قوت آئے۔

[1] نقے خاں مینجر شجاع پور

[2] حیات محمد خاں کے دیوان ہمت رائو نے اُسے نوکر رکھا تھا اور مقدر کی عجیب برگشتگی سے کچھ عرصہ بعد ہمت راؤ تو جمدار کا دیوان ہوگیا اور حیات محمد خاں نواب بنا دیا گیا اور ہمت راؤ کا بیٹا (دتی رام) آجکل امیر خاں کا خاص گماشتہ ہے۔

اس واقعے نے اُسے درجن لعل سے جدا کر دیا اور وہ بالارام انگلیا مرہٹہ رئیس کے یہاں نوکر ہو گیا جو اس نازک زمانے میں بھوپال میں جھگڑوں میں مشغول تھا۔ بالارام انگلیا نے امیر خاں کی جمعیت میں اضافہ کر کے اس کی تعداد ۱۵۰۰ کر دی اور قلعہ فتح گڈھ اس کے سپرد کر دیا اور جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا گیا ہے وہ قلعہ فتح گڈھ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ لیکن تقدیر کی یہ بظاہر برگشتگی اس کی انتہائی اقبال مندی کا موجب ثابت ہوئی کیونکہ اس کی بدولت وہ جسونت راؤ سے جا ملا اور اس کا یار باوفا ہونے سے اُس نے اس قدر شہرت اور ناموری حاصل کی کہ امن عامہ میں رخنہ اندازی کرنے والوں میں اس کا نام سالہا سال تک نہایت نمایاں رہا۔ ابتدا میں جسونت راؤ سے امیر خاں کا تعلق مساویانہ تھا مگر چونکہ جسونت راؤ ایک والئی ملک اور نہایت جفاکش شخص تھا اس لیے بہت جلد دونوں کے تعلقات آقا اور ملازم کے ہو گئے۔ جسونت راؤ ہمیشہ اس پٹھان سردار کو بھائی جان کہکر مخاطب کرتا اور دیگر افسران کے مقابلے میں اس کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ کرتا تھا۔ امیر خاں اپنی فوج کا مختار کل کمان افسر تھا وہ جسے چاہتا نوکر رکھ لیتا اور جسے چاہتا برطرف کر دیتا تھا۔ اور اس وجہ سے وہ ایک حد تک خود مختار تھا لیکن اس کی حالت چنداں قابل رشک نہ تھی اس کی فوج کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ ساری فوج کی تنخواہ دینے کے لائق اس کے پاس آمدنی کے وسائل نہیں تھے اس وجہ سے وہ ہمیشہ سرکشی اور بغاوت کرتے رہتے تھے اور اس کے سپاہی ہر سال ۶ ماہ سے زیادہ عرصے تک اس پر دھرنا دیتے تھے اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ یہ شر پر جماعت ہمیشہ شورش مچاتی اور ان کی بسر اوقات کی فکر امیر خاں کے دامن گیر رہتی اور وہ کوئی باضابطہ پالیسی اختیار نہ کر سکا۔ امیر خاں کے پٹھان سواروں نے ساگر میں جو زیادتیاں کی ہیں ان کا حال ہم نے بیان کر دیا ہے۔ لیکن لوٹنے میں جب اُس کی فوج کی ایک جماعت نے اُسے گرفتار کر لیا تو پھر پونے میں ان کے مظالم ساگر کی زیادتیوں پر بھی سبقت لے گئے۔ پونے میں کم بخت سپاہیوں نے امیر خاں کو نہ صرف زد و کوب کیا بلکہ اس کی گردن میں

سنہ ۱۸۰۳ء

اُسی کی پگڑی کا پھندا ڈال کر اس کا گلا گھونٹ دیا تھا۔
اگرچہ جسونت راؤ نے اس حرکت[1] کی پاداش میں سخت سزائیں دیں لیکن بہت سے موقعوں پر امیر خاں نے تنگ آکر ان لٹیروں کی شورش کو اپنی ظرافت اور بذلہ سنجی سے رفع کیا۔
شہر پونا کے قریب پٹھان سپاہیوں کے گائے ذبح[2] کرنے سے ہندو بے حد ناراض ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے وہ ایسی سرکشی اور تمرد ظاہر کرنے لگے تھے جو ان کی گستاخانہ اور تحکمانہ اسپرٹ کا بیّن ثبوت تھا اور ہر موقع پر وہ اسی اسپرٹ سے کام کرتے تھے جسونت راؤ ان لوگوں کو ہمیشہ اپنے سے دور رکھتا تھا اور وہ ان کو لٹیروں کی ایک جماعت تصور کرتا تھا جو اپنے سرغنے کے تحت نقل و حرکت کرتی تھی۔ جسونت راؤ اس جماعت کو اپنی فوج کا ایک ضروری جز نہیں سمجھتا تھا جن سے وہ بروقت کام لے سکتا تھا اور وہ بھی خوب سمجھتے تھے کہ ہندوستان کی ایک مسلمہ ریاست کے نام سے اپنا کام بنانے میں ان کو کیسے کیسے فائدے میسر ہوتے ہیں اور امیر خاں اس دباؤ

۳۲۴

---

[1]۔ جسونت راؤ نے غوث محمد خاں اور چند دیگر مجرم پٹھانوں کو گرفتار کر کے حوالات میں ڈال دیا جنھوں نے یہ زیادتی کی تھی۔ جسونت راؤ کا ارادہ ان لوگوں کا سر قلم کرنے کا تھا مگر امیر خاں نے ان کی جاں بخشی کی سفارش کی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کارروائی کا کیا نتیجہ برآمد ہو گا یہ لوگ حقیقی یا فرضی غلطی کا انتقام لینے میں بے حد سخت ہیں۔

[2]۔ ہندو گائے کو نہایت مقدس مانتے ہیں۔ وہ نہ صرف گائے کا گوشت کھانے سے پرہیز کرتے ہیں بلکہ گائے کے مارنے کو بھی سنگین جرم تصور کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ہمیشہ گئو ہتیا پر سخت سزا دی جاتی ہے۔ ادنیٰ درجے کے مرہٹوں کا یہی خیال ہے۔
۱۸۰۲ء میں جب میں دولت راؤ سندھیا کے دربار میں تھا اس نے ایک مزید علاقہ اس شرط پر دینے کا وعدہ کیا تھا کہ میں صلحنامے میں یہ شرط اور درج کرا دوں کہ اس کے دیے ہوئے علاقوں میں گائے ذبح کرنے کی ممانعت کر دی جائے اور اگرچہ وہ تھوڑا کا زمانہ تھا لیکن گائے ذبح کرانے پر کئی آدمیوں کو سزائے موت دی گئی تھی۔

سے اُن کا افسر بنا رہا کہ ان لٹیروں اور خاندان ہلکر کی درمیانی کڑی وہی ہے۔ جسونت راؤ کے ہندوستان سے واپس آنے کے وقت تک امیر خاں کی تاریخ جسونت راؤ کی تاریخ میں شامل رہی ہے۔ اس کے بعد سے وہ دونوں جدا ہوگئے۔ اس وقت امیر خاں راجہ جگت سنگھ والیِ جے پور کے یہاں نوکر ہوگیا۔ جس نے راجہ[1] اودے پور کی لڑکی سے شادی ہونے کے متعلق راجہ جودھپور سے لڑائی ہونے کی توقع پر امیر خاں سے امداد لی۔ راجپوت راجاؤں میں راجہ ۳۳۰ اودے پور کا مرتبہ حسب سے افضل تھا اور راجپوت رؤسا راجہ اودے پور سے دوستی پیدا کرنے کو اپنی عزت افزائی تصور کرتے تھے۔ کشن کنور راجکماری نے اپنے عدیم النظیر حسن وجمال سے اپنی شرافت نسبی کو چار چاند لگادیے تھے۔ جودھپور کے متوفی راجہ بھیم سنگھ سے اُس کی سگائی ہوئی تھی۔ اُس کے انتقال کے بعد اس کا ایک دور کا رشتہ دار مان[2] سنگھ گدی نشین ہوا لیکن ۲ سال بعد سوائی سنگھ نے

---

[1] اودے پور کے مشہور مگر اب خستہ حال راجاؤں کے خاندان کو اکثر حضرات (میری رائے میں غلطی ہے) پورس کی اولاد تصور کرتے ہیں جس نے سکندر اعظم سے مقابلہ کیا تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ ہندوستان کے نہایت قدیم اور نامور فرماں روا ہیں اور سنین ماضیہ میں وہ سارا علاقہ اُن کے زیرنگیں تھا جسے اب راجپوتانے میں راجپوتوں کا ملک کہتے ہیں اور جو ضلع آگرے کے مغربی حصے اور گجرات کے شمالی ومشرقی حصے کے درمیان واقع ہے۔ مالوہ اس کی مشرقی سرحد اور ریگستان اس کی مغربی سرحد ہے۔ اس کی لمبائی زیادہ سے زیادہ ۳۰۰ میل اور چوڑائی ۲۰۰ میل ہے۔ راجپوتانے کی خاص ریاستیں جے پور۔ جودھپور اور اودے پور ہیں ریاست جودھپور کا علاقہ نہایت زرخیز ہے۔ ریاست جودھپور یا مارواڑ کے علاقے ابھی وسیع ہیں لیکن ریاست اودے پور یا میواڑ اب ویران علاقہ ہے لیکن حکومت برطانیہ کی فیاضانہ اعانت کی بدولت وہ ترقی کررہی ہے۔ راجپوتانے میں متعدد پہاڑ اور تنگ وادیاں ہیں۔

[2] مان سنگھ کے گدی نشین ہونے پر یہ قرار پایا تھا کہ اگر کسی رانی کے لڑکا پیدا ہوگا تو وہ راجہ ہوگا۔ یہ حرامی مدعی ۲ سال تک پیش نہیں ہوا اور اُس کی مشہور ماں (سوائی سنگھ کی بہن) اسے اپنا فرزند نہیں بتاتی ہے اور چونکہ سوائی سنگھ بیزار وزیر نے اسے پیش کیا تھا اس سے یہ

(جو بھیم سنگھ کا وزیر رہ چکا تھا) بھیم سنگھ کا اصلی یا فرضی بیٹا پیش کر دیا اور ۳۳۱
اُس کے دعوے کی تائید کے لیے اُس نے ایک زبردست جماعت تیار کر لی
کیونکہ اپنے مقصد کے حصول کا وہ اسی کو واحد ذریعہ سمجھتا تھا اور اُس نے
راجہ جے پور اور راجہ اودے پور کے درمیان عداوت پیدا کرنے کی کوشش
میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا یہ مشہور کرکے کہ مان سنگھ کو اودے پور کی راجکماری
سے شادی ہو جانے کی امید ہے سوائی سنگھ نے جگت سنگھ[1] راجہ جے پور کو ورغلایا
کہ آپ شادی کی درخواست کیجئے اور اُس کے عدیم النظیر حسن و جمال کے حالات
سُن کر یہ راجہ اس جال میں فوراً پھنس گیا۔ رانا اودے پور سے شادی کے متعلق
نامہ و پیام شروع ہوئے اور ایک مرتبہ تو شادی کا ہو جانا یقین کے درجے تک
پہنچ گیا تھا۔ لیکن سوائی سنگھ کی عیاری چل گئی اور یہ کام نہ ہونے پایا اور اُس نے ۳۳۲
راجہ جودھ پور کو ورغلایا کہ وہ اس پر زور دیں کہ راجکماری سے شادی کرنے کے
متعلق میرا حق فائق ہے اور اپنے رقیب کو شادی کے خیال سے باز رکھنے کے
لیے میں سخت تدابیر پر عملدرآمد کروں گا۔

سازشوں اور جنگ کے مفصل حالات بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں
ہے راجپوت راجاؤں کے دل میں سخت عداوت پیدا کرنے کے لیے طرح طرح

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ۔ خیال ہوتا ہے کہ دھوکل سنگھ مرا ہی لڑکا ہے لیکن یہ معاملہ کبھی صاف طور پر پایۂ ثبوت
کو نہیں پہنچ سکا۔

[1] جگت سنگھ ایک کمزور اور آوارہ مزاج رئیس تھا جو عیاشی میں منہمک رہا۔ اس کی ذلیل آشنائیوں اور
اُن لوگوں کے حالات جن کو اس نے سرفراز کیا ناگفتہ بہ ہیں۔ چنانچہ رسکپور طوائف کا مرتبہ ریاست بھر
میں سب سے زیادہ بلند تھا چنانچہ راجہ خود اس کی اردلی میں چلتا تھا اور اُسے بڑی بڑی جاگیریں
دیدی گئیں وہ اپنے خاندان کی شریف راجپوت مستورات کو حکم دیتا کہ وہ رسکپور طوائف کو سلام کریں
اور اُسے اپنے سے افضل سمجھ کر اُس کے حضور میں حاضری دیں لیکن اُنھوں نے جواب میں عرض کیا کہ
ہم کو زہر کھا کر اور کٹاری مار کر جان دینا قبول ہے لیکن ہم اس جیسی آوارہ اور بدچلن عورت کے
مساوی سمجھے جانے کی ذلت کو قبول کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوں گے۔

سے اُن کے جذبات برانگیختہ کیے گئے اور امداد کی درخواست ہر جگہ کی گئی۔ حکومت برطانیہ سے اس معاملے میں دست اندازی کرنے کی استدعا کرنا محض بے سود تھا۔[1]

سندھیا نے اپنے دوبے تحے رفقا باپوجی سندھیا اور سرجی راؤ گھٹکیا کو اجازت دی کہ ان دونوں راجپوت راجاؤں کے جھگڑے میں اپنے لٹیرے گروہوں سے مدد کریں اور جیسا کہ بیان کر دیا گیا ہے ہلکر نے اس سے بھی زیادہ خطرناک ہدیہ امیر خاں اور اس کے پٹھانوں کا پیش کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ریاستیں تباہ ہو گئیں۔ ریاست جے پور کا اس جنگ میں کم از کم ایک کروڑ ۲۰ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ جس کو اگرچہ شروع میں کامیابی ہوئی تھی لیکن آخر کار اُسے ذلت اور شکست نصیب ہوئی۔

۳۳۳

مان سنگھ نے جب دیکھا کہ سوائی سنگھ اچھی طرح پھنس گیا ہے تو اس نے دھوکل سنگھ حرامی راجکمار کے متعلق اپنا مطالبہ پیش کیا جس کے حقوق کا وہ مؤید تھا۔ راجہ نے جب اس پر ٹال مٹول کی تو سوائی سنگھ نے نہ صرف اس کا ساتھ چھوڑ دیا بلکہ دیگر رؤسا پر بھی یہ زور ڈالا کہ وہ اُس کا ساتھ چھوڑ دیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مان سنگھ اگرچہ فتح یاب ہو گیا تھا مگر وہ اپنے چند رفیقوں کے ساتھ بھاگ گیا اور اپنا کیمپ جگت سنگھ اور اس کی فوج کے لوٹنے کے واسطے چھوڑ گیا۔

مان سنگھ کی مصیبت اس شکست پر بھی ختم نہیں ہوئی بلکہ جودھ پور تک اُس کا تعاقب کیا گیا اور اس کی ریاست کو دشمنوں نے تاخت و تاراج کر ڈالا۔ دھوکل سنگھ راجہ بنایا گیا اور پھر ہر ایک راٹھور راجپوت نے اس نوجوان رئیس کی اطاعت

---

[1] ۱۸۰۶ء میں لارڈ لیک کے رہتے ہوئے دہلی میں تھا اُس وقت راجہ جے پور کے وکلا نے طرح طرح کا لالچ دے کر مجھے بہت کچھ سمجھایا کہ میں اُن کے آقا کا حامی بن جاؤں اور ایک انگریزی فوج سے اس کی دست گیری کر دوں اس کے بعد راجہ جودھ پور نے اپنا ایک علاقہ نذرانے میں پیش کرنے کا وعدہ کر کے حکومت برطانیہ سے اعانت کی درخواست کی۔

قبول کرلی۔ لڑائی کا اگرچہ بظاہر فیصلہ ہوگیا تھا لیکن مان سنگھ اور اس کے باقی ماندہ چند سواروں کی ہمت ابھی تک پست نہیں ہوئی تھی۔ اولاً اس نے اپنے دشمنوں کے مابین تفرقہ اندازی کی کوشش کی اور ایک محاصرے کے طول پکڑنے کے باعث اسے اپنی جدوجہد میں اب کامیابی ہونے لگی۔ امیر خاں نے اس کی استدعا کو قبول کرلیا اور تنخواہ نہ ملنے کے بہانے وہ محاصرہ کرنے والی فوج سے علیحدہ ہوگیا اور اس نے جودھپور اور جے پور کے علاقوں کو بلا تفریق لوٹنا شروع کردیا اور وہاں سے جبریہ روپیہ وصول کرلیا۔ چونکہ جے پور کے ہر ایک رئیس کو اس کی لوٹ مار سے نقصان پہنچا تھا اس لیے ان کی ہائے واویلا سے عاجز آکر جگت سنگھ نے اس پٹھان سردار کی گوشمالی کے لیے ایک فوج بھیج دی۔ ۲۲۴

امیر خاں اولاً ٹونک کی طرف پسپا ہوگیا لیکن چند پلٹنیں اور توپیں لاکر اس نے جے پور کی فوج پر حملہ کیا اور اسے شکست دیدی۔

اس مکمل کامیابی کے بعد اس کے جے پور آنے کی خبر سن کر وہاں کے باشندے بے حد پریشان اور متردد ہوگئے لیکن دیگر مواقع کی طرح اس موقع پر بھی اس نے یہ ثابت کردکھایا کہ وہ لٹیروں کا صرف ایک سردار ہے۔ چونکہ اسے زبردست فتح مندی حاصل ہوگئی تھی اس لیے خطرہ پیدا کرنے کے اندیشے سے نفرت کرکے اس نے دارالخلافہ کے مضافات میں لوٹ مار کرنے پر اکتفا کیا اور جب یہاں کے باشندوں کا خوف رفع ہوگیا تو اس وقت دارالخلافہ خطرے سے مامون و محفوظ ہوگیا۔

جے پور کی فوج کی ہزیمت کی خبر نے محاصرہ کرنے والی فوج میں ایسی ابتری اور پست ہمتی پیدا کردی کہ جگت سنگھ نے اپنے مستقر کو واپس چلے جانے کا ارادہ کرلیا اور سندھیا کی معاونتی فوج کو ایک گرانقدر رقم دی کہ اسے صحیح وسلامت وہاں تک پہنچا دیا جائے لڑائی کے شروع میں جو توپیں اور مال غنیمت اس کے ہاتھ لگا تھا وہ پیشتر سے بھیج دیا گیا اور چند راٹھور روسا جو مان سنگھ کے حامی تھے لیکن مشتبہ سمجھے جانے کی وجہ سے وہ جودھپور سے چلے گئے تھے اب انھوں نے اپنے راجہ کو اپنی وفاداری کا قطعی ثبوت دینے کا تہیہ کرلیا اور پھر انھوں نے ان سواروں پر حملہ کیا جو ان کی ریاست کی ذلت کا باعث تھے اور انھیں کامل شکست دے کر ۱۴ توپیں اور بہت سا مال غنیمت واپس لے لیا۔ اس کے بعد وہ ۲۲۵

امیر خاں سے میل کر کے اس کے ہمراہ فاتحانہ حیثیت سے جودھپور جا پہنچے۔ ٢٣٥

ان واقعات سے مان سنگھ کے نصیب جاگ اٹھے لیکن اپنے دشمن سوائی سنگھ کی حیات تک اسے سخت اندیشے پیش آتے رہے۔ اس رئیس نے ناگور میں پناہ لی تھی۔ راجہ نے امیر خاں سے التجا کی کہ اس پر فوج کشی کرے۔ امیر خاں کو ٢ لاکھ روپیہ پیشگی دیا گیا اور کامیابی پر مزید انعام و اکرام کا وعدہ کیا گیا۔ اس پٹھان سردار نے اس خدمت کو قبول کر لیا لیکن ابتدا ہی سے اس کو ایسے کام انجام دینے میں اپنی قوت سے زیادہ اپنی عیاری اور چالاکی پر بھروسہ تھا۔ چنانچہ وہ ناگ پور سے چند میل کے فاصلے پر جا پہنچا لیکن مان سنگھ کی بے وفائیاں معلوم ہو جانے سے اس سے خفا ہو جانے کا حیلہ کر کے اس نے سوائی سنگھ سے میل جول پیدا کرنے کے لیے نامہ و پیام شروع کر دیا۔ سوائی سنگھ کو شبہہ ہوا کہ کچھ دال میں کالا ہے لیکن امیر خاں کے قاصد نے اپنے آقا کی وفاداری کی خود ضمانت کی اور راجہ سے یہ وعدہ لیا کہ وہ امیر خاں سے خود ملاقات کرے گا لیکن اس وعدے کے ایفا کے وقت راجپوت راجہ کو تامل ہوا۔ اس پر امیر خاں اس سے ملنے کو خود گیا اور چکنی چپڑی باتوں اور حلفیہ قسم سے اس کا شبہہ دور کر دیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ راجہ اپنے مفروضہ دوست کے کیمپ میں چلا گیا جہاں وہ مع اپنے اکثر ہمراہیوں کے مارا گیا جو اس کے ساتھ امیر خاں کے کیمپ تک گئے تھے۔ ٢٣٦

له۔ ایک نہایت معزز چشم دید گواہ نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا کہ محمد شاہ نے اپنی چرب زبانی سے سوائی سنگھ کو یہ وعدہ کرنے پر آمادہ کر لیا کہ وہ امیر خاں سے ملاقات کرے گا۔ لیکن جب ملاقات کا وقت آ پہنچا تو راجہ کو جانے میں تامل ہوا کیونکہ اسے یہ خبر ملی تھی اس کی جان لینے کی فکر کی گئی ہے لیکن امیر خاں کو جب راجہ کی بزدلی کی اطلاع ملی وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور چند سوار اپنے ہمراہ لے کر ناگور کی چار دیواری کے قریب ایک مسلمان درویش کی خانقاہ میں جا پہنچا۔ یہاں پر سوائی سنگھ سے ملاقات ہوئی اور اس کے خوف زدہ ہونے پر خوب لعنت ملامت کی اور اس سے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک کیا یہ بات ممکن ہے کہ جو شخص بری نیت رکھتا ہو وہ اس قدر اعتماد کر سکتا ہے جیسا کہ میں نے کیا ہے کہ اپنی جان کو اس کے قبضے میں دے دیا جس کے ساتھ میں بد عہدی کرنا چاہتا ہوں۔ سوائی سنگھ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو تحائف اور خلعت بھیجے اور پگڑیاں بدلیں جو بھائی بنانے کی علامت ہے اور

۴۳۷

اگرچہ سوائی سنگھ جنگ کا بانی تھا جس سے اس کی ریاست تباہ ہو گئی اور ہم کہ سکتے ہیں کہ اُسے اپنے کرتوت کا پھل مل گیا لیکن اس واقعے سے امیر خاں کا سنگین جرم ہرگز ہلکا نہیں ہو سکتا ہے جس نے اس موقع پر یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ انسانیت اور اصول زندگی سے معرا ہے۔

ان کارروائیوں کے دوران ہی میں ہلکر پاگل ہو گیا تھا اور امیر خاں ناگور کو فتح اور لوٹنے کے بعد بام پورہ آنے پر مجبور ہوا۔ امیر خاں کے ریاست ناگ پور پر حملہ آور ہونے اور بام پورے میں اُس کے طرز عمل کا حال اس سے قبل بیان کر دیا گیا ہے۔ خاندان ہلکر اور بھونسلا کے مابین چند غیر منفصل جھگڑوں کا حیلہ کر کے امیر خاں نے یہ حملہ کیا تھا لیکن اُس کی اصل غرض لوٹ مار تھی۔ امیر خاں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ امیر خاں نے شاہ صاحب کے مزار پر ہاتھ رکھ کر قسمیہ وعدہ کیا کہ میں اپنے اس نئے دوست کے ساتھ وفاداری کروں گا اور راجہ کو اگلے روز اپنے کیمپ پر آنے پر آمادہ کر لیا جہاں پر اُس کے شاندار استقبال کی تیاریاں کی گئیں تھیں اور بہت سے رؤسا اُس سے شرف نیاز حاصل کرنے کے لیے دست بستہ حاضر تھے۔ بعض سوار تو مہمان کو سلامی دینے کے حیلے سے اور بعض قواعد کی مشق کے بہانے سے مسلح کھڑے ہوئے تھے۔ بندوقوں میں گولیاں چھرے بھر لیے گئے تھے اور اُن کا رخ اس مقام کی طرف تھا جو راجہ کو بٹھانے کے لیے مقرر کی گئی تھی جو مع اپنے ۲۰۰ ہمراہیوں کے ایک بڑے خیمے میں فروکش ہوا۔ پھر ایک مقررہ اشارے سے حملہ کر دیا گیا۔ امیر خاں کے افسروں نے اپنے کو بچا لیا لیکن ہر طرف سے چھرے اور گولیوں کی بوچھار ہونے سے کل راجپوت بڑی بے دردی سے ہلاک ہو گئے۔ ...۳ سواروں میں سے جو سوائی سنگھ کے ہمراہ آئے تھے اور اُس کے خیمے کے قریب مامور تھے صرف ...۲ سوار اپنی جان بچا کر بھاگ گئے باقی سب کا کام تمام ہو گیا اور اس مخلوط آتش باری سے امیر خاں کے بہت سے آدمی بھی مارے گئے جن میں سے اس کا ایک رشتہ دار بھی تھا۔ سوائی سنگھ ایک گولی سے ہلاک ہوا مگر اس کا سر قلم کر کے مان سنگھ کی خدمت میں بھیج دیا گیا جس نے اس کے صلے میں امیر خاں کو ایک بڑی جاگیر اور بہت کچھ زر نقد مرحمت فرمایا۔

لہ۔ امیر خاں نے بیان کیا کہ ہم نے ہلکر حکومت کے احکام کی تعمیل کی تھی لیکن جب نواب گورنر جنرل بہادر نے جسونت راؤ کے نام ایک مراسلہ بھیج کر اس کے متعلق جواب طلب کیا تو اس کا جواب مرہٹہ حکمت عملی کے صحیح طریقے پر موصول ہوا۔ اس راجہ کو اس کے وزرا نے یہ مشورہ دیا تھا کہ راجہ ناگپور کی مخالفت سے دست بردار ہو جائے۔

اپنی پیدل سپاہ اور توپیں محمد شاہ خاں کے تحت بمقام جودھپور چھوڑ گیا تھا۔
لیکن اس کی لوٹ مار کی کارروائی میں جو وہ کر رہا تھا اس کے افسران میں سب
پنڈاری اور نواب بھوپال شامل ہو گئے تھے۔ چونکہ نواب بھوپال کی راگھوجی بھونسلا ۳۳۸
سے عداوت تھی اس لیے امیر خاں اس راجہ کے دشمنوں کا سرگرم حامی بن گیا تھا۔
ریاست ہلکر کا انتشار اور سندھیا کی حکومت کی افراتفری اعلیٰ حضرت
حضور نظام کی رعایا میں باغیانہ اسپرٹ کا نمودار ہونا اور امیر خاں کے ماتحت
ایک لشکر جرار کا ہونا (جس کی ناموری انتہائی کمال کو پہنچ گئی تھی) ان سب
کو ملا کر یہ عام نتیجہ نکالا گیا کہ امیر خاں از سر نو مسلمان سلطنت قائم کرنے کی
تدبیریں کر رہا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ فوجی افسر اور مدبر ہونے کی حیثیت
سے ایک نہایت سمجھ دار شخص تھا۔ یہ زمانہ اسلامی سلطنت قائم کرنے کے لیے
نہایت موزوں بھی تھا لیکن اس بات کو باور کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ
اس نے کسی وقت بھی اس قسم کی کوئی تجویز نہیں سوچی تھی۔ اس کے پٹھان ساتھی
اکثر کہا کرتے تھے کہ ایک مقدس درویش کی یہ پیشین گوئی جلد پوری ہونے والی
ہے کہ آپ دہلی کے بادشاہ ہو جائیں گے لیکن اس نے کبھی ان خیالات کی
حوصلہ افزائی نہیں کی۔ وہ ہلکر کے نام سے یہ کارروائیاں کرنے کا نہ صرف زبانی
اقرار کیا کرتا تھا بلکہ اس نے لٹیری فوج کے سردار ہونے سے گذر کر کبھی کسی قسم کی
سلطنت قائم کرنے کی بابت ایک قدم بھی نہیں اُٹھایا بلکہ وہ اپنی فوج کو قائم
رکھنے اور اُن کے گذارے کا بندوبست کرنے کے لیے ہر ایک وسیلے سے کام لیتا
تھا جو اس بدامنی کی وجہ سے اسے میسر آ گئے تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اس خط میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ جب امیر خاں بھونسلا کی ریاست میں داخل ہوا تو اُسے
یہ ہدایت کی گئی کہ کسی قسم کا گزند پہنچانے کے بجائے تم اس ریاست کی حفاظت کرنا اور گورنر جنرل کا خط موصول
ہونے پر ان احکام کی تجدید کا وعدہ کیا گیا۔ غالباً یہ جواب خود امیر خاں نے لکھوایا تھا۔ خط میں لٹیروں کے
حملے کے واقعے کو تسلیم کیا گیا تھا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ یہ حملہ دوستانہ نیت سے کیا گیا تھا اور
اس حیلے کو تسلیم کر لینا بھی اس وقت کی پالیسی کے مناسب تھا۔

۳۳۹

امیر خاں کے ناگ پور سے واپس جانے اور جسونت راؤ اور اُس کے خاندان کو دھریا کنور سے نجات دلانے کے بعد وہ ایک اندوہناک واقعے کا خاص سبب بن گیا اگرچہ اس حرکت سے ایک عمدہ مقصد حاصل ہو لیکن اس کی حرکت پر ہر ایک انسان لعنت بھیجتا ہے۔ دانشمندانہ اور منصفانہ پالیسی کا مقتضا یہی تھا کہ راجہ جے پور اور راجہ جودھ پور کے درمیان صلح کرادی جاتی اور مصالحت کرادینا اس پٹھان سردار کی رائے میں بھی موزوں اور مناسب تھا لیکن یہ تجویز ہوئی کہ یہ مصالحت دو شادیاں کرادینے سے ہو سکتی ہے۔ جگت سنگھ تو مان سنگھ کی بیٹی سے شادی کرلے اور مان سنگھ اپنے رقیب اور دشمن کی بہن سے بیاہ کرے۔ اور ان شادیوں کے رچانے میں سب کی عزت برقرار رکھنے کے لیے اودے پور کی راجکماری کشن کنور کو بھینٹ چڑھانا ضروری خیال کیا گیا۔ اس قربانی کے مسئلے کے متعلق بہت کچھ جدوجہد کی گئی اس وقت امیر خاں اودے پور میں موجود تھا اور اس نے راجا کے مشیروں کو بہت زور دے کر سمجھایا اور مصالحت کرانے کی مشکلات کو بوضاحت بیان کیا اور یہ بھی سمجھایا کہ ان دونوں راجپوت راجاؤں کو بغیر ناراض کیے ہوئے اس راجکماری کی شادی کسی دوسرے رئیس سے نہیں کی جا سکتی۔ اس نے یہ دلیل بھی پیش کی کہ یہ بات ایک راجپوت راجا کی شان کے کس قدر خلاف ہے کہ وہ اپنے گھر میں کنواری لڑکی بٹھائے رکھنے کی ذلت گوارا کرے۔ ہم بشریت کے اقتضا سے اس روایت کو تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی دلیل اور کوئی دھمکی کسی باپ کو اپنی بیٹی کا قاتل نہیں بنا سکتی ہے۔ اور نہ وہ اپنی بیٹی کو خودکشی کر لینے کی صلح دے سکتا ہے۔ لیکن اس کی بہن چاند بائی کو اس ظالمانہ حرکت کے لیے راضی کر لیا گیا اور اس نے کشن کنور کے روبرو زہر پیش کر کے اُس سے التجا کی کہ اپنے باپ۔ اپنے خاندان اور اپنی قوم کو ان مصیبتوں اور جھگڑوں

۳۴۰

ے۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے یہ تجویز کبھی براہِ راست رانا کے روبرو پیش نہیں کی۔ ٹھاکر اجیت سنگھ ساکن کوراوہ ایک راجپوت زمیندار تھا اور اس موقع پر امیر خاں کا وہی آلۂ کار بنا جس سے وہ سخت بدنام ہوا۔

سے بچالو جو تمھاری پیدائش اور شومی قسمت سے اُن پر نازل ہوئے ہیں۔ یہ استدعا خالی نہ گئی اس نے زہر کے تین پیالے پیے اور آخری پیالے کے پینے پر جو فوراً ہی مہلک ثابت ہوا اُس نے آہ سرد بھر کر کہا کہ "میرے مقدر میں یہی شادی لکھی تھی"۔ محل میں اس وقت جو کچھ ہو رہا تھا اُس سے سب لوگ واقف تھے۔ اس کے عدیم النظیر حسن و جمال اور اٹھتی جوانی نے ہمدردی کا ایسا عام جذبہ پیدا کر دیا جو ہندوستانیوں میں کمیاب ہے۔ یہ حال کئی ایسے اشخاص کی رپورٹ پر درج کر دیا گیا ہے جو اس موقع پر موجود تھے اور اُن سب کا یہی بیان ہے کہ کشن کنور کی موت کی شہر اودے پور میں خبر پھیلتے ہی ہر جگہ ایک کہرام مچ گیا اور ہر شخص اُس کی بدنصیبی پر کف افسوس ملتا تھا اور اُن لوگوں کی کمزوری اور بزدلی پر لعنت بھیجتا تھا۔ جو اپنی خیر منانے کے لیے ایسی شرط پر راضی ہو گئے۔ اس سانحے کے چند روز بعد اس راجکماری کی ماں کے انتقال کی خبر سے عام جوش پھیل گیا جو اپنی اس پیاری اور دل آرا بیٹی کے اس افسوسناک انجام کی خبر کے صدمے سے جاں بر نہ ہو سکی۔ اگر اس سے اودے پور کے شرفا کی ذلت ہوئی تھی کہ اُن میں کا ایک شخص (اجیت سنگھ جو ایک مقتدر شخص تھا اور جس کا اپنے راجہ پر بہت کچھ اثر تھا) اس نے اس معاملے میں شروع سے آخر تک امیر خاں کا آلہ کار بن کر اپنی انتہائی کمینگی کا ثبوت دیا لیکن سلوُمبر کے رئیس بھگوان سنگھ نے اپنے طرز عمل سے اس مغرور قوم کے کیرکٹر کی تلافی کر دی جو محل کی اس کارروائی کی خبر ملتے ہی فوراً اپنے مستقر سے دوڑ کر اودے پور جا پہنچا اور شاہی اداب کو بالائے طاق رکھ کر سیدھا اپنے راجہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا

[1] جو واقعات کہ میں نے بیان کیے ہیں ان کے وقوع پذیر ہونے سے گیارہ سال بعد میں مارچ سنہ ۱۸۲۱ء میں دربار اودے پور میں گیا اور ہر ایک واقعے کی تصدیق کرنے کے کافی وسائل میرے پاس موجود تھے۔ اس کے بھائی جان سنگھ ولی عہد کے دیکھنے کے بعد میں کشن کنور کے حسن و جمال کے متعلق کوئی شک نہیں کر سکتا اور کہا جاتا ہے کہ اس کی صورت اپنے اس بھائی سے ہو بہو مشابہ تھی۔ جان کنور کا رنگ گورا ہے اور اس کی صورت نہایت پاکیزہ ہے اور اگرچہ وہ نازک اندام ہے لیکن اس کے بشرے سے جوش اور ذہانت ظاہر ہوتی ہے۔

وہاں پر اُس نے دیکھا کہ راجہ مع چند وزراء کے بظاہر مغموم بنا بیٹھا ہے۔ اُس نے
نہایت گھبرا کر دریافت کیا کہ راجکماری زندہ ہے یا مر گئی۔ ذرا سی دیر بعد اس کے
جواب میں اجیت سنگھ نے عرض کی کہ ایک متوفی بچی کے مغموم باپ کو دق نہ کرو۔ اس
بوڑھے سردار نے فوراً اپنی تلوار سونت کر مع ڈھال کے مہارانہ[1] کے قدموں میں رکھ دی ۲۳۲
اور نہایت متانت اور دلیری سے عرض کی کہ میرے اجداد نے آپ کی اور آپ کے
بزرگوں کی زائد از ۳۰ پشت خدمت کی ہے اور میں اپنے محسوسات کو اس وقت
اپنی زبان سے ظاہر نہیں کر سکتا ہوں لیکن آئندہ آپ کی خدمت انجام دینے میں
یہ ہتھیار استعمال نہیں کیے جائیں گے" اور اجیت سنگھ کی طرف مخاطب ہو کر اس نے
کہا "اے بدمعاش تو نے ہی راجپوت کے نام پر یہ بٹہ لگایا ہے۔ ایشور میری اس بد دعا
کو قبول کرے کہ تو لاولد مرے" وہ اس مجلس سے اُٹھ کر چلا گیا لیکن جملہ حاضرین کے
دل میں خوف اور دہشت پیدا ہو گئی۔ اس واقعے کے بعد بھگوان سنگھ ۸ سال تک
زندہ رہا لیکن وہ ہتھیار واپس لینے پر ہرگز راضی نہیں ہوا اگرچہ وہ رانا کا مطیع اور
فرماں بردار رہا۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ اجیت سنگھ کے آخری لڑکے نے وفات پائی
اور اوہام پرست راجپوتوں کا خیال ہے کہ بھگوان سنگھ کی بد دعا قبول ہوئی۔ اس کا
اپنے راجہ پر کافی اثر رہا لیکن پھر اس کو ذلت نصیب ہوئی جس سے اودے پور کے
سب باشندے بے حد خوش ہوئے[2] کیونکہ وہ سب ابھی تک اسی شخص کو اپنی راجکماری کی خودکشی
کا خاص موجب سمجھتے ہیں۔

۲۳۳ امیر خاں اودے پور سے جودھ پور چلا گیا اور اس وقت سے جودھ پور اور
جے پور کے سارے قضیے طے ہو گئے۔ اور امیر خاں کے ہمراہی گروہ راجپوتانہ کے
سنہ ۱۳-۱۸۱۲ء ہر ایک حصے میں تاخت و تاراج کرتے رہے جہاں کہیں اُن کو لوٹ کی خفیف سی بھی

---

[1] ۔ مہارانا کے معنی بڑے فرماں روا کے ہیں۔ ریاست اودے پور کے فرماں روا ہمیشہ اسی معزز لقب
سے ممتاز ہیں۔

[2] ۔ کپتان ٹاڈ پولیٹیکل ایجنٹ متعینہ دربار اودے پور نے جون ۱۸۲۱ء میں مجھ کو اس کی ذلت اور اس
پر رعایا کے اظہار مسرت کی اطلاع دی تھی۔

امید ہوئی۔ غارت گری کے ان مناظر میں البتہ گاہے ماہے فوج کی بغاوتوں،
کمان افسروں کے باہمی جھگڑوں اور مستحکم مقامات کے طویل مقابلے سے کچھ رخنہ اندازی
ہو جاتی تھی۔

سنہ ۱۸۱۲-۱۳ء

گزشتہ چند سال ہی میں ریاست جودھ پور بیحد مفلس اور تباہ ہو گئی تھی۔ جبکہ
اندر راج وزیر نے مان سنگھ کے گرو[1] دیوناتھ کی مدد سے جس کا راجہ پر بہت کچھ
اثر تھا ریاست کو غارت گروں سے پاک وصاف کرنے کی کوشش کی۔ امیر خاں
سے درخواست کی گئی کہ یہاں سے تشریف لے جائیے۔ اُس نے جانے سے انکار
تو نہیں کیا مگر اس قدر ضرور عرض کیا کہ میرا حساب کتاب ابھی بے باق کر دیجیے۔
چنانچہ اس کی تعمیل ریاست کی استطاعت کے مطابق کر دی گئی امیر خاں تو شہر جودھپور سے
چلا گیا مگر وہ باقی روپیہ وصول کرنے کے لیے چند سواروں کو چھوڑ گیا۔ ان سواروں
نے اندر راج پر دھرنا دیا اور ایک ہنگامہ برپا ہوا جس میں ان اشرار نے وزیر
اور گرو جی کو مار ڈالا۔ ان سواروں کی گستاخی اور سرکشی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ
امیر خاں نے بھی انھیں ڈانٹا اور کہا کہ وہ اس معاملے میں محض بے قصور

۳۴۴

ہے لیکن یہ نتیجہ نکالنے کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ اس جرم کا ارتکاب اس کے
علم اور اس کی ہدایت سے ہوا تھا۔ مان سنگھ اس حرکت[2] سے اس قدر خائف ہو گیا
کہ اُس نے گوشہ نشین فقیروں جیسی حالت بنالی جن کا دل تمام علائق دنیاوی سے
بیزار ہو جاتا ہے۔ وہ کسی سے بولتا نہ تھا اور اس نے ڈاڑھی چھوڑ دی تھی اور اس
کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے اب دنیا کی کسی بات سے کچھ غرض و سروکار

[1] ۔ اس گرو کا نام ناتھ جی تھا۔

[2] ۔ وہ اپنے گرو کے قتل ہو جانے سے نہایت متاثر ہوا جس کے مذہبی اصولوں کی وہ پابندی کرتا تھا
اگرچہ اس کے باعث اُس کی رعایا اور رشتہ دار اُس سے ناراض ہو گئے تھے۔ اس مذہبی عقیدے کی
وجہ سے مان سنگھ پردیسیوں کو ترجیح دینے لگا اور اپنے بزرگوں کی طرح راٹھور سپاہیوں پر بھروسہ کرنے
کی بجائے اُس نے اپنے پہرہ داروں اور فوج میں پٹھان اور گوسائیں وغیرہ بھرتی کر لیے تھے اور اس کی حکومت
میں اکثر خرابیاں اسی کے باعث پیدا ہوئی تھیں۔

نہیں رہا ہے۔ وہ کچھ عرصے تک ایسی حالت میں رہا پھر اس کے فرزند چتر سنگھ نے (جس کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ وزیر اور گرو جی کے قتل کی سازش میں شریک تھا) زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اور اپنے آخر دم تک سلطنت کے فرائض کو انجام دیتا رہا۔ اس کے انتقال کو ۲۰ سال ہوئے ہیں اس کے انتقال پر اس کے باپ نے گورنمنٹ برطانیہ کی پشت پناہی پر کامل یقین کر کے اپنی مصنوعی خبط الحواسی کو چھوڑ دیا اور پھر تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہو گیا۔

امیر خاں جودھ پور کو واپس نہیں آیا۔ وہ ۲ سال تک ریاست جے پور کو لوٹنے میں مصروف و مشغول رہا۔ جے پور کے ایک قلعے[1] پر حملہ کرنے میں وہ ۹ مہینے تک لڑائی میں مصروف رہا۔ وہ ایک باغی فوج لے کر اس قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے پڑا تھا جب کہ ڈیوڈ آکٹر لونی کے ماتحت ایک انگریزی فوج نے راجپوتانے کی طرف پیش قدمی کی تاکہ غارت گری کے نظام کا قلع قمع کر دیا جائے جس کے خاص حامی امیر خاں اور اس کے معاونین تھے اس پٹھان سردار نے یہ دیکھ کر کہ کامیابی کے ساتھ مقابلہ نہیں کیا جا سکتا پیش کردہ شرائط کو قبول کر لیا اور اس کے نزدیک وہ شرائط نہایت فیاضانہ تھے کیونکہ ان کی رو سے لٹیروں کے گروہوں کو برخاست کرنے کی شرط تھی جو اس کی فوج کہلاتی تھی لیکن اس کے ساتھ ان کے کمانڈر (امیر خاں) کے لیے ایک گراں قدر وظیفہ مقرر کیا گیا تھا۔ ریاست ہلکر کے جو علاقے اُس کے قبضے میں تھے وہ اس کی ملکیت مان لیے گئے (جن کی آمدنی ۱۵ لاکھ سالانہ تھی) اور اس کے بعد گورنمنٹ نے فیاضانہ نوازش فرما کر قلعہ و ضلع رام پورہ اپنی طرف سے امیر خاں کو عنایت کر دیا۔

امیر خاں کے دل میں چند ارمان تھے مگر وہ پورے نہ ہوئے۔ اپنی اس مایوسی اور اپنی برخاست شدہ فوج کی ناراضی اور لعنت و ملامت کے باعث پیش کردہ شرائط کو قبول کرنے کے بعد کچھ عرصے تک اسے بہت جھنجلاہٹ رہی مگر پھر یہ کیفیت رفع ہو گئی۔ فی الحقیقت نواب گورنر جنرل بہادر کی کرم گستری نے اس کی طبیعت پر

۱۔ مادھو راجہ پور۔

یہ اثر پیدا کیا ہے۔ لیکن یہ پٹھان سردار بڑا دور اندیش ہے اور اس کی مآل اندیشی نے
بعض اوقات اس کی شجاعت کو مشکوک بنا دیا ہے۔ یہ سردار اگرچہ انگریزی حکومت
سے جنگ کرنے سے اس وقت محترز نہ رہا جب کہ وہ ہندوستان کے نصف لیڈروں کو
اپنے جھنڈے کے نیچے مجتمع کر سکتا تھا اور غالباً اب وہ ہندوستان کے امن عامہ میں

۳۴۶

دوبارہ رخنہ اندازی نہیں کرے گا علاوہ بریں اب یہ دھوکا دور ہو گیا ہے کہ اس
کی قوت کا خاص سبب اس کا ذاتی اثر تھا لیکن یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ بڑے
بڑے معرکوں سے پسپا ہونے پر بہت کم لوگوں کی اس قدر ذلت ہوئی ہوگی جس قدر
امیر خاں کی ہوئی ہے چنانچہ دربار ہلکر میں اس[1] کے متعلق یہ خیال ہے کہ اسی نے اس
ریاست کو تباہ کیا اور اس کا ساتھ چھوڑ دیا حالانکہ اس نے اسی ریاست کی بدولت
ترقی کی ہے اور جب امیر خاں نے صلح نامہ منڈیسر سے پہلے اور اس کے بعد
ریاست ہلکر اور انگریزوں کے درمیان بحیثیت ثالث کے دست اندازی کرنی
چاہی تو سب جماعتوں نے اس کے خلاف سخت ناخوشی ظاہر کی لیکن یہ بات ضرور
ماننی پڑے گی کہ امیر خاں میں سب سے بڑا وصف وہ دوستی اور احترام ہے جو
اس نے آخر وقت تک اپنے دوست اور فرماں روا (کیونکہ امیر خاں اسے اپنا فرماں روا
مانتا تھا) جسونت راؤ[2] کے ساتھ قائم رکھا۔ اپنی اس اطاعت کیشی کے باعث امیر خاں نے
جسونت راؤ کی عیاشانہ عادات چھڑانے کی بے حد کوشش کی اور اسی کی بدولت اس نے

۱۔ معاہدے سے قبل اور اس کے بعد میرے پاس امیر خاں کے کئی خطوط آئے جن میں ریاست ہلکر کے معاملات میں دست اندازی کرنے کا بے حد شوق ظاہر کیا گیا تھا لیکن میں نے ہر ایک تحریر کا یہی جواب دیا کہ اس کی اجازت ہرگز نہیں دی جا سکتی ہے۔

۲۔ جسونت راؤ کی عیاشی پونا میں انتہائی حد کو پہنچ گئی تھی جہاں پر فتح کے نشے میں چیری برانڈی کے اناپ شناپ استعمال کا خمار اور مل گیا اور پھر اس کی بدولت اس نے اس قدر شرمناک حرکتیں کیں کہ معاذ اللہ۔ امیر خاں نے نہایت دلیری کے ساتھ اس کے منہ پر اس کی یہ شرمناک حرکتیں صاف صاف بیان کر دیں لیکن جسونت راؤ اس کی اس بے باکی سے ناراض نہیں ہوا اور اس نے اصلاح کا وعدہ کیا اور کئی دن تک اس نے اپنے وعدے کو نباہا بھی لیکن پھر وہ اپنے انھی بیہودہ اشغال میں مصروف ہو گیا۔

جنون سے جسونت راؤ کی شفایابی کے لیے انتہائی کوشش کی اور کہا جاتا ہے کہ دھرما کے ساتھ صدری میں جنگ کرنے میں امیر خاں نے ایک موقع پر اپنی جان کو ایسے (۳۴۷) خطرے میں ڈال دیا تھا جس سے اُس کی بے حد تعریف اور توقیر ہوئی امیر خاں کے نہایت متعصب دشمن بھی اُس کی اس وفاداری کی داد دیتے ہیں اور کوٹا کے لایق کارپرداز ظالم سنگھ کے ساتھ امیر خاں کی سچی اور پختہ دوستی کی قدر کرتے ہیں امیر خاں کی گزشتہ زندگی کو ہم نے کسی قدر طوالت کے ساتھ بیان کیا ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کے ایک گروہ کا سردار تھا جو عرصۂ دراز تک کمزور اور لاچار دیسی ریاستوں کے باہمی جھگڑوں پر بسر اوقات کرتا رہا۔ چند واقعات بیان کرنے سے امیر خاں کی سیرت اور اُس کی زندگی پر روشنی پڑے گی۔

امیر خاں نے اپنے گذارے کے لیے کوشش کر کے چند علاقے حاصل کر لیے تھے اور اگرچہ اُسے بہت سے موقع حاصل ہوئے لیکن اُس نے کبھی مستحکم مقام کو اپنے پاس نہیں رکھا جو اُس کے قبضے میں آ گئے تھے اور نہ اس نے کبھی کوئی جداگانہ یا خود مختارانہ سلطنت قائم کرنے کا خیال کیا اور غالباً اسی سے اُس کی قوت فیصلہ کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ جداگانہ سلطنت قائم کرنے کا تہیہ کرتا تو اس میں کامیابی مشتبہ تھی اور اگر ناکامی ہونے کی صورت میں وہ کس مپرسی کے عالم میں پڑ جاتا تو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ جس مقام پر کھڑا ہے اُس کی بنیاد بہت کمزور ہے کیونکہ (۳۴۸) دور سے دیکھنے والوں کو ہندوستان کی مسلم فوج کا سردار نظر آتا تھا لیکن اس کی سرکش فوج اسے روزانہ یہ یاد دلاتی تھی کہ تو ہمارا صرف ایک آلۂ کار ہے اُس کے گزشتہ کارناموں کا خواہ کچھ بھی انجام ہوا ہو اور وہ خواہ کسی نیت سے کیے گئے ہوں لیکن اس قسم کے جرائم کی ترغیبات اب مفقود ہو گئی ہیں اور نہ اب وہ اس ضرورت کا دوبارہ حیلہ پیش کر سکتا ہے جو اس کے طرفدار اس کے مظالم کو کم کرنے یا معاف کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اپنی موجودہ حالت کو سمجھ لے گا اور اپنی ریاست کو ترقی دے کر اور اُس کا اچھا انتظام کر کے انگریزی حکومت کے مزید لطف و کرم کا اپنے آپ کو مستحق ثابت کرے گا۔

نواں باب

نوابانِ بھوپال

۳۴۹

مرہٹہ خاندانوں اور امیر خاں کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں ان میں وسط ہند کی گزشتہ ۱۰۰ سال کی تاریخ کا بڑا حصہ شامل ہے۔ لیکن اس سارے زمانے یا اس زمانے کے بڑے حصے میں چند ماتحت کارکن بھی تھے جن کے نام ترک کر دینے سے اس ملک کے متعلق بہت سے حالات معلوم نہ ہو سکیں گے۔ اس مضمون کے اس جزو کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ خاندان بھوپال۔ پنڈاریوں کے مسلمان لیڈروں کا مختصر حال اور ان مشہور راجپوت رؤسا کے مختصر حالات جو مرہٹوں کی حکومت کی توسیع سے تباہ ہو گئے یا اس کے بعد بھی باقی رہے اور گزشتہ ۳۰ سال کی بد امنی کے دوران میں گراسیہ۔ سونڈی اور بھیل و دیگر لیڈروں کے حالات جنھوں نے نام و نمود حاصل کیا ہے بیان کر دیے جائیں۔

دوست محمد خاں بانی ریاست بھوپال کی زندگی کے خاص خاص واقعات کے متعلق ہندو اور مسلمان مورخین دونوں متفق ہیں لیکن خود مختارانہ حکومت قائم کرنے کی تفصیلات کی بابت ان کی رائے میں بے حد اختلافات ہیں۔

۳۵۰

یہ سردار عالم شباب میں افغانستان[1] سے دہلی آیا اور اپنے ہی افغانی قبیلے

۱۔ افغانستان افغانوں کا ملک ہے۔ یہ ملک ہندوستان اور ایران کے درمیان واقع ہے۔

(مرزا ئی قبیل) کے ایک رئیس[1] کے یہاں ملازم ہوگیا۔ دوست محمد نے اپنی آمد کے پہ کچھ عرصے بعد اپنے ہموطن کی ملازمت ترک کر دی اور اس نے شہنشاہ اورنگ زیب کے یہاں نوکری کر لی۔ وہ اس جمعیت میں تھا جو مالوے کو بھیجی گئی تھی۔ جہاں پر اس کی بہادری دیکھ کر اس صوبے کے گورنر نے اس کی طرف توجہ کی اور اس کی کارگزاری کے صلے میں اسے بیرسیہ[2] کا منتظم بنا دیا جس کی آمدنی قزاقوں کی مسلسل لوٹ مار سے بہت کم ہوگئی تھی۔

اس زمانے کے بعد دوست محمد نے بہت جلد ترقی کی۔ اس نے ایک ہندو خاندان[3] سے تعلق پیدا کر کے بہت سی دولت حاصل کر لی اس کے متعلقہ واقعات کے باعث وہ بدنامی کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے حمایتی سوانح نگار بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قوت حاصل کرنے کی جدوجہد میں کوئی اصول اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا تھا۔ اس نے جگدیش پور[4] کے ہندو رئیس کو مار کر اس پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اپنے

۳۵۱

---

[1] ۔ اس رئیس کا نام جلال خاں تھا۔

[2] ۔ جب بیرسیہ کا انتظام دوست محمد کے سپرد ہوا تھا اس وقت وہاں کی آمدنی صرف ۱۵ ہزار روپے سالانہ تھی۔ گذشتہ بدامنی کے زمانے میں اس زرخیز ضلع کی جس قدر آمدنی تھی اس سے بھی یہ آمدنی کم تھی لیکن اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اورنگ زیب کے آخر زمانے میں سلطنت مغلیہ کی حالت کا اندازہ کرنے کا یہ ایک صحیح معیار قرار دیا جا سکتا ہے (رنہلے کا قلمی نسخہ)

[3] ۔ ایک ہندو مورخ کا بیان ہے کہ دوست محمد نے منگل گڈھ کے رئیس ٹھاکر انند سنگھ سے دوستی پیدا کر لی تھی۔ یہ رئیس کسی کام سے دہلی چلا گیا اور اپنا سارا کاروبار اور گھر بار اپنے مسلمان دوست کے سپرد کر گیا۔ انند سنگھ کا ہندوستان میں انتقال ہوگیا اور جب اس کی وفات کی خبر اس کے اہل وعیال کو ملی تو وہ اپنے مسلمان سرپرست کا مقابلہ نہ کر سکے جس نے اس رئیس کی ساری جائداد اپنے قبضے میں کر لی حالانکہ وہ جائداد وراثتہً اس کے بچوں کو ملنی چاہیئے تھی۔ اور اس معاملے کی مزید پرلطف کیفیت یہ ہے کہ دوست محمد نے انند سنگھ کی لڑکی سے شادی کر لی اور وہ لڑکی کے ساتھ ہی اس کے باپ کی جائداد کے بڑے حصے کا وارث بن گیا۔

[4] ۔ جگدیش پور کے ایک ہندو زمیندار نے کچھ مال واسباب لوٹ لیا تھا۔ اس کا آقا یعنی راجہ جین پور باغی اسے سزا دینے کے لائق نہ تھا اس وجہ سے دوست محمد خاں نے اس راجہ پر حملہ کر کے انتقام لیا اور کہا جاتا ہے کہ

۲۵۲ دشمن راجہ جین پور باڑی[1] کو تباہ و برباد کرنے کے لیے اس نے نول شاہ راجہ گنور کو مدد
دی ان کارناموں سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ اگرچہ اسی کے ساتھ ان کارناموں
سے اس فوجی سردار کی جوانمردی اور اولو العزمی بھی ثابت ہوتی ہے۔ نول شاہ جو اس کی
ترقی کا موجب تھا اسے بھی دوست محمد نے دھوکا دیا اور تباہ کر ڈالا۔ اس ہندو رئیس نے
شہر بھوپال اور اس کے علاقے اس غرض سے اس مسلمان سپاہی (دوست محمد) کے سپرد کیے تھے کہ
وہ مع اپنے اہل و عیال اور ہمراہیوں کے جن کو اس نے افغانستان سے بلالیا تھا بھوپال میں سکونت
اختیار کرے ان کی آمد سے کچھ عرصے بعد شاہی فوج نے نول شاہ پر حملہ کیا لیکن
اس نے اپنی افغانی جمعیت کی اعانت سے شاہی فوج کو شکست[2] دی اس موقع پر وہ
دوست محمد سے اس قدر خوش ہوا کہ اس نے دوست محمد اور اس کے اہل و عیال کی سکونت
کے لیے اپنے مستقر گنور میں ایک مکان دیدیا اور ایک ہندو مورخ کہتا ہے کہ اس احمقانہ
نوازش نے دوست محمد کو ایک داؤ سجھا دیا (جو ہندوستانی تاریخ میں بہت عام ہے)
اور اس پر فوراً عملدرآمد ہو گیا۔ کہ .. اڈولیوں میں جس میں کہ مستورات آتی جاتی ہیں
مسلح سوار بٹھادیے گئے اور بغیر کسی قسم کے شبہے کے وہ قلعے میں داخل کر لیے گئے۔ ان
مسلح سپاہیوں نے قلعے کے محافظوں پر حملہ کیا اور بہت جلد وہ اس شہر[3] کے مالک ۲۵۳

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا کہ جب اس کا سارا خاندان ایک دعوت
میں شریک تھا تو دوست محمد نے اچانک حملہ کرکے ان سب کو قتل کر ڈالا۔ جگدیش پور کا نام اسلام نگر
رکھ دیا گیا اور دوست محمد خاں نے اسے اپنا مستقر بنا لیا۔

۱۔ راجہ جین پور باڑی کی ماں اور بیوی نے ذلت پر موت کو ترجیح دی انھوں نے میگزین میں
آگ لگادی اور اسی سے وہ بھسم ہو گئیں۔ البتہ راجہ موقع پاکر سونج بھاگ گیا مگر زیورات کے لالچ
سے ایک نوکر نے اسے زہر دیدیا۔ اس خاندان کا ایک نوعمر لڑکا مسلمان ہو گیا اور اسے ۱۲ ہزار روپے
کی جاگیر مل گئی جو ابھی تک اس کی اولاد کے قبضے میں موجود ہے۔

۲۔ مورخ اس بات کا مقر ہے کہ دوست محمد نے اس موقع پر دہلی کے جنرل سے ۲ توپیں چھین لی تھیں جو
ابھی تک خاندان بھوپال کے قبضے میں موجود ہیں۔

۳۔ کسی مقام پر قبضہ کرنے کے لیے اگرچہ تاریخ ہند میں یہ پرانا داؤ ہے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ

بن بھیجے گنور پر قبضہ کرنے کے بعد دوست محمد نے اپنی فوج میں بہت زیادہ اضافہ کر لیا اور اس نے ایسی تدابیر اختیار کیں کہ جو علاقے اُس نے حاصل کیے تھے وہ اس کے قبضے میں رہیں اور یہ وہی علاقے ہیں جو اس کی اولاد کے قبضے میں بدستور برقرار رہے۔ اس نے بھوپال میں ایک قلعہ تعمیر کیا جس کا نام فتح گڈھ رکھا اور شہر کی چہار دیواری بنا کر شہر اور قلعے کو ملا دیا تاکہ اس سے اپنے مستقر کی آبادی اور اس کی مرفہ الحالی میں اضافہ کرنے کا مقصد حاصل ہو جائے اور اس حصول مقصد کے لیے یہ کارروائی ناگزیر تھی۔

دوست محمد خاں کی وفات سے ۳ سال پیشتر نواب نظام الملک نے جو مالوے سے (اسی صوبے کے کچھ عرصے تک وہ صوبہ دار رہے تھے) دکن کی طرف جا رہے تھے دربار دہلی کے خلاف اس پٹھان رئیس سے دوستی پیدا کرنے کی کوشش کی کیونکہ دربار دہلی نے نواب نظام الملک کو حملے کی دھمکی دی تھی۔

۳۵۴

دوست محمد نے سیاسی وجوہ کی بنا پر نہ صرف نواب نظام الملک سے دوستی کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اُس نے نواب نظام الملک کے دشمنوں کی درخواست کو قبول کر کے انھیں فوجی امداد دی جو اپنے بھائی کی ماتحتی میں اُس نے روانہ کی جو اس لڑائی میں مارا گیا اور نواب نظام الملک فتح یاب ہو گئے دوست محمد نے اس خوف سے کہ میں نے ایک زبردست رئیس کو ناراض کر دیا ہے اپنے آیندہ نیک رویے کی ضمانت کے لیے اپنے اکلوتے فرزند کو بطور یرغمال نواب نظام الملک

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ گنور پر ناجائز ذرائع سے قبضہ کیا گیا تھا۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ واقعہ نول شاہ کی وفات سے پیشتر رونما ہوا تھا یا نہیں۔ اس کے حالات میں صرف اس قدر درج ہے کہ راجہ گنور کے کوئی اولاد نہ تھی صرف ۲ بھتیجے تھے جن میں سے ایک بھتیجے نے اُسے زہر دینے کی کوشش کی تھی اُسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی مگر راجہ اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ وہ اپنی دماغی قوتوں سے کچھ کام نہیں لے سکتا تھا۔ اُس کی وفات کے بعد اس کی رانیاں عرصۂ دراز تک زندہ رہیں اور اس کی آخری رانی کا انتقال نواب فیض محمد خاں کی وفات کے بعد ہوا تھا۔ بھوپال میں ان مستورات کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ ہوتا تھا۔

ے یسیر محمد خاں۔

کے حوالے کردیا۔ دوست محمد نے ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کے
عادات و خصائل کے متعلق ہندو اور مسلمان مورخین کے بیانات بالکل مختلف ہیں
کیونکہ ہندو مورخین تو جگدیش پور پر قبضہ کرنے میں اس پر دغا بازی اور بے رحمی
کا الزام لگاتے ہیں لیکن دوست محمد کے مسلمان سوانح نویس اس سے انکار
کرتے ہیں لیکن اس کے بعد فوراً ہی اس گاؤں کا نام اسلام نگر اور اس کے قریب
کے دریا کا نام حلالی رکھ دینا اس کے تعصب کو ظاہر کرتا ہے اور اپنے دل میں اس نے
یہ ایک حیلہ قرار دے کر ان جرائم کا ارتکاب کیا ورنہ دوسری صورت میں وہ ان
جرائم سے اظہار تنفر کرتا اس کی طمع کو سب لوگ تسلیم کرتے ہیں اور اس بات کو مانتے
ہیں کہ اس نے جین پور باڑی اور گنور پر قبضہ کرنے میں نمک حرامی اور ظلم سے کام لیا۔
اس نے اورنگ زیب کی وفات کے بعد نواب کا لقب اختیار کرلیا اور اس
طوائف الملوکی کے زمانے میں بھوپال کی ریاست قائم کرلی۔ دوست محمد میں
خواہ کیسے ہی معائب کیوں نہ سہی لیکن اس کی قابلیت میں ہرگز کلام نہیں اور وہ اپنے
قبیلے میں بھی جس میں شجاعت ایک عام وصف ہے ایک قابل قدر جوانمرد تسلیم کیا جاتا
تھا۔ اس کی زندگی زائد از ۳۰ سال معرکہ آرائیوں میں بسر ہوئی۔ ایک
لڑائی میں اس کے ۳۰ سے زیادہ زخم لگے تھے اور وہ خاندان جس کا دوست محمد خاں بانی
تھا اسے عزت اور محبت کے ساتھ بحیثیت ایک سپاہی کے اب تک یاد کرتا ہے۔

دوست محمد خاں کے انتقال پر ریاست بھوپال کے وزراء نے سلطان محمد
کو مسند نشین کردیا اور اس کے بڑے بھائی یار محمد خاں کی جو حرامی تھا حق تلفی
کردی۔ وہ بطور یرغمال کے نواب نظام الملک کے یہاں دکن گیا ہوا تھا۔ اور
اس کارروائی کے لیے یار محمد خاں کی عدم موجودگی حیلہ قرار دی گئی لیکن وزرا
کا اصل مقصد یہ تھا کہ اس رئیس کے نابالغ ہونے کی وجہ سے عرصہ دراز تک سارا کام
ان کے ہاتھ میں رہے گا۔ سلطان محمد خاں کی عمر اس وقت ۷ یا ۸ سال کی اور اس
کے غیر حاضر بھائی کی عمر ۱۹ - ۲۰ سال کی تھی۔ لیکن اس کارروائی میں انھیں کامیابی
نہیں ہوئی کیونکہ نواب نظام الملک نے یار محمد خاں کے استحقاق کی حمایت کی اور اسے نواب[1] کا

---

[1] نواب نظام الملک نے یار محمد خاں کو ماہی مراتب بھی عطا کیے جو سلطنت مغلیہ میں اعلیٰ درجے کا اعزاز ہے۔

خطاب دے کر... اسواروں کے ہمراہ بھوپال بھیج دیا۔

یار محمد خاں کی واپسی کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔ اگرچہ پٹھان سرداروں نے سلطان محمد خاں کو تخت سے اُتار دیا لیکن ناجائز فرزند ہونے کے باعث وہ یار محمد خاں کو فرماں روا بنانے پر ہرگز راضی نہیں ہوئے اور وہ یہ عذر پیش کرتے تھے کہ ہمارے قبیلے کے رسوم اور رواج کے مطابق یار محمد خاں بادشاہ کا لقب نہیں اختیار کر سکتا لیکن ریاست کا کام انجام دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس موقع پر جو انتظامات قرار پائے وہ توجہ کرنے کے لائق ہیں کیونکہ ان انتظامات سے ان خیالات کی اصلیت معلوم ہو جاتی ہے جو اب تک موجود ہیں اور ان سے بھوپال میں پٹھانوں کی نوآبادی کا ایک عجیب نظام عمل بن گیا ہے۔

اپنی ابتدائی فتوحات کے بعد جب دوست محمد نے اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کو اپنے پاس بلایا تھا تو اُن کے ہمراہ دوست محمد کا بڑا بھائی عاقل محمد خاں بھی آیا تھا اور وہ اس جماعت کا سردار تھا جو اپنے ملک کے رسم و رواج کی پابند تھی جس کو قایم رکھنے کی غرض سے عاقل محمد خاں نے اپنے یہاں کے شخصی اور خاندانی معاملات کے متعلق چند قواعد اور ضوابط تیار کیے جن کی پابندی اُن کے فرماں رواؤں اور رؤسا کے لیے ایک معمولی شخص کی طرح لازمی اور ضروری قرار دی گئی۔ ان افغانوں میں عاقل محمد خاں کا رتبہ سب سے زیادہ بلند تھا۔ اس کا اعلیٰ درجے کا کیرکٹر اس اعزاز کا ضرور مستحق تھا جو اس کی شرافت نسبی اور ان کی عمدہ رائے نے اُسے عطا کیا تھا۔ یہ واجب الاحترام شخص دیوان یعنی وزیر اعظم بنایا گیا اور اس کی وفات پر یہ عہدہ

۳۵۷

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور نوابان بھوپال ابھی تک اسے اپنا خاندانی اعزاز تصور کرتے ہیں۔

[1] میجر ہنیلے نے خاندان بھوپال کے متعلق اپنے نوٹ میں لکھا ہے کہ یار محمد خاں کو جانشینی کے اختیارات دینے کے متعلق جو انتظام کیا گیا تھا وہ اس مسئلے کے متعلق کسی خاص قانون کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ وہ ایک پالیسی پر مبنی تھا۔ عاقل محمد خاں نے نواب نظام الملک کی خواہشات کو حتی الامکان پورا کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا لیکن یہ قرار پایا کہ سلطان محمد کے دربار میں داخل ہونے پر یار محمد خاں اخلاقاً اس کی تعظیم کے واسطے کھڑا ہو جائے اور مسند سے ایک طرف کو سرک کر اُسے دائیں جانب بیٹھنے کی اجازت دے۔

[2] عاقل محمد خاں بمقام ہولی قتل ہوا تھا اور غالباً یہ قتل اس کے بھتیجے کے اشارے سے ہوا تھا۔

بجے رام کو دیا گیا جس نے اسلام نگر میں بہت عروج حاصل کیا اس نے اسلام نگر میں ایک محل بنوایا اور دریائے پرواکے بہاؤ کے رُخ کو تبدیل کر کے اُسے ایک خندق بنا دیا جس سے محل نہایت محفوظ اور مستحکم ہو گیا۔

یار محمد خاں کی زندگی کے صرف چند واقعات بیان کیے گئے ہیں اس نے اپنے باپ کے دوست اور معاون دلیل خاں کو مار ڈالا اور اُس نے اس رئیس کے شیر خوار بچے کا حق غصب کر کے اُس کی جائداد پر قبضہ کر لیا۔

اُس کا جانشین اُس کا فرزند اکبر[۱] فیض محمد خاں ہوا جو اس وقت ۱۱ سال کا تھا۔ افغان سرداروں کی ایک زبردست جماعت نے اس کے چچا سلطان محمد خاں ۳۵۸ کے حقوق کو پھر پیش کیا لیکن فیض محمد خاں تخت پر بٹھا دیا گیا اور ۵ ہزار فوج اُس کی حامی اور معاون رہی اور اس فوج کی اعانت سے اُس نے اس حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر قسم کی تیاری کر لی جس کی اُسے دھمکی دی گئی تھی۔ ماجی صاحبہ یعنی اماں جان (یار محمد خاں کی بیوہ اسی لقب سے موسوم تھی) نے ایک مذہبی شخص شاہ عالم کے ہمراہ روہیلوں کی ایک زبردست جمعیت سلطان محمد خاں کو گرفتار کرنے کے واسطے روانہ کر دی۔ اولاً سلطان محمد چھپتا رہا لیکن ایک لڑائی میں شاہ عالم مارا گیا اور اس کی فوج بھگا دی گئی۔

اسلام نگر میں اس خبر کے پہنچتے ہی بجے رام نو عمر نواب اور اپنے ہمراہیوں کو لے کر فوراً بھوپال کی طرف روانہ ہو گیا اور ہندو سادھوؤں اور سپاہیوں کی رسم کا اتباع کر کے انھوں نے اپنے کپڑے زرد[۲] یعنی کسم کے رنگ میں رنگ لیے اور جان دینے یا فتح حاصل

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ عاقل محمد خاں موجودہ دیوان بھوپال کریم محمد خاں کا پردادا تھا۔

[۱] ۔ یار محمد خاں کے ۴ فرزند فیض محمد خاں۔ حیات محمد خاں۔ یٰسین محمد خاں اور سعید محمد خاں تھے۔

[۲] ۔ جس پھول سے یہ رنگ تیار ہوتا ہے اُسے ہندوستانی زبان میں کسم کہتے ہیں۔ جنگ کے روز اس کے استعمال کو ہندو میدان جنگ میں جان دینے یا فتح کرنے کی مقدس شرط تصور کرتے ہیں رضاکاروں کو زرد وردی پہننے کی اکثر ہدایت کی جاتی ہے جس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ مفوضہ کام کو نہایت بے باکی کے ساتھ انجام دیں گے۔

کرنے کا عزم بالجزم کرلیا۔

۳۵۹ بجے رام نے جس کے پاس زیادہ فوج تھی نہایت مسرت سے دیکھا کہ اس کے دشمن بھوپال کی چار دیواری چھوڑ کر باہر نکل آئے لیکن اس کے سوار جن میں زیادہ تر ہندو تھے افغانوں کے وحشیانہ حملے کی تاب نہ لاکر غالباً ہار جاتے اگر اپنی یہ پہلی فتح سے تھک جانے کے بعد افغانوں پر دوبارہ حملہ نہ ہوتا۔ مگر شاہ عالم کے بہادر روہیلوں نے حملہ کر کے افغانوں کو تباہ کر دیا۔ شاہ عالم فیض محمد خاں کا آخر تک وفادار رہا اور روہیلے اپنے مرحوم کمان افسر کی موت کا انتقام لینے کے خواہاں تھے۔ حملہ آوروں کو شکست نصیب ہوئی اور اُن کا رئیس سلطان محمد سرونج کو بھاگ گیا اور پھر وہاں سے راٹھ گڑھ کے پہاڑی قلعے کو چلا گیا اور وہاں کے صوبہ دار نے اُسے قلعے میں داخل کر لیا۔ اس کے بعد فوراً ہی بجے رام نے اُس کا یہاں پر محاصرہ کر لیا۔ لیکن ماجی صاحبہ نے ان خاندانی نزاعات کو دیکھ کر مداخلت کی جس کی رو سے راٹھ گڑھ مع متعلقہ علاقہ جات کے سلطان محمد کو نسلاً بعد نسلٍ بطور معافی دوام کے دیدیا گیا لیکن اس معاہدے کی رو سے سلطان محمد اور اس کی اولاد ہمیشہ کے لیے تخت سلطنت کے دعاوی اور ریاست بھوپال کے انتظامات میں مداخلت کرنے کے حقوق سے دست بردار ہو گئی۔

اور غالباً عام خطرے کے اندیشے سے ان نزاعات کا اس قدر جلد خاتمہ ہو گیا۔ پیشوا باجی راؤ نے دہلی سے واپس آنے کے وقت آشٹہ اور سرونج کے درمیان قیام کیا اور بادشاہ کے نام سے جس کا وہ بحیثیت صوبہ دار مالوہ نمائندہ تھا اس نے اُن تمام علاقوں کی واپسی کا مطالبہ کیا جن کو بھوپال کے پٹھانوں نے غصب کر لیا تھا چونکہ ۳۶۰ مقابلہ کرنا محض بے سود تھا اس لیے بجے رام نے ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے ریاست بھوپال نے اپنی باقی ریاست کو بچانے کے لیے اپنا نصف علاقہ قربان کر دیا لیکن اس معاہدے کی رو سے بجز چند قصبات کے ریاست بھوپال کا مالوے کا سارا علاقہ جاتا رہا لیکن گونڈواڑے میں جو کچھ باقی بچ رہا وہ پیشوا کے ساتھ معاہدہ ہونے میں خاندان بھوپال کی ملکیت تسلیم کر لیا گیا۔

مرہٹوں کی روانگی کے بعد ہی قلعہ رائسین کی محافظ فوج میں بے چینی

پھیل گئی اور اس کی بدولت بیجے رام کو رائسین پر قبضہ کر لینے کا موقع مل گیا جو اس وقت سے لے کر ابھی تک ریاست بھوپال کی ملکیت ہے۔

فیض محمد خاں کا وزیر بیجے رام نہایت قابل شخص تھا اور اس کے نظم و نسق کے زمانے میں ریاست بھوپال کو بے حد ترقی اور مرفہ الحالی حاصل ہوئی تھی اس نے گونڈوں کو راضی کر لیا جو ریاست بھوپال کے جنوبی علاقے کے اصلی باشندے ہیں اور انھیں چھوٹی چھوٹی جاگیریں عطا کر کے دوست محمد کی فریب کاریوں کی تلافی کر دی اور نول شاہ راجہ گنور کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان کی اولاد کے قبضے میں اس وقت تک وہ جاگیرات موجود ہیں۔

۱۷۶۱ء

۱۷۸۰ء

بیجے رام کی وفات پر اس کا فرزند گھاسی رام اس کا جانشین ہوا۔ وہ اپنے عہدہ وزارت پر صرف ایک سال رہنے پایا تھا کہ نواب کے بھائی یٰسین محمد خاں اور حیات محمد خاں نے اسے تباہ کرنے کا تہیہ کر لیا کیونکہ اول تو اس کی گستاخانہ روش سے انھیں نقصان پہنچا تھا دوسرے اس نے اپنے ہم قوموں کی بہت زیادہ پاسداری کی

لہ۔ کچھ مدت کے بعد شاہ دہلی کی ایک سند سے رائسین کے قبضے کی تصدیق اور توثیق ہو گئی اور اسی زمانے میں فتح جنگ کا خطاب بھی مرحمت ہوا جس کا معاوضہ نواب نے دیدیا۔

لہ۔ گونڈوارے میں رہنے کی وجہ سے یہ کثیر التعداد ہندو گونڈ کہلاتے ہیں۔ ایک زمانے میں یہ لوگ ہندوستان کے اس علاقے کے رہنے والوں میں بہت معزز سمجھے جاتے تھے لیکن مسلمانوں کے مسلسل حملوں نے ان کی حالت بہت خراب کر دی ہے۔ یہ لوگ دریائے نربدا کے دونوں کناروں پر اس کے مخرج سے لے کر مغرب کی طرف اونگر منڈلت تک آباد ہیں اور وہ ریاست ناگ پور کے بیشتر علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے رسم و رواج اور ان کی زبان دیگر ہندوؤں سے بالکل جداگانہ ہے۔ ان کی تاریخ بیان کرنے کی ضرورت ہے لیکن اس کام کو وہ افسران انجام دے سکتے ہیں جو ایسے علاقوں پر مامور ہیں جن میں بیشتر گونڈ آباد ہیں۔

لہ۔ افغان سوانح نگار لکھتا ہے کہ گھاسی رام نے سارے عہدے ہندوؤں کو دیدیے اور ان قصابوں کی ناکیں کٹوا ڈالیں جنھوں نے بیل یا بھینس ذبح کرنے کا قصد کیا اور چند معزز ہندوؤں نے بھی اس واقعے کی تصدیق کی ہے۔

اور اُس نے نہایت حقارت کے ساتھ ان دونوں کی جائداد واپس کرنے سے انکار کر دیا تھا جس سے یہ دونوں سخت ناراض ہو گئے تھے۔ خود یٰسین محمد خاں اس سازش میں کارکن بن گیا اس نے اپنے ہاتھ سے گھاسی رام کا سر قلم کر دیا اور گھاسی رام کے دو نوکروں کے ہاتھ سے یٰسین خاں کے دو شدید زخم آئے۔

گھاسی رام کی موت کے بعد غیرت خاں پٹھان دیوان ریاست کے عہدے پر مامور ہوا۔ اس نے ۲ سال تک وزارت کی خدمات انجام دیں اس کو ایک بسوانے زہر دیدیا۔

راجہ کشوری کایستھ[1] غیرت خاں کا جانشین ہوا جو بیجے رام کا منشی تھا وہ نہایت قابل شخص تھا اور ریاست کو اس کی زیر نگرانی ۱۲ سال تک بے حد فارغ البالی نصیب ہوئی لیکن قتل عام کے واقعہ سے وہ خاص طور پر مشہور ہے۔

اگرچہ فیض محمد خاں نے گوشہ نشینی اور عبادت گزاری کی زندگی اختیار کر لی تھی اور اُس نے ہر قسم کی شہوت پرستی کو ترک کر دیا تھا لیکن اس کی حرم سرا مستورات سے بھری ہوئی تھی۔ ان میں سے دہلی کی رہنے والی ایک عورت بیگم کہلاتی تھی جو اپنی اور اپنی لڑکیوں کی مفروضہ بد اعمالی کے لیے بہت مشہور ہو گئی تھی۔ اس کی ایک لڑکی کے متعلق یہ شبہہ کیا جاتا تھا (اگرچہ وہ نواب کے حرم میں تھی) کہ کشوری کے لڑکے سے اس کا ناجائز تعلق ہے۔ فیض محمد خاں کی بیگم کی اولاد کو مسلمان صحیح نہیں مانتے ہیں البتہ وہ اس قدر تسلیم کرتے ہیں کہ کشوری کے لڑکے اور اشرف خاں معزز پٹھان کی لڑکی نے مل کر ایک سازش کی تھی جس کا پتا لگ گیا اور لڑکی کو اس کے گھر والوں نے مار ڈالا۔ بہر حال فیض محمد خاں کے بھائیوں نے وزیر کو تباہ کرنے کے لیے یہ حیلہ تراشہ تھا اور پٹھانوں کو بر افروختہ کرنے کے لیے وہ اس سے بہتر کوئی اور الزام نہیں لگا سکتے تھے اور وہ اس بات سے بے حد مشتعل ہو گئے کہ ایک ہندو نے ان کی قوم کی عزت اور شان میں داغ لگا دیا ہے۔

---

[1] ۔ اس فرقے کا حال پھر بیان کیا جائے گا جس کے سب لوگ منشی اور محاسب ہیں۔

۲۶۳ پٹھانوں کی برافروختگی نے سازش کرنے والوں کے ارادے کو آشکارا کر دیا اور اس وجہ سے اُنھیں عیاری سے کام لینا پڑا۔ انھوں نے ایک نفیس کپڑے میں اینٹ لپیٹ کر اُسے قرآن پاک بتایا اور اپنے خاندان کے مرشد اسماعیل کے ہاتھ میں جس کے ہمراہ چند رُو سا تھے یہ بنی ہوئی اینٹ دی۔ اُس نے کشوری کی خدمت میں اسے پیش کر دیا (جو بے حد خائف ہو گیا) گویا انھوں نے کشوری کی سلامتی کی یہ امکانی شرط پوری کر دی۔ اس نے اس کو ایسا ہی سمجھ کر لے لیا اور اس کے معاوضے میں اُس نے اُن کی درخواست منظور کر کے سرکاری مہر اُن کے حوالے کر دی۔ لیکن فوج کے ہندو سرداروں نے اس کی سخت مخالفت کی اور اُسے متنبہ کیا کہ یہ محض فریب کاری ہے اور وعدہ کیا کہ جب تک شاہی مہر آپ کے قبضے میں رہے گی اُس وقت تک ہم آپ کے جملہ احکام کی تعمیل کریں گے اور آپ کی حفاظت کر کے آپ کو فیض محمد خاں کے پاس پہنچا دیں گے کیونکہ آپ اپنے اختیارات صرف اُن ہی کے سپرد کر سکتے ہیں اُس نے کہا کہ مجھے ۷ مرتبہ مرنا قبول ہے لیکن دغاباز ہونا ہرگز منظور نہیں جس طرح کہ افغان بے وفا اور دھوکے باز ہیں (اسے اس فریب کی خبر نہ تھی جو اُسے دیا گیا تھا) کیونکہ وہ قرآن پاک کی قسم سے پورا اطمینان ہو گیا تھا لیکن اُس کے پرانے قلعے سے باہر نکلتے ہی جس میں کہ وہ

۲۶۴ رہتا تھا اُس کی پالکی اُلٹ دی گئی جس میں کہ وہ سوار تھا اور وہ مع اپنے بیٹے کے سڑک پر قتل کر دیا گیا۔ اس کی بیوی نے اپنے شوہر کی موت کے اندیشے سے گھر کی سب عورتوں کو ایک کمرے میں جمع کر لیا تھا اور وہ اس کمرے میں بہت سی بارود لے گئی تھی۔ ایک ملازم نے اس کے شوہر کے قتل کی اُسے اطلاع دی۔ اس نے اس خبر کے سنتے ہی بارود میں آگ دیدی جس سے نہ صرف اس کا اور گھر کی سب مستورات کا خاتمہ ہو گیا بلکہ پرانے قلعے کے چند منہدمہ پشتے اور اس کے رہنے کا مکان گر پڑا۔

لہ۔ میجر بیلے نے جن سرداروں سے اس واقعے کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ ہم کو معلوم نہیں کہ مرشد نے اس طرح قرآن کی قسم پیش کی تھی البتہ ہم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ اس مرشد نے کشوری کے قتل سے ان رُوسا کو باز رکھنے کی بے حد کوشش کی تھی۔

یہ دھماکا دوپہر کے وقت ہوا تھا جس سے بھوپال کے باشندے بے حد خائف ہو گئے اور فیض محمد خاں کو اسی دھماکے سے اپنے وزیر کے حشر کی اطلاع ملی تھی۔
فیض محمد خاں کو اپنے وزیر کی موت کا بیحد صدمہ اور افسوس ہوا لیکن اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس قتل کے بانی یعنی اس کے بھائی یٰسین خاں نے اس واقعے کے بعد فوراً ہی وزارت کی خدمات اپنے ہاتھ میں لے لی تھیں نواب فیض محمد جس نے برائے نام ۳۸ سال تک بھوپال میں حکومت کی اس واقعے کے بعد وہ زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہا۔ ہر وقت بیٹھے رہنے سے اسے استسقا کا مرض لاحق ہو گیا اور اُس نے ۴۸ یا ۴۹ سال کی عمر میں اسی مرض سے وفات پائی یہ رئیس مذہبی گوشہ نشین تھا اس کا دماغ بہت کم زور تھا وہ بہت بھاری بھر کم تھا اس کا قد ، فیٹ تھا اور کھڑے ہونے پر اس کے ہاتھ اس کے زانو سے نیچے تک پہنچتے تھے۔ بجز ایک مرتبہ کے وہ کبھی اپنے محل کی چار دیواری سے باہر نہیں گیا۔ غیرت خاں اپنی وزارت کے زمانے میں اُسے بھیلسہ لے گیا تھا جس کا کچھ عرصے سے محاصرہ ہو رہا تھا اور اس کے پہنچتے ہی وہ فتح ہو گیا۔ اس مقدس رئیس کے متعلق جاہل پٹھانوں کا جو عقیدہ تھا اس کی تصدیق اس واقعے سے ہو گئی اور وہ مثل ایک ولی اللہ کے واجب الاحترام مانا جاتا ہے۔ فیض محمد کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے بعد یٰسین محمد خاں نے چند روز تک حکومت کی جب تک کہ وہ زندہ رہا اس کے انتقال پر حیات محمد خاں نواب ہوا لیکن وہ بھی گوشہ نشین تھا اس لیے حکومت کا حقیقی نظم و نسق اس شخص کے ہاتھ میں رہا جو عہدۂ وزارت پر متمکن تھا۔

٣٦٥

اس زمانے میں بھوپال کی آمدنی تقریباً ۲۴ لاکھ تھی اور اس میں سے ۵ لاکھ کا علاقہ نواب کے مصارف کے لیے علٰحدہ کر دیا گیا تھا۔ وزیر کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس کا انتظام ریاست کے دفاتر کے علاوہ ایک جداگانہ دفتر سے متعلق تھا اور جو روپیہ وصول ہوتا تھا اُسے نواب اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتا تھا لیکن اس کے علاوہ نواب اور اُس کے ملازمان کو ریاست کے معاملات اور سرکاری خزانے سے کچھ مطلب نہ تھا۔ جب تک کہ یہ نظم قایم رہا اس زمانے تک بھوپال کی تاریخ وزرا کی کارروائیوں پر مشتمل رہی۔

حیات محمد خاں کے نواب ہونے کے وقت کوئی اولاد نہ تھی اُس نے اپنے چار چیلے[1] قرار دیے تھے جو رشتہ داروں کی مانند سمجھے جاتے تھے ان میں سے بڑا چیلا فولاد خاں ایک گونڈ کا بیٹا تھا۔ دوسرا چیلا جمشید خاں ایک گوسائیں کا لڑکا تیسرا چیلا چھتا خاں اور چوتھا چیلا اسلام خاں ایک برہمن کے فرزند تھے۔ ان لڑکوں کو مسلمان کر کے چیلا بنا لینے میں اس برگزیدہ مسلمان فرماں روا کی غالباً یہ مصلحت تھی کہ اس سے تبنیت کا رشتہ اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا۔

سب سے بڑا چیلا فولاد خاں پہلا شخص تھا جسے وزارت کے اختیارات ملے تھے اسی کی وزارت کے زمانے میں جنرل گوڈارڈ کی سرکردگی میں انگریزی فوج ریاست بھوپال سے ہو کر گزری تھی۔ اس موقع پر نواب بھوپال نے جو کارروائی کی اُس پر بھوپال کی رعایا کا فخر کرنا نہایت زیبا ہے اور اُن کا یہ فخر و ناز بدلائل ہے کیونکہ نواب نے اپنی حالت سے کچھ زیادہ دلیری اور دور اندیشی سے کام لیا تھا۔ اس چھوٹی سی ریاست نے نہایت فیاضی کے ساتھ ہر قسم کی امداد دی اور جو سرٹیفکٹ اب تک وہاں کے دیہات کے بعض افسروں کے پاس موجود ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر حیثیت اور ہر طبقے کے افراد نے اس جمعیت کے افراد کے ساتھ دوستانہ سلوک کیا جنھوں نے اس برتاؤ کی اس وجہ سے بہت زیادہ قدر دانی کی کہ دیگر مقامات پر اُن کے ساتھ صرف معاندانہ برتاؤ کیا گیا تھا نربدا سے گذر جانے کے بعد بنگال کے فوجی دستے کے باقی ماندہ کوچ میں کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ہوئی۔ اور بھوپال کے پٹھانوں کا طرز عمل بڑی حد تک امن کا موجب ہوا اور اس قابل یادگار موقع پر اُن کے برتاؤ نے انگریزی حکومت پر اپنا ایک استحقاق قایم کر دیا جس کی وجہ سے اس وقت تک اس ریاست کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ جنرل گوڈارڈ کی مراسلت کے سرکاری خلاصے[2] میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نواب بھوپال کو انگریزوں کا مخالف بنانے کے لیے

[1] چیلے کے لفظی معنی تبنی یا ملازم کے ہیں۔ یہ لفظ غلام یا تبنی فرزند کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ لفظ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو مثل ایک رشتہ دار کے بسراوقات کرنے کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔

[2] میں نے بمبئی میں رسالۂ بنگال کی کارروائی کا یہ خلاصہ حاصل کیا تھا لیکن دفتریابیات لکھتے ہیں اس

ہر طرح پر کوشش کی گئی مگر وہ بے سود رہی۔ وہ دوستی کے اول وعدے پر آخر تک قایم رہا اگرچہ اپنے وعدے کو وفا کرنے کی پاداشں میں مرہٹوں نے اُس کے بہت سے دیہات اور کھیت لوٹ لیے۔

ان واقعات کے بعد ہی خاندان میں ایک جھگڑا در پیش ہوا جس میں فولاد خاں بھوپال کے پرانے قلعے پر قبضہ کرنے کی کوشش میں مارا گیا اُس وقت یہ قلعہ یار محمد خاں کی بیوہ کا مسکن تھا۔ اس بیوہ نے فولاد خاں کے ظالمانہ حرکت کی وجہ سے اس کی حکومت کا قلع قمع کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ چھٹّا خاں کو تخت سلطنت پر بٹھانا چاہتی تھی جس کی عمدہ تعلیم و تربیت کا اس نے بندوبست کیا تھا تاکہ وہ اس عہدۂ جلیلہ کے فرائض کو باحسن وجوہ انجام دے سکے۔

اس عجیب و غریب بیگم کی تاریخ نہایت حیرت انگیز ہے اس کی عمر ۸۰ سال کی ہوئی اگرچہ اسے بھوپال کے نظم و نسق میں کچھ دخل نہ تھا مگر زائد از نصف صدی اس کا ریاست کے معاملات پر بے حد اثر رہا۔ اس کا نام ممولا تھا۔ وہ شمالی ہند سے آئی تھی لیکن اس کے والدین اور وطن کا کوئی صحیح ریکارڈ موجود نہیں اگرچہ نواب یار محمد خاں سے علی الاعلان اس کی شادی[۱] نہیں ہوئی تھی لیکن اس خاندان میں اس نے اعلیٰ مرتبہ حاصل کر لیا تھا ممولا کے اولاد نہیں ہوئی لیکن وہ یار محمد خاں کے بچوں کو اپنی اولاد سمجھتی تھی اور یار محمد خاں کے بچے اور دیگر حضرات بھی اسے ماجی یعنی والدۂ ماجدہ کہتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی کس قدر توقیر تھی۔ سخت آزمایش کے زمانے میں اُس نے اپنا جو طرز عمل رکھا اُس کے متعلق یہ رائے قایم کرنا سخت دشوار ہے کہ آیا یہ اُس کی کریم النفسی تھی یا اُس کی اصابت رائے کی خوبی تھی۔ سب لوگ اُس کے ساتھ بے حد محبت کرتے اور اس کی تعظیم کرتے تھے۔ بھوپال کی ہندو اور مسلمان رعایا ابھی تک اُسے یاد کرتی ہے اور اُس کی سوانح عمری میں یہ دیکھ کر تسلی ہوتی ہے کہ جرائم اور مظالم کے نذ ملے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ فوج کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔

[۱] نواب سے تعلق ہو جانے پر اس کا نکاح ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس تعلق کا درجہ شادی سے کم ہے لیکن یہ بھی معزز مانا جاتا ہے اور اس صورت میں اس کا عام رواج ہے جب کہ طرفین ہم رتبہ نہیں ہوتے ہیں۔

اگر نیک مزاجی اور کریم النفسی کے ساتھ عقل اور ہمت بھی موجود ہو تو ایک ایسی فضیلت قایم ہو جاتی ہے جو ہماری فطرت کے اعلیٰ اوصاف سے متعلق ہے اور بغیر ان اوصاف کے یہ فضیلت کسی مرتبے یا خطاب سے مستقل طور پر نہیں میسر آسکتی ہے۔

یہ نیک نہاد خاتون چھوٹے خاں کے انتخاب پر اپنے کو مبارکباد دینے کی ہر طرح مستحق تھی۔ جس نے مدت العمر اپنے کو غربا کا یار اور امن و امان کو ترقی دینے والا ثابت کیا۔ لیکن جس مستقل مزاجی سے اُس نے یہ مقاصد حاصل کیے ان کی بدولت بہت سے ۲۶۹ عمائدین اس کے سخت مخالف ہو گئے تھے۔ وہ ابتدا ہی سے اس کے فائز المرام ہونے کی وجہ سے دشمن بن گئے کیونکہ وہ اس کو اپنے مقابلے میں ادنیٰ درجے کا تصور کرتے تھے۔ کمال محمد اور شریف محمد دو بھائی تھے جو نواب کے قریبی رشتہ دار تھے اور گنور پر قبضہ کرنے کی سازش میں ناکامی حاصل ہونے کے بعد یہ دونوں بھائی مع ... ہمراہیان کے سیہور کی جانب چلے گئے۔ چھٹا خاں نے ان کا تعاقب کیا اور شریف محمد ایک لڑائی میں مارا گیا جو واقع ہوئی تھی۔ کمال محمد اگرچہ زخمی ہو گیا مگر وہ موقع پاکر مع اپنے بھتیجے کے بھاگ گیا۔ آخر الذکر یعنی وزیر محمد موجودہ خاندان بھوپال کا بانی ہونے اور اپنی ریاست کو برقرار رکھنے کے لیے زندہ رہا اس واقعے کے بعد اسی قسم کے اور واقعات رونما ہوئے جن کی بدولت چھٹا خاں بہت

لہ۔ چھٹا خاں کی حکومت کے خلاف جو سازشیں کی گئیں۔ ان میں سے شریر النفس پٹھان رئیس نجابت محمد خاں ولد یٰسین محمد خاں کی سازش بہت مشہور ہے۔ جس کا مقصد نواب اور وزرار کو قتل کرنے کا تھا۔ یہ اندوہناک حرکت رمضان شریف کے آخر دن ہونے والی تھی جب کہ نواب کے خاندان کے سب افغان حاجی کے سلام کو اس کے مکان پر حاضر ہوئے تھے۔ نجابت پر کچھ شبہہ ہوا اور اس سے کہا گیا کہ اپنے ہتھیار کھول کر رکھ دو چنانچہ اُس نے ہتھیار اُتار کر رکھ دیے لیکن ہوا کے جھونکے سے اُس کے جُبّے کا دامن سرک گیا اور معلوم ہو گیا کہ ایک خنجر چھپا ہوا ہے۔ اس دغابازی کا پتا گھر کے ایک نوکر نے دیا اور یہ معلوم کرکے کہ راز فاش ہو گیا وہ خونخوار رئیس نواب پر جھپٹ پڑا لیکن بہت کچھ گتھم گتھا کے بعد وہ گرفتار ہو گیا اور قتل کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس شخص میں بے حد قوت اور جرأت تھی اُسی وقت ۳ خاص سازشی اور قتل ہوئے لیکن اس سے

۳۷۰

ناراض ہو گیا اور اس نے ظالمانہ نہیں مگر نہایت سخت تدابیر پر عمل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے طرز عمل میں یہ تبدیلی اس بیگم کی وفات سے ہوئی تھی جس نے اسے وزارت کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچا دیا تھا۔ چھٹا خاں نے اس کی نصیحت کے احترام اور اس کی اعانت کے بھروسے پر اس کی زندگی تک دور اندیشی اور میانہ روی سے کام کیا مگر یکا و تنہا رہ جانے پر اسے اپنی سلامتی ایک اور روش میں نظر آئی۔ اپنی حکومت کے خلاف عمائدین کی مسلسل سازشوں سے نالاں ہو کر اس نے چند عمائدین کو قتل کر دیا اور بعض کو شہر بدر کر دیا۔ اس نے ان لوگوں کو ذمہ داری کے ہر ایک عہدے سے برطرف کر دیا اور ان پر ایسے لوگ مامور کیے جن کی وفاداری پر اسے پورا بھروسہ تھا۔ اس نے بھوپال کی چار دیواری کے اندر ایسی پولیس مامور کی جس نے خونریزی کے ہنگاموں کا بالکل استیصال کر دیا۔ جن کے برپا کرنے کے پٹھان عادی تھے اور ان پٹھانوں کی شریر النفسی برائے چندے مغلوب ہو گئی۔ چھٹا خاں نے ان تدابیر سے نہ صرف شہر کے اندر امن قائم کر دیا بلکہ شہر اور ریاست بھوپال کی مرفہ الحالی کو اپنے پیشروؤں سے کہیں زیادہ ترقی دی۔

۳۷۱

اس کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ اپنے ہمسایوں بالخصوص مادھو جی سندھیا اور اہلیہ بائی سے مصالحت رکھی جائے اس زمانے میں وسط ہند میں یہی دو مشہور فرماں روا تھے۔ اس کی میانہ روی بعض وقت اس حد تک پہنچ جاتی تھی جس کو دیکھ کر اکثر حضرات ششدر اور متحیر ہو جاتے تھے اس کے متعلق حسب ذیل مثال پیش کی جاتی ہے اس کی وفات سے چند سال پیشتر ہیرا بائی پنڈاری سردار نے ریاست بھوپال کے چند مواضعات لوٹے اور جلا دیے تھے۔ چھٹا خاں نے ان غارت گروں کے تعاقب میں اپنی فوج روانہ کی اور وہ ۴۰۰ برہنہ قیدی لے کر واپس آ گئی کیونکہ ان کے گھوڑے اور کپڑے چھین لیے گئے تھے۔ ان قیدیوں کو سزائے موت ملنے کی توقع تھی لیکن انھیں چھٹا خاں کا یہ حکم سن کر بے حد استعجاب ہوا کہ ان کو رہا کر دیا جائے اور ہر ایک کو ایک ایک پگڑی اور ایک ایک روپیہ نقد دیا جائے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: قبل انھوں نے ریاست کے ایک خاص ہندو افسر بھولا ناتھ کا سر قلم کر دیا تھا۔

تاکہ وہ اپنے گھر پہنچ جائیں چھٹا خاں نے ان سے مخاطب ہوکر کہا کہ "یہ پگڑ اور روپیہ لو لیکن اسے یاد رکھنا کہ اگر تم میری ریاست میں پھر آؤ گے تو تمھارے ساتھ دوسرا برتاؤ کیا جائے گا" یہ سن کر اس کے گرد و پیش کے لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس پر چھٹا خاں نے ان لوگوں سے کہا کہ "یہ غریب لوگ ہیں ان سے انتقام لینے کی ضرورت نہیں" ان کے سرداروں کا، جو نکہ مرہٹہ فرمانرواؤں سے تعلق ہے اس لیے وہ میرے قابو سے باہر ہیں۔

بے سود سمجھی گئی کہ ان لوگوں کو کیوں ناراض کیا جائے جن کے آقاؤں کی ہم گوش مالی نہیں کر سکتے ہیں۔ اپنے ملازمان کے ساتھ میرا انسانیت کا برتاؤ دیکھ کر وہ لوگ میرے احسان مند ہوں گے اور ہم پر حملہ کرنے سے اجتناب کرنے کی یہ ایک مزید وجہ ہوگی' چھٹا خاں کی رائے غلط نہ تھی کیوں کہ ان لیٹروں نے اس کی زندگی میں بھوپال پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ ۲۷۲

چھٹا خاں اپنے انتقال کے وقت ۴۰ سال سے زیادہ عمر کا نہیں تھا اگرچہ اس نے اسلامی تعلیم و تربیت پائی تھی مگر اس کی ظاہری شکل و صورت اور اس کا مزاج ہندوانہ تھا۔ اس کا قد میانہ جسم چھریرا اور زبان شیریں تھی۔ اس کے عادات و اطوار پسندیدہ تھے۔ وہ ہوشیار اور بہادر تھا۔ المختصر ہر ایک بات میں وہ اس قبیلے کے برعکس تھا جس میں کہ اس نے پرورش پائی تھی۔

چھٹا خاں کے انتقال پر بہت سے اشخاص نے اس کی دولت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی چنانچہ نواب خان پٹھان افسر نے جو عرصہ دراز تک اس کی خدمت میں رہ چکا تھا اس کے خزانے اور حکومت پر اپنا قبضہ جمانے کی کوشش کی تھی لیکن چند ظالمانہ حرکات کے بعد وہ بھوپال سے نکال دیا گیا مگر وہ اپنے ساتھ اندازاً ۴ لاکھ روپے کا مال و اسباب لے گیا۔ وہ اپنے مرحوم آقا کے اہل و عیال کو اُن کے دشمنوں کے ظلم و ستم کے لیے بے پناہ چھوڑ گیا۔

لے۔ یہ واقعہ اور چھٹا خاں کی تقریر خیالی رام نے بیان کی ہے جو اس وقت اس کے دفتر میں منشی تھا اور جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس نے یہ سب اپنے کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

حیات محمد خاں کے فرزند غوث محمد خاں نے چھوٹا خاں کی دولت کے متعلق مبالغہ آمیز خبروں سے شہ پاکر روپیہ وصول کرنے کے لیے اُس کے ۲ حرامی لڑکوں کی ماں پر جو ایک سوداگر کی بیٹی تھی ہر قسم کی سختی اور زیادتی سے کام لیا۔ اس بدبخت عورت کا سارا مال و اسباب لٹ گیا مگر وہ اس لیے خوش تھی کہ خیر جان تو بچ گئی بقول شخصے جان بچی لاکھوں پائے۔

اب وہ سرونج میں ہے اور اپنی قوت لایموت کے لیے نواب امیر خاں کی دست نگر ہے۔ اس کا اکلوتا فرزند امیر محمد خاں اندور میں ہے اور وہ غفور خاں کے نہایت غریب نوکروں میں سے ہے۔ جس شخص نے کہ اپنے حُسن انتظام سے ریاست بھوپال کی مرفہ الحالی کو انتہائی درجے پر پہنچا دیا تھا اس کی اولاد کا یہ حشر ہوا لیکن ہندستان میں ایسی بدبختیوں کی مثالیں بہت عام ہیں اور نہ تو وہ قابل توجہ ہیں اور نہ قابل افسوس۔ ۴۷۳

شمالی ہند کا رہنے والا ہمت راؤ راجہ کا خطاب دے کر وزیر ریاست بنا دیا گیا یہ شخص چھوٹا خاں کے دور حکومت میں محکمہ مال کا اعلیٰ افسر تھا وہ ایک سال تک اس عہدے پر مامور رہا لیکن اُسے کسی قسم کا اختیار نہیں دیا گیا ہر ایک کام کو بی بی (حیات محمد خاں کی منظور نظر بیوی اسی نام سے موسوم تھی) خود کرتی تھی یا گل خواجہ نامی خواجہ سرا انجام دیتا تھا جس پر اُسے بے حد اعتماد تھا۔ بھوپال کو جو خطرات درپیش تھے ان کے دفعیہ کے لیے ان لوگوں نے نہایت تباہ کن حرکتیں کیں اور اس گڑبڑ میں جو اس زمانے میں وسط ہند میں پھیلی ہوئی تھی سندھیا کا ایک نامور سردار کملا دادا امداد کے لیے طلب کیا گیا اور اُسے ایک بھاری تنخواہ اور انعام دینے کا وعدہ کیا گیا بشرطیکہ وہ ہوشنگ آباد کا قلعہ واپس دلا دے کیونکہ چھوٹا خاں کے انتقال کے بعد ہی رگھوجی بھونسلا نے حملہ کرکے اس پر قبضہ کر لیا تھا اور جس کی فوجوں نے پنڈاریوں کے جم غفیر کی امداد سے ۴۷۴

لہ۔ اس شخص کو اپنی اصلاح کے لیے کئی موقع دیے گئے لیکن اس نے ان کو بہت بری طرح استعمال کیا اس لیے میری رائے میں یہ شخص محض ناکارہ اور ناہنجار ہے۔

بھوپال کی ریاست کو تباہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

جبکہ ان واقعات سے اس چھوٹی ریاست کی تباہی کا کھٹکا لگا ہوا تھا کہ ایک نوجوان اس کی مدافعت کے لیے اس طور پر نمودار ہوا جس سے اس شخص کی تاریخ شروع سے آخر تک ایک فسانہ معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنے ہمرکاب چند سواروں کو لیے اور ایک مہم جو سپاہی کا لباس زیب تن کیے ہوئے شہر کے پھاٹک پر آیا۔ پھاٹک کے محافظوں نے اُسے روکا مگر اس نے کہا کہ میں شریف محمد خاں کا فرزند وزیر محمد ہوں نواب صاحب بہادر میرے چچازاد بھائی ہیں اور میں اُن ہی سے شرف نیاز حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ چنانچہ اُسے ملاقات کی فوراً اجازت دیدی گئی۔ نواب نے سلام کے جواب کے بعد اس سے دریافت کیا کہ بھوپال سے جانے کے بعد تم نے کس طرح اپنی بسراوقات کی اُس نے فوراً اس سے جواب دیا کہ چھوٹا خاں نے مجھے میرے وطن سے بدر کر دیا کیونکہ اس کی حکومت کے خلاف میرے باپ نے علم بغاوت بلند کیا تھا میں نے اپنی بسراوقات کے لیے مجبوراً صوبۂ اُمت واڑہ میں ایک سکھ لٹیرے سردار کے یہاں ملازمت کر لی تھی۔ اس نے کہا کہ میں نے فن سپہ گری سیکھ لیا ہے اور جب میں نے سُنا کہ میرے آباؤ اجداد کا ملک مصیبت اور خطرے کی حالت میں ہے تو میں نے اپنے جی میں ٹھان لیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو میں اپنے ملک کے لیے اپنی خدمات اور اپنی جان نواب صاحب کی نذر کروں گا وہ جس طرح پسند فرمائیں مجھ سے کام لیں اس واقعے نے بوڑھے نواب کو عالم محویت سے بیدار کر دیا اُس نے وزیر محمد کو فرزند کا پیارا خطاب دیا اور (پیش گوئی کے طور پر) اُسے دعا دی کہ وہ آیندہ سلطنت کا نجات دہندہ ثابت ہو۔ ناگپور کی فوجوں نے ہوشنگ آباد کا محاصرہ کر لیا تھا اور پنڈاریوں کی لوٹ مار یوماً فیوماً زیادہ خوفناک ہوتی جاتی تھی۔ ان معرکوں میں وزیر محمد نے ایسا نمایاں حصہ لیا اور ہم اس کی ناموری کی ترقی کا صرف اسی واقعے سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ بھوپال پہنچنے سے ۸ ماہ کے بعد وہ عہدۂ وزارت کا ایک ہر دلعزیز امیدوار بن گیا تھا نواب نے اس کی سرفرازی کا تہیہ کر لیا تھا مگر اس کے بیٹے غوث محمد اور اس کی ماں نے

۳۷ ؁ء ۱۷۹۶

اس تجویز کی مخالفت کی اور بتایا کہ ایک ایسے شخص کو اس قدر اعلیٰ عہدہ دینا خطرناک ہے جس کے دل میں اپنے خاندان کے نقصانات کا انتقام لینے کی آگ بھڑک رہی ہے اور جسے اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینا ہے۔ اس نے تسلیم کیا کہ ریاست کے کاروبار کو انجام دینے کے لیے ایک معزز پٹھان کی ضرورت ہے اور بدنصیبی سے قرعۂ فال مرید محمد خاں کے نام پڑا جو سلطان محمد خاں کا بیٹا اور راٹھ گڑھ کا پشتینی رئیس تھا۔ اس رئیس نے یہ شرط لگائی کہ تاوقتیکہ مرہٹوں کی معاونتی فوج برخاست نہ کر دی جائے میں اس عہدے کو قبول نہیں کروں گا۔ چنانچہ ایک گرانقدر رقم دے کر مرہٹوں کو چلے جانے پر رضا مند کیا گیا اور نیا دیوان ایک ہزار ہمراہیوں کے ساتھ ریاست کے انتظام کا جائزہ لینے کے واسطے آگیا۔ مرید محمد خاں کی صورت و شکل و کیرکٹر وزیر محمد سے بالکل جداگانہ تھا اُس کا رنگ ڈھنگ افغان سردار جیسا نہ تھا بلکہ ہندو تاجر جیسا تھا۔ اپنی آمد کے اول روز وہ اپنے دادا سلطان محمد خان کے باغ میں خیمہ زن ہوا اور اس نے سارا دن ہمدردانہ جذبات کے اظہار میں گذار دیا۔ وہ اپنے خاندان کی مصیبتوں کو یاد کر کے ڈاڑھیں مار مار کر رویا جو اس مقام کے دیکھنے سے اُس کے دل میں تازہ ہوئی تھی اور اپنے پیارے بزرگوں کے لگائے ہوئے درختوں سے بغلگیر ہوا۔

٣٧٦

دوسرے دن جب بوڑھے نواب سے اس کا تعارف کرایا گیا تو اس نے نہایت عاجزانہ اور ناپسندیدہ الفاظ میں نواب سے گفتگو کی اور کہا کہ آپ تو میرے لیے باپ سے بھی بڑھ کر ہیں اور اسی وقت اُس نے غوث محمد کی بڑے مبالغے سے تعریف اور مدح سرائی کی۔ اس کے بعد جب وہ بی بی کے دربار میں حاضر ہوا تو اُسے چچی کے لقب سے مخاطب کیا اور اپنی ترقی کے لیے اُس کی نظر اسی عورت پر پڑی تھی۔ جب شہر کے بڑے سوداگر اور ساہوکار اس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت ایک نہایت حیرت انگیز منظر

ا۔ فارسی قلمی نسخہ

دکھائی دیا۔ اس نے رسمی نذرانہ لینے سے انکار کر دیا اور اُس پر طرہ یہ ہوا کہ اپنی طرف سے انھیں پارچہ جات بطور ہدیے کے مرحمت فرمائے اور ان میں سے بعض کو رشتہ منڈی[1] کے خطابات عطا کیے جو شہر والے اس سے ملنے کے لیے آئے اُن کی نہایت شیریں گفتاری سے تسلی و تشفی کی اور غربا کو اپنا گرویدہ بنانے کے لیے اُس نے بڑی بڑی رقوم خیرات کیں۔ بھوپال کے اکثر باشندے اس برتاؤ سے بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ اس کے بہت کم عادی تھے لیکن شہر کے تند و تیز مزاج افغان ایسے طرز عمل کے متعلق اپنی خفگی اور غصے کو پوشیدہ نہ رکھ سکے جو نہایت ذلیل اور اہانت آمیز ہے لیکن جن لوگوں کو اس قسم کی عیاریوں اور ابلہ فریبیوں سے واسطہ پڑ چکا تھا وہ نہایت شوق اور بے چینی کے ساتھ اُس وقت کے منتظر تھے جب کہ یہ نقاب اُلٹے گا اور اس کا اصلی کیرکٹر ظاہر ہوگا۔ لیکن ان حضرات کو کچھ زیادہ دن تک انتظار نہ کرنا پڑا کیونکہ راجہ بجے رام کی بوڑھی بیوہ کے ساتھ ظلم و ستم کرنے میں ایک ماہ کے اندر ہی مرید محمد خاں نے اپنی منتقمانہ اور حریصانہ اسپرٹ کو ظاہر کر دیا جس نے سب کی آنکھیں کھول دیں۔ اس موقع پر مرید محمد خاں کا طرز عمل اس لیے اور بھی زیادہ نفرت انگیز تھا کہ وہ دُکھیا پیشتر ہی سے اپنی مصیبت میں مبتلا تھی۔ اس کے بعد اُس کا دوسرا وار سابق دیوان راجہ ہمت راؤ پر ہوا اس نے دیوان کو مع اس کے بھتیجے خیالی رام[2] منتظم بیرسیہ کے ۶ ہفتے تک مقید رکھا۔ حتیٰ کہ انھوں نے ۱۰ ہزار روپے جرمانہ ادا کر دیا۔ معمولی ظلم و ستم کے ذریعے سے جو سامان رسد حاصل کیا جاتا تھا وہ موجودہ دیوان کی حرص و آز اور ریاست کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناکافی تھا کیونکہ اس زمانے میں وسط ہند میں

۲۷۷

---

[1] یہ خوشامدی وزیر دھرم چند اور گوکل چند کو بھتیجا کہا کرتا تھا۔ اس زمانے کے یہ حالات نہایت مستند قلمی نسخوں یا ان کارروائیوں کے کارکنوں کے بیانات سے فراہم کیے گئے ہیں

[2] یہ شخص گزشتہ دو سال سے میرے یہاں ملازم ہے وہ نہایت سمجھ دار شخص ہے اور اس زمانے کے واقعات بھوپال کے متعلق اُسے مکمل معلومات حاصل ہیں۔

جو عام بد امنی اور بے چینی پھیلی ہوئی تھی اس کی وجہ سے ریاست کی ضروریات یوماً فیوماً زیادہ ہوتی جاتی تھیں۔

۳۷۸ دیگر علاقوں کے ساتھ ساتھ بھوپال کے علاقوں کو بھی ہر قسم کے لیٹرے اور قزاق تاخت و تاراج کرتے تھے اور ان کی حفاظت کے لیے فوج کا رکھنا ضروری تھا جو اپنی تنخواہ کے لیے ہائے واویلا مچاتی تھی مرید محمد خاں نے ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے رعایا کی اصلی یا قیاسی دولت مندی کے لحاظ سے ہر ایک مکان پر ٹیکس لگا دیا اور چند روز پیشتر اس نے جن لوگوں کو محبت آمیز مدح سرائی کر کے رام کیا تھا اب اُن کے ساتھ سخت کھلم کھلا سختی کا برتاؤ کیا گیا۔ اپنی کامیابی سے دیدہ دلیر ہو کر اب دیوان نے بی بی صاحبہ سے روپے کی فرمایش کی اور انکاری جواب پانے پر اُسے پامال[1] کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس عورت نے اگرچہ ادنیٰ درجے[2] سے ترقی کر کے اعزاز حاصل کیا تھا اور اگرچہ حیات محمد خاں کے ساتھ اُس کی شادی نہیں ہوئی تھی لیکن اس کی معشوقہ ہونے کے باعث اس کا مرتبہ اور اُس کی حکومت بادشاہ بیگم جیسی تھی۔ وہ نواب کی جانب بہت کم متوجہ ہوتی تھی جو مذہبی عبادت و ریاضت[3] میں مشغول رہتا اور اس کے طرز عمل کی طرف کچھ توجہ نہ کرتا تھا۔ چھٹا خاں کے ۳۷۹ برتاؤ نے اُس کی روک تھام کر رکھی تھی لیکن اس کی وفات کے بعد وہ بہت کم دور اندیش ثابت ہوئی۔

مرید محمد خاں نے یہ کہہ کر کہ وہ رذمل قوم سے ہے اور وہ سازشیں کرتی ہے

---

[1] مرید محمد نے نواب اور غوث محمد کو یہ مشورہ دیا تھا کہ دربار میں ہتھیار ساتھ لانے کی ممانعت کر دی جائے یہ حکم سن کر وزیر محمد اور دیگر پٹھان سردار دربار سے اُٹھ کر چلے گئے۔

[2] وہ ایک غریب مراثی کی بیٹی تھی۔

[3] اس کی گوشہ گیری کے مختلف وجوہ بتائے جاتے ہیں۔ اُس نے یہ وطیرہ خواہ مذہبی عبادت و ریاضت کی وجہ سے اختیار کیا تھا یا لاپروائی یا حماقت کے باعث۔ لیکن دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہوا کیونکہ وہ ریاست کے کاروبار کے انتظام کے قابل نہیں رہا۔

پٹھانوں کے جذبات کو اس کے خلاف بھڑکا دیا اور ایک رسمی ملاقات کے سلسلے میں مرید محمد خاں کو اس کے قتل کرنے کا موقع مل گیا اس کی مدافعت میں اس کے دو خاص افسر مارے گئے اور اگرچہ وہ دربار سے بھاگ کھڑی ہوئی جہاں پردہ اندر کے خیمے میں بٹھائی گئی تھی لیکن مرید محمد خاں کے ساتھیوں نے اس کا تعاقب کیا اور اس کا کام تمام کردیا۔ لیکن دیوان نے اپنی اس حرکت کو پوشیدہ کرنے اور اس قتل کے انتقام سے بچنے کے لیے قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ میں نے غوث محمد کی پرزور استدعا پر بی بی کو قتل کیا ہے جس نے کہ اس کی بدچلنی اور آوارگی سے اس کی اور سارے خاندان کی بدنامی ہونے کے باعث اُسے سزائے موت دینے پر بے حد اصرار کیا تھا۔ لیکن اس کا یہ عقدہ نہیں کھلا کہ آیا غوث محمدؒ یا اس کا باپ فی الحقیقت اس کارروائی پر رضامند ہوگئے تھے چونکہ وہ دونوں مرید خاں کے رحم و کرم پر تھے اور وہ اپنے خیالات کے اظہار کی ہرگز جرأت نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن اس خاتون نے جس قدر مال جمع کیا تھا اس سب کو لوٹ لینے سے مرید محمد کی پوشیدہ نیت اس قتل کے متعلق بہت جلد ظاہر ہوگئی اور اس دولت کا بڑا حصہ اس نے راٹھ گڑھ اور دیگر مقامات کو بھیج دیا مگر وہاں پر بغاوتیں ہونے سے وہ ساری دولت نہ اُس کو ملی اور نہ ریاست کو۔ اس کے بعد دوسرا شخص وزیر محمد تھا جس کو تباہ کرنے کے لیے اس نے تاکا تھا جس کی ناموری سے وہ جلتا تھا اور خائف بھی تھا۔ اور اس نوجوان کے خلاف اس کی سب کارروائیاں ناکام رہیں۔ بلکہ ان حرکتوں نے اس شخص کی ناموری میں اور اضافہ کردیا جس سے وہ متنفر اور خائف تھا۔ ۲۸۰

وزیر محمد جب ناکافی فوج کے ساتھ پنڈاریوں سے مقابلہ کرنے کے لیے

لہ۔ اگرچہ یہ خاتون چھٹا خاں کے خاندان کے ایک ظالمانہ رواج کی بدولت بہت بدنام تھی اور اسی وجہ سے اس کے قتل کا کسی کو افسوس نہیں ہوا لیکن اس واقعے سے مرید محمد خاں کی اس ظالمانہ حرکت میں ہرگز تخفیف نہیں ہوسکتی ہے۔

بھیجا گیا تو اس نے اپنی ہمت اور اپنی رائے سے اس کمی کو پورا کرلیا جس کی داد اُس کے دشمنوں نے بھی دی۔ اس کے رسوخ نے مرید محمد کی فریب کاریوں میں بہت جلد اضافہ کردیا اور اُسے متنبہ کردیا کہ اس کو بھروسہ نہیں کرنا چاہیے چنانچہ مرید محمد نے چین پور باڑی کے قریب اُس کا کام تمام کردینے کی تدبیر کی۔ لیکن جس خط میں اس کی بابت ہدایات درج تھیں وہ راستے میں روک لیا گیا اور اس مقام کا گورنر جس کے نام وہ خط تھا شکست کھا کر۔ زخمی ہوکر اور توپیں اور سامان چھوڑ کر اپنے قلعے میں بھاگ گیا دوسرے روز وزیر محمد نے اس قلعے کا محاصرہ کرلیا ۔ دیوان نے اس واقعے کی خبر کو اپنے تنزل کی تمہید تصور کیا۔ اُس نے سب باتوں سے چشم پوشی کر کے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر بالارام انگلیا (یہ دولت راؤ سندھیا کا ایک لٹیرا سردار تھا جس کا گذارہ مع اپنی فوج کے لوٹ مار پر تھا) کی سرکردگی میں مرہٹوں کے ایک جم غفیر کو اپنی امداد کے لیے طلب کرلیا۔ اس فوج کے آجانے پر سندھیا کے جھنڈے قلعہ فتح گڑھ کی دیواروں اور بھوپال کی شہر پناہ پر لہرانے لگے۔ وزیر اپنے دوستوں کے ساتھ دوسری رعایت یہ کرنا چاہتا تھا کہ ڈر کے مارے قلعہ اسلام نگر اُن کے حوالے کرنے پر تیار ہوگیا تھا لیکن موتی بی بی افغان بیوہ کی جوانمردی سے وہ قلعہ بچ گیا جب مرہٹوں نے پیش قدمی کی تو اس نے یہ حکم دیا کہ دروازے بند کردیے جائیں اور گولہ باری شروع کردی جائے اور

لہ ۔ وزیر محمد جس زمانے میں امت واڑے کے ہٹی سنگھ کے یہاں نوکر تھا اُس وقت ایک ڈکیتی میں اس کے گھوڑے کی ساری دم کٹ گئی تھی لیکن وہ اس گھوڑے کی قدر جانتا تھا اور اس نقص کی وجہ سے اُسے چھوڑنا نامناسب تھا دوسرے اس گھوڑے کی یہ خاص نشانی اور اس کے سوار کی قابلیت مشہور تھی اور یہ تسلیم کرلیا گیا تھا کہ بنڈے گھوڑے کا سوار سنتے ہی پنڈاری خواہ اُن کی تعداد کسی قدر ہوتی فوراً بھاگ جاتے تھے۔

لہ۔ اس کا نام رحیم خاں تھا۔

سہ۔ وزیر محمد کی چچی۔

اُس نے کہا کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ مرید محمد خاں کو بھوپال کے قلعے دیدینے کا کیا حق حاصل ہے اور جس جگہ میرا قیام ہے میں وہاں پر کسی اجنبی شخص کو قدم نہیں رکھنے دوں گی۔ اس عالی ہمت خاتون کی شریفانہ تجویز کی قلعے کی محافظ فوج نے اچھی طرح تائید کی اور مرہٹے واپس جانے پر مجبور ہوئے وزیر محمد جو اسوقت چین پور باڑی کے قریبی علاقے پر اپنی حکومت قائم کرنے میں مصروف تھا۔ اس خبر کے سنتے ہی اُس نے فوراً بھوپال کی جانب نقل و حرکت کی اس وجہ سے دیوان اور اس کے رفیق مرہٹے قلعہ فتح گڑھ سے نکل کر ۴ میل کے فاصلے پر ایک میدان میں آگئے اس مقام پر ان کی جمعیت میں چند پلٹنیں اور توپیں اور بالو سندھیا کے ماتحت سواروں کا ایک دستہ اور شامل ہو گیا۔ اس موقع پر قلعہ فتح گڑھ امیر خان کے سپرد کر دیا گیا اور غوث محمد خاں بھی اسی کی سپردگی میں دیدیا گیا۔ ۳۸۲

وزیر محمد کی مرہٹوں سے کئی سخت جھڑپیں ہوئیں جس میں اپنی مردانگی اور دلیری کی بدولت اسے کامیابی حاصل ہوئی لیکن اس کے دشمن اپنی عظیم الشان تعداد کی وجہ سے آخر میں فتح مند ہو جاتے اگر سندھیا کی ریاست[1] میں وہ جھگڑے نہ شروع ہو جاتے جن کے باعث سندھیا نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ واپس چلے آو اور بھوپال کے معاملات میں کچھ دخل نہ دو۔ ان احکام کی فوراً تعمیل ہوئی لیکن بالا رام اپنے ہمراہ مرید محمد خاں کو سرونج تک لے گیا اور اس نے مرید محمد پر یہ الزام لگایا کہ ہماری جملہ ناکامیوں اور قلعہ اسلام نگر پر قبضہ کرنے میں مزاحمت ہونے کے آپ ہی موجب ہیں۔ اس نے اس الزام سے بے سود انکار کیا اور عرض کیا کہ کارروائی خود میرے ہی مفاد کے خلاف تھی۔ اس نے اپنے جواب کی تائید میں جو کچھ عرض کیا اس کا جواب مرہٹہ سردار نے بھی دیا کہ آپ بحیثیت ایک دغاباز کے بہت کچھ بدنام ہیں۔ مرہٹہ سردار نے اُسے تشدد کرنے کی دھمکی دی تاکہ وہ اپنا کل خزانہ پیش کر دے خوف اور قید کی وجہ سے وہ سخت علیل ہو گیا ۳۸۳

---

[1] اس زمانے میں سندھیا اور اس کے چچا مٹیں رو کی بیواؤں کے درمیان لڑائی ہو گئی تھی۔

لیکن یہ بھی ایک بہانہ سمجھا گیا اور جب اس کا انتقال ہو گیا تو بالا رام نے دو دن تک اس کی لاش دفن نہ ہونے دی اور اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ بچ کر بھاگ جانے کی غرض سے اس نے مرنے کا روپ بھرا ہے لیکن جب اس کی لاش متعفن ہونے لگی اس وقت مرہٹہ سردار نے اپنے شکار کو چھوڑ دیا اور یقین کر لیا کہ بے شک اب کی بار مرید محمد خاں نے دھوکا بازی سے کام نہیں لیا ہے۔ اس شخص کو اس کے ہم قوم ابھی تک بد دعائیں دیتے ہیں اب تک یہ کیفیت ہے کہ بھوپال کا کوئی پٹھان جب مرتضیٰ علی[1] کے روضے پر زیارت کے لیے سرونج جاتا ہے تو اپنا تنفر اور غصہ ظاہر کرنے کے لیے وہ مرید محمد خاں کی قبر پر بھی ضرور دو چار جوتے مارتا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی یاد کس قدر نفرت کے ساتھ کی جاتی ہے۔

وزیر محمد نے مرہٹوں کی واپسی پر قلعہ فتح گڑھ کا محاصرہ کر لیا جس پر ابھی تک امیر خاں کا قبضہ تھا لیکن امیر خاں قلعہ خالی کرنے اور غوث محمد کے حوالے کر دینے پر فوراً آمادہ ہو گیا اس کے بعد وہ بھوپال کی ملازمت میں داخل ہو گیا لیکن اس قسم کا سازشی شخص معلوم ہوا کہ ۲ ماہ بعد وہ برخاست کر دیا گیا اور جیسا کہ پیشتر بیان کیا گیا ہے اس کے بعد وہ جسونت راؤ ہلکر کی دولت میں حصہ لینے کے لیے روانہ ہو گیا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ بھوپال میں مال گزاری کس طرح وصول ہوتی تھی۔ وزیر محمد دیوان ریاست ان علاقوں کے علاوہ جو نواب کے مصارف کے لیے علحدہ کر دیئے گئے تھے کل آمدنی خود لیتا تھا لیکن یہ آمدنی مالوے کی پریشان حالی اور مرہٹوں کے مسلسل حملوں کی وجہ سے اس زمانے میں ۵ ہزار روپے سے زیادہ نہیں تھی اور اسی آمدنی میں سے فوج کی تنخواہ بھی دینی پڑتی تھی جس کی تعداد ۴ ہزار سے کم نہیں ہو سکتی تھی ورنہ اس ریاست کی برائے نام حکومت خطرے میں پڑ جاتی اور ہمیشہ یہی امید کی جاتی تھی کہ اس ریاست کو

۳۸۴

[1] آنحضرت محمد صلعم چچازاد بھائی اور داماد خلیفہ علیؓ کا یہ لقب ہے۔

امن اور مرفہ الحالی نصیب ہو۔ اس حالت میں ہم وزیر محمد پر یہ الزام نہیں لگا سکتے کہ اس نے اس ریاست کی بقا کے لیے جس کا اہتمام اس کے سپرد تھا اس نے ان بے خبر بنگلیوں پر کیوں عملدرآمد کیا جس پر دولت راؤ سندھیا سے لے کر چھوٹے چھوٹے رؤسا تک عمل پیرا تھے۔ یا بالفاظ دیگر اس نے یہ کوشش کس لیے کی کہ فوج اپنے گذارے کا خود بندوبست کرلے۔ اس عام تشدد کے نظام میں بظاہر جملہ عقوق اور املاک کی ابتری نظر آتی ہے اور اپنے حصول مقصد کے لیے ہر ایک تدبیر جائز تھی لیکن اس میں بھی امتیازات موجود تھے اور چند اصول قائم کرلیے گئے تھے جن کی پابندی ہر ایک جماعت پورے طور پر کرتی تھی۔

مثلاً بھیل اور چھوٹی قسم کے لٹیروں کو جو کچھ اور جہاں کہیں ملتا لوٹ لیتے تھے پنڈاریوں کے سردار و الیان ریاست سے شرائط طے کرتے تھے جن سے ان کی لوٹ مار کا دائرہ محدود ہو جاتا تھا اور اگرچہ ان لٹیروں نے کبھی نیک نیتی سے کام نہیں لیا لیکن وہ اپنے فائدے کو خوب سمجھتے تھے اور اس سے ان کی کارروائیوں پر کسی قدر روک ٹوک رہتی تھی۔ گراسیہ یا راجپوت سردار جن کو مرہٹوں نے ان کی املاک سے محروم و ناحق کردیا تھا وہ اس بنا پر ان کی آمدنی میں سے حصہ پانے کا اپنے کو مستحق قرار دیتے تھے کہ وہ ان کو نقصان پہنچا سکتے تھے اور وہ ایسے چند علاقوں سے جن پر ان کا اصلی یا فرضی استحقاق تھا ایک مقررہ ٹنکا یا خراج لینے سے مطمئن ہوگئے تھے اور وہ اس رقم کی وصولی کے لیے بغاوتیں کرتے تھے۔ یہ آخری قسم کے ڈاکو ہمیشہ اسی علاقے کے باشندے یا وہاں کے زمینداروں کے اکثر رشتے دار اور عموماً دوست ہوا کرتے تھے۔ ان کی لڑائی حکومت سے ہوتی رعایا سے ہرگز نہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد سب سے اعلیٰ درجے کے قزاق اس زمانے کے فرماں روا تھے۔ چنانچہ دولت راؤ سندھیا۔ ہلکر کی فوجیں اور دیگر مرہٹے جہاں کہیں جاتے تو جس شہر یا صوبے میں وہ داخل ہوتے یا اس پر حملہ کرتے تو وہاں کے انتظامی افسران سے وہ ایک رقم بطور تاوان عائد کر کے جبریہ وصول کر لیتے اس زمانے میں

ف۔ اضلاع راہتیین۔ آشٹہ۔ سیہور۔ دوراہا اور اچھاور دوبارہ فتح کیے گئے۔ اور نربدا کے شمال میں

1805

وسط ہند کے بیشتر علاقے کی مال گزاری اس طرح وصول کی جاتی تھی۔ سندھیا ٣٨٦
اور ہلکر کے کمپو یعنے بریگیڈوں نے اس بدنصیب ملک کو تاخت و تاراج
کر دیا انھوں نے اس کا امتیاز بالکل نہیں کیا کہ جس علاقے سے وہ روپے اینٹھنا
چاہتے ہیں وہ کس کی ملکیت سے ہیں۔ ان فوجوں کے افسروں کے پاس سب
سے بڑا حیلہ یہی تھا کہ فوج کو تنخواہ دینا ہے اور وہ سرکش ہو گئی ہے اور جس
فرمانروا کے نام سے یہ غاصبانہ کارروائیاں ہوتی تھیں وہ اپنے عارضی فائدے
کے لحاظ سے جیسا مناسب ہوتا کبھی ان حرکات کو پسند کرتا اور کبھی ناپسند
کرتا تھا جو علاقے ریاست بھوپال کے قبضے سے نکل گئے تھے وزیر محمد نے
صرف ان کو دوبارہ فتح کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس نے دیگر ریاستوں
سے تاوان وصول کیے اس نے اپنی پڑوسی ریاستوں پر جو حملے کیے ان حملوں
میں اس نے اپنی بہادری اور دانائی ظاہر کی اور اس نے ان ریاستوں کو
مجبور کیا کہ اس قدر رقم دے کر اس کی آمدنی کی کسر کو وہ پورا کر دیں۔ لیکن
ہوشنگ آباد کو دوبارہ فتح کر لینا اس کی زندگی کا سب سے زبردست کارنامہ
ہے جس میں اس نے اپنے سپاہیانہ جوہر دکھائے تھے اس نے پنڈاریوں کی
مدد سے اچانک حملہ کر دیا اور فی الحقیقت ہوشنگ آباد کے گورنر نے خوفزدہ سنہ ١٨٠٣ء
ہو کر اطاعت[1] قبول کر لی۔ اس فتح مندی کے بعد وزیر محمد مرہٹوں سے کئی سال
تک چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتا رہا اور انقلابات ہوتے رہے اور اب مرہٹے
اسے اپنا کھلا ہوا دشمن تصور کرتے تھے۔ اس لیے اس نے پنڈاریوں سے ٣٨٧
میل جول پیدا کر کے اپنی قوت کے استحکام کی کوشش کی۔ ان فرقوں
میں اس کا پہلا یار کریم خاں تھا جس کو بیرسیہ میں اس نے دو گاؤں دیدیے
تھے۔ دوسرا پنڈاری سردار چیتو خاں تھا جس نے فرماں روائے بھوپال سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ شجال پور۔ بیرسیہ۔ بلسا اور اس دریا کے جنوب میں چند اور اضلاع سے تاوان وصول کیے گئے۔
[1] یہ واقعہ سنہ ١٨٠٣ء لکھا ہے۔ رائسین کی فتح سے ایک سال بعد راجہ ناگپور نے سنہ ١٧٩٩ء میں بذریعہ مصالحت ہوشنگ آباد
لیا تھا جو اس کے قبضے میں رہا حتیٰ کہ وہ اس طرح دوبارہ فتح ہو گیا۔

دوستانہ معاہدہ کیا تھا۔ اس کے اہل و عیال کو ایک گڑھی میں پناہ دینے کا وعدہ کیا گیا اور دریائے نربدا کے کنارے پر موضع چیپا نیر اسے بطور جاگیر کے عطا کر دیا گیا۔

چھوٹی سی ریاست بھوپال اور حکومت سندھیا کے تعلقات میں بالفعل بہت کچھ تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں جن کا اس موقع پر عرض کر دینا ضروری ہے۔ مادھوجی سندھیا نے تمام عمر اس افغان ریاست کا دوست اور معاون سمجھا گیا۔ اور اگرچہ کسی حقیقی فضیلت کا نہ کبھی دعویٰ کیا گیا اور نہ تسلیم کی گئی لیکن دونوں کی پالیسی سے یہ تعلق مترشح ہوتا تھا اور اس لیے اس خلعت کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی جو سندھیا نے نواب اور وزیر محمد خاں کے واسطے بھیجا تھا لیکن جب سندھیا کی فوج جسونت راؤ ہلکر پر حملہ کرنے کے لیے جا رہی تھی اس وقت جب سندھیا نے وزیر محمد خاں سے فرمائش کی کہ وہ بھی فوج کے ہمراہ تشریف لے چلیے تو وہ بالکل الگ تھلگ رہا۔

اس احتیاط کا یہ نتیجہ بر آمد ہوا کہ جب اس امداد کے صلے میں جو انھوں نے دی تھی۔ کریم خاں دوست محمد اور چیتو پنڈاری سرداروں پر نوازشیں کی گئیں اور وہ نواب بنائے گئے (مرہٹہ فرماں رواؤں نے یہ اسلامی خطابات عطا[1] کیے تھے)۔ اور جب وزیر محمد نے اپنے بھائی کو راجہ کے پاس اس کی کامیابی پر مبارک باد دینے کے لیے بھیجا تو راجہ نے ایسی سرد مہری ظاہر کی جس سے اب مطلق شک نہیں رہا کہ آئندہ اس کے کیا ارادے ہیں وزیر محمد کے دیوان ہو جانے کے بعد برائے بیت نواب کا فرزند غوث محمد اس سے رشک اور نفرت کرنے لگا اس لیے وزیر محمد کی بجائے اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے اس نے پنڈاری سردار کریم خاں سے ساز باز کر لیا۔ انھیں اپنی ابتدائی کوششوں میں اس قدر کامیابی حاصل ہوئی کہ وزیر محمد بھوپال سے

۲۸۸

[1] اس خطاب کے دینے کی صرف یہ شکل تھی کہ سندھیا بلکہ اس شخص کو تحریری اور زبانی لفظ نواب سے مخاطب کرتے اور اس کے بعد چوبدار اور افسران دربار اس جدید خطاب کا اعلان کرتے اور پھر خطاب یافتہ شخص خطوط میں اسی لفظ سے مخاطب کیا جاتا اور وہ اپنی مُہر پر اس خطاب کو کندہ کرا لیتا تھا۔

چلا گیا لیکن پھر بہت جلد وہ واپس آگیا اور اس نے انھیں بھوپال سے نکال باہر کرنے مجبور کیا کہ وہ دولت راؤ سندھیا کے کیمپ میں پناہ لیں جو اس وقت ایک قریبی قلعے کے محاصرے میں مشغول تھا اور اگرچہ اس راجہ نے کریمؔ کو گرفتار کرنے کے اپنے عرصۂ دراز کے منصوبے پر عمل کرنے کے لیے اس موقع کو نہایت موزوں خیال کیا لیکن اس کی وجہ سے وہ غوث محمد کی شکایتیں سننے سے باز نہیں رہا اور یہ مجہول رئیس وزیر محمد کو تباہ کرنے کا اس قدر متمنی تھا کہ اس نے قلعہ اسلام نگر حوالے کرنے، ۴ ہزار روپے نقد اور ۵۰ ہزار روپے سالانہ خراج سندھیا کو اور ۱۱ ہزار روپے سالانہ اس کے افسروں کو دینے کا اقرار کرلیا۔ دولت راؤ سندھیا سے ایک خلعت لے کر اور ان ذلیل شرائط پر رضامند ہو کر وہ بھوپال واپس آیا اس نے برسرِ حکومت ہونے کے لیے سندھیا کی اس ظاہری امداد کو کافی و شافی تصور کرلیا تھا اور اس کی واپسی پر وزیر محمد نے بھی اس کی کچھ مخالفت نہیں کی قلعہ اسلام نگر فوراً سندھیا کے ایک افسر کے حوالے کردیا گیا اور اس واقعے کے ۱۸ دن بعد حیات محمد کا انتقال ہوگیا۔ اس کی عمر ۷۳ سال کی تھی اور وہ بہت قد آور لمبا تڑنگا تھا۔ یہ کمزور اور بدبخت نواب روح فرسا واقعات سے تنگ آگیا تھا اس کے پاس رہنے والے بیان کرتے ہیں کہ اس عذاب سے نجات پانے کے لیے وہ اپنی موت کی اکثر دعائیں مانگا کرتا تھا۔

جس سال کہ حیات محمد خاں کا انتقال ہوا اسی برس میں راجۂ ناگپور کی فوجوں نے ہوشنگ آباد اور چین پور باڑی پر قبضہ کرلیا اور غوث محمد نے اس کے ایک جنرل صادق علی کو بھوپال پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ غالباً وزیر محمد نے یہ محسوس کیا تھا کہ میں ان تباہ کن حرکات کی روک تھام

لہ۔ یہ واقعہ ۱۸۰۶ء کا ہے اس کے بعد سندھیا راٹھ گڑھ کی تسخیر کے لیے گیا اور ۱۸۰۷ء میں وہاں کا قلعہ خالی کردیا گیا۔

نہیں کر سکتا جو ریاست کا مسلمہ رئیس خود کر رہا ہے۔ چنانچہ وہ ان شرمناک کارروائیوں پر اپنا غیظ و غضب ظاہر کر کے قلعہ گنور کو واپس چلا گیا اور اپنی جائداد کے ایک حصے اور ریاست کے صدر مقام کو لٹنے کے واسطے چھوڑ گیا۔ صادق علی بھوپال میں ۶ ہفتے قیام کرنے کے بعد ناگپور کو واپس چلا گیا اور اپنے ساتھ غوث محمد کے بیٹے کو بطور یرغمال کے لے گیا۔ جن افسروں کو وہ بھوپال میں چھوڑ گیا تھا انھوں نے نواب کو نظر بند کر لیا۔ ۳۹۰

وزیر محمد ان واقعات کو دیکھتا رہا اور جب اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ اپنے دشمنوں کے درمیان رہ کر بھی وہ سلامتی کے ساتھ حکومت کر سکتا ہے تو پھر اس نے بھوپال پر از سر نو قبضہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔

وہ اپنی فوج کے ساتھ شام کے وقت گنور سے روانہ ہوا اور دن نکلتے ہی شہر بھوپال تک جا پہنچا[1] اور فوراً شہر پناہ کی دیواروں پر چڑھ کر ان مرہٹوں پر حملہ کر دیا جو شہر کے اندر تھے اور انھیں نکال باہر کیا۔ رات کے وقت قلعہ فتح گڑھ بھی خالی ہو گیا وزیر محمد سے ملاقات ہونے پر اس نے نہایت سخت الفاظ اور حقارت آمیز لہجے میں اسے لعنت ملامت کی۔ کمزور نواب نے کہا کہ بدمعاش لوگوں نے مجھ کو دھوکا دیا اور اس نے ان کے نام بتائے۔ وزیر محمد نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو فوراً حاضر کیا جائے اور فرمایا کہ "اگر ان بدمعاشوں نے تمہارے ساتھ نمک حرامی کی ہے تو اس کی انھیں سزا دینی چاہیے۔"

چنانچہ ۶ ہندو عہدہ دار[2] قتل کر دیے گئے۔ ان کے علاوہ دو برہمن گرفتار کیے گئے اور ان کے روبرو ایک گائے ذبح کی گئی اس کے بعد ۳۹۱

---

[1] تقریباً ۱۸ میل کا فاصلہ تھا۔

[2] لال جی اور روپ چند ہاتھی کے پاؤں تلے روندے گئے۔ نوبت رائے بخشی فتح سنگھ منشی لعل منشی اور سورج مل توپ سے اڑا دیے گئے۔

اُنھیں رہا کر دیا گیا۔ وزیر محمد نے جس طرح انتقام لیا اس سے زیادہ ظالمانہ اور اہانت آمیز کوئی اور طریقہ انتقام لینے کا نہیں ہو سکتا ہے اور خیال کیا جاتا تھا کہ اس نے مرہٹہ رؤسا کے جذبات اس درجہ برانگیختہ کر دیے تھے کہ معافی ملنے کی کوئی توقع نہیں رہی تھی اور ان میں سے صرف نمک حراموں کو اس نے سزا دی تھی مگر وہ توصرف آلۂ کار تھے لیکن سر دست وہ سندھیا کا غصہ رفع کرنے میں کامیاب ہو گیا کیونکہ اُس نے وعدہ کیا کہ غوث محمد نے جو شرطیں منظور کر لی ہیں وہ سب پوری کی جائیں گی اور ۴ لاکھ میں سے جس قدر روپیہ ادا کرنے سے باقی رہ گیا تھا اُس کی ضمانت میں غوث محمد کے فرزند اکبر کو بطور یرغمال کے اُس کے پاس بھیج دیا۔

ان کارروائیوں کے ایک سال بعد دریائے نربدا کے شمال میں ریاست بھوپال کے وہ سب علاقے اُس نے از سر نو فتح کر لیے جو صادق علی نے چھین لیے تھے ان علاقوں کا گورنر یعنی صادق علی کا بھائی قتل کر دیا گیا چند ماہ کے بعد امیر خاں نے استدعا کی اور راجہ ناگپور سے مقابلہ کرنے کے لیے وزیر محمد نے اُسے امداد دی۔ انھوں نے راجہ ناگپور کے سواروں پر ایک ایسے مقام پر حملہ کرنا چاہا جو بہت مستحکم تھا۔ امیر خاں کی رائے ہوئی کہ فوراً حملہ کر دیا جائے۔ وزیر محمد خاں باوجود فرزانگی اور مردانگی کے توہم پرست بھی تھا۔ اُس نے امیر خاں سے کہا آج کا دن منحوس ہے[1] آپ حملہ نہ کیجئے۔ لیکن امیر خاں نے قطعی انکار کیا اور اُس دلیل سے سخت نفرت ظاہر کی جس پر کہ اس کا مشورہ مبنی تھا۔ اُس نے فوراً ہی حملہ کر دیا

[1] کہا جاتا ہے کہ وہ بجنسہٖ اپنے ساتھ تقویم رکھتا تھا جس میں منجموں کے حساب کے بموجب سعد اور نحس ایام درج تھے اس کے علاوہ وہ شگون کا بھی قائل تھا مگر یہ بتانا دشوار ہے کہ یہ عقیدہ کس حد تک حقیقی تھا اور کس حد تک مصنوعی لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض نہایت معمولی واقعات دیکھ کر اس نے اپنی فوج کی بے حد ہمت افزائی کی جس کی بدولت اس کی زندگی میں زبردست انقلابات پیدا ہوئے۔

مگر اس کا انجام خراب ہوا۔ امیر خاں اپنے گھوڑے سے گر گیا اور یہ مشہور ہوا کہ وہ مارا گیا اس کی فوج والے اپنا ہی کیمپ لوٹ کر ہر طرف بھاگ گئے۔ شکست خوردہ سردار وزیر محمد کے خیمے پر گیا جس نے جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا اور اس سے یہ درخواست کی کہ آپ واپس جانے میں میرے ہمراہ چلیے کیونکہ میں واپسی کے لیے مجبور ہو گیا ہوں لیکن وزیر محمد نے جو اپنے دوست کی اس کارروائی سے سخت متنفر تھا اور اس کی بزدلی اور اس کی فوج کی بدنظمی سے سخت ناراض تھا اس سے کہا کہ جس طرح آپ نے تنہا پیش قدمی کی تھی اسی طرح آپ اکیلے واپس جائیے آپ کے پاس تو کوئی ملک جنگ کرنے کے لیے نہیں ہے اس لیے اتفاقیہ شکست کو آپ معمولی بات سمجھتے ہیں لیکن ریاست کی حفاظت کے لیے اس کے رئیس کی ناموری ہی اس کے استحکام کا موجب ہوتی ہے اگر ایک بار اس کی ناموری جاتی رہی تو وہ دوبارہ نہیں حاصل ہو سکتی ہے۔ مجھ جیسے رئیس سے رعایا کیا توقع کر سکتی ہے جو خطرے سے ڈرتا ہو اس لیے میں تو ہرگز واپس نہیں جاؤں گا تاوقتیکہ میرے دشمنوں کو اس بات کا پورا یقین نہ ہو جائے کہ میں نے اس بات کے حصول کا مصمم ارادہ کر لیا ہے جو حد امکان کے اندر ہے۔"

یہ ملاقات عام مجمع میں ہوئی تھی۔ وزیر محمد نے اپنے کہنے کے بموجب عمل کیا اس نے فوراً اپنی فوج کو ناگپور کی فوج سے مقابلے کے لیے بڑھایا اس کی بلند شخصیت سے اس کی فوج میں تازہ جوش پیدا ہو گیا جو اپنے سردار کی قابلیت پر نازاں تھی، اس نے ناگپور کی فوج کو میدان چھوڑنے پر مجبور کیا لیکن دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اس سے بجز اس کے اور کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا کہ اس عارضی فتح سے اس کی ناموری قائم رہی۔

ا۔ میں نے بھوپال کے ایک نہایت سمجھدار باشندے کے ایک رشتہ دار سے وزیر محمد کی یہ تقریر حاصل کی ہے یہ شخص اس تقریر کے وقت خود موجود تھا اور اس کی تصدیق اور حضرات نے بھی کی جنھوں نے یہ تقریر سنی تھی۔

اس وقت اس نے برطانیہ کی مداخلت اور اعانت حاصل کرنے کے لیے
جو کوششیں کیں اُن میں وہ ناکام رہا کیونکہ وزیر محمد کے طرزِ عمل کو دیکھ کر
اس میں کچھ شبہہ نہیں ہے کہ اُس نے صرف اپنا وجود قایم رکھنے کی غرض
سے پنڈاری سرداروں اور امیر خاں سے دوستی پیدا کی تھی[1] اس وجہ سے
اُس کا شمار بھی اُن لوگوں میں ہوگیا جنھوں نے ریاست ناگ پور و دکن
کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے آپس میں اتفاق کر لیا تھا۔ فی الحقیقت
وزیر محمد نے ان لٹیروں سے نہ صرف اشتراکِ عمل کیا تھا بلکہ اس کی ریاست
اُن کا ملجا و مامن تھی۔ اس زمانے میں وزیر محمد کو اس بات کا قوی اندیشہ
تھا کہ نربدا پار سربیری کلوز کے ماتحت جو فوج بڑھتی چلی آتی ہے وہ کہیں
اس کی ریاست کو تباہ نہ کر ڈالے۔ اس فوج نے راجا ناگ پور سے مل کر امیر خاں
سے مقابلہ کیا تھا۔ لیکن اس فوج کے کمان افسر کو یہ حکم ملا تھا کہ بھوپال
پر حملہ کرنے کے لیے وہ اپنے اختیارات تمیزی سے کام لے لیکن اس
ریاست کو جو خطرہ درپیش تھا وہ دربار ناگ پور کے رشک و حسد اور وزیر محمد
کے صاف اور شجاعانہ طرزِ عمل سے رفع ہوگیا۔ جبکہ صادق علی چین پور باڑی
اور دیگر علاقوں پر اپنا قبضہ کر رہا تھا اس وقت وزیر محمد نے اپنا ایک
نمایندہ کرنل کلوز کی خدمت میں روانہ کیا جس نے اس ضرورت کو
بوضاحت بیان کیا جس کے باعث وزیر محمد نے کارروائی کی تھی اور
جنرل گوڈارڈ کو امداد دینے کے حقوق برطانیہ پر واضح کیے اور آخر میں
عرض کیا کہ وزیر محمد ان جملہ شرائط کو قبول کرنے پر آمادہ ہے جو کرنل صاحب
پیش کریں گے اُس کے نمایندے کو یہ بات صاف طور پر بیان کر دینے کی
ہدایت کر دی گئی تھی کہ اس قوم کی مخالفت کا ہم کو کبھی بھول کر بھی خیال
نہیں ہوا جس پر بھوپال کے فرماں رواؤں اور رؤسا کو پورا اعتماد اور

۱۸۰۹ء

۳۹۴

[1]۔ اس موقع پر جنکنس رزیڈنٹ متعینۂ دربار ناگ پور کو وزیر محمد کا جانب دار بنانے کی کوشش کرنے کے لیے عنایت مسیح نامور کیا گیا تھا۔

بھروسہ ور اتنی ہے اور خواہ وہ کیسی ہی مصیبتوں میں پھنس جائے مگر وہ کبھی اپنے کو برطانیہ کا دشمن ثابت نہ ہونے دے گی۔

جب انگریزی فوج وزیر محمد کی ریاست کے قریب اور اُس کے اندر پہنچی تو وزیر محمد اور اُس کے افسران کا طرز عمل اس کے قول و قرار کے مطابق ثابت ہوا۔ لیکن راگھوجی بھونسلا کی مذبذب پالیسی وزیر محمد کی سلامتی کا خاص موجب ہوگئی کیونکہ بھونسلا کی دوستی کے متعلق انگریزی حکومت کے اعتماد میں روز بروز کمی واقع ہوتی جاتی تھی۔ وزیر محمد نے اس حالت کو دیکھ کر موقع سے فائدہ اُٹھایا اور اُس نے برطانیہ کی پشت پناہی حاصل کرنے کے لیے بھوپال کے استحقاق پر زور دیا لیکن اُس نے جو شرائط پیش کیں وہ سب اس اندیشے سے نامنظور کی گئیں کہ اس کے معاملات میں مداخلت کرنے سے بہت سی پریشانیاں لاحق ہونے کا احتمال ہے اور گورنمنٹ کو اس حد سے تجاوز کرنا پڑے گا جہاں تک کہ وہ رہنا چاہتی ہے۔ اور اپنی ریاست کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے وہ نہایت دشوار جھگڑوں اور معرکوں میں تن تنہا سات برس تک مصروف و مشغول رہا۔ اس سات سال کے دوران میں اُس نے کئی بار اپنی یہ درخواست انگریزی حکومت کی خدمت میں پیش کی۔ یہ مرہٹہ ریاستیں بالخصوص ناگ پور اور گوالیار اس دلاور سوار کے نام سے لرزتی تھیں اور اس پر طرح طرح کے اتہام لگاتی تھیں۔ انھوں نے وزیر محمد کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی اس لیے اسے بھی اپنا اور اپنی ریاست کا وجود برقرار رکھنے کے لیے حتی الوسع ہر ایک وسیلے سے کام لینا پڑا لیکن مرہٹے اس بات کو بھول گئے کہ وزیر محمد کی ایسی حالت ہو جانے کے بانی مبانی خود وہی ہوئے تھے۔ مرہٹے اس کے متعلق سمجھتے تھے کہ وہ پنڈاریوں کا یار۔ لیٹروں کا سردار اور وسط ہند میں امن بحال ہونے کا سخت دشمن ہے۔ وزیر محمد کو اس نظر سے دیکھ کر بہت سی ریاستیں اس کے خلاف متحد و متفق ہوگئی تھیں اور اس مجمع قوت سے اس کا تباہی سے بچنا تقریباً ناممکن ہوگیا تھا۔ لیکن مسئلہ زیر بحث کے اس حصے پر

۲۹۵

غور کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل ہند اس صورت میں کیا کچھ کر سکتے ہیں جب کہ اُن کا کمانڈر ایک قابل سردار ہو جس پر انھیں کامل اعتماد ہو اور وہ اس سردار کے مطیع و فرماں بردار ہوں ۳۹۶

دولت راؤ سندھیا کے مشہور جنرل جگو باپو نے مارچ ۱۸۱۲ء

میں ایک ایسی فوج سے بھوپال پر حملہ کیا جو کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑ چکی تھی مگر اس حملے کا کچھ اثر نہیں ہوا اور اس حملے کا یہ حیلہ تراشا گیا کہ وزیر محمد نے سندھیا کا واجب الادا روپیہ نہیں دیا ہے۔ چنانچہ کچھ روپیہ دیدیا گیا اور باقی کی ادائی کا وعدہ کر لیا گیا اور پھر جگو باپو بارش کے موسم میں ایک قریبی ضلع کو واپس چلا گیا۔ لیکن جب دوسرا موسم شروع ہو گیا تو اس افسر نے پھر پیش قدمی کی اور صادق علی کی سرکردگی میں ناگ پور کی فوج بھی آگئی جس سے معلوم ہو گیا کہ یہ اس متحدہ حملے کی بسم اللہ ہے جس کے متعلق راجا ناگ پور اور سندھیا بہت عرصے سے مشورہ کر رہے تھے۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ ریاست بھوپال کا قلع قمع کر دیا جائے اور انھوں نے آپس میں یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ ریاست بھوپال کو ہم دونوں آپس میں نصف نصف تقسیم کر لیں گے چونکہ اپنی عظیم الشان تیاریوں کی بنا پر انھیں اپنی کامیابی کا کامل یقین تھا۔

شہر بھوپال بہت وسیع ہے اس کا محیط چار میل ہے اور یہ شہر نربدا کے شمال میں گونڈوارے کے مرتفع حصے پر واقع ہے۔ اس کے گرد ایک زبردست شہر پناہ ہے مگر اس کے تین طرف کوئی خندق یا حفاظت کا اور کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس کی چوتھی یا جنوبی سمت میں قلعہ فتح گڑھ ہے جو بلندی پر واقع ہے۔ قلعے کے ایک طرف بھوپال تال ہے جو ۴ میل لمبا اور تقریباً ایک میل چوڑا ہے اور اس میں کافی پانی ہے۔ اگلے زمانے میں اس تالاب کے اکثر ناہموار کناروں پر قلعہ بندیاں کی گئی تھیں لیکن آج کل یہ سب استحکامات نہایت خراب و خستہ حالت میں ہیں۔ اُن کی ظاہری صورت اور خالی مکانات کے باعث (کیونکہ وزیر محمد نے بھوپال

کے باشندوں کو ہدایت کردی تھی کہ جو لوگ محاصرے کی تکلیف اور خطرے میں حصہ نہیں لے سکتے ہیں وہ یہاں سے چلے جائیں) بھوپال بجائے مستقر کے ایک ویران مقام معلوم ہوتا تھا۔ جو واقعات کہ در پیش ہوئے وہ ایک معزز شخص کی تحریر[1] کے بموجب بیان کیے جاتے ہیں جس نے ان واقعات کو بچشم خود دیکھا تھا۔

وزیر محمد کے پاس شہر بھوپال کے اندر اپنی تنخواہ دار پیدل و سوار ۶ ہزار فوج تھی۔ کریم خاں کے بھتیجے نادر خاں کی ماتحتی میں ۳ ہزار پنڈاری تھے اور ساتن باڑی کے ٹھاکر رتن سنگھ اور تال پرگنہ کے زمینداروں نے ۲ ہزار آدمی فراہم کرکے پیش کیے تھے۔

سنہ ۱۸۱۳ء

جب موسم برسات کے ختم ہوجانے پر جگو باپو[2] نے بھوپال پر چڑھائی کی اس کا ایک افسر دان سنگھ اس سے آملا جس نے ۳۰ توپیں اور پیدل سپاہ کی بارہ پلٹنیں پیش کیں اور اب فوج کی تعداد ۲۵ ہزار ہوگئی اس کے بعد رام لعل[3] اور کرشنا راؤ کے ۱۵ ہزار پیدل و سوار اور صادق علی کے ماتحت ناگ پور کی تقریباً ۲۰ ہزار فوج آکر اور شامل ہوگئی۔

۲۹۸

"جب یہ عظیم الشان ۶۰[4] ہزار فوج اکٹھی ہوگئی اس وقت محاصرہ شروع ہوا۔ اول دو ہفتوں میں توپوں سے گولہ باری ہوئی۔ اس کے بعد دان سنگھ کی باقاعدہ پیدل سپاہ نے وزیر محمد کی بیرونی چوکیوں پر حملہ کیا اور انھیں شہر پناہ تک پیچھے ہٹا دیا۔ اس معرکے میں جانبین کا بے حد

---

[1] ۔ اس معزز شخص کا نام امیر خاں تھا جس نے یہ واقعات فراہم کیے۔ وہ پیشتر سپاہی تھا اور پھر سوداگر بن گیا۔ میں نے اس کے بیان کی کئی اور اشخاص کے بیانات سے مقابلہ کرکے تصحیح کی اور کوئی واقعہ بغیر مستند تصدیق کے نہیں درج کیا۔

[2] ۔ اس کا صحیح نام جوگیبہ تھا لیکن تاریخ ہند میں وہ "جگو باپو" کے نام سے مشہور ہے۔

[3] ۔ رام لعل رسالوں کا اور کرشنا راؤ پلٹنوں کا کمان افسر تھا۔

[4] ۔ اس بیان میں غالباً ۱۵ ہزار کا مبالغہ ہے لیکن اس بات کو سب نے تسلیم کیا ہے کہ بہت عظیم الشان فوج تھی

[5] ۔ میجر ہنلے نے اس محاصرے کے متعلق اپنے نوٹوں میں بیان کیا ہے کہ اس موقع پر وزیر محمد کے دوستوں نے

جانی نقصان ہوا اور محصورین کو پیچھے ہٹا کر اُن کے بیرونی مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد شہر پناہ کو گرانا شروع کر دیا۔ اب محصورین شہر پناہ کے اندر مقید ہو کر رہ گئے اُنھیں بالخصوص پنڈاریوں سے سخت تکلیف اُٹھانی پڑی جنھوں نے وزیر محمد سے عرض کیا کہ ہمارے گھوڑوں کو چارہ نہیں ملتا ہے آپ اجازت دیجیے کہ ہم شہر سے نکل کر چلے جائیں وزیر محمد نے اس کو منظور کر لیا اور پنڈاری ایک ایسی سڑک سے چلے گئے جو دشمن کو معلوم نہ تھی۔ زمینداروں کے اکثر سواروں نے اسی ضرورت سے عاجز آ کر پنڈاریوں کی مثال کی تقلید کی مگر انھوں نے یہ وعدہ کیا کہ موقع ملنے پر شہر کو غلہ پہنچا کر ہم حتی الامکان آپ کو مدد دیں گے اور انھوں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور محصورین کے پاس ایک پوشیدہ سڑک سے جو بھوپال کے پرانے قلعے کے پھاٹک سے پہاڑیوں اور کھنڈروں میں ہو کر جاتی تھی گاہے ماہے کچھ عرصے تک سامان رسد ملتا رہا۔ لیکن شہر کے ایک مفرور نے اس راستے کی اطلاع دشمن کو دیدی اور صادق علی نے فوراً یہ راستہ روک دیا۔ جو پرانے قلعے کے پھاٹک اور شہر پناہ کے گنور دروازے کی درمیانی جگہ پر قابض تھا اور جگو باپو نے بھی ایسے مقامات پر اپنا قیام کیا جو شہر پناہ کے خاص خاص دروازوں سے قریب تھے اسی طرح رام لال اور کرشن راؤ نے باقی ماندہ ۳ یا ۴ راستے اور بند کر دیے۔

جب غنیم شہر کی آمد و رفت بند کرنے کے اہتمام میں مصروف تھا اُس وقت وزیر محمد نے ہر ایک پھاٹک کے اندر[لے] کچھ لوگ مامور کر کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ بڑی مشکل سے اپنے بزرگوں کی قبریں چھوڑنے پر راضی کیا جہاں پر بعد ازاں دشمن کا خاص توپ خانہ نصب کیا گیا تھا۔

لے۔ ڈونگر سنگھ راجپوت افسر مع ایک سو آدمیوں کے پرانے قلعے کی حفاظت پر مامور کیا گیا تھا۔ گنور دروازے کی حفاظت پر جے سنگھ مع ۳۰۰ آدمیوں کے۔ گونڈوارہ دروازہ کی حفاظت پر سید میر باقر علی مع ۲۰۰ آدمیوں کے۔ ہنگل واڑہ دروازے پر سید ننگا سر مع ۲۰۰ آدمیوں کے

شہر کی مدافعت کا ارادہ کیا۔

اُس نے اپنے سواروں کو نہایت سخت احکام دیے کہ بلا ضرورت فیر کر کے ہرگز گولی بارود صرف نہ کی جائے تاکہ غنیم ہمارے متعلق یہ رائے قایم کرے کہ ہم کمزور ہیں۔ وزیر محمد اپنے اس حکم کی تعمیل کرانے میں اس قدر سخت تھا کہ غیر ضروری آتش باری سے کئی بار غلط خوف پیدا ہونے کے بعد اُس نے عدول حکمی کرنے والوں کو یہ سزا دی کہ اُن کے ناک کان کاٹ لیے اور اُنھیں بے حد ذلیل کر کے شہر سے باہر نکال دیا۔ آخر اکتوبر میں یہ محاصرہ شروع ہوا تھا اور جیسا کہ پیشتر بیان کر دیا گیا ہے نومبر میں جگو باپو کی پیدل سپاہ نے بھوپال کی بیرونی چوکیوں پر اپنا قبضہ کر لیا تھا اور دسمبر کے شروع میں شہر کے دروازوں کا راستہ بند کرنے کے لیے ان مقامات پر قیام کیا تھا جن کا مفصل تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہی وزیر محمد کو یہ اطلاع ملی کہ فلاں مقام پر خزانہ مدفون ہے اُس نے زمین کو کھدوایا تو ۲۲ بوریاں برآمد ہوئیں اور ہر ایک بوری میں ۸ یا ۱۰ ہزار تانبے کے ٹکڑے تھے۔ اُسے ۴۰ چھوٹی آہنی توپیں بھی ملیں

۴۰۰

۱۸۱۳ء

۴۰۱

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ چونکہ وہ ہمیشہ ننگے سر رہتا تھا اس لیے وہ اسی لقب سے مشہور تھا۔ اتوارہ دروازے پر ظالم خاں مع ۳۰۰ آدمیوں کے۔ جمراتی دروازے پر خواجہ بخش چیلا مع ۲۰۰ آدمیوں کے۔ سونڈواڑہ دروازے پر معز محمد خاں ولد غوث محمد خاں مع ۳۰۰ آدمیوں کے اور حمایل دروازے پر کریم محمد خاں مع ۲۰۰ آدمیوں کے مامور کر دیے گئے۔ شہر بھوپال کے قریب ہی وزیر محمد نے وزیر گنج آباد کیا تھا اس کی حفاظت کے لیے گلشن راؤ مع ۵۰۰ آدمیوں کے تعینات کیا گیا۔ قلعہ فتح گڑھ کی حفاظت دل محمد خاں افسر کے سپرد تھی جس کے پاس ۴۰۰ آدمی تھے۔ فتح گڑھ میں ایک بلند عمارت تھی جو بالائے قلعہ کہلاتی تھی اس کی حفاظت ظالم سنگھ راجپوت سے متعلق تھی جس کے ساتھ ایک سو آدمی تھے۔ فتح گڑھ سے باہر کی طرف جانے کے راستے کی حفاظت سوٹا خاں چیلے کے سپرد تھی جس کے ساتھ سو آدمی تھے وزیر محمد نے اپنے لیے کوئی خاص مقام نہیں مقرر کیا تھا لیکن ۵۰۰ آدمیوں کے ساتھ وہ جملہ چوکیات کی عام نگرانی کرتا تھا اور بوقت ضرورت وہ ہر ایک چوکی پر فوراً پہنچ جانے کے لیے تیار رہتا تھا۔

جو عمدہ حالت میں تھیں۔ اس نے ہدایت کی کہ یہ توپیں دیواروں پر نصب کردی جائیں۔ اور تانبے کے ٹکڑوں کے سکے ڈھلوا کر فوجوں کو تقسیم کردیے۔ اب غلہ اس قدر کمیاب ہوگیا تھا کہ ایک روپے کا صرف ۲ سیر[1] ملتا تھا۔ یہ بیان کردیا گیا ہے کہ غنیم نے شہر کو جانے والی ہر ایک سڑک کی ناکہ بندی کردی تھی محصورین کو گاہے ماہے رسد ملتی رہی اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ بھوپال کے مغرب میں ایک بڑا تالاب ہے اور ریاست کے بعض زمیندار بالخصوص رتن سنگھ کشتیوں میں لاد کر اسی "تالاب کے ذریعے سے محصورین کے لیے غلہ بھیج دیا کرتے تھے۔ پہلے دو ماہ میں محاصرین کی کارروائی بہت سست رہی۔ بھوپال کی شہر پناہ بہت بلند اور مضبوط ہے اور بجز حملے کے موقع کے غنیم نے روزانہ شاذ و نادر ہی ۱۰ سے زیادہ گولے پھینکے ہوں۔ شہر پر ایک بھی حملہ نہیں ہوا تھا لیکن وسط دسمبر میں ایک عام حملہ کیا گیا۔ شہر پناہ کے ہر ایک دروازے پر ایک ایک دستے نے حملہ کیا اور چند آدمیوں نے شہر پناہ کی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی مگر ۸ گھنٹے جنگ ہونے کے بعد محاصرین کو ہر مقام سے پسپا کر دیا گیا۔ اس موقع پر وزیر محمد کی کارروائی نے اہل شہر اور فوج والوں کی تسلی اور ہمت افزائی کی۔ جس مقام پر غنیم کا زور پڑتا وہاں وزیر محمد خود دوڑ کر جا پہنچتا یا وہاں پر امداد کے لیے اور آدمی روانہ کردیتا تھا بالآخر محاصرین نے مایوس ہو کر پیچھے بعد دیگرے حملہ کرنا ترک کر دیا۔ ۴۰۲

ماہ جنوری میں صادق علی نے گنور دروازے پر اور دان سنگھ نے منگل واڑہ دروازے پر ایک ہی وقت میں حملہ کر دیا اور بعض حملہ آوروں کو اس قدر کامیابی حاصل ہوگئی کہ شہر پناہ کی دیوار کی تمنڈیر کے اس حصے پر چڑھ کر جو منہدم ہوگیا تھا دیوار میں راستہ بنا لیا لیکن مدافعین نے سنہ ۱۸۱۴ء

[1] ۔ ایک سیر ۸۰ روپے کے ہموزن ہوتا ہے اور اُجین کے روپے سے اس کا وزن ۲ پونڈ کے برابر ہوتا ہے۔

ان کا اس قدر پر جوش خیر مقدم کیا کہ ان سب کو بے نیل مرام واپس ہونا پڑا۔ منگل واڑہ دروازے پر حملے کی جزوی کامیابی نے محصورین کی پوری توجہ اس طرف مبذول کردی اور وہ سب اسی مقام پر آکر مجتمع ہو گئے اور گنور دروازے کی مدافعت ترک کردی گئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ غنیم کی ایک جماعت شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ گئی اور ایک برج تک پہنچ کر اس نے وہاں پر اپنا جھنڈا نصب کردیا۔ لیکن اس نمایش سے ذری دیر کے لیے کامیابی حاصل ہوئی تھی چونکہ شہر کے اس حصے کی عورتوں نے اس خطرے سے خائف ہوکر جو درپیش تھا اپنے مکانات اور دیگر بلند مقامات پر جمع ہوکر اینٹ کنکر پتھر اور پھینک کر مارنے کے آلات سے دشمن پر بوچھار کردی۔ ان دلیر عورتوں کی اس غیر متوقع ایذا رسانی نے حملہ آوروں کو ایسی سخت اذیت پہنچائی کہ انھوں نے تنگ آکر اپنا جھنڈا اتار لیا اور اس مقام کو چھوڑ دیا اس موقع پر وزیر محمد بھی منگل واڑہ دروازے کا حملہ منتشر کرکے گنور دروازے پر مقابلہ کرنے کے لیے آپہنچا اور یہاں بھی اسے ویسی ہی کامیابی حاصل ہوئی اور جو لوگ اندر داخل ہو گئے تھے وہ بہت کچھ نقصان اٹھا کر بہت جلد پسپا ہونے پر مجبور ہوئے۔ وزیر محمد ان مستورات کی کارروائی سے بہت خوش ہوا جنھوں نے اس غیر محفوظ مقام کی حفاظت کی اور ان کی ہمت وجرات کی بہت کچھ داد دینے کے بعد اس نے اس ضروری خدمت کے صلے میں جو ان عورتوں نے انجام دی تھی مخصوص انعام کے طور پر تحائف دیے۔ اس واقعے نے وزیر محمد کو بے حد مطمئن کردیا۔ وہ نہایت بھولے بھالے مزاج کا شخص تھا اور اوہام پرستی کی طرف مائل تھا۔ اس موقع پر شہر کی مستورات کی یہ شجاعت دیکھ کر اس نے

۴۰۳

ا۔ اس کے متعلق دوسرا بیان یہ ہے کہ دیوار پر چڑھنے کے سیڑھیاں نیچے پھینک دی گئیں جس کی وجہ سے حملہ آوروں کو بھاگنے کا موقع بھی نہیں رہا اور ان میں سے بیشتر کا کام تمام ہوگیا۔

یہ پیشین گوئی کر دی کہ یہ شہر محاصرین کے قبضہ و تصرف میں ہرگز نہیں جا سکتا
ہے۔ لیکن محصورین کی حالت یوماً فیوماً بدتر ہونے لگی کیونکہ ماہ فروری میں ۴۰۴
موٹے غلّے کا نرخ روپے کا ۲ سیر[1] ہو گیا۔ کشتیوں میں گاہے ماہے کم و بیش
رسد آ جاتی تھی لیکن غنیم کو اس امداد کا حال معلوم ہو گیا اور انھوں نے
ملاحوں کو رشوت دی کہ وہ رسد لانا چھوڑ دیں۔ اس بدبختی کی بدولت
محصورین اس قدر سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے کہ بہت سے باشندوں اور
فوج والوں کو اب بھاگ جانے کا بھی موقع نہیں رہا، ان اموات
کے باعث اب قلعے کی محافظ سپاہ کی تعداد ۶ ہزار سے صرف ۶۰۰ رہ گئی
مسلمان سپاہیوں کو مردار کھانے میں بھی کچھ عذر نہیں ہوا مگر نہایت
کٹر ہندوؤں نے املی کے بیجے بھون کر یا درختوں کی پتیوں سے اپنا
پیٹ بھرنے کی کوشش کی۔ البتہ کبھی کبھی انھیں خود محاصرین سے اس
معاملے میں امداد مل جاتی تھی کیونکہ ان میں سے بعض لوگ کثیر نفع
کے لالچ سے اپنے یہاں کا کچھ غلّہ چرا کر محصورین کے پاس دیوار کے
اوپر سے پہنچا دیتے تھے۔ اس مہینے میں دان سنگھ نے کئی حملے کیے مگر منہ
کی کھائی اور سخت ناکام رہا۔ اس ناکامی سے ایک دوسرے
کمان دار رام لعل کو تاؤ آ گیا اور اس نے بے خوف ہو کر حملہ کرنے کا
مستقل ارادہ کر لیا اور اپنی مونچھوں پر تاؤ دے کر کہا کہ کل شہر بھوپال
میرے قبضے میں ہو جائے گا۔ اپنی اس رائے پر عمل کرنے کے لیے اس نے
۳ ہزار چیدہ آدمیوں کی ایک حملہ آور جماعت تیار کی اور پو پھٹنے سے پیشتر ہی
وہ اپنی اس جمعیت کو لے کر وزیر گنج کی طرف چل دیا۔ لیکن اس مقام پر ۴۰۵
جو سوار متعین تھے وہ خوش قسمتی سے اس وقت ہوشیار تھے اور انھوں
نے نہایت تیز آتش باری شروع کر دی جس کی وجہ سے شہر والوں کو
بھی خطرے کی اطلاع ہو گئی اور آخر الذکر نے فوراً ہی ان کی امداد کے لیے

[1] ایک سیر وزن میں ۲ پونڈ کے برابر ہوتا ہے۔ اس وقت نہایت عمدہ غلے کا بھاؤ ۲۰ سیر فی روپیہ تھا۔

۲ توپیں بھیج دیں۔ قلعۂ فتح گڑھ اور شہر پناہ کی توپوں نے ان توپوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے دشمن پر ایسی سخت گولہ باری کی کہ آفتاب طلوع ہونے پر غنیم کے تقریباً ایک ہزار آدمی مقتول اور مجروح ہو گئے لیکن غنیم باوجود اس قدر نقصان اٹھانے کے نہایت دلیری سے آگے بڑھا اور شہر پناہ کے اس قدر قریب پہنچ گیا کہ وہ توپوں کی زد سے محفوظ ہو گیا۔ وزیر محمد نے اپنے ساتھ صرف ۵۰ آدمی لے کر اس نازک موقع پر تیمراتی دروازے سے غنیم پر حملہ کر دیا اور ان سب نے اس قدر بے خوفی اور جواں مردی سے دشمن پر حملہ کیا کہ وہ الٹے دم بھاگنے پر مجبور ہو گیا اس حملے سے دشمن کی تعداد ۳ ہزار سے گھٹ کر کچھ اوپر پانچ سو رہ گئی۔ اس موقع پر وزیر محمد کے ۴۰ یا ۵۰ چیدہ آدمی ضایع ہو گئے اور دیگر اموات کو شامل کر کے اب وزیر محمد کے ہمراہیوں کی تعداد صرف ۳۰۰ رہ گئی مگر غنیم کا نہایت بہادر سپہ سالار اس شکست اور اتنے آدمیوں کے نقصان سے اس قدر پست ہمت ہو گیا کہ اس نے کان پکڑ لیا کہ آیندہ ہرگز حملہ نہ کرے گا۔

اب بھوپال میں غلہ میسر نہیں آتا تھا البتہ محاصرین بھی خفیہ طور پر کبھی کچھ غلہ فروخت کر دیتے تھے اور اس کی قیمت اس قدر گراں کر دی تھی کہ روپے کا ۲ سیر ملتا تھا حالانکہ اس وقت مرہٹوں کے کیمپ میں روپے کا ۵ سیر ملتا تھا۔ محصورین کو اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لیے صرف اٹی اور کاسنی[1] کے بیجوں کا سفوف میسر آتا تھا جیسا کہ پیشتر بیان کیا گیا ہے اور یہ دونوں چیزیں بھی اس قدر گراں ہو گئی تھیں کہ ڈیڑھ روپے سیر کے حساب سے ملتی تھیں۔ ۴۰۶

مارچ کے مہینے میں محصورین کو غنیم کے حملوں سے جگوباپو کی وفات کے باعث قدرے چھٹکارا مل گیا کیونکہ مرہٹے ایک مہینے تک اس کی موت کے

---

[1] غالباً اس کی جڑ کھائی جاتی تھی۔

رسوم میں مصروف رہے۔ کیونکہ اس رئیس کے کریا کرم کی رسوم اس قسم کا فرض متصور ہوتی تھیں جو ہر بات سے زیادہ ضروری اور مقدم مانا جاتا تھا۔ وزیر محمد کا ایک عہدہ دار ڈونگر سنگھ آخر اپریل میں صادق علی سے جا ملا۔ یہ عہدہ دار مع ایک سو آدمیوں کے (جن میں سے اب صرف ۱۰ باقی رہ گئے تھے) پرانے قلعے کی حفاظت پر مامور تھا اس نے رات کے وقت نہ صرف اپنی جگہ چھوڑ دی بلکہ اس نے غنیم کے . . ۵ آدمی اس قلعے میں داخل کر لیے جسے اُس نے چھوڑا تھا۔ لیکن یہ اتفاق پیش آیا کہ پرانے قلعے سے شہر کی طرف جانے کے دروازے پر دو سپاہی تعینات تھے انھوں نے ناگ پور کے سواروں کی آواز سن لی جب وہ قلعے کے اندر داخل ہوئے اول اُن دونوں سپاہیوں کو یہ خیال ہوا کہ ڈونگر سنگھ شاید گشت سے واپس آیا ہے اور یہ آواز اُس کے آدمیوں کی ہے لیکن جب اُنھیں یہ یقین ہو گیا کہ ڈونگر سنگھ کے ساتھ جس قدر جمعیت ہے اس سے زیادہ آدمیوں کی یہ آواز ہے تو پھر اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے وہ نہایت احتیاط کے ساتھ قلعے کے اندر داخل ہو گئے اور نواب فیض محمد خاں مرحوم کے مقبرے کے قریب پہنچ کر انھیں معلوم ہو گیا کہ اس میں غنیم کے آدمی بھرے ہوئے ہیں اور اُن کی بندوقوں کے توڑے[1] سلگ رہے ہیں۔ اس تحقیقات کے بعد ان میں سے ایک سپاہی اس واقعے کی اطلاع دینے کے لیے وزیر محمد خاں کے پاس دوڑا ہوا گیا وزیر محمد نے سوال کیا کہ ڈونگر سنگھ کا کیا ہوا۔ سپاہی نے جواب دیا کہ میں اس وقت نہیں عرض کر سکتا ہوں اور اُس نے یہ مشورہ دیا کہ اگر فوراً کوئی قطعی کارروائی نہ کی گئی تو بہت جلد شہر پر دشمن کا قبضہ ہو جائے گا۔ یہ سن کر وزیر محمد نے جس کے پاس اس وقت صرف ۴۰ آدمی تھے اپنے فرزند نذر محمد کی طرف متردد ہو کر دیکھا جس نے باپ کی نظر دیکھ کر تاڑ لیا کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ سب سے اول دشمن کے

---

[1] ہندوستانی والیان ملک کی بے قاعدہ پیدل سپاہ توڑے دار بندوقیں استعمال کرتی ہے۔

مقابلے کے لیے مجھے جانا چاہیئے اور اُس نے اپنے باپ سے جانے کی اجازت طلب کی۔ وزیر محمد نے کہا کہ وہ اگر حالت اس درجہ نازک ہو گئی تو ہم کو جانا چاہیئے" لیکن بیٹے کی استدعا پر باپ نے اُسے اپنے ہمراہ ۱۲ آدمی لے کر اولاً جانے کی اجازت دیدی اور پھر اپنے باقی ماندہ آدمی لے کر وہ بیٹے کے پیچھے تھوڑے فاصلے سے روانہ ہو گیا۔

۴۰۸

اس اثنا میں غنیم نے مقبرہ خالی نہیں کیا تھا اور اپنے کو بھوپال کا مالک تصور کر کے وہ ہر قسم کی احتیاط سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے اپنی توڑہ دار بندوقیں علیحدہ رکھدی تھیں بعض لوگ اطمینان سے بیٹھے ہوئے اپنے کپڑے آتار رہے تھے اور اپنی خیالی کامیابی کے تصور سے لطف اٹھا رہے تھے۔ جب نذر محمد مقبرے کے قریب پہنچ گیا تو اس کے ساتھی ۳ پٹھانوں نے جو باقی ماندہ جماعت سے کسی قدر آگے تھے دشمن کو دھوکا دینے کے لیے اپنے باقی ماندہ ساتھیوں سے کہا کہ "بھائیو چلے آؤ دشمن کی تعداد ہمارے مقابلے میں بہت کم ہے" اس مختصر جمعیت نے فوراً ایک باڑھ ماری جس نے بہت سے ٹھنڈے کردیے کیونکہ پٹھانوں کے پاس قرابینیں تھیں اور ہر ایک کی قرابین میں ۳۰ یا ۴۰ گولیاں بھری ہوئی تھیں اس غیر متوقع حملے سے بڑی ابتری پھیل گئی اور وہ متحیر ہو کر رہ گئے اب پٹھانوں نے انھیں چہ کنم میں ڈال دیا اور وہ اپنی مدافعت کی کچھ تدبیر نہ کر سکے۔ وزیر محمد کی جمعیت اُس کے بیٹے کی جمعیت سے جا ملی اور پٹھانوں کی اس مختصر جمعیت نے اپنے ہتھیار ایک طرف رکھ دیے اور اپنی تلواریں سونت کر اور مقبرے میں جا کر وہ پوری قوت کے ساتھ غنیم پر پل پڑے۔ غنیم میں سے جو لوگ بچ کر بھاگے انھوں نے کچھ مزاحمت نہیں کی اور وہ اپنے پیچھے ایک سو مقتول و مجروح اور اپنے بہت سے ہتھیار اور کپڑے چھوڑ گئے۔ وزیر محمد خاں اس موقع پر پتھروں سے سخت زخمی ہو گیا اور نذر محمد خاں کے شانے میں تلوار کا گہرا زخم اور سر میں خفیف سا زخم آیا۔ اس کامیابی سے ایسے نتائج برآمد ہوئے جن کا وہم و گمان بھی

۴۰۹

نہ ہو سکتا تھا اسی کے چند روز بعد صادق علی نے (شروع مئی میں) یہ خواب دیکھا کہ کوئی نہایت خوفناک لہجے میں اسے بد دعائیں دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس نے کافروں سے مل کر آنحضرت صلعم کے اُمتیوں کی مخالفت پر کمر باندھی ہے اور تنبہ کر رہا ہے کہ وہ اپنے اس ناپاک اور بے سود ارادے سے باز آئے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ محصورین اس وقت قادر ذو الجلال کی پناہ میں ہیں اس خواب کا صادق علی کے دل پر اصلی یا فرضی ایسا زبردست اثر پڑا کہ اُس نے علی الاعلان کہہ دیا کہ میں اس خواب کی ہدایت کے بموجب عمل کروں گا اور پھر اُس نے اپنی فوج کو بھوپال سے واپس جانے کی تیاریاں کرنے کا حکم دیدیا۔ دان سنگھ اور سندھیا کے دیگر کمان داروں نے صادق علی کو قیام کرنے کے لیے ترغیب دینے میں بہت سے دلائل پیش کیے لیکن ان کے معروضات کے جواب میں صادق علی نے خفا ہو کر یہی کہا کہ میری مثال کی پیروی کرو اگر تم قادر ذو الجلال کے انتقام سے بچنا چاہتے ہو۔

صادق علی کی روانگی کے بعد اس جتھے کے دلی مقصد کو بہت نقصان پہنچا کیونکہ سندھیا کے سردار اور اس کی فوجیں بھوپال کے خلاف کسی مزید کارروائی کرنے سے محترز رہیں چونکہ وہ اس نوکری سے دق ہو گئے تھے جو ۹ ماہ تک رہی اور اس دوران میں اُن کے کئی ہزار آدمی ضایع ہوئے انھیں اس معرکہ آرائی میں کچھ بھی نفع حاصل نہیں ہوا۔ کوچ کے لیے دو ہفتے تک تیاریاں کرنے کے بعد انھوں نے محاصرہ اُٹھا لیا اور سارنگ پور کی طرف کوچ کر دیا اور وہاں پر اپنی چھاؤنی ڈال دی۔ ۱۸۱۰

بھوپال پر اس قابل یادگار حملے کا اس طرح خاتمہ ہو گیا لیکن ابھی تک شہر خطرے سے مامون و محفوظ نہ تھا کیونکہ جسونت راؤ بھاؤ کے بھتیجے جگو باپو جس کے ہاتھ میں اب فوج کی کمان آگئی تھی موسم کی حالت درست ہونے پر

لہ جسونت راؤ بھاؤ جیوا دادا کا بیٹا اور جگو باپو کا چچازاد بھائی تھا۔

از سر نو محاصرہ کرنے کے لیے برسات میں تیاریاں کرتا رہا۔
وزیر محمد جس کے وسائل اور فوج میں انتہائی کمی آ گئی تھی مگر اب بھی اس کی ہمت بلند تھی۔ وہ برسات کے موسم میں رائے سین سے بھوپال کو غلہ اور ذخائر بھیجتا رہا تاکہ وہ دوسرے حملے کی تاب لا سکے۔ اس کی مشکلات لاعلاج معلوم ہوتی تھیں کیونکہ پنڈاری بھاؤ کی فوج میں جا ملے تھے اور سندھیا کے یورپی کمان دار جین بپ ٹسٹ کی فوج آن میں اور شامل ہو گئی تھی جو اپنے ہمراہ ۸ پلٹنوں اور ۴۰ توپوں کا کیل کانٹے سے لیس ایک کمپو یا بریگیڈ لایا۔ لیکن بھوپال کی خوش نصیبی سے دشمن کے سواروں میں باہم سخت مخالفت پیدا ہو گئی۔ کیونکہ جسونت راؤ بھاؤ نے مسٹر بپ ٹسٹ کی فوج کو زر پیشگی دینے سے انکار کر دیا تھا اور بد دلی کی یہ پہلی وجہ بھی ہوئی تھی اور یہ بے اطمینانی روز بروز بڑھتی گئی حتیٰ کہ ان کے لیڈروں کی جماعت میں ایک جھگڑا ہو گیا اور فریقین نے اپنی اپنی فوجیں آراستہ کر لیں۔ غرضکہ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا بھاؤ کے ساتھی اور خاصکر اس کی پیدل سپاہ جس نے محاصرے کے دوران میں سخت تکالیف برداشت کی تھیں وہ بپ ٹسٹ کی تازہ دم اور منظم فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی وہ جدھر منہ اٹھا الٹے دم بھاگ گئی اور اپنا کیمپ لٹنے کے لیے خالی چھوڑ گئی۔ یہ معرکہ سیہور میں ہوا تھا اور کہا جاتا ہے کہ بپ ٹسٹ کے ہاتھ وہاں پر مختلف قسم کی ۴۲ توپیں آئی تھیں بھاؤ راؤ اور اس کے چند سواروں نے بھوپال کی شہر پناہ کے نیچے جا کر پناہ لی جہاں پر انھیں صرف ایک رات ٹھہرنے کی اجازت دی گئی۔ ان سے یہ درخواست کی گئی کہ دوسرے روز علی الصباح وہاں سے چلے جائیں چونکہ اس بات کا اندیشہ ہوا کہ

۱۱۴   سنہ ۱۸۱۴ء

لہ۔ یہ عہدہ دار اگرچہ یورپی کہلاتا تھا مگر وہ ہندوستان میں پیدا ہوا تھا۔ وہ کرنل فلوز کا سوتیلا بھائی ہے جو نانا فرنویس کے ساتھ نمک حرامی کرنے کے لیے مشہور ہے (مرہٹوں کے متعلق مسٹر ٹون کا مراسلہ)۔

وہاں کے قیام سے شاید اُن کا ارادہ دوبارہ حملہ کرنے کا ہو جائے جس میں اگر اور دشمن شریک ہو گئے تو باوجود شجاعانہ مدافعت کی کوششوں کے وہ اس ریاست کو تباہ کر دیں گے۔

ہیپ لسٹ کے محاصرے میں شرکت نہ کرنے کے مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں وزیر محمد نے انگریزی ایجنٹ[1] متعینۂ بندیل کھنڈ سے یہ استدعا کی تھی اور اس پر نوازشانہ توجہ کی گئی تھی کہ صاحب رزیڈنٹ[2] متعینہ دربار گوالیار بھوپال کے خلاف مخاصمانہ کارروائی کرنے سے محترز رہیں کیونکہ پنڈاریوں کی سرکوبی کا آلۂ کار ہونے کی حیثیت سے اس ریاست کو خاص اہمیت حاصل ہو گئی تھی جن کے مظالم نے اب سارے ہندوستان کے امن میں خلل ڈال دیا تھا۔ وزیر محمد نے اپنا ایک نمایندہ صاحب رزیڈنٹ[3] متعینۂ دربار ناگ پور کی خدمت میں بھی روانہ کیا تھا اور صاحب رزیڈنٹ نے بھی اس ریاست کی حقیقی حالت اور نوعیت کے متعلق ابتدا میں جو خاکہ پیش کیا تھا اس میں اس نے اپنی بہت دل چسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ منظم غارت گری کے مقابلے کے لیے جس سے تمام ہندوستان کی تباہی کا اندیشہ ہے اس ریاست کے دوستانہ برتاؤ سے ہم کو بہت سے مقامی فائدے اور وسایل میسر آجائیں گے۔

اگرچہ وزیر محمد نے مصیبتوں سے نجات پانے کے بعد انگریزوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ایسا جوش و خروش ظاہر نہیں کیا جو اس نے ابتدا میں کیا تھا اور اگرچہ اس دوران میں جو گفت و شنید ہوئی اس نے اس کی زندگی میں[4]

---

[1] مسٹر وان کوپ مرحوم۔

[2] مسٹر اسٹریچی کی مراسلت ملاحظہ ہو۔

[3] بحوالہ مراسلہ منجانب مسٹر جنکنس بنام مسٹر ایڈم سکرٹری مورخہ ۲۹ر اکتوبر سنہ ۱۸۱۴ء۔

[4] سنہ ۱۸۱۶ء میں وزیر محمد کا انتقال ہو گیا۔ مسٹر جنکنس کے مراسلہ مورخہ سنہ ۱۸۱۴ء بنام لارڈ مورِیا میں

معاہدے کی صورت اختیار نہیں کی تھی لیکن حکومت برطانیہ کے عہدہ داروں سے مراسلت جاری رکھنا ہی اس کے بچاؤ کے حق میں کوئی معمولی سپر نہ تھی کیونکہ اس کی وجہ سے نہایت زبر دست دشمن اس پر حملہ کرنے سے محترز رہے۔ لیکن وہ لوٹ مار کے ہنگاموں میں برابر مصروف رہا جن میں کہ اس کی ساری عمر بسر ہوئی تھی اور اس کی ریاست کے علاقے اسی لوٹ مار کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ اس کی زندگی کا آخری کارنامہ یہ تھا کہ اس نے باہمی شادی بیاہ کے ذریعے سے غوث محمد خاں کے خاندان سے مصالحت کرلی۔[1] وزیر محمد نے وسال سے کچھ زیادہ عرصے تک بھوپال پر حکومت کرنے کے بعد ۱۸۱۶ء میں ۴۹ سال کی عمر میں وفات پائی لیکن اس مختصر زمانے میں اسے ایک گھنٹہ بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ اس ریاست کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کے دن سے اپنے مرنے کے وقت تک اسے ریاست کی تباہی کا ہر دم کھٹکا لگا رہا۔ صرف وزیر محمد جیسا شخص ہی اس ریاست کو بچا سکتا تھا کہ وہ نہایت بہادر افغان کی طرح بے حد شجاع، دلاور اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے شگفتہ مزاج بھی تھا۔ اس کی شکل و صورت سے رعب و داب ظاہر ہوتا تھا۔ اس کی طبیعت میں بعض اوقات سختی آجاتی تھی جس سے سب لوگ بے حد خائف تھے۔ آخر عمر میں اس نے مے نوشی شروع کردی تھی جس نے ۱۴

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ۔۔ تحریر ہے کہ برطانی حکومت نے ریاست بھوپال کی حمایت کرنا منظور کرلیا ہے۔ لیکن غالباً یہ حمایت بعد میں واپس کرلی گئی تھی اگرچہ گوالیار سے مسٹر اسٹریچی کی مراسلت سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ہماری دست اندازی کے باعث سپ ٹٹ نے بھوپال پر حملہ نہیں کیا۔

[1] غوث محمد کی لڑکی کی شادی وزیر محمد کے دوسرے اور چہیتے بیٹے نذر محمد کے ساتھ ہوئی اور وزیر محمد نے اپنی بھتیجی یعنی کریم محمد موجودہ وزیر بھوپال کی لڑکی کی شادی نواب غوث محمد کے سب سے بڑے فرزند کے ساتھ کردی۔

اس کی زندگی کو جلد ختم کردیا[1] جو حضرات کہ اس کی زندگی کے انقلابات سے واقف ہیں انھیں اس کے اس وقت انتقال کرنے کا بے حد افسوس ہوا۔ کاش وہ اپنی ہمدردانہ کوششوں کے نتائج کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا کہ اس کے اہل وطن جن کے ساتھ اُسے بے حد الفت تھی تباہی سے بچ گئے اور اس حکومت نے اُنھیں خوش حال اور مرفہ الحال بنادیا جس کو راضی کرنے کی اس نے ساری عمر کوشش کی تھی اور جس پر اس کی زندگی کے آخر لمحے تک اس کی امیدوں کا انحصار رہا۔ لیکن یہ بات اُس کے فرزند کی تقدیر میں لکھی تھی جس کو اس نے اپنا جانشین بنایا اور اس کی تعلیم و تربیت کا خاص لحاظ رکھا تھا۔ اس نے ہر طرح اپنے کو سپوت فرزند ثابت کردکھایا۔ ہم ابھی بیان کرچکے ہیں کہ بھوپال کے قابل یادگار محاصرے میں نذر محمد اپنے باپ کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا اور وہ لہو لہان ہورہا تھا۔ اپنے فرزند اکبر کی طرف سے مایوس ہوکر جو اپنے کاہلانہ اور عیاشانہ عادات کا غلام تھا اور انھوں نے اس کے جسم اور دماغ دونوں کو کمزور کردیا تھا اس لیے وزیر محمد نے ابتدا ہی میں اپنے چھوٹے بیٹے کو اپنا جانشین قرار دینے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت پر وزیر محمد نے بے حد توجہ اور کوشش کی۔ نذر محمد نے علاوہ دیگر قابلیتیں حاصل کرنے کے فنون سپہ گری کو ایسی اچھی طرح سیکھا تھا کہ اپنے باپ کے انتقال کے بعد ملک کے جملہ روسا میں اس کی شہرت اعلیٰ درجے کی تھی۔ اس کے باپ کی وقعت اور اس کے اعلیٰ اوصاف کے باعث بھوپال کے جملہ عمائدین نے اپنی حکومت پر زور ڈالا کہ نذر محمد کو وزیر بنادیا جائے۔

۱۸۱۶ء

---

[1] جو لوگ کہ وزیر محمد سے بخوبی واقف تھے انھوں نے میجر ہنلے سے بیان کیا کہ اپنی زندگی کے آخر ایام میں وہ مے نوشی کا بے حد عادی ہوگیا تھا اور اسی کے باعث اُسے نہایت تیز بخار آیا اور صرف چار روز کی علالت کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔

غوث محمد اگرچہ کس مپرسی کے عالم میں تھا لیکن وہ اب بھی نواب کہلاتا تھا اس نے نذر محمد کے تقرر پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اس کے بڑے بھائی امیر محمد خاں نے جو کثرت مے نوشی سے احمق ہو گیا تھا سب سے اول اپنی نالائقی کو علی الاعلان تسلیم کیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو ہدایت کی کہ ریاست کے نظم و نسق کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔ نذر محمد اس پر راضی ہو گیا اور اس نے سب سے اول اپنے باپ کی تمنا پوری کرنے یعنی حکومت برطانیہ سے مصالحت کرنے کے لیے ایک معاہدہ طے کرنے کی کوشش کی۔ اس کارروائی کی حکمت عملی عرصہ دراز سے زیر بحث تھی اور اس اندیشے سے کہ مبادا اس قسم کے معاہدے سے پریشانیاں لاحق ہو جائیں انگلستان میں اراکین سلطنت ہند نے یہ رائے قائم کی تھی کہ اس قسم کا کوئی معاہدہ نہ کرنا چاہیے لیکن پنڈاریوں کے ظالمانہ حرکات نے نواب گورنر جنرل کو ایک ایسی روش اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جس نے ایسے سخت احکام کی تعمیل کو ناممکن بنا دیا۔

چنانچہ ۱۸۱۷ء میں ریاست بھوپال کے ساتھ اول معاہدہ بمقام ہوشنگ آباد[1] طے ہوا۔ جس کی رو سے بھوپال اس کے فرماں روا کی ملکیت تسلیم کر لی گئی اور قرار پایا کہ آیندہ جنگ میں نواب بھوپال اپنا ایک رسالہ برطانیہ کی فوج کو امداد دینے کے لیے پیش کرے گا اور حتی الوسع ہر طرح پر اس جنگ میں اشتراک عمل کرے گا۔ یہ وعدے حرف بحرف پورے کیے گئے نذر محمد کو اپنی سرگرمی اور کوششوں کے صلے میں پنج محال یعنی ۵ پرگنوں کا ایک علاقہ دیا گیا جو پیشوا[2] کے ایک جاگیردار سے لیا گیا تھا۔ یہ علاقہ نہ صرف اب بھوپال کی ریاست میں شامل کیا گیا بلکہ بیشتر یہ علاقہ اسی ریاست کا

۲۱۶

۱۔ اس معاہدے کے طے کرنے میں لفٹنٹ کرنل ایڈمس سی۔ بی کمان دار افواج ہوشنگ آباد اور میں نے گفت و شنید کی۔

۲۔ رئیس ونخور۔

ایک جزو تھا اس کے بعد قلعۂ اسلام نگر سندھیا سے فتح کر کے نواب بھوپال
کو دیدیا گیا اگرچہ وہ کچھ زیادہ قیمتی نہ تھا لیکن نواب بھوپال نے
اسے اپنے حق میں بہت بڑی نوازش تصور کیا۔ اس میں یار محمد کا مزار
تھا اور چونکہ اسلام نگر دار الخلافہ کے دروازے کے قریب تھا اس
لیے اس کی علٰحدگی ریاست کے حق میں بڑی پریشانیوں کا موجب تھی
ریاست بھوپال کی حالت وزیر محمد کے انتقال پر ایسی خستہ تھی کہ اس کی
اصلی آمدنی ایک لاکھ روپے تک بھی نہ پہنچ سکتی تھی لیکن اب اس کا درجہ
بلند کر دیا گیا ہے اور یہ دوسرے درجے کی دیسی ریاستوں میں شمار کی جاتی ہے۔
اس کے اب وہ سارے علاقے مل گئے جو دیگر صوبوں میں اس کے سابق
فرماں رواؤں کے زیر نگیں تھے اور اب اس کی آمدنی آٹھ نو لاکھ روپے
ہے اور امید ہے کہ بہت جلد ۳۰ لاکھ کی آمدنی ہونے لگے گی۔

۱۷/اکتوبر ۱۸۱۹ء نذر محمد آیندہ کی توقعات سے بے حد خوش اور مطمئن تھا کہ
ایک افسوسناک حادثے نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا اور اپنی بے وقت
اور ناقابل تلافی موت سے اپنے خاندان اور ملک کو سوگوار بنا گیا۔ اس
نے وعدہ کیا تھا کہ جس طرح اس کے والد بزرگوار نے اس ریاست کو تباہی سے
بچایا تھا اسی طرح وہ پوری سرگرمی اور مستعدی سے اپنے ملک کو
خوش حال بنانے کی کوشش کرے گا۔ اس کی موت ایک پستول کے
چل جانے سے واقع ہوئی تھی جسے وہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ وہ محل کے اندر
اپنی شیر خوار بچی سے خوش فعلیاں کر رہا تھا اور اس نے اپنا پستول نیچے
رکھ دیا تھا۔ یہی گمان ہوتا ہے کہ اس کے سالے فوجدار خاں نے جس
کی عمر صرف ۸ سال کی تھی اس پستول کو چلا دیا چونکہ اس افسوسناک
موقع پر صرف وہی موجود تھا۔ اس کی موت کی خبر سے ایک عام
سنسنی پھیل گئی اور لوگوں کو طرح طرح کے شبہات ہونے لگے لیکن مفصل
طور پر تحقیقات کرنے سے ان لوگوں کی جانب سے یہ بدگمانیاں
اور شبہات بالکل رفع ہو گئے جن کی طرف یہ سازش منسوب کی جا سکتی تھی یا

جو اس واقعے سے کچھ نفع اُٹھا سکتے تھے۔ لیکن غوث محمد خاں سے لے کر ایک معمولی پٹھان تک کی یہی رائے تھی کہ نذر محمد خاں کی موت کے متعلق اس شبہے کو دل سے دور کر دینا چاہیے کہ وہ کسی سازش کا نتیجہ تھی۔ البتہ ہر شخص کو انتہائی رنج و صدمہ تھا اور کسی فرد بشر نے اس سانحے سے کچھ

۱۸۱۹

لہ۔ میجر ہنلے ایجنٹ متعینۂ بھوپال نے تحقیقات کے نتائج پر غور کر کے فوجدار خاں کے متعلق بیان کیا کہ یہ لڑکا جب کبھی نواب کے پاس بیٹھتا تو وہ اس پستول کو اکثر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتا تھا جو اس موقع پر اُس کے ہاتھ سے پستول لے لیا کرتا تھا۔ علاوہ بریں لڑکے کا قد صرف اس قدر تھا اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ نواب چارپائی پر اس طرح بیٹھا تھا کہ اس صورت میں لڑکے کے ہاتھ سے پستول چل جانے سے اُس کے اسی طرف نشانہ لگتا اور واقعہ یہ ہے کہ پستول سامنے سے نہیں چھوڑا گیا بلکہ پشت کی طرف سے چھوڑا گیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نواب کی توجہ اس طرف نہیں مبذول ہو سکتی تھی اور اگر کوئی اور شخص اندر داخل ہو کر پستول اُٹھاتا تو لامحالہ نواب کی توجہ اُس طرف منعطف ہو جاتی۔ علاوہ بریں اب فوجدار خاں ڈر گیا ہے وہ حیلہ بازی کرتا ہے اور اپنے پہلے بیان سے منکر ہے اس لیے ظن غالب یہی ہے کہ وہ سچی بات کو اب چھپاتا ہے اور یہ فرض کرنے کی بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ فوجدار خاں نے کسی بدنیتی سے یہ حرکت کی چونکہ وہ نواب سے بہت مانوس تھا اور جس وجہ سے (چونکہ وہ غوث محمد کا فرزند تھا) اس کے متعلق یہ شبہات ہوئے تھے اسی وجہ سے اُس کی ہمشیرہ یعنی نواب کی بیوی پر بھی شبہہ کیا گیا مگر میجر ہنلے کی رائے میں اس کی بیوی کا اس قسم کا ارادہ کرنا بھی قطعی غیر ممکن تھا۔ وہ کم سن تھی اس وقت اس کی عمر سترہ سال تھی اور وہ نہایت نیک مزاج اور نواب پر دل و جان سے فدا تھی نواب کو بھی اس سے غیر معمولی محبت تھی۔ اُس سے دوسری شادی کرنے کے لیے بہت اصرار کیا گیا لیکن اس نے نہ صرف قطعی انکار کیا بلکہ اُس نے محل کے اندر کسی جوان عورت کو خادمہ یا ملازم کی حیثیت سے داخل ہونے کی بابت سخت ممانعت کر دی علاوہ بریں شبہے کی تردید میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی بیوی کو اس سانحے کا ایسا زبردست صدمہ ہوا کہ اس کا حمل ساقط ہو گیا اور اگر اس کی کچھ بھی بدنیتی ہوتی تو وہ اس کی نہایت جوش کے ساتھ مذمت کرتی۔

فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ سب سرداروں کے مشورے سے یہ قرار پایا کہ اس کی جانشینی کے متعلق حکومت برطانیہ کا منشا معلوم ہونے تک سب لوگوں کو مرحوم کی بیوہ اور اس کے وزرا کے احکام کی تعمیل کرنی چاہیے۔ یہ امر بھی قابل تذکرہ ہے کہ کسی جماعت نے برطانی ایجنٹ پر اپنا اثر ڈالنے کی کچھ کوشش نہیں کی اور اس افسوسناک واقعے کے متعلق ہر قسم کی سازش کے فقدان کا یہ ایک زبردست ثبوت ہے۔

انتقال کے وقت نذر محمد خاں کی عمر صرف ۲۸ سال کی تھی اس نے صرف ۳ سال ۵ ماہ تک بھوپال پر حکومت کی اور وہ اپنی ایسی ناموری چھوڑ گیا ہے جو صرف چند اصحاب کو نہایت طول عمر میں نصیب ہوئی تھی۔ اس نے نہایت مصیبت کی حالت میں تعلیم و تربیت حاصل کی لیکن اپنی ابتدائی عمر ہی میں اس کی قوت فیصلہ پختہ ہو گئی تھی۔ اس کی شکل و شباہت نہایت شریفانہ تھی اور اس کے عادات و اطوار بادشاہ جیسے تھے جو اپنی رعایا کے قلوب کو مسخر کرنا جانتا ہے۔ وہ اس قدر شریف النفس اور شجاعت میں نامور تھا کہ فرماں روایان بھوپال کا سارا خاندان جن پر اس کا حق مرجح مانا گیا حتیٰ کہ اس کا بڑا بھائی بھی جو اس کی خاطر اپنے پیدائشی حق سے دست کش ہو گیا تھا یہ سب نہ صرف کامل آزادی کے ساتھ رہتے تھے بلکہ اس کے ساتھ یہ لوگ نہایت بے تکلف تھے۔ وہ حسب خواہش اس کے محل کے ہر ایک کمرے میں آتے جاتے تھے۔ نذر محمد کو اپنی قوم کی عام بد اعمالیوں اور مے نوشی سے سخت تنفر تھا۔ اس کے حرم میں صرف ایک بیگم تھی اور کوئی لونڈی نہ تھی۔ وہ ایک نیک نہاد مسلمان تھا اور تعصب سے بالکل پاک تھا چنانچہ اس کا دلی دوست اور وزیر ایک عیسائی[1] تھا اس نے اپنی ریاست

۱۹ھ

۲۰ھ

---

[1] شہزاد مسیح یا بیلتھازر بوربون سے میں بذات خود واقف ہوں جو ایک قابل شخص اور بہادر سپاہی ہے یہ بوربون فرانسیسی کی اولاد سے ہیں جو شہنشاہ اکبر اعظم کے زمانے میں

۱۲۴ | کو ترقی دینے کی تجاویز پر پورے ۲ سال صرف کیے وہ ہر ایک حساب کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ہندوستان آیا تھا۔ شہزاد مسیح نے اپنے خاندان کا حسب ذیل حال بیان کیا ہے۔
"جان بوربون اکبر کے زمانے میں پارس یا بیوتی (غالباً پیرس یا برن واقع فرانس)
واقع یورپ سے ہندوستان آیا تھا اور دہلی جاکر وہ بادشاہ کے یہاں نوکر ہوگیا۔ جان بوربون
کے انتقال کے بعد بادشاہ سلامت نے اس کے فرزند الگزنڈر بوربون کی یہ عزت افزائی کی کہ
بیگمات کے محل کے دروازے کی پاسبانی اس کے سپرد کردی۔ اس خاندان میں یہ عہدہ فرادی
بوربون تک رہا اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ نادرشاہ نے شاہ جہان آباد کو تباہ کرڈالا اور
سلطنت بھی تباہ ہوگئی تھی فرادی بوربون نے اس دار فانی سے کوچ کیا اور اس کے فرزند
سلواڈور بوربون نے ان واقعات کو نفرت اور افسوس کے ساتھ دیکھ کر دہلی کی سکونت ترک
کردی اور نارور میں آکر بود و باش اختیار کی چونکہ ہندوستان کے سب راجہ اور رئیس
اس بات سے آگاہ تھے کہ اس نے بادشاہ کے یہاں ملازمت کی ہے اور نوازش شاہانہ سے وہ
سرفراز ہوچکا ہے اس لئے اس کے ساتھ ادب اور احترام کا برتاؤ ہوتا تھا اور وہ نارور میں بڑے
آرام سے زندگی بسر کرتا تھا۔ میرے خیال میں کوئی ایسا مشہور شخص (غالباً غیر ملکی) باقی نہیں
ہے جس کے پاس شاہی جاگیر موجود ہو۔ میرے مورث اعلیٰ بھوبا جو نواب مسیح راگو خاں کے
نام سے مشہور تھے اُن کی جاگیر میں شیر گڑھ متصل گوالیار تھا میرے والد عنایت مسیح
(شوہر بوربون) گوالیار میں پیدا ہوئے تھے۔ اگرچہ جان بوربون کی آمد کے بعد سے بہت
سے یورپین صاحبان ہندوستان میں آئے ہیں لیکن ہمارے خاندان والوں نے بجز دو کے
کسی فرد نے ان کے یہاں شادیاں نہیں کی ہیں اور وہ دونوں صاحبان اپنی قوم میں بہت
شریف اور سلطنت مغلیہ میں منصب دار بھی تھے جو ہندوستان میں شرافت کا تمغہ
ہے۔ ان میں سے ایک صاحب فرانسیسی تھے اور دوسرے آرمینی تھے اُن کا مذہب
رومن کیتھلک تھا جو ہمارے مذہب سے جداگانہ نہ تھا۔
جس سال کرنل کماک و کرنل پوپن نے گوالیار فتح کیا اسی سال نارور کے راجہ نے
دغابازی سے بھوبا اور ہمارے دیگر رشتہ داروں کو گرفتار کیا اور مار ڈالا اور اس نے ان
کی جائداد پر خود قبضہ کرلیا۔ میرا باپ محولہ بالا مصیبت کے باعث قلعہ فتح ہونے کے وقت

خود جانچ پڑتال کرتا اور ہر ایک کی شکایت کو خود سنتا تھا۔ سب لوگ اس کی مہربانی، فیاضی اور انصاف کو یاد کرتے ہیں اور کسی ایک ظالمانہ حرکت کے لیے بھی وہ بدنام نہیں ہے۔

اس وقت جیسی حالت کہ ریاست بھوپال کی تھی ایسی حالت میں کسی قوم کے لیے نذر محمد خاں کی وفات سے زیادہ اور کوئی نقصان نہیں ہو سکتا اور حکومت برطانیہ کے لیے بھی یہ سانحہ سخت تشویش کا موجب ہوا کیونکہ یہ رئیس انگریزی حکومت کا نہایت وفادار دوست تھا۔ وہ ایسا کارآمد آلہ بننے کے واسطے نہایت موزوں تھا جس کی امن و خوشحالی بحال کرنے کے لیے ضرورت تھی۔ اس کا دل اپنے طبقے والوں سے کہیں زیادہ فراخ تھا۔ اس نے غیر معمولی شوق کے ساتھ ہر قسم کی معلومات حاصل کی تھی اس نے ایسے فنون بھی حاصل کیے تھے جو اس کی زندگی کے مشاغل اور اس کے رتبے کے عادات و خصائل سے بالکل جداگانہ تھے اس کے جانشین مدت دراز تک اس کی شہرت و ناموری پر رشک کریں گے۔ ہم کو یہ مایوسی ہے کہ اس کا جانشین اس جیسا نظر نہ آئے گا۔ اس نے دیگر حضرات کی طرح بچپن ہی میں اس قسم کے کیرکٹر کی تربیت حاصل کر لی تھی لیکن اس نے جو سبق

۴۲۲

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اس میں رہتا تھا وہ کرنل کیمک کے پاس گیا اور ہندوستان میں آنے کے وقت سے لے کر اپنے خاندان کی تاریخ اور بالخصوص یہ تازہ مصیبت اس کے گوش گذار کی۔ کرنل موصوف نے ہمدردی ظاہر فرمائی اور والد بزرگوار کی بہت کچھ تسلی و تشفی کی اور انھیں ایک معقول رقم، ان کے بال بچوں کے لیے ایک نفیس مکان اور ایک گاؤں بطور معافی دوام کے دیدیا۔ اس سے کچھ عرصے بعد میرے والد بھوپال تشریف لے گئے جہاں پر ان کی بہت کچھ آؤ بھگت اور تعظیم و تکریم ہوئی۔ گوالیار پر مرہٹوں کا قبضہ ہونے کے وقت سے وہ گاؤں ہمارے قبضے سے نکل گیا اور مرہٹے قابض ہو گئے ہیں۔

[1]۔ میں نذر محمد خاں سے بذات خود واقف ہوں۔ ۲ سال تک ان سے میری مراسلت رہی لیکن اس موقع پر جو واقعات بیان کیے گئے ان کے لیے میں میجر ہنلے پولیٹکل ایجنٹ متعینہ دربار بھوپال کے بیان کو معتبر سمجھتا ہوں جسے اس قابل قدر نوجوان حکمران کا کیرکٹر سمجھنے اور اس کی قدرشناسی کرنے کے پورے مواقع حاصل تھے۔

[2]۔ نذر محمد کو دستکاری کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ گھڑی کے سارے پرزے علحدہ علحدہ کر کے پھر گھڑی بنا لیتا تھا چونکہ وہ گھڑی سازی کے فن سے بخوبی واقف تھا۔

حاصل کیے تھے وہ کسی تعلیم سے نہیں میسر آسکتے تھے۔ اُس کے باپ کی شریفانہ مثال نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور اپنے نیک خصلت باپ سے اُس نے صلہ پایا۔ اس نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ساتھ اس ملک کو بچانے اور برقرار رکھنے کی کوشش کی جو اپنی زبوں حالت کی وجہ سے عزیز تر ہو گیا تھا اور کامیابی حاصل ہونے کے وقت کی آمد سے بیشتر ہی اس کے دل سے وہ خرابی رفع ہو گئی تھی جو خطرات اور مشکلات پیش آنے کے دوران میں پیدا ہو گئی تھی۔

۱۸۲۴ غوث محمد کی لڑکی کے بطن سے نذر محمد کے کوئی اور اولاد بجز ایک صاحبزادی کے نہیں ہوئی۔ اس نے نواب کا لقب اختیار نہیں کیا تھا اگرچہ انگریزی حکومت اسے ہمیشہ اسی لقب سے مخاطب کرتی تھی کیونکہ غوث محمد خاں ایسی گمنامی کے عالم میں جا پڑا تھا کہ بھوپال کے حقیقی فرماں روا اور حکومت برطانیہ کے مابین جو تعلق تھا اس کے سلسلے میں کبھی غوث محمد کا نام نہیں آیا۔ ہوشنگ آباد میں جو مصالحت ہوئی اور پھر جنگ ختم ہونے پر جو معاہدہ طے ہوا اس کی رو سے اس ریاست کو علاقے دیے جانا۔ اور ریاست میں معاونتی فوج کا رکھا جانا پورے طور پر طے ہو گیا تھا۔ اس معاہدے میں صرف نذر محمد خاں اور اس کی اولاد کا تذکرہ ہے اور ریاست پر انہیں کی حکومت مانی گئی ہے۔ نذر محمد کے بڑے بھائی امیر محمد خاں کا بیٹا منیر محمد خاں اپنے چچا کا جانشین ہوا اور اس نے اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کر لی تاکہ خاندان کے حقوق اس کی ذات میں مجتمع ہو جائیں۔ جانشینی کی بحث میں

۱۔ غوث محمد کا استحقاق کبھی پیش نہیں ہوا۔ وہ صرف خطاب یافتہ نواب تھا مگر فرماں روا نہیں تھا۔ مرحوم کے بھائی امیر محمد نے اپنے پیدائشی استحقاق سے علانیہ دست برداری دیدی تھی اور اپنی نالایقی تسلیم کر لی تھی لیکن اس کی دست برداری سے اس کی اولاد کے حقوق تلف نہیں ہو سکتے تھے۔

۲۔ اصولاً یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ بیشک یہ خیال درست تھا کہ امیر محمد خاں کی دست برداری سے اس کی اولاد کے حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا لیکن کیا یہ قاعدہ غوث محمد خاں کی اولاد کے حقوق پر اطلاق نہیں کرتا ہے، جو اپنی مسلمہ نالایقی کی وجہ سے مثل امیر محمد خاں کے علٰحدہ ہو گیا تھا۔ لیکن

۴۲۴ غوث محمد یا اُس کے بیٹوں کا نام نہیں آیا جن کا وسیلہ معاش وہ جاگیر ہے جو اُن کے گذارے کے واسطے بھوپال میں دیدی گئی ہے اور انھوں نے کبھی اپنے حقوق فرماں روائی نہیں پیش کیے۔ لیکن یہ بات بھی قابل تذکرہ ہے کہ وزیر محمد خاں کے خاندان کا نمایندہ اگرچہ ریاست بھوپال کی نوابی کے اختیارات اور نام کا مستحق سمجھا جاتا ہے لیکن بھوپال کے باشندے اب تک غوث محمد کو نواب کہتے ہیں۔

جیساکہ بیشتر بیان کر دیا گیا ہے کہ بھوپال کے مرزائی خیل پٹھانوں میں چند عجیب و غریب دستور ہیں جو ان کی سوسائٹی کے قوانین اور عادات وخصائل کو برقرار رکھنے کی غرض سے باہمی رضامندی سے قائم ہو گئے ہیں جس طرح کہ وہ افغانستان میں موجود ہیں۔ حکومت کی اس شکل سے جس میں کہ بزرگ خاندان حاکم ہوتا ہے ان کو اپنے حکمران کے انتخاب میں قدرے استحقاق حاصل ہے لیکن ان کی خاندانی ریاست کے معاملات میں اس فرماں روا کو دست اندازی کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس جماعت کے کیرکٹر اور عادات وخصائل کی طرف ۴۲۵ بھی ہم کو توجہ کرنا ضروری ہے۔ ان لوگوں نے سلطنت برطانیہ سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حکومت برطانیہ نے صرف وزیر محمد خاں کے خاندان سے معاہدہ اور قول و قرار کیا ہے جو بھوپال کے حکمراں تسلیم کیے گئے ہیں اور کسی خیال یا حکمت عملی کی رو سے ایک ایسے خاندان کے منسوخ حقوق کی حمایت نہیں کی جا سکتی ہے جس کے ہاتھ سے مدت دراز ہوئی کہ حکمرانی نکل گئی ہے لیکن اس کے رشتہ داروں اور اہل وطن کی تائید کی بدولت اُسے نواب کا خطاب اور گذارے کے لیے جاگیر مل گئی ہے۔ لے۔ اس معاملے میں افغانوں اور دیگر قوموں کے حقوق رواج پر منحصر ہیں۔ انھیں حکمران خاندان کے کسی ایک فرد کو منتخب کر لینا چاہیے اور اس بدامنی اور مسلسل جنگ وجدال کے زمانے میں امن عامہ برقرار رکھنے کی غرض سے مرزائی خیل کے رؤسا نے ہمیشہ پشتینی وراثت کی پابندی کی ہے۔

جو منافع اٹھائے ہیں اُن کی وجہ سے یہ لوگ برطانیہ کے بے حد ممنون احسان ہیں اور اس سے بیحد خوش اور رضامند ہیں لیکن وہ اپنے رسم و رواج میں کسی قسم کی دست اندازی کو نہ صرف ناپسند کرتے ہیں بلکہ وہ ان رسوم کی طرف سے چشم پوشی کیے جانے کے متمنی رہتے ہیں وہ اس درجہ مفسد اور شریرالنفس ہیں کہ ان کے ساتھ معاملات کرنے میں ہمیں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ لیکن وہ اس تپاک اور نوازش کے مستحق ہیں جو اس وقت تک ان کے ساتھ کی گئی ہے کیونکہ عمدہ نظم و نسق رہنے کی صورت میں بھوپال کو وسط ہند میں بڑی قوت حاصل رہے گی جیسی کہ اسے اب میسر ہے۔

دسواں باب

پنڈاریوں کا عروج ترقی اور خاتمہ

پنڈاریوں نے اس مختصر زمانے میں جب کہ وہ ہندوستان کے امن و امان کے نہایت خوفناک دشمن تھے وسط ہند میں اگرچہ مستقل طور پر قیام نہیں کیا لیکن انھوں نے اسے اپنا وطن یا مستقر بنایا تھا اس لئے انھیں وسط ہند کی تاریخ سے خارج نہیں کر سکتے۔ ان لیٹروں کی بنا، کیرکٹر اور نظام ترکیبی کے متعلق چند خیالات اور ان کے چند مشہور و معروف سرداروں کی سوانح عمری کے مختصر سے خاکے سے مضمون کا یہ حصہ پورے طور پر بیان ہو جائے گا۔ تاریخ ہند میں لفظ پنڈاری اول مرتبہ ۱۶۸۹ء[1] میں آیا ہے لیکن گزشتہ چند سال سے اس قوم یا اس جماعت نے اہمیت حاصل کی ہے اور اس کی طرف توجہ کی گئی ہے

[1] بیان کیا گیا ہے کہ اورنگ زیب کے اخیر دور حکومت میں پونیا پنڈاری مرہٹہ لیٹروں کی معاونتی فوج میں تھا (تاریخ فرشتہ مترجمہ اسکاٹ جلد ۲ صفحہ ۱۲۱)۔

انھوں نے گمنام ڈاکوؤں کی حیثیت سے ترقی کر کے اس قدر اہمیت حاصل کرلی کہ
مختلف مرہٹہ حکمرانوں نے معاونتی فوج کے لیئے انھیں نہایت کارآمد تصور
کرلیا جن کی نبرد آزمائی کا غیر منظم طریقہ پنڈاریوں کی لوٹ مار کے حصول کے لئے
نہایت موزوں تھا۔ گاہے ماہے اراضیات عطا کر کے یا سچ پوچھیئے تو ان علاقوں
۴۲۷
پر ان کا قبضہ رہنے کے حق کو صرف زبانی تسلیم کر کے جو انھوں نے غصب کر لیے
تھے اور مرہٹہ فوج کو جس قدر لوٹ مار کی اجازت تھی اس سے زیادہ لوٹ مار
کرنے کی ان کے ساتھ رعایت کر کے اُن کی امداد خریدی گئی۔ اور اس نظام
کے تحت انھوں نے ایک مستقل شکل اختیار کرلی۔ ان کے سرداروں نے
ناموری حاصل کی اور اپنے حمایتیوں سے خدمت لینے کا انھیں موروثی حق حاصل
ہوگیا جو ان کی اولاد پر منتقل ہوتا گیا۔ مختلف فرقوں میں یکجائی اتحاد قایم ہوگیا اور اس
غدار قوم میں مشترکہ ارادہ و نیت سے مشترکہ اغراض پیدا ہوگئیں۔

پنڈاریوں کو ابتدائی مرہٹوں سے نسبت دی جاتی ہے لیکن اگرچہ دونوں
کے عادات و خصائل اور کیرکٹر یکساں تھے لیکن ان دونوں کی حالت میں بہت کچھ
اختلاف تھا۔ سیواجی اور اُس کے جانشینوں کے وابستگان میں مذہبی رسم ورواج
اور بھائی بندی کے رشتوں سے اتحاد قایم ہوا اور جوش ہمدردی پیدا ہوا تھا۔
وہ ایک ہی فرقے اور ایک ہی صوبے کے تھے وہ کسی جنگی سردار کی ہوسناکی یا محض
لوٹ مار کی الفت کی وجہ سے دوڑ کر نہیں آئے تھے بلکہ اُن کے دل میں اپنی مادر وطن
اور اپنے آباو اجداد کے مذہب کی محبت تھی اور اس لیے اُن کے اغراض جائز
او مستقل تھے۔ وہ اپنے فرمانرواؤں کے ناقابل برداشت ظلموں سے سخت بیزار
ہوگئے تھے جنھوں نے اُن کو ستایا تھا۔ ان وجوہ سے اگرچہ اُن کی تعداد کی
بیشی میں موافقت پیدا ہوسکتی تھی مگر ان وجوہ نے ان کے اغراض اور اعمال میں
یک جہتی اور اتحاد پیدا کر دیا جو پنڈاریوں میں مفقود تھا۔ پنڈاریوں کی تعداد
۴۲۸
کی فراوانی میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ اگرچہ ان میں نااتفاقی تھی اور صرف
کسی مشترکہ غرض کے وجود ہی سے اُن میں اتحاد و اتفاق پیدا ہوجانے کا امکان
تھا اور ان کی ترتیب میں بیحد وسعت تھی۔ لیکن وہ اپنی قوم کے آوارہ گرد اور بیکار

لوگوں کو اپنی جانب رجوع کرنے کے لیے مرکز کا کام دیتے تھے۔ اس وجہ سے
ہر وقت ان کی اتنی بڑی تعداد موجود رہتی تھی کہ قابل اور مشہور سردار اس کو اپنی
ذاتی عظمت حاصل کرنے یا دوسروں کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کر سکتے تھے۔

پنڈاری جب کسی زرخیز ملک میں پہنچتے، تو تاتاریوں کی طرح جن سے
انھیں نسبت دی جاتی ہے، وہ نہ تو وہاں پر سکونت اختیار کرنے کی اور نہ
آرام پانے کی خواہش کرتے اور نہ اس کے وسائل انھیں میسر تھے وہ ٹڈی دل
کی طرح اپنی فطرت کے اقتضا سے اس علاقے کو تباہ اور پامال کر ڈالتے جس میں
وہ پہنچ جاتے تھے۔ ان کے سرداروں کو چند املاک بطور جاگیر کے مل گئی تھیں یا
انھوں نے غصب کر لی تھیں لیکن ان کی املاک کی آمدنی ان کی تعداد کے دسویں
حصے کے گذارے کے لائق بھی نہ تھی اس لئے وہ صرف لوٹ مار پر گذر کر سکتے تھے۔
گذشتہ ۲۰ سال میں جو وسط ہند میں ان کے قیام کا زمانہ ہے ان کی تعداد کا اندازہ
کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان میں ہر قسم کے ۲۰-۳۰ ہزار سوار شامل تھے لیکن ایک ایسی جماعت کا
صحیح تخمینہ لگانا قطعی ناممکن ہے جس کی تعداد ہمیشہ مختلف ہوتی رہتی ہے اور جو ناکامی
سے گھٹ جاتی اور کامیابی سے بڑھ جاتی ہے۔ جو عادات و خصائل اور حالت
کی یکسانیت کی بدولت ہر ایسے سردار سے جا ملتے ہیں جو کسی فرماں روا کے یہاں
ملازم رہ چکا ہے لیکن اس فرماں روا کی کمزوری یا ظلم کو دیکھ کر وہ اس کی اطاعت سے سرکشی
اختیار کرنا چاہتا ہے اور وہ ڈاکو بن جانے کا خواہاں ہے۔ اور یہ بھی مدنظر رہے
کہ پنڈاریوں کا گذارہ ان مصیبتوں پر تھا جو خود انھوں نے پیدا کر دی تھیں کیونکہ
ان کی لوٹ مار کے حملوں کی توسیع سے جائداد غیر محفوظ ہو گئی تھی اور ان کی لوٹ
کھسوٹ سے جو لوگ تباہ ہو گئے تھے انھوں نے مجبور و معذور ہو کر ظلم و ستم ڈھانے
پر کمر باندھ لی چونکہ اب ان کے لیے معاش کا صرف یہی ایک ذریعہ باقی رہ گیا تھا۔
وہ بھی اس لہر میں جا ملے جس کا مقابلہ وہ نہیں کر سکتے تھے اور دوسروں کو لوٹ کر
انھوں نے اپنے نقصانات کی تلافی کر لی۔ ان حالات کے باعث پنڈاریوں کی
تعداد کے متعلق سب تخمینے غلط ہو جاتے ہیں اور یہ لوگ ہندوستان کی جنگلی آبادی
کے آوارہ گرد حصے سے اس طرح مل گئے تھے کہ وہ ایک نظام نہ کہ کوئی خاص قوت

بن گئے تھے جسے شکست کرنا مطلوب تھا۔

پنڈاریوں کے لوٹ مار کے حملوں کی مدافعت کا انتظام یا اُن کے سرداروں پر معمولی حملے کرنا یہ دونوں تدبیریں اس خرابی کے انسداد کے لیے یکساں بے سود اور بے اثر ثابت ہوئیں کیونکہ جب شیس ناگ کا ایک سر کچل دیا جاتا تو اس کے دوسرا سر اور پیدا ہو جاتا تھا اور جن حکومتوں نے اُن کو دبانے کی کوشش کی اُن کے وسائل ایک ایسے دشمن کے مقابلے کے لئے فضول ضائع کیے گئے جن کو اپنی کامیابی سے ہر بات کی توقع تھی اور شکست کھانے پر اُن کی حالت چنداں مخدوش نہ ہوتی تھی۔ اس بات کو سمجھنے کے واسطے ہم ان لٹیروں کے طرز جنگ کو بیان کرتے ہیں جب وہ کسی حملے پر روانہ ہوتے تھے تو وہ کسی ایک یا چند چیدہ سرداروں کے ماتحت بن جاتے تھے جنھیں لبیریا[1] کہتے تھے جو اس ملک کی بابت اپنی معلومات کے باعث منتخب ہوتے تھے جس پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تھا پنڈاریوں کے پاس خیمے یا اور کچھ سامان سفر نہیں ہوتا تھا۔ ہر ایک سوار اپنے کھانے کے لئے چند روٹیاں اور اپنے گھوڑے کے لئے تھوڑا سا دانہ اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ جماعت جس میں عموماً ۲ یا ۳ ہزار شہسوار اور اسی نسبت سے ان کے ہمراہی ہوتے تھے۔ وہ ۴۰ یا ۵۰ میل روزانہ کے حساب سے نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوتی اور کوئی سوار دائیں بائیں مڑ کر نہ دیکھتا تھا کہ وہ منزل مقصود پر جا پہنچتے تھے اور پھر ٹولیوں میں تقسیم ہو کر مویشیوں اور مال و اسباب کا صفایا کرتے جو ان کے ہاتھ آجاتا اور اسی دوران میں نہایت خوفناک مظالم کرتے اور جس چیز کو وہ اپنے ساتھ نہ لے جا سکتے اُسے تباہ و برباد کر ڈالتے تھے۔ وہ چپکے سے اچانک حملہ کر دیتے تھے تاکہ اس شہر کی سرحد کی محافظ سپاہ کی

۴۳۰

---

[1] میجر ہنلے کی قلمی یادداشت کے بموجب ہر ایک حملے میں صرف لبیریا ہی منتخب نہیں ہوتے تھے بلکہ اُن کا رتبہ وڈا یا پنڈاری کیمپ میں ہراول یا راجپوتوں کی اول صف کے سردار سے مشابہت رکھتا تھا۔ جب کسی حملے کا تہیہ کر لیا جاتا تو لبیریا کا مع اپنے جھنڈے کے چلنا کوچ کی علامت ہوتی تھی۔ یہ لوگ ہمیشہ اپنی ذہانت اور مستعدی کے لئے مشہور تھے۔

گرفت سے بچے رہیں جس پر کہ انھوں نے حملہ کیا ہے۔ اپنے خلاف کسی فوج کی آمد سے پیشتر ہی وہ واپس چلے جاتے تھے۔ انھیں خاص قوت یہ حاصل تھی کہ وہ کسی کی ۴۳۱
گرفت میں نہیں آسکتے تھے اگر ان کا تعاقب کیا جاتا تو وہ نہایت طویل کوچ کرتے (بعض وقت ۶۰ میل سے بھی زیادہ) اور ایسے راستوں سے جاتے جن پر کسی باقاعدہ فوج کا سفر کرنا قطعی ناممکن ہے۔ اگر تعاقب کرنے والے اُن تک جا پہنچتے تو وہ منتشر ہو جاتے اور کسی ایک مقررہ مقام پر پھر آکر جمع ہو جاتے تھے اور اگر اس شہر تک اُن کا پیچھا کیا جاتا جہاں سے وہ روانہ ہوتے تھے تو پھر وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم ہو جاتے تھے۔ اُن کی دولت۔ مال غنیمت اور اہل وعیال ایک نہایت وسیع علاقے میں پھیلے ہوئے تھے جس میں کہ انھیں پناہ ملتی تھی اور یہ مقامات پہاڑوں یا قلعہ جات ہیں تھے جن کے یا تو وہ خود مالک تھے یا وہ مقامات اُن رؤسا کی ملکیت تھے جن کے ساتھ اُن کے خفیہ یا علانیہ تعلقات قائم تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اُن پر حملہ ہو سکتا ہو اور کسی ایک جماعت کی شکست یا اُن کی ایک چھاؤنی کی بربادی یا اُن کی چند گڈھیوں پر عارضی قبضہ کر لینا ایک ڈاکو کو نیست و نابود کر دینے سے زیادہ کچھ اثر نہ کرتا تھا۔ جس کی جگہ اس سے زیادہ نڈر اور من چلا ڈاکو پر کر دیتا تھا۔

پنڈاری جو کمزور اور قریب الختم ریاستوں کی خرابیوں کی بدولت جانور کے سڑے ہوئے گوشت کی مانند پیدا ہو گئے تھے، خوش قسمتی سے اُن میں کوئی رشتۂ اتحاد موجود نہ تھا جو مصیبت کے وقت ان لوگوں کو مربوط اور متحد کر دیتا۔ ان کے یہاں نہ تو کوئی مذہبی تعلق تھا اور نہ قومی خیالات تھے اُن میں ہر ایک ملک اور ہر مذہب کے لوگ شامل تھے۔ وہ کسی مایوسی اور مصیبت کے باعث مجتمع نہیں ہوتے تھے بلکہ ہندوستان کی اصلی حالت کو دیکھ کر انھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس وقت ڈاکو جیسی زندگی بسر کرنے میں خطرہ کم اور نفع زیادہ ہے۔ اس قسم کی جماعت البتہ اُس وقت ہیبت ناک متصور ہو سکتی تھی جب کہ وہ کسی ۴۳۲
مضطرب جماعت کا جزو سمجھی جاتی جس کے ہر ایک شعبے سے اُن کا تعلق ہوتا۔ انھوں نے اس وجہ سے بہت اہمیت حاصل کر لی تھی کہ ان کی مثال ہلک

متعدی بیماری جیسی تھی اور اس بات کا بھی امکان تھا کہ وسط ہند میں جو تھوڑی بہت حکومت باقی رہ گئی یہ لوگ بہت جلد اس پر بھی فتح یاب ہو جائیں گے اور ان کی جماعت میں وسط ہند کی جنگی آبادی شامل ہو کر اس کی تعداد کو نہایت عظیم الشان بنادیگی۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ پنڈاریوں کو مرہٹے لائے جو وسط ہند میں آباد ہو گئے۔ غازی الدین[1] ایک شخص تھا جو باجی راؤ اول کے یہاں ملازم تھا اور جب وہ بمقام اجین ایک فوجی دستے میں نوکر تھا اس وقت اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے دو فرزند گردی خاں اور شہباز خاں چھوڑے۔ بڑا بیٹا اگرچہ صرف ۱۶ برس کا تھا لیکن وہ باپ کا جانشین ہوا اور ایک جماعت کا کمان دار ہو گیا جو لوٹ مار کی مہم پر روانہ کی گئی تھی۔ ملہار راؤ ان لوگوں کی کامیابیوں سے اس درجہ خوش ہوا کہ اس نے اس جماعت کے سردار کو ایک زرین جھنڈا[2] عطا فرمایا جس کی بدولت اس نے اپنے ہمراہیوں کی تعداد میں اضافہ کر لیا۔

یہ بات خصوصیت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ اس کے آدمی دوسری فوج سے بالکل علحدہ خیمہ زن ہوتے تھے اور بڑے شاطر ڈاکو تھے۔ اگرچہ اپنے قبیلے کے نام سے وہ تورانی کہلاتا تھا (اور یہ فرقے والے اب بھی معزز شخص کو تورانی کہتے ہیں) اس شخص کے ہمراہی مجموعی طور پر پنڈاری[3] کہلاتے تھے۔ ملہار راؤ نے جب ۴۳۳

---

[1] کپتان ٹاڈ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شخص باجی راؤ کے یہاں سوار سپاہی تھا۔ یہ شخص چیکن کا بیٹا تھا جو سیواجی کے یہاں بیلداروں کا جمعدار تھا اور چیکن کا باپ نرسو بھی اسی عہدے پر مامور رہا تھا وہ تورانی قبیلے سے تھا۔

[2] اس جھنڈے کو زرین یا طلائی کہتے ہیں اس اعزاز کی وجہ سے پنڈاریوں کو مرہٹہ کمپ میں خاص وقعت حاصل ہو گئی تھی اور اس کی بدولت یہ غلط خیال پیدا ہو گیا کہ ملہار راؤ ہلکر نے سواروں کی اس جماعت کو اولاً داخل کیا تھا۔

[3] لفظ پنڈاری کی اصلیت کے متعلق بہت سے مختلف قیاسات کیے گئے ہیں۔ مقامی باشندوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ ان کا نام شراب نوشی کی عادت کی وجہ سے پنڈاری مشہور ہوا کیونکہ یہ لوگ اکثر شراب فروخت کرنے والے کی دکان پر جو پنڈ

ہندوستان پر حملہ کیا تو گردی خاں اس کے ساتھ گیا اور مدت العمر اسی رئیس کے پاس رہا۔ جن قزاقوں کا وہ سپہ دار تھا ان کے کارنامے مرہٹوں کی کارگذاریوں میں شامل ہیں جن کے ساتھ وہ شریک تھے۔ لیکن غالباً ان قزاقوں کے مظالم مرہٹوں کے ظلم وستم سے بھی زیادہ تھے۔ کیونکہ لوٹ مار ہی ان کی بسر اوقات کا وسیلہ تھا۔

ان غارت گر فاتحین کا مقصد نہایت بے دردی کے ساتھ غیر محفوظ صوبوں کو تباہ کرنا تھا اور پنڈاریوں سے ان صوبوں کو تباہ کرنے کا کام لیا جاتا تھا۔ پنڈاری دیگر افواج کے آگے روانہ کر دیے جاتے تھے، چونکہ ان کا کام جنگ کرنا نہیں تھا بلکہ لوٹ مار کی خدمت ان کے سپرد تھی۔ پنڈاریوں نے ایک بہادر جماعت کی حیثیت سے کبھی ناموری نہیں حاصل کی اور نہ ان کے مظالم کی تاریخ میں ہمدردی اور فیاضی کی وہ مثالیں پائی جاتی ہیں جو اکثر خونخوار قزاقوں کی داستان میں شامل ہوتی ہیں۔ چونکہ وہ مرہٹوں کے ھنتر ہونے کی حیثیت سے نہایت ذلیل اور حقیر سمجھے جاتے تھے اس لئے ابتدا ہی سے ان کے عادات اور ان کے کیرکٹر نے ایسی شکل اختیار کی تھی جو اس کام کے لئے نہایت موزوں تھا جو انھیں انجام دینا ہوتا تھا بیشک ان کے سرداروں اور بہت سے ہمراہیوں میں اولوالعزمی اور دلیری کے اوصاف اکثر پائے جاتے تھے لیکن فتح اور شکست کے موقع پر ان میں سے کسی شخص نے بھی اپنی کوئی شریفانہ خصلت نہیں ظاہر کی۔ یہ بات نہایت حیرت انگیز ہے کہ ان لٹیروں میں سے کبھی کسی فرد نے بھی ناموری حاصل کرنے کا استحقاق نہیں پیدا کیا البتہ سب نے جہالت۔ رذالت سفاکی اور شقاوت قلبی میں ضرور حصہ لیا اور بحیثیت ایک جماعت کے یہ لوگ اپنے

۴۳۴

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہلاتی تھی پڑے رہتے تھے۔ کریم نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے تو اس نام کی کوئی اور وجہ کبھی نہیں سنی ہے" اور میجر ہنلے کا بیان ہے کہ میں نے نہایت سمجھدار پنڈاریوں سے دریافت کیا تو انھوں نے بھی ایسی روایت کی تصدیق کی"

لہ۔ کریم خاں کی جانب سے ایک مسن سمجھدار پنڈاری میرے پاس آیا تھا جب میں نے اس سے سوال کیا کہ تم لوگوں میں کوئی وصف نہ ہونے کی کیا وجہ ہے تو اس نے

انھی اوصاف کے لئے مشہور تھے۔ ایک ایسی قوم کی داستان سے سوائے ان باتوں کے اور توقع ہی کیا کی جاسکتی ہے۔ گردی خان اپنا کمپ یا ڈیرا اپنے فرزند لعل محمد کے لئے چھوڑ گیا۔ لعل محمد کا جانشین اس کا بیٹا امام بخش ہوا۔ اس سردار کی حکومت اس کی خواہش کے بموجب اُس کے خاندان میں نہیں رہی کیونکہ بہت سے عہدہ داروں نے اپنی آزادانہ کمان قایم کرلی۔ لعل محمد کے متعلق بہت کم بیان کیا گیا ہے اور امام بخش جو آج کل بھوپال میں قید ہے اگرچہ اہلیہ بائی نے اُسے ایک گاؤں عطا کر دیا تھا لیکن وہ کوئی مشہور سردار نہ تھا۔ البتہ قادر بخش ایک جاہل اور بہادر شخص تھا وہ ہلکر کے یہاں ملازم تھا اور وہ پچھلے دنوں میں اس فرقے کا خاص سردار تھا اس کی زندگی کے کارناموں میں ایک پنڈاری کے معمولی واقعات سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ گذشتہ[1] جنگ کے اختتام پر اس نے اطاعت قبول کرلی اور اُس نے اب ہندوستان کے ضلع گورکھپور میں سکونت اختیار کرلی ہے اور وہ حکومت برطانیہ کی فیاضی پر بسر اوقات کرتا ہے۔ گذشتہ لوٹ مار کے واقعات میں جو پنڈاری دربار ہلکر کے یہاں ملازم رہے تھے ان میں سے قادر بخش کے ہم پلہ ٹکو خاں اور بہادر خاں دو پنڈاری سردار تھے۔ وہ خود حاضر ہوگئے اور انھیں تھوڑی سی اراضیات دے دی گئی ہیں جو ان کی کاشت میں ہیں۔

مرقومۂ بالا پنڈاری سرداروں کے ہمراہیوں کی تعداد ۳-۴ ہزار سے زیادہ نہ تھی لیکن وہ آخر تک اس خاندان کے مطیع اور فرماں بردار رہے جس کے یہاں وہ ملازم تھے اور اس وجہ سے وہ ہلکر شاہی کے نام سے موسوم تھے۔

۴۳۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مختصر اور دانشمندانہ یہ جواب دیا کہ اعلیٰ اوصاف اور نیک خصائل ہمارے پیشے کے لئے موزوں نہ تھے اور اگر ہمارے آدمیوں میں سے کسی شخص میں اس قسم کی خوبیاں موجود ہوتیں تو اس کا اول نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ ہماری جماعت سے ہمارے آدمیوں کو نکل جانے کی ہدایت کرتا۔"

[1] جب یہ شخص از خود میرے روبرو حاضر ہوا تو اس کے طرز عمل اور گفتگو سے بمشکل اس بات کا یقین آیا کہ یہ وہی شخص ہے جس کی بابت مجھ سے کہا گیا تھا کہ اس میں خاص صفت صرف بہادری تھی۔

۴۳۶

ملہار راؤ اور تکاجی ہلکر کے زمانے میں پنڈاری جب مرہٹوں کے کسی علاقے میں پہنچتے تھے تو وہ علیحدہ خیمہ زن ہوتے تھے اور انھیں لوٹ مار کی اجازت نہیں دی جاتی تھی ایسی صورت میں انھیں ۲ روپیہ فی کس کے حساب سے الاؤنس دیا جاتا تھا اس کے علاوہ اُن کی بسر اوقات کا ایک ذریعہ یہ تھا کہ وہ اپنے ٹٹوؤں اور بیلوں سے غلہ۔ چارہ اور لکڑی لاد کر لے جانے کا کام لیتے تھے کیونکہ ان اشیاء کے لئے پنڈاری بازار بڑا دساور تھا۔ جب غنیم کے ملک میں داخل ہونے سے چند روز پیشتر انھیں لوٹ مار کی اجازت دے دی جاتی تھی تو اُن کا الاؤنس بند کر دیا جاتا تھا اور اس حملے کے اختتام سے پیشتر ان لٹیروں کی کچھ روک ٹوک نہیں کی جاتی تھی اور پھر مرہٹہ کمان دار اگر طاقتور ہوتا تو عموماً وہ پنڈاری سرداروں کو گرفتار کر لیتا یا ان کے کمپ کا محاصرہ کر لیتا تھا اور مال غنیمت کا بیشتر حصہ ان سے چھین لیتا تھا۔ اس طرز عمل سے واقف ہو کر پنڈاری سرداروں نے اپنے جور و ستم کو دو چند کر دیا تھا تاکہ وہ بغیر تباہی کے اپنے آقاؤں کی اس متوقع لوٹ کھسوٹ کو برداشت کر سکیں۔

جسونت راؤ ہلکر کے مجنون ہو جانے کے زمانے تک جو پنڈاری سردار اس ریاست میں ملازم تھے وہ اپنی مناسب حیثیت پر برقرار رہے۔ وہ بڑے بڑے گروہوں کے کمان دار تھے لیکن راجہ کے سامنے انھیں بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ جسونت راؤ نے جب محاربۂ پنجاب سے قبل دولت راؤ سندھیا سے ملاقات کی تو جسونت راؤ نے اسے بہت پھٹکارا کہ اُس نے پنڈاری سرداروں کی بہت حوصلہ افزائی کی ہے۔ آپ اُن سے خود بات چیت کرتے ہیں اور آپ نے انھیں خطابات اور جاگیرات عطا کی ہیں حالانکہ وہ اس قسم کے اعزاز کے ہرگز مستحق نہ تھے۔ جسونت راؤ پنڈاریوں کی ترقی کے خطرے سے بخوبی واقف تھا۔ اُس نے ان کا یک قلم استیصال کرنے کی ایک تجویز سوچی تھی لیکن اُس کے پاگل ہو جانے کے بعد منا بائی اور دیگر لوگوں نے جو اس کی ریاست کے دعویدار ہوئے پنڈاریوں کی قوت بڑھانے کے لئے ہر طرح پر کوشش کی اس لئے ہلکر شاہی پنڈاریوں کے سرداروں کی وقعت قایم ہو گئی اور نہ صرف ان کی تعظیم

۴۳۷

وتکریم ہوتی تھی بلکہ ان کے اور ان کے ہمراہیوں کے گذارے کے واسطے جاگیرات عطا کی گئیں۔

یہ بات بیان کر دی گئی ہے کہ غازی الدین پنڈاری سردار نے جب اس کا
اجین میں انتقال ہوا تھا دو فرزند چھوڑے تھے اُس کا بڑا بیٹا ملہار راؤ ہلکر
کے یہاں رہا۔ چھوٹا لڑکا شہباز خاں[۱] اپنے باپ کے انتقال کے وقت
شیر خوار بچہ تھا۔ جب وہ بڑا ہو گیا تو اُس نے رانوجی سندھیا کے یہاں نوکری
کر لی جس کی نوازشات نے شہباز خاں کو کمان دار بنا دیا! ابتدا ہی سے اُس کی
فوج پنڈاریوں کی تھی۔ شہباز خاں رانوجی کے ساتھ ہندوستان گیا اور وہ
ریاست جے پور میں بمقام ٹونک ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اُس نے ہیرا اور برلن
دو لڑکے چھوڑے تھے اور ان دونوں نے مادھوجی سندھیا کی فوج میں بحیثیت
پنڈاری سردار ناموری حاصل کی۔ اس فوج کے ہمراہ وہ ہندوستان گئے تھے۔ ۴۳۸
وہ بیرسیہ[۲] کے قریب مع ۵ ہزار ہمراہیوں کے خیمہ زن ہوئے اور انھوں نے
ریاست بھوپال کی خدمت میں اپنی خدمات پیش کیں۔ تاکہ نواب بھوپال کی
اجازت لے کر وہ ریاست ناگپور کے علاقوں کا صفایا کر دیں جس سے سنہ ۱۷۹۰ء
ریاست بھوپال کی لڑائی تھی۔ یہ واقعہ چھوٹا خاں کے انتقال کے بعد ہی پیش آیا
تھا جب کہ راجا ہمت راؤ برائے نام دیوان ریاست تھا۔ ان لیڈروں کی یہ
درخواست بنظر احتیاط (جو سندھیا کے حمایتی خیال کئے جاتے تھے) منظور نہ کی گئی
اور وہ ناگپور چلے گئے جہاں پر رگھوجی بھونسلا نے ان کی بڑی خاطر داری کی
اور اس راجا نے انھیں پہلا حکم یہ دیا کہ وہ ریاست بھوپال کو تاخت و تاراج کر ڈالیں
جو اس وقت نہایت خوش حال تھی۔ پنڈاریوں نے اس خدمت کو نہایت خوبی
کے ساتھ انجام دیا۔ انھوں نے ریاست کو اس قدر زبردست نقصان پہنچایا
کہ یہ ریاست ابھی تک نہیں پنپنے پائی ہے۔ جن لوگوں کو پنڈاریوں کی ظالمانہ
سفاکیوں سے نقصان پہنچا ان کے لئے یہ بات کسی قدر تسلی کے لائق ہے کہ

۱۔ وہ پونا کے قریب اپنے وطن موضع مزگاؤں میں رہتا تھا۔
۲۔ خیالی رام (جو اب میرے یہاں ملازم ہے) اس وقت بیرسیہ کا مہتمم تھا۔

پنڈاریوں کے حاصل کیے ہوئے مال غنیمت کی بابت نہایت مبالغہ آمیز
۴۳۹ خبریں سن کر راجہ کی حرص و طمع اس قدر بڑھ گئی کہ جب پنڈاری راجا کے مستقر پر
واپس آ گئے تو اُس نے پنڈاریوں کے خیمے کا محاصرہ کر کے نہ صرف اسے لوٹ لیا
بلکہ اُس نے پنڈاری سردار برن کو گرفتار کر لیا جو بعد میں قید خانے میں مر گیا۔
اُس کا بھائی ہیرا دولت راؤ سندھیا کے پاس پونا بھاگ گیا اور اس کے بعد ہی
اس نے بھی بمقام برہان پور وفات پائی۔

دوست محمد اور واصل محمد اپنے باپ ہیرا کے پڑاؤ کے وارث بنے جو اپنے آپ
کو دولت راؤ سندھیا کے معلنہ پیرووں میں شمار کرتے تھے جس کے وہ عموماً اطاعت گزار
تھے مگر کبھی کبھی سرتابی سے بھی کام لیا کرتے۔ ان کی روش پنڈاری سرداروں کے عام
انقلابات کے اثر سے خالی نہ تھی۔ اُن کا پڑاؤ مالوے کے شرقی علاقے میں ہوتا تھا چند سال
ہوئے کہ دوست محمد کا انتقال ہو گیا اور سارے ڈیرے کی کمان واصل محمد خاں کے ہاتھ میں
آ گئی جس نے لٹیروں کی اُن جماعتوں کی راہنمائی کی جنھوں نے برطانی علاقوں میں چھاپے مارے اس وجہ سے
حکومت برطانیہ ان سے ناراض ہو گئی جب ۱۸۱۷ء و ۱۸۱۸ء کے حملے میں پنڈاریوں کو شکست دی گئی
اور وہ منتشر کیے گئے تھے اس زمانے میں واصل محمد خاں کچھ عرصے تک مفرور رہا
اور پھر گوالیار جا پہنچا جہاں پر اُسے یہ امید تھی کہ دولت راؤ سندھیا اب بھی
اُسے پناہ دے گا گرچہ وہ چھپا رہا لیکن برطانی نمایندے نے نہایت ہوشیاری
سے اس کا پتا لگا لیا اور اس قدر استقلال کے ساتھ اُس کی گرفتاری کا مطالبہ[1]
پیش کیا جو نہیں ٹالا جا سکتا تھا اور اگرچہ سندھیا کو اپنے وعدوں کے ایفا کرنے
۴۴۰ اور اپنی عزت کے خیال سے کسی قدر پس و پیش ہوا لیکن آخر کار وہ صادق القول رہا۔
اُس نے پنڈاری سردار ہمارے حوالے کر دیئے۔ واصل محمد خاں غازی پور
بھیج دیا گیا۔ جہاں پر مجسٹریٹ نے اُس کے ساتھ کریمانہ سلوک کیا اور حکومت
برطانیہ نے فیاضانہ پالسی کے خیال سے اس کی تقصیرات معاف کر دینے کی رائے
قایم کی اور اپنے ممالک محروسہ میں دیگر مجرمان کی طرح اس کے گذارے کا

---

[1] کپتان جے۔ اسٹواٹ منصرم رزیڈنٹ کا خط چیف سکریٹری کے نام سے بتاریخ ۱۵ مئی ۱۸۱۸ء

بند و بست کر دیا لیکن اس کی حمیت نے قید اور ذلت کو گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ
اُس نے بھاگ جانے کی کوشش کی لیکن اُس کی تجویز معلوم[1] ہو گئی۔ اُس نے زہر
کھا لیا جو اُس نے تیار کیا تھا اور اُسی جگہ پر اُس کا خاتمہ ہو گیا۔
برن[2] کے قید ہو جانے پر اس کا لشکر دولہ جمعدار کو منتقل ہو گیا اس کے
انتقال پر اُس کا فرزند راجن برائے نام سردار بن گیا۔ مگر اصلی اختیارات ایک
بہادر سردار کو مل گئے جس نے اپنی جواں مردی اور اولوالعزمی سے کمان حاصل کر لی۔
اُس شخص کا نام چیتو خاں تھا۔ وہ دہلی کے قریب میوات کا باشندہ تھا۔ اولاً وہ
بطور غلام کے گرفتار ہوا تھا اور پھر دولہ خاں نے اُسے اپنا کنور یعنی بیٹا بنا لیا۔ اور
بہت سے انقلابات کے بعد اُس نے یہ رتبہ حاصل کر لیا کہ اپنے محسن کے فرزند
کے ساتھ اُس کے برتاؤ اور سلوک کی تعریف ہونے لگی اور جسے وہ ابھی تک لشکر کا ۴۴۱
سردار تصور کرتا تھا۔ لیکن چیتو نے اس معاملے اور کئی دیگر امور میں اپنی دانائی
اور فرزانگی ظاہر کی۔ اُس نے راجن کی طرف توجہ کر کے نہ صرف پنڈاریوں کو راضی
کر لیا کیونکہ وہ راجن کی موروثی عزت کرتے تھے بلکہ اس نے اس مشہور شخص سے
میل جول پیدا کر کے بہت فائدہ اٹھایا کیونکہ وہ صادق القول مشہور تھا اور
اُس کی یہ صداقت پنڈاریوں کے حق میں اکثر کارآمد ثابت ہوتی تھی۔

اس سے پیشتر یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ دولت راؤ سندھیا جب ۱۸۰۴ء میں
وسط ہند میں آ گیا تو سب پنڈاری اُس سے جا ملے اور سرجی راؤ کی سفارش سے
اُن کے سرداروں کو خطابات دے کر سرفراز کیا گیا۔ چیتو[3] کے خطابات اُس کی مہر پر
کندہ کر دیے گئے اس زمانے میں وہ اپنے فرقے میں نہایت قابل اور بہت طاقتور

۱۔ مراسلہ مسٹر برڈ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۸۱۹ء بنام چیف سکرٹری۔
۲۔ برن کے انتقال پر اُس کے بیٹے داؤد بخش کو کچھ اختیار نہیں ملا جو کریم کے ساتھ تھا۔ یہ
شخص اب بھوپال کے قریب ایک موضع میں چند بیگھے زمین کی کاشت کرتا ہے۔
۳۔ اس نے نواب محمد گند خاں ستقیم جنگ کا لقب اختیار کیا تھا لیکن وہ چیتو کے نام سے
مشہور رہا جو ہندوانی نام ہے۔ پنڈاریوں میں مختصر اور مشہور نام لینے کا رواج تھا۔

سمجھا جاتا تھا وہ اپنے دور کے ابتدائی زمانے میں کریم خاں کا بہت ممنون و شکر گذار
تھا جس کی جمعیت میں وہ نوکر رہا تھا۔ اور جب کریم خاں، دولت راؤ سندھیا کے
یہاں سے بھاگ گیا تو چیتو نے دیگر پنڈاریوں کے ہم خیال ہو کر کریم خاں کی
امداد کے واسطے اپنی ساری فوج جمع کر لی جو اپنی بدسلوکیوں کا انتقام لینا چاہتا
تھا۔ لیکن جب ان شہزور پنڈاریوں کے اتحاد سے سارا ہندوستان خوف زدہ

۴۴۲

ہو گیا تو عیار چیتو نے اپنے سابق کمان دار کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کے دشمنوں سے
جا ملا اور اس کی تباہی میں اس کے دشمنوں کی مدد کی اور اپنی اس چالاکی کی
بدولت پنڈاری لیڈروں میں بلا شرکت غیرے سب سے اعلےٰ رتبہ حاصل کر لیا۔

چیتو نے اپنا مسکن ناہموار پہاڑیوں اور سنسان جنگلوں کے درمیان
بنایا تھا جو دریائے نربدا کے شمالی کنارے اور کوہ بندھیاچل کے مابین واقع
ہیں۔ جس علاقے پر اس کا قبضہ تھا اس کے مشرق میں ریاست بھوپال اور مغرب میں
راجا باگلی کا علاقہ تھا۔ اس کی چھاؤنی ہندیا کے سامنے موضع نیماڑ کے قریب تھی
وہ خود وہاں یا ستواس میں رہتا تھا اس کے چھوٹے چھوٹے مقبوضات اونچی
پہاڑیوں پر تھے اور آخر میں اس نے امت واڑے کے پرگنہ تالین پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔
اپنی حکومت کے آخر زمانے میں یہ سردار اپنے مستقر سے زیادہ دور کبھی نہیں گیا لیکن
اس کے لشکر کی جماعتیں جس کی تعداد اندازاً ۱۲ ہزار سوار تھی ہر طرف دھاوے
کیا کرتی تھیں۔ وہ دولت راؤ سندھیا کی فرماں برداری کا دم بھرتا تھا لیکن
اس راجا کی ریاست اگرچہ عموماً محفوظ رہتی تھی لیکن اکے دکے حملوں سے وہ
بھی نہیں بچتی تھی۔ گوالیار سے کئی مرتبہ فوجیں چیتو اور دیگر پنڈاری سرداروں کے
مقابلے کے واسطے بھیجی گئی تھیں لیکن خود سندھیا کی بدنیتی یا ملازمان کی کمزوری،
فوجوں کی غداری یا باہمی رشک و عداوت کے باعث جو سندھیا کے نیم آزاد

۴۴۳

نمایندوں میں ہمیشہ موجود رہتی تھی یا ان سب وجوہ کے مل جانے سے کسی
مقابلے میں بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ان لٹیروں پر جین بپٹسٹ کے زیر کمان حملہ کرنے
سے کامیابی کی بہت کچھ توقعات کی گئی تھیں کیونکہ وہ خود نہایت بہادر اور
مستعد شخص تھا اور اس کی ماتحت فوج نہایت چاق چوبند تھی لیکن اس کی کوششوں

کا (اگرچہ اُس نے پنڈاریوں اور ان کے دوست جسونت راؤ بھاؤ کو شکست دیدی) صرف اس قدر نتیجہ نکلا کہ ایک معاہدہ طے ہوا جس کی رو سے پنڈاری سرداروں نے لوٹ مار سے احتراز کرنے کا اقرار کیا اور دولت راؤ سندھیا کی خدمت میں سواروں کی ایک جماعت پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ سندھیا نے پنڈاریوں کی بسر اوقات کے لئے چند اراضیات دینے کا اقرار کیا۔ سندھیا کو اس معاہدے کی توثیق کرنے میں بہت سی وجوہ سے پس وپیش ہوا از انجملہ ایک خاص وجہ یہ تھی کہ یورپین کماں دار نے نہایت دریادلی سے جن علاقوں کے دینے کا وعدہ کیا تھا ان میں سے اکثر علاقے اس کی ملکیت سے نہ تھے بلکہ وہ علاقے پیشوا کے یا پوار اور ہلکر کے تھے اور اگرچہ اُس نے کئی بار اُن کی حکومت اور ریاست پر قبضہ کرلیا تھا لیکن اکثر موقعوں پر اُس نے ظاہری تعلقات کو قائم رکھا تھا۔

تھوڑے ہی عرصے بعد اُس نے یہ رائے قایم کرلی کہ یا تو اُس معاہدے کو تسلیم کرلیا جائے جو میرے فوجی سپہ داروں نے طے کیا ہے یا پھر اپنی ریاست میں لوٹ مار ہونے کی اجازت دیدی جائے۔ چنانچہ مختلف سرداروں کو احکام یا سندات دیدیے گئے ان میں سے خاص سردار چیتو تھا۔ اُسے اپنی فوج کے گذارے کے لئے ۵ پرگنے ملے۔ اور یہ پہلا موقع تھا جب کہ وہ جائز حکمران تسلیم کیا گیا اور اس سے بہت جلد نہایت اہم تبدیلیاں وقوع میں آجائیں اگر یہ اور اس جیسے دیگر پنڈاری سردار کامیابی کے نشہ سے بدمست ہوکر رقیب ریاستوں کی سازشوں کے لئے معاون نہ بن جاتے جو اگرچہ ان قزاقوں کے جور وستم سے ڈرتی تھیں لیکن وہ اپنے دشمنوں کو دق کرنے کے لئے پنڈاری سرداروں کو اپنا آلۂ کار بنا لیتی تھیں لیکن ان کی ہمیشہ یہی پالیسی تھی ان پر کمان کرنے کے لئے ان میں تفرقہ اندازی کی ضرورت ہے

۴۴۴

لہ۔ بحوالۂ مراسلہ صاحب رزیڈنٹ متعینہ دربار سندھیا مورخہ ۲۰ ہر مئی ۱۸۱۵ء۔

ے۔ صفحہ ۱۳۶ پر ملاحظہ کیا ہوگا کہ دولت راؤ سندھیا نے مرہٹوں کے باہمی تعلقات کی پابندی سے پہلی بار قابل قدر اعتراف کیا تھا۔

سے۔ یہ پرگنے نیماڑ تلین ستواس۔ کلمی پور اور راگلدھ تھے۔

چیتو اُن علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد جو اُسے دیے گئے تھے اُمت واڑے سے دریائے نربدا کے کنارے اپنی چھاؤنی میں واپس آگیا اور پھر دوسرے سال اُس کی لٹیری جماعتوں کے انگریزی فوجوں سے مقابلے ہوئے جنھوں نے راجہ ناگپور سے معاونتی معاہدہ کرلیا تھا اور وہ دریائے نربدا کے جنوبی کنارے کی جانب روانہ ہوگئیں۔ آیندہ سال انگریزی فوجیں وسط ہند میں داخل ہوگئیں چیتو مع دیگر پنڈاری سرداروں کے امن کا دشمن اور مجرم قرار دیا گیا۔ وہ اپنے قلعے چھوڑکر بھاگ گیا اور اُس نے مدافعت کی کچھ کوشش نہ کی۔ آگرے تک اُس کا تعاقب کیا گیا مگر وہاں سے وہ مضافات میواڑ میں چلا گیا لیکن انگریزی فوج کے اس جگہ پہنچ جانے پر وہ پھر بھاگ گیا اور طویل چکر کاٹ کر وہ اپنے مستحکم علاقے میں آگیا جہاں سے اولاً وہ نکال دیا گیا تھا۔ لیکن یہاں بھی اُسے چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ اس کی خاص جمعیت پر حملہ کیا گیا اور وہ تباہ کردی گئی۔ اس کے ہمراہیاں جب منتشر ہوگئے تو انگریزی فوجوں نے ان کا تعاقب کیا حتیٰ کہ اُن کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ چھوٹے چھوٹے راجپوت رئیسوں اور دیہاتی عہدہ داروں کا شکار ہوگئے اور ان لوگوں نے عرصۂ دراز تک جو مصیبتیں اور تکالیف ان کمینہ اور بے رحم لٹیروں کے ہاتھ سے اٹھائی تھیں اُن کو یاد کرکے اور اپنے نفع کے لالچ سے انھوں نے پنڈاریوں کو بڑے شوق اور مستعدی سے اچھی طرح لوٹا۔ چیتو کی ساری قوت کا بغیر کسی ایک مقابلے کے خاتمہ ہوگیا اور وہ اَرواس کے گھنے جنگلات میں اپنے یار راجن اور ۳۰۔۴۰ ہمراہیاں کے ساتھ مارا مارا پھرا۔ یہاں کا گونڈ سردار جو اس سے قبل ایک جرم میں اُس کا شریک رہا تھا اب تک خفیہ طور پر اس کا دوست تھا لیکن یہاں بھی چیتو پر اس قدر دباؤ پڑا کہ وہ نہیں ٹھہر سکا۔ اُس نے یہ روایت

سنہ ۱۸۱۶ء

۵۴۴

لہ۔ جس وقت لڑائی شروع ہوئی۔ اُس کی فوج میں ۵ سے ۶ ہزار (ہر ایک قسم کے) گھوڑے تھے۔ وہ جس وقت نیماڑ میں تھا اُس کے پاس ۵ چھوٹی توپیں اور ۲ سو پیادہ سپاہی تھے۔

ٹلہ۔ خوشحال سنگھ۔

سُنی تھی کہ حکومت برطانیہ ان پنڈاری سرداروں کے ساتھ رحم اور فیاضی کا برتاؤ
کرتی ہے جو اطاعت قبول کر لیتے ہیں لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ اس برتاؤ کے
منشا سے واقف نہ ہو سکا اور معافی کی امید اور سزا یابی کے اندیشے سے اس کا ارادہ
ڈانواڈول رہا اسی تذبذب کی حالت میں وہ بھوپال گیا اور نواب سے پناہ مانگی۔
لیکن جب وہ نواب کی پناہ میں آگیا تو اس کا مضطرب دل پھر خوفزدہ ہو گیا اور
نواب کی پناہ سے نکل کر جو اس نے بمنّت حاصل کی تھی وہ اپنے سابق مسکن کو چلا گیا۔
اب وہاں پر انگریزی فوج کا ایک دستہ پہنچ گیا تھا اور مع دیگر فوجوں کے وہ اس
علاقے میں داخل ہو رہا تھا اگرچہ چیتو کے روبرو شرائط پھر پیش کیے گئے لیکن حبس[1] دوام
بعبور دریائے شور کی سزا کے اندیشے سے اُس نے ان شرائط کو نہیں قبول کیا اور جب
راجن نے اُسے سمجھایا کہ اگر وہ اطاعت قبول کرے تو اسکے گذارے کا معقول بندوبست
ہو جائے گا تو چیتو دریائے نربدا کو عبور کر کے قلعہ اسیر گڈھ میں چلا گیا اور اپا صاحب
سابق راجہ ناگپور نے وہاں سے چیتو کو اپنے پاس بلالیا۔ یہ راجا قید سے نکل کر
بھاگ گیا تھا اور وہ مہادیو پہاڑ میں ایک لشکر جمع کر رہا تھا اس راجا کے اسیر گڈھ کے
مضافات کو جانے میں پنڈاری سردار نے رہنما کا کام کیا لیکن وہ اس خیالی محفوظ
مقام پر پہنچنے ہی پایا تھا کہ انگریزی فوج کے ایک دستے نے اس کے ہمراہیوں کی
مختصر جماعت کو منتشر کر دیا۔ چیتو مع اپنے بیٹے اور وہ ہمراہیان کے اپنی سابق
جائے پناہ یعنی ستواس کے جنگلوں کی جانب بھاگ گیا لیکن کئی مختصر ٹولیوں نے
اس کا تعاقب کیا اور انگریزی فوج کے دیگر سپاہیوں نے ایسے ہر ایک مقام
پر قبضہ کر لیا جہاں سے چیتو کو ایک دن کی خوراک میسر آسکتی تھی۔ اس کا آخری
دوست خوش حال سنگھ ساکن ارو اس اُسے چھپانے کے شبہے سے بچنے کے لئے

[1] ہندوستان کے باشندے حبس دوام بعبور دریائے شور کو کالا پانی کہتے ہیں اور
اس سزا سے بہت ڈرتے ہیں۔ میرے ایک گماشتے نے جو کچھ عرصے تک چیتو کے ساتھ رہا
بیان کیا کہ وہ کالے پانی کا ہذیان بکتا تھا اور جب اُس کے ایک ساتھی نے اس کا
اطمینان کر دیا تو پھر خواب میں بھی وہ یہی خوفناک الفاظ بڑبڑاتا رہا۔

ایک انگریزی کیمپ میں حاضر ہوگیا۔ گویا اس شہرہ آفاق سردار کو اب ڈاکو بھی پناہ دینے سے گریز کرنے لگے اور اُس کے گھوڑے کے سُم[1] کے نشانات سے جنگلوں میں اس کی سراغ رسی کی گئی۔ چیتو ہر ایک مشہور جائے پناہ تک تعاقب کیئے جانے اور بھوک پیاس کی تکلیف سے مجبور ہو کر اپنے بیٹے اور ہمراہیان سے جدا ہوگیا اس نے ایک گھنے جنگل کی جھاڑی میں پناہ لی جہاں پر ایک شیر نے اس پر حملہ کیا اور اس کا کام تمام کردیا۔ جب ریاست ہلکر کے ایک مقامی عہدہ دار کو اس واقعے کی خبر ملی تو وہ فوراً اس موقع پر جا پہنچا اور جس جگہ شیر نے چیتو کو اول مرتبہ پکڑا تھا وہاں پر اُس کا گھوڑا، کاٹھی، تلوار[2]۔ زیورات، سابق راجہ ناگپور کی عطیہ جاگیر کے کاغذات اور اس کے جسم کا ایک حصہ ملا۔ لیکن اس کی موت کو بغیر کسی شبہے کے ثابت کرنے کی غرض سے انھوں نے شیر کا سراغ اُس کے غار تک لگالیا اور اگرچہ شیر ان لوگوں کی آمد سے خوفزدہ ہوگیا اور وہاں سے بھاگ گیا لیکن وہاں پر چیتو کا سر صحیح و سالم حالت میں مل گیا انھوں نے یہ سر انگریزی کیمپ میں بھیج[3] دیا تاکہ اس واقعے کی تصدیق ہوجائے اُس وقت انگریزی فوج اسیر گڑھ کا محاصرہ کررہی تھی۔

یہ واقعات صحیح مان لئے گئے اور چیتو کا سر اُس کے بدنصیب فرزند محمد پناہ کو دفن کرنے کے لئے دیدیا گیا جو اپنے باپ کی موت کے دوسرے روز قید ہوگیا تھا۔ محمد پناہ بچپن ہی سے بہرا تھا اور اس کی سمجھ بہت کمزور تھی اس لیے بجائے سزا دینے کے اُس پر رحم کیا گیا۔ علاوہ بریں اگرچہ وہ مجرم تھا لیکن اس کے باپ کی موت اس طور پر واقع ہوئی تھی جو افسوس کے قابل تھی۔ اس لئے محمد پناہ رہا کردیا گیا اور وہ حکومت ہلکر کے پاس بھیج دیا گیا جہاں سے چند کھیت اُس کے گذارے کے لیے

---

[1] ۔ وہ جس گھوڑے پر سوار ہوتا تھا اس کے سُم بڑے تھے چنانچہ اُس کا سُم ناپ لیا گیا اور اس کے وسیلے سے چیتو کی فراری کا سراغ لگ گیا۔

[2] ۔ ہلکر کے مقامی عہدہ دار نے یہ چیزیں کپتان واٹسن کے پاس بھیج دیں جو دریائے نربدا کے شمالی کنارے کی فوجوں کا کمان دار تھا۔

[3] ۔ نانا برہمن زمیندار کتنا پور چیتو کا سر میرے پاس لیکر آیا۔ چیتو اسی علاقے میں مارا گیا تھا۔

۴۴۹ اُسے مل گئے ہیں۔

کریم خاں پنڈاری سردار جسے ایک زمانے میں اپنے رقیبوں سے بہت زیادہ قوت اور آزادی حاصل ہوگئی تھی[1] اپنے کو محمد داؤد کا فرزند بتاتا ہے جو رگھوبا پیشوا کے یہاں لٹیروں کی ایک جماعت کا سپہ دار تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ ”میں بیریہ کے قریب پیدا ہوا تھا اور اپنے بچپن کا یہ واقعہ مجھ کو یاد ہے کہ جب میں ۸ سال کا تھا اُس وقت میرا باپ شاہ پور میں مارا گیا تھا۔ اُس کے انتقال کے بعد کیمپ کی کمان میرے چچا یار محمد کو مل گئی تھی اُس نے رگھوبا کے یہاں اُس وقت تک ملازمت کی کہ وہ انگریزوں سے مل گیا پھر یار محمد مادھوجی سندھیا کے یہاں نوکر ہوگیا اور اُس کے ہمراہ ہندوستان چلا گیا اور وہاں پر اُس وقت تک رہا جب کہ میری عمر ۲۰ سال کی ہوگئی۔ مادھوجی سندھیا نے مالوے میں مجھے جاگیر دینے کا وعدہ کیا تھا اور میں وہاں پر ڈی بون کی فوج کے ہمراہ پہنچا تھا اور سکھاری گھاٹ کے قریب ہلکر کی فوجوں کے شکست پانے کے وقت میں موجود تھا“

ان واقعات کی صداقت میں شک کیا جا سکتا ہے کیونکہ کئی سال بعد جب ۴۵۰ ہیرا اور برن نے اپنی خدمات بھوپال گورنمنٹ کو پیش کیں اور انکاری جواب ملنے پر وہ ریاست کے لئے وبال جان ہوگئے اُس وقت کریم نے بھی لوٹ مار میں شرکت کی اور وہ ۵ یا ۶ سو آدمیوں کا سپہ دار تھا۔ برن کے قید ہو جانے پر وہ ناگپور سے بھاگ گیا اور دولت راؤ سندھیا کے یہاں نوکر ہوگیا جو حال ہی میں مسند پر بیٹھا تھا۔ دوسرے مرہٹہ رؤسا سے مل کر وہ نواب نظام الملک پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ کریم کا بیان ہے کہ اس جنگ میں اگرچہ کشت و خون بالکل نہیں ہوا لیکن اس قدر مال غنیمت میرے ہاتھ لگا جو مدت العمر کبھی پلے نہ پڑا تھا اس

---

[1] یہ سردار خود بخود میرے پاس حاضر ہوگیا اور مدت دراز تک وہ میرے کیمپ میں رہا۔ میں نے اس سے فرمائش کی کہ اپنی زندگی کے کچھ حالات لکھوا دو۔ یہ واقعات اگرچہ مبالغہ آمیز ہیں لیکن عام واقعات کی صداقت میں کچھ شک نہیں ہے اور میں نے دیگر حالات سے موازنہ کرکے ان واقعات کو کارآمد پایا ہے۔

مالِ غنیمت کے اندیشے سے میں سندھیا کی فوج سے نکل بھاگا اور وسط ہند میں آگیا اور وہاں پہنچنے کے بعد میں نے اپنی خدمات جسونت راؤ ہلکر کے حضور میں پیش کیں جو قبول کرلی گئیں۔ مجھ کو یہ حکم ملا کہ کریم الدین کے پاس جاؤ اور اس کے بھائی امیر خاں کی مدد کرو جو ابھی حال ہی میں ساگر سے پسپا ہونے پر مجبور ہوا ہے"۔ کریم خاں اب ۲-۳ ہزار سوار سپاہ کا کماں دار تھا لیکن اپنی جائداد کو نقصان پہنچنے کے اندیشے سے یہ جنگجو سردار جسونت راؤ ہلکر کی ملازمت سے دست کش ہوگیا اور اگرچہ اس نے سندھیا کے ملازمان میں داخل ہو جانے کے لئے پھر درخواست کی مگر اسی کے ساتھ اُس نے امیر خاں سے خط کتابت شروع کردی اور اس سے استدعا کی کہ اس کے بال بچوں کے سر لگانے کو جگہ دے دیجئے۔ امیر خاں اگرچہ اپنے ہمراہیان کی تعداد میں اضافہ کرنے سے گھبراتا تھا لیکن اُس نے کریم خاں کی درخواست کو منظور کرلیا لیکن امیر خاں کو بہت جلد اپنے اس جدید تعلق پر کفِ افسوس ملنا پڑا کیونکہ جب وہ دولت راؤ سندھیا سے جنگ و جدال کرنے میں مصروف تھا اُس وقت کریم خاں دوسرے پنڈاریوں سے ساز باز کر کے مشہور پرگنہ شجال پور کا خود مالک بن بیٹھا۔ اُس نے حال ہی میں ریاست پوار کا قصبہ بیرسیہ فتح کرلیا تھا اور انگریزوں کے ساتھ اپنی ناکام جنگ کے بعد جب سندھیا دکن سے واپس آیا تو اُس نے کریم خاں کے ان دونوں مقامات پر قبضہ کرنے کی منظوری دیدی۔

سندھیا نے کریم خاں کو نواب کا خطاب دیا اور اُس نے نواب بھوپال کے اس خاندان کی ایک خاتون سے شادی کرلی جو راتھ گڑھ میں رہتا تھا۔ اور اُسے یہ امید ہوگئی کہ اس جدید رشتے سے اس کی عزت و توقیر بڑھ جائے گی اور اس کی دیرینہ تمنائیں برآئیں گی۔ سندھیا اور ہلکر دونوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر جو اس وقت ہندوستان کی سرحدوں پر نبرد آزمائی میں مصروف تھے اُس نے کئی زرخیز پرگنے[1] فتح کرلیے اور انھیں اپنے سابق مقبوضات میں

ا۵۱

سنہ ۱۸۰۲

سنہ ۱۸۰۵

[1] آشٹہ۔ سیہور۔ ایچھاور۔ سارنگ پور اور شاہجہاں پور اس موقع پر کریم خاں کے قبضے میں آگئے تھے۔

شامل کرلیا۔ اب اس کا ستارۂ اقبال نصف النہار پر تھا اور پہلی بار ایک پٹھان
سردار ایک باضابطہ ریاست کا رئیس ہوجانے والا تھا حقیقۃً کریم کے دل میں
اس کی بڑی تمنا تھی اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے وہ نہایت سرگرمی
کے ساتھ تیاری کررہا تھا۔ اُس نے ایک ہزار پیدل سپاہ بھرتی کی اور ۲ توپیں
ڈھالیں۔ ۲ توپیں اُس کے پاس پیشتر سے موجود تھیں اُن کے ملنے سے اُس کا
توپ خانہ تیار ہوگیا اُس نے ۱۲ سو سواروں کا پائگاہ یعنی باڈی گارڈ کا ایک ۴۵۲
رسالہ تیار کیا جس کو ملا کر اب ۱۲ ہزار پنڈاری اُس کے زیر کمان ہوگئے اور
فی الحقیقت اب وہ ہیبت ناک بن گیا اور جیسا کہ پیشتر بیان کیا گیا ہے
غوث محمد کے مدعو کرنے پر کریم خاں بھوپال چلا گیا لیکن اس ریاست کے افلاس
اور وزیر محمد کی شجاعت اور اولوالعزمی نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا
جو اُس نے اس ریاست میں اپنے علاقوں کی توسیع کے لئے کر رکھی تھیں۔ اس
کوشش میں ناکامی نصیب ہونے پر دولت راؤ سندھیا کے یہاں سے اُس کی طلبی
ہوئی جس نے مختلف حیلے تراش کر اُسے تباہ کرنے کی غرض سے اپنے مستقر سے
نقل و حرکت کی لیکن اپنی قوت سے علانیہ طور پر اس کام کو درجۂ تکمیل تک پہنچانا
ممکن نہ تھا اس لئے چال بازی سے کام لیا گیا اور اس موقع پر مرہٹہ رئیس نے جیسی
عیاری سے کام لیا وہ اس سے قبل کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ یہ پنڈاری سردار اپنی
کامیابی سے نہایت مغرور ہوگیا تھا اور اُس کی خود اعتمادی بڑھ گئی تھی۔ وہ ایک
بالاتر سے ملنے کے لئے گیا جس کی فرماں برداری کا وہ مقر تھا مگر اس شان سے
گویا اس سے وہ کم درجے کا نہ تھا۔ دولت راؤ بیرسیہ کے مضافات میں ستن باڑی
کے قلعے کے قریب خیمہ زن تھا۔ دولت راؤ نے اولاً اس امید پر کریم خاں کی
چاپلوسی کی کہ فتح ہونے پر وہ قلعے کو اُس کے حوالے کردے گا۔ اپنی اس خوشامد
کو زیادہ موثر بنانے کے لئے اس نے کریم خاں سے کہلا بھیجا کہ میں آپ سے ملاقات
کرنا چاہتا ہوں کریم خاں اگرچہ نہایت بہادر اور محتاط تھا لیکن وہ اپنی شاندار
اقبال مندی کی عظیم الشان توقعات کے دھوکے میں آگیا۔ کریم خاں نے اپنے ۴۵۳
معزز مہمان کے نذر جو تحائف کئے اُن کا ایک جزو یہ تھا کہ اُس نے روپیوں کا

ایک تخت یا مسند[1] اُس کے لئے تیار کیا۔ سندھیا نے اس ملاقات میں اور پھر کئی دن
تک یہی دھوکا بازی کی کہ کریم خاں کے اوصاف معلوم کر کے اُس کو بیحد مسرت حاصل
ہوئی ہے اور بیان کیا کہ کریم خاں میں سپاہی اور مدبر دونوں کے اوصاف موجود ہیں
اور ایسے شخص کی تلاش میں عرصہ دراز تک وہ فضول سرگرداں رہا۔ کریم خاں کی
ہر ایک درخواست بلا چون وچرا فوراً منظور کی گئی اور اُس سے جو کچھ وعدہ کیا گیا
تھا اُس کے علاوہ کریم خاں نے چند بیش قیمت اضلاع کی اور فرمائش کی اور وعدہ
کیا کہ ان علاقوں کے حوالے ہو جانے پر وہ ساڑھے چار لاکھ روپے نذر کرے گا
چنانچہ حکم دیا گیا کہ سندات تیار کی جائیں اور ایک اعلےٰ درجے کا خلعت کریم خاں کے لئے
تیار کیا گیا۔ چند معمر پنڈاری سرداروں نے کریم خاں کو متنبہ کیا کیونکہ اگلے موقعوں
پر وہ اپنے سرداروں کا لوٹا جانا اور گرفتار ہونا دیکھ چکے تھے اور ان سرداروں
نے کریم خاں کو مرہٹوں کی دغابازی یاد دلائی لیکن اُسے اپنی حفاظت کی بابت
کامل اطمینان ہو گیا تھا۔ سندھیا نے ہر ایسے شخص کو رشوت دینے یا فریب دینے
کا بندوبست کر لیا تھا جس پر اُسے اعتماد تھا۔

۴۵۴

اپنے نئے علاقوں پر قبضہ کرنے کے لئے روانگی کا جو دن مقرر ہوا تھا
اُس روز آخری ملاقات کرنے کے لئے وہ مدعو کیا گیا تاکہ جو باتیں ناتمام رہ گئی ہیں
اُن کی تکمیل ہو جائے۔ چنانچہ وہ چند خدام کے ہمراہ گیا اور بڑے تپاک کے ساتھ
اس کا استقبال کیا گیا۔ سندات طلب کی گئیں خلعت تیار ہو گئے تھے المختصر
شبہہ دور کرنے کی ہر ایک کارروائی کی گئی۔ الغرض یہ سوانگ مکمل ہو گیا۔ سندھیا
کسی حیلے سے اُٹھ کر چلا گیا اور خیمے کی قناتوں کے نیچے سے مسلح آدمی گھس پڑے
اور انھوں نے جب نئے مغرور پنڈاری سردار کو مع اُس کے خاص خاص ہمراہیوں[2]

---

[1] یہ مسند ایک لاکھ ۲۵ ہزار روپے کی بنائی گئی تھی اور اس پر ایک بیش قیمت کپڑا
بچھایا گیا۔ اور اس پر سندھیا کو بٹھایا گیا۔ ہندوستان میں یہ عام رواج ہے کہ جب کوئی
ذی مرتبہ شخص کسی ادنےٰ شخص کے یہاں جاتا ہے تو اُس کی خدمت میں نذر پیش کرنے
کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔

[2] امیر خاں کا بھائی ہیرا اُس کے ساتھ دربار میں نہیں گیا تھا لیکن اُسے سندھیا کی اس

کے گرفتار کر لیا۔ ایک توپ داغی گئی جو اس بات کا اشارہ تھا کہ تجویز کے اول جز میں کامیابی حاصل ہو گئی اور جو فوجیں کریم خاں کو سلامی دینے کے لئے جمع ہوئی تھیں اور جو فوجیں کہ عطیہ علاقوں تک اُس کے ساتھ جانے والی تھیں۔ انھوں نے اشارہ پاتے ہی پنڈاری کیمپ پر دھاوا بول دیا۔ کریم خاں کے ہمراہیان اس خطرے سے شروع ہی میں آگاہ ہو گئے تھے اور اگرچہ اُن کے صرف معدودے چند آدمی مارے گئے لیکن ان کا سارا مال و اسباب ضائع گیا اور سندھیا کی فوج نے لوٹ گھسوٹ سے آسودہ ہو کر اپنے فرماں روا کی قابلیتوں کو نیک نام کیا جس نے اس موقع پر اس فن کا کمال دکھا دیا جو مرہٹہ حکمراں کا اعلےٰ وصف مانا جاتا ہے۔ اُس کی شہرت اور ناموری اس وجہ سے دوچند ہو گئی کہ اُس کی فوج کی تعداد لیڈروں کی تعداد کے مقابلے میں بہت کم تھی جن کو اس نے ایسی ہوشیاری اور کامیابی کے ساتھ جال میں پھانس لیا۔　　۱۸۰۵ء

کریم کی تباہی کی خبر نہایت سرعت کے ساتھ شجال پور میں اُس کے اہل و عیال تک پہنچ گئی اور کہا جاتا ہے کہ وہاں پر اُس کا بہت سا خزانہ اور مال و اسباب جمع تھا۔ اُس کی ماں اگرچہ ضعیفہ تھی لیکن اُس نے بڑی مستعدی سے کام کیا اور ساتھ لے جانے کے قابل مال و اسباب لے کر فوراً باگلی کے جنگلوں کی جانب چلی گئی جہاں پر پنڈاریوں کی ایک زبردست جماعت اُسے مل گئی۔ لیکن سندھیا کی قوت کے ڈر سے اس علاقے کے سب لوگوں نے اُسے پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ پھر وہ مغرب کی جانب روانہ ہوئی اور ظالم سنگھ کارپرداز کوٹا کی ریاست میں اُسے پناہ کی ایک جگہ مل گئی۔

کریم ۴ سال تک گوالیار میں قید رہا لیکن اگرچہ اس کی سخت نگرانی ہوتی تھی مگر قید سخت نہ تھی۔ اُس نے اپنے پنڈاریوں کو ہدایت کر دی کہ ہر ایک جگہ اور بالخصوص سندھیا کی ریاست میں خوب لوٹ مار کریں۔ وہ چھوٹی ٹولیاں بنا کر کارروائی کرتے تھے اور اُن کی سب سے بڑی جماعت اس کے بھتیجے نامدار خاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فوج نے گرفتار کر لیا جس نے پنڈاری کیمپ پر حملہ کیا تھا۔

کی ماتحتی میں تھی دولت راؤ سندھیا مدت تک اس پنڈاری سردار کو رہا کرنے سے انکار کرتا رہا لیکن آخر کار وہ ۶ لاکھ روپے نذرانہ کے لالچ میں آگیا اور کریم نے اس نذرانے اور ایک لاکھ روپے مصالحت کی گفت و شنید کرنے والے عہدہ داروں کو ادا کرنے کے لئے ظالم سنگھ کو اپنا ضامن بنالیا۔ اس کی رہائی کے بعد گذشتہ واقعات کی تلافی کی کوشش کی گئی اور اس کی خدمت میں نہایت بیش بہا تحائف پیش کئے گئے اور ہر طرح پر اس کا ادب اور احترام کیا گیا۔ لیکن اس کے ایسا کاری زخم لگا تھا جو بآسانی مندمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے رہا ہوتے ہی فوراً اپنے پنڈاریوں کو پھر جمع کرنا شروع کر دیا جو ہر مقام سے اس کے پاس آپہنچے اور انھوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ کریم خاں نے شجال پور میں سکونت اختیار کی اور قید ہونے سے پیشتر اس کے پاس جس قدر مقبوضات تھے اب ان سے کہیں زیادہ وسیع علاقوں پر وہ قابض ہو گیا۔

۴۵۶

سنہ ۱۸۰۰ء

اس زمانے میں چیتو کی ساری فوج کریم خاں کے پاس آگئی تھی اور اس کی آمد سے دوستی کے وہ تعلقات پیدا ہو گئے جو ان سرداروں اور امیر خاں کے درمیان قائم تھے جس کے اقبال کا ستارہ نصف النہار پر تھا اور جس نے سارے ہندوستان میں ہل چل مچادی تھی۔ اس سے خائف ہونا بلا وجہ بھی نہیں تھا۔ ان لٹیروں کے گروہ میں کم از کم ۶۰ ہزار سوار تھے جنھیں پنڈلا رہبر کسی مقررہ مقام پر جانے کی ہدایت کر سکتا تھا لیکن خوش قسمتی سے یہ اتحاد زیادہ دیرپا نہیں ہوا کریم خاں نہایت سنگدل تھا اور اس کے دل میں دولت راؤ سندھیا کے خلاف آتش غیظ و غضب بھڑک رہی تھی اس لئے اس نے سندھیا کی ریاست میں بڑے جور و ستم کئے۔ سندھیا اپنی کوتاہ اندیشی اور حریصانہ پالیسی کے ان نتائج سے نہایت شرمندہ اور خوف زدہ ہو گیا جس کی بدولت اس کی ریاست میں یہ بلا نمودار ہوئی تھی۔ اس لئے اس نے اپنے ایک خاص سپہ دار جگو بابو کو فوراً اس پنڈاری سردار کے مقابلے کے لئے روانہ ہونے کی ہدایت کی۔

چونکہ چیتو کی کریم سے کچھ پیشتر سے چشمک تھی اس لئے وہ کریم کے مقابلے میں سندھیا سے مل جانے پر بآسانی راضی ہو گیا اور صوبہ انت واڑہ میں کریم کے کیمپ پر

۴۵۷

حملہ کیا گیا اور وہ تباہ کر دیا گیا۔ کریم میدان جنگ سے ریاست کوٹا کو چلا گیا۔ اس ریاست کا جنگو زمیں چونکہ سندھیا کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے اُس نے اپنے پرانے رفیق سے کہا کہ براہ کرم دور باش۔ دور باش، اور اُس نے کریم کو یہ صلاح دی کہ آپ امیر خاں سے پناہ مانگیئے لیکن اُس نے کریم کے اہل وعیال کے قیام کے لیے جگہ دیدی۔

چنانچہ کریم امیر خاں کے پاس گیا مگر اُس نے تلسا بائی سے سفارش کرنے کے حیلے سے اُسے غفور خاں کے سپرد کر دیا اور ریاست ہلکر میں بغاوتیں ہونے کے دوران میں وہ اُس کے پاس ۲ سال تک نظر بند رہا۔ اس زمانے میں غفور خاں کی فوج بہ ماتحتی نامدار خاں مختلف معرکوں اور بالخصوص بھوپال کے محاصرے میں مشغول ومصروف رہی اور اس خدمت کے صلے میں کریم کے بھتیجے نے بہت نام پیدا کیا لیکن اُس کے چچا کا جو اس سے سلسل خط کتابت رکھتا تھا یہ بیان ہے کہ وہ میرے احکام کی حرف بحرف تعمیل کرتا تھا۔ مالوے میں انگریزی فوج کے داخل ہونے سے چند ماہ پیشتر کریم خاں ہلکر کے لشکر سے نکل بھاگا اور ہیریہ میں اپنے ہمراہیان سے جا ملا۔ وہ اس موقع پر اپنی اس حرکت کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ دولت راؤ سندھیا نے میرے پاس ایک خط بھیجا ہے جس میں وہ لکھتا ہے کہ پچھلے واقعات پر خاک ڈال دیجئے اور اپنے دل سے انھیں فراموش کر دیجئے۔ آپ کے نہ صرف سابق مقبوضات واپس کر دیئے جائیں گے بلکہ آشٹہ اور دیگر علاقے آپ کو دیدئے جائیں گے بشرطیکہ آپ آیندہ جنگ میں جو انگریزوں سے ہونے والی ہے مرہٹوں کے جھنڈے کا ساتھ دیں۔

۱۸۱۷ء — ۵۰۴ (margin)

جب انگریزی فوجیں دریائے نربدا کو عبور کرنے والی ہی تھیں اُس وقت کریم خاں (اپنے بیان کے بموجب) دولت راؤ سندھیا کے حکم کی تعمیل میں واصل محمد خاں کے لشکر سے جا ملا۔ اور جس مقام پر اُنھیں جانے کا حکم ملا تھا وہاں سے گوالیار صرف ۴۰ کوس اور نرور ۱۷ کوس تھا۔ اُس وقت سندھیا کے پاس سے ایک خاص معتمد برہمن آیا اور اُس نے سندھیا کا یہ حکم سنایا کہ آپ لوگ کہیں دور چلے جائیں کیونکہ انگریزی فوجوں کی پیش قدمی سے میں ایسی حالت میں ہو گیا ہوں کہ آپ لوگوں کو

پناہ نہیں دے سکتا۔

اس خبر نے قزاقوں کو مایوس اور ناراض کر دیا چنانچہ فوراً یہ تجویز قرار پائی کہ اب ہم لوگوں کو مغرب کی طرف چل دینا چاہیئے اور ہلکر کی فوج میں شریک ہو جانا چاہیئے جس کی بابت انھوں نے سنا تھا کہ وہ ریاست ہلکر کی سرحد سے ماہیدپور کی طرف جا رہی ہے۔

سندھیا نے انھیں جنگ میں شرکت کرنے کے لئے طلب کیا تھا مگر اس کی غداری سے خفا ہو کر انھوں نے ارادہ کیا کہ جس حد تک ممکن ہو اس کی ریاست میں لوٹ مار کرنی چاہیئے مگر اب ان کا خاص مقصد یہ تھا کہ اپنی سلامتی کا بندوبست کیا جائے۔ روزانہ انگریزی فوجوں کے ہر طرف بڑھنے کی خبریں آ رہی تھیں اور ان کی فتوحات سے کریم اس قدر خائف اور پریشان ہو گیا کہ وہ اپنے اہل و عیال اور بہت سا سامان[1] چھوڑ کر بھاگ گیا اور راستے میں بغیر قیام کئے ہوئے وہ سیدھا ہلکر کی فوج میں جا پہنچا جو منڈلیسر کے قریب خیمہ زن تھی۔ جو پنڈاری کہ کریم کے ہمراہ تھے فراری سے ان کی تعداد اس قدر کم ہو گئی تھی کہ ہلکر کے یہاں پہنچنے کے وقت ان کی تعداد ۵ ہزار سے زیادہ نہ تھی ان کی خدمات پیش کی گئیں لیکن ہلکر کے وزراء نے نامنظور کیا جنھیں ماہیدپور کی جنگ کے بعد اپنے کو تباہی سے بچانے کے علاوہ اور کوئی فکر نہ تھی اور چند روز پس و پیش کرنے کے بعد غفور خاں نے کریم سے چلے جانے کی فرمائش کی چونکہ انگریزی فوج بڑھتی چلی آتی تھی اور پنڈاریوں کی قربت کی وجہ سے ہلکر صلح نہ کر سکتا تھا۔ پنڈاری جاوَد کی طرف چلے گئے لیکن وہاں پر اپنے باہمی نزاعات اور انگریزی فوج کی آمد سے وہ منتشر ہو جانے پر مجبور ہو گئے۔ کریم تو تکان سے خستہ ہو کر شہر میں جا چھپا اور اس کا لشکر بماتحتی نامدار خاں میواڑ سے مالوے کو چل دیا اور جب وہ لشکر گنگروہ کے قریب پہنچا تو ایک انگریزی فوج سے اس کا مقابلہ ہو گیا جس نے اسے ایسی شکست فاش دی کہ اس کے سپہ دار کامیابی سے مایوس ہو کر بھوپال چلے گئے اور انھوں نے نواب بھوپال

---

[1] میجر جنرل ڈانکن کی فوج نے کریم کی بیوی اور اس کا کچھ مال و اسباب گرفتار کر لیا تھا۔

سے درخواست کی کہ براہ نوازش آپ ہمارے شفیع بن جائیے اور اس ابتدائی اطاعت کیشی سے نہ صرف نامدار خاں کے گذارے کا بندوبست کر دیا گیا بلکہ حکومت برطانیہ نے اس کے بہت سے ہمراہیان کے ساتھ رحم و کرم کا سلوک کیا۔ ۴۶۰

کریم کے حالات اب قریب الاختتام ہیں وہ جادو کے ایک نہایت ذلیل مکان میں چھپا ہوا تھا لیکن جب انگریزی فوج نے اُس شہر پر قبضہ کر لیا تو وہ وہاں سے نکل بھاگا اور اپنے بیان کے بموجب وہ فقیرانہ بھیس میں بھوکا پیاسا کئی روز تک مارا مارا پھرا۔ آخر کار اُس نے غفور خاں کو اپنی حالت لکھ بھیجی اس پٹھان سردار نے اسے یہ مشورہ دیا کہ آپ غیر مشروط طور پر اپنے کو انگریزی حکومت کے رحم و کرم کے سپرد کر دیں جس نے اُس کے ساتھ شفقت اور فیاضی سے سلوک کیا۔ اب وہ مع اپنے بال بچوں کے ضلع گورکھپور میں رہتا ہے جہاں پر اُس کے گذارے کے واسطے اراضیات دیدی گئی ہیں۔ اور وہ اب اپنی اقبال مندی کے وہ خواب فراموش کر سکتا ہے جو کسی زمانے میں وہ دیکھا کرتا تھا اور جو حیرت انگیز انقلابات خود اُس پر گذرے ہیں اُن سے سبق لیکر وہ اب بھی خوش رہ سکتا ہے۔

پنڈاریوں کے خاص سرداروں کی سوانح عمری کے اس مختصر خاکے میں وہ تمام ضروری باتیں ہم نے بیان کر دی ہیں جن کے جاننے کی پنڈاریوں کی تاریخ میں خواہش ہو سکتی ہے۔ جو اپنی ساخت اور عادات کے باعث بحیثیت ایک قوم یا سلطنت کے کوئی مستقل شکل اختیار نہ کر سکے۔ وہ انقلابات پیدا کر سکتے تھے اور انھوں نے انقلابات پیدا کیئے بھی لیکن ایسے موقعوں پر مستقل سلطنت قایم کرنا اُن کے لیئے بالکل غیر ممکن تھا وہ تاوقتیکہ اپنے کیرکٹر سے دست کش نہ ہو جاتے وہ کسی جگہ قیام نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ہر ایک سیول سلطنت خواہ وہ کیسی ہی بھدی ہو وہ اُن کے اساسی اصولوں کے منافی تھی جو ہر ایک سلطنت کے خلاف ہمیشہ بر سر جنگ رہنے کے لیئے بنائے گئے تھے۔ ۴۶۱

لہ۔ وہ میرے کیمپ میں بمقام نیماہیڑا حاضر ہوا تھا۔

ایسی ریاستوں میں پنڈاریوں کا رہنا خصوصیت کے ساتھ مخدوش تھا۔
جن میں اُن کے مغلوب کرنے کی سکت نہ تھی اور چونکہ وہ خود باقاعدہ قوم بننے
کے لائق نہ تھے اور نہ انھیں امن عامہ سے کچھ سروکار تھا لیکن اس حالت میں وہ
کمزور اور لاچار ریاستوں کے لئے نہایت ہیبت ناک ہو گئے تھے لیکن وہ کسی
زبردست حکومت کے دلیرانہ حملے کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ظاہر بینیوں کو ان
قزاقوں کا استیصال اگر ناممکن نہیں تو نہایت دشوار ضرور معلوم ہوتا تھا۔ لیکن
یہ بات ظاہر ہے کہ وہ بغیر مکان اور وسیلۂ معاش کے زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔
اس عظیم الشان اور روز افزوں وبال کا صرف یہی علاج تھا کہ انھیں ان کے
مقبوضہ علاقوں سے نکال دیا جائے اور جو لوگ انھیں امداد یا پناہ دیں ان
کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے اور ان کے استیصال کے لئے جو تدابیر
اختیار کی گئیں وہ نہایت دانشمندی سے قرار پائی تھیں اُن پر پورے جوش
اور مستعدی کے ساتھ عمل کیا گیا اور نہایت کامیابی کے ساتھ انھیں درجۂ تکمیل
کو پہنچا دیا گیا۔ ہندوستان میں ایسا کوئی ایک مقام بھی نہیں جو پنڈاریوں کا مسکن
کہا جا سکتا ہے۔ وحشی درندوں کی طرح اُن کا شکار کیا گیا۔ بے شمار مارے گئے۔
اُن کے جتھے سب تباہ و برباد ہو گئے۔ جن لوگوں نے اُن کی حمایت کی انھیں
شکست دی گئی۔ شروع ہی میں اُن سے متعدی بیماری کی طرح نفرت کی جاتی
تھی اور ان دیہاتیوں نے پنڈاریوں پر حملہ کرنے میں پیش دستی کی جو اُن کے
ہاتھ سے ستائے گئے تھے۔ ان کے خاص سپہ دار مار ڈالے گئے یا انھوں نے
اطاعت قبول کر لی یا وہ قید کر لئے گئے اور ان کے ہمراہیوں کو گورنمنٹ نے
رحم و کرم فرما کر محنتی بن جانے میں امداد دی ہے اور اب وہ عام آبادی میں گھل مل
گئے ہیں جس کے فضلے سے وہ پیدا ہوئے تھے تفصیلی تحقیقات کرنے پر صرف
اس قدر معلوم ہو سکے گا کہ یہ ہیبتناک لیٹرے اب رذیل اقوام میں مل کر پوشیدہ
ہو گئے ہیں اور تجارت و زراعت میں مشغول ہو کر جو فائدہ کہ وہ پہنچا رہے ہیں
اس سے وہ اپنے گذشتہ مظالم کی کچھ تلافی کر رہے ہیں۔ ان لیٹروں میں مذہبی
تعصب بالکل نہ تھا چونکہ اُن میں ہر قوم والے شامل تھے۔ انھیں اپنی سپاہیانہ

قابلیت اپنے خاندان یا وطن پر کبھی ناز اور فخر نہیں ہوا اور اس لیے وہ اس قسم کے کسی ایک رشتے سے بھی مربوط نہ تھے جو ہندوستان کی بہت سی اقوام میں ناقابل شکست صورت اختیار کر لیتا ہے۔ کسی خراب زمانے میں اور لیڈروں کا پیدا ہونا ممکن ہے لیکن منتخب جماعت کے پنڈاریوں کا جیسا چاہیے ویسا استیصال کر دیا گیا ہے کہ تقریباً ان کا نام بھی فراموش ہو گیا ہے اگرچہ اس زمانے کو ابھی ۵۰ سال بھی نہیں گذرے ہیں جب کہ ان کی بدولت سارے ہندوستان میں خوف اور دہشت چھائی ہوئی تھی۔

گیارھواں باب

وسط ہند کے راجپوت فرماں روا اور رؤسا

ہم وسط ہند کے اعلیٰ راجپوت خاندانوں کا حال بیان کر چکے ہیں۔ مرہٹوں کے اس ملک کو فتح کرنے کے بعد ازاں جملہ بعض راجپوت خاندانوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اور اگرچہ وہ سب خراج دینے پر رضامند ہو گئے تھے لیکن بہت سے خاندانوں نے اپنی ریاست کی خود مختارانہ حکومت کو برقرار رکھا۔ دیگر راجپوتوں نے اس شجاعت اور استقلال کے لئے شہرت و ناموری حاصل کی جس سے کہ انھوں نے اپنے مقبوضات کو حملہ آوروں کی دست برد سے بچایا اس شر و فساد کے زمانے میں جس نے ہندوستان کے اس حصے کو سخت نقصان پہنچایا اس زمانے کے ایسے دو خاندانوں کا حال بیان کر دینا جن میں سے ایک کا تو بالکل خاتمہ ہو گیا اور دوسرا نہایت خوش حال ہو گیا اور چند معمولی رؤسا کی گذشتہ اور موجودہ حالت بتا دینا اس قسم کے چھوٹے فرماں رواؤں کی موجودہ تاریخ بیان کرنے کے لئے کافی ہوگا۔

۴۶۴ راگوگڑھ کے رؤسا کی اصلیت ہم ابھی بیان کر چکے ہیں ان کی تاریخ کا نتیجہ قابل تعریف ہے اور اس سے نہایت روشن الفاظ میں راجپوتوں اور ان کے دشمن مرہٹوں کا کیرکٹر ظاہر ہوجاتا ہے۔ راگوگڑھ کے چوہان راجپوت کھیچی کے نام سے ہمیشہ مشہور رہے ہے وہ اپنے کو راجپوت قوم کے اول فرماں رواؤں کی اولاد بتلاتے ہیں اور ان کے بھاٹوں کے مقولے کے بموجب اُن کی مالوے میں ایک ریاست تھی قبل اس کے کہ مغلوں نے اُس ملک کو فتح کیا لیکن اس کا کوئی جداگانہ ریکارڈ موجود نہیں ہے اگرچہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ قدیم زمانے میں دریائے کالی سندھ کے کنارے پر موضع گاگرون کے وہ مالک اور قابض تھے اکبر کے دربار میں اس خاندان کا ایک ممتاز رئیس غریب داس امرا کے زمرے میں تھا اور بادشاہ اس کی خدمات سے اس درجہ خوش ہوا کہ اُس نے غریب داس کو اس کے سابق مقبوضات گاگرون وغیرہ کے قصبہ و پرگنہ سرونج بطور جاگیر کے عطا کر دیا۔ اس رئیس نے ۳ فرزند چھوڑے اُن میں سے فرزند اکبر لال سنگھ[1] اُس کا جانشین ہوا اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے راگوگڑھ آباد کیا اور شاہجہاں نے وہاں تشریف فرما ہوکر اس کی عزت افزائی کی چونکہ یہ بادشاہ لال سنگھ پر بیحد مہربان تھا۔

لال سنگھ نے ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی اور اس کا بڑا بیٹا دھوراج سنگھ جانشین ہوا اور وہ اُن تمام لڑائیوں میں بیحد کامیاب ہوا جو اُس نے اپنے پڑوسیوں سے لڑی تھیں۔ اس رئیس کی بڑی شہرت و ناموری تھی۔ ۴۶۵ جے پور اور اودے پور کے حکمران راجگان اس سے ملاقات کرنے کو تشریف لائے اور ان دونوں نے اس کی لڑکیوں سے شادی کی۔ دھوراج سنگھ امیروں کے ساتھ ایک جنگ کرنے کے دوران میں مارا گیا جن کی سرکوبی میں وہ عرصہ دراز سے مصروف تھا۔ اس کے فرزند اکبر گج سنگھ کو اس کے سوتیلے بھائی بکرماجیت[2] نے نکال باہر کیا جسے

۱۔ اس رئیس کی اولاد لالوت۔ اور اُس کے بھائی بیجا سنگھ کی اولاد بیجاوت کہلاتی ہے۔
غریب داس کا تیسرا بیٹا لاولد مر گیا۔

۲۔ ایک نسب نامے میں اُس کا نام بجے سنگھ درج ہے۔

اُس کے بہنوئی راجا جے پور نے مدد دی تھی اسی رشتے کی وجہ سے رانا اودے پور گج سنگھ کے حقوق کا انتقام لینے کے لئے مسلح ہوگیا تھا لیکن گج سنگھ کی وفات نے اس جھگڑے کو ختم کر دیا اُس کا اکلوتا بیٹا اندر سنگھ چونکہ اپنے چچا کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا اُس لیے اُس کی وفات تک وہ خاموش رہا اور اپنے بیٹے بل بیدّر سنگھ کو اپنی ریاست دے گیا۔ اس کے خلاف اندر سنگھ کی حمایت میں ہمسایہ ہندو رؤسا نے زبردست اتحاد[1] قائم کیا اور اندر سنگھ پہلی ہی لڑائی میں مارا گیا۔ اسی زمانے میں مرہٹوں نے وسط ہند کو فتح کیا تھا جب باجی راؤ پیشوا ہندوستان جانے میں بمقام ساگر مقیم تھا اس وقت پیشوا اور بل بیدّر سنگھ کے مابین کچھ جھگڑا ہوگیا لیکن آخر کار بل بیدّر سنگھ حملہ آوروں کے پٹھوں میں گھس گیا اور وہ ملہار راؤ ہلکر کی تمام لڑائیوں میں اُس کا رفیق اور مددگار رہا پھر اس کے انتقال پر وہ جنکوجی سندھیا کے ہمراہ مارواڑ گیا اور وہ اسی راجا کے ہمرکاب جب کہ وہ ناگور میں قتل ہوا موجود تھا۔ اس سانحے کے بعد بل بیدّر سنگھ راگوگڑھ واپس آیا جہاں پر اُس نے ۶۰ سال کی عمر میں وفات پائی اور وہ اپنی ریاست اپنے لڑکے بلونت سنگھ کو چھوڑ گیا اس نے حکمرانی شروع کی تھی کہ مسلسل مصیبتیں نازل ہوئیں جن سے اُس کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ وہ اپنے باپ کا جانشین ہوا ہی تھا کہ مادھوجی سندھیا نے خراج کے معاوضے میں اس سے چند پرگنے طلب کئے اور پھر چند سال کے بعد سندھیا نے یہ حیلہ کر کے کہ اُس نے انگریزی حکومت سے مصالحت کرلی ہے جس سے ہماری آج کل لڑائی ہے راگوگڑھ کے قلعے پر حملہ کر دیا اور اس کو تسخیر کر کے سندھیا نے راجا اور اس کے بیٹے جے سنگھ کو قید کر دیا اور اس خاندان کی ریاست چھین لی۔

لیکن ابھی اس فتح مندی کے بعد سندھیا بھی زیادہ دن تک چین سے نہ بیٹھنے پایا کیونکہ کچی فرقے کے سردار ٹھاکر شیر سنگھ نے بلونت سنگھ کے منتشر ہمراہیان کو اکٹھا کر کے باقاعدہ لوٹ مار کے دھاوے بول دیے جس سے یہ غرض تھی کہ مادھوجی سندھیا اس کے راجا کو رہا کرنے پر مجبور ہو جائے۔

۴۶۶

سنہ ۱۸۱۱ء

---

[1] بل بیدّر سنگھ کے خلاف کم از کم ۱۲ راجگان نے اتحاد کیا تھا۔

اس دلیر اور اولوالعزم سردار نے اول یہ کوشش کی کہ ریاست راگوگڑھ سے مرہٹوں کو ایک روپیہ کبھی وصول نہ ہونے پائے۔ اس نے دیہاتیوں کو یہ دھمکی دی کہ تم اپنے گھر چھوڑ دو اور کسانوں کو ڈرایا کہ تم کاشت کرنا ترک کر دو ورنہ ہم لوٹ لیں گے۔ اس نے ان لوگوں کو پڑوسی ریاستوں اور بالخصوص بھوپال میں جا کر آباد ہونے کا حکم دیا چونکہ اُس نے بھوپال کے دیوان چھتا خاں سے سمجھوتا کر لیا تھا جس نے دہقانوں کو اور شیر سنگھ اور اس کے بال بچوں کو پناہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ مادھوجی سندھیا ان سرداروں کی دوستی سے آگاہ ہو گیا تھا لیکن اس نے مخالفت کرنا اس وقت کچھ مناسب نہیں سمجھا لیکن یہ تحمل غیر معمولی نہیں تھا۔ کیونکہ مرہٹوں جیسی حکومتوں میں مستقل اصول تو تھے نہیں بلکہ ہر سال موقع اور ضرورت کے لحاظ سے چند اصول قرار دیئے جاتے تھے اور اگر ضرورت محسوس ہوتی تو سلطنت کے بدترین دشمنوں سے بھی مصالحت کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اور اس قسم کے تعلقات قایم کرنے کا مقصد اس مشہور واقعے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ شیر سنگھ نے دیگر معمولی لٹیری جماعتوں سے اپنے کو علحدہ کر رکھا تھا چنانچہ راگوگڑھ اور اس کے متعلقہ علاقے تباہ کر دیئے گئے۔ لیکن مادھوجی سندھیا کے دیگر مقبوضات پر حملہ نہیں کیا گیا مالوے کے باشندوں کے ساتھ نسبتہً انسانیت کا برتاؤ کیا گیا لیکن ان مرہٹوں پر بالکل رحم نہیں کیا گیا جو اُس کے پلے پڑ گئے اُس نے دکن کے پنڈتوں یا برہمنوں سے خاص طور پر انتقام لیا اس بے رحم رئیس نے برہمنوں کے ناک کان کاٹ لئے اور اُن کے شیر خوار بچوں کو قتل کرا دیا اُس نے ہر ایک لعن طعن کا یہ جواب دیا کہ میں مادھوجی سندھیا کو یہ سبق دینا چاہتا ہوں کہ کسی راجپوت کی ریاست تباہ کرنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس زمانے میں کہ شیر سنگھ کے مظالم کی دہشت انتہائی عروج پر تھی۔ اُس وقت مادھوجی سندھیا کی رانی اور اُس کے بہت سے اعلےٰ عہدہ داروں کے بال بچے اُس کے پاس ہندوستان جا رہے تھے راستے میں اُن کی محافظت کے سلئے ہ۔ ۵ ہزار آدمی اُن کے ہمراہ تھے اور اگرچہ شیر سنگھ کے ہمراہیان کی تعداد ہ۔ ۵ سو بھی نہ تھی لیکن

۴۶۷

۴۶۸

اُس نے اس قدر دھاک بٹھا رکھی تھی کہ مخالفین کو آگے بڑھنے میں پس و پیش ہوا۔ وہ جانتے تھے کہ سندھیا کے اہل و عیال سے انتقام لینے کے لئے شیر سنگھ ہر طرح سے دق کرے گا اس لیئے انھوں نے بھوپال کے دیوان سے پناہ مانگی جو مرہٹہ راجا پر احسان کرنے کا موقع پانے سے خوش ہوا اور اُس نے رانی صاحبہ کے ہمرکاب رہنے کے لیئے نہ صرف اپنا ایک رسالہ مامور کر دیا بلکہ شیر سنگھ سے درخواست کی کہ وہ رانی صاحبہ کے ہمراہیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے اور نہ کسی عنوان سے اُن کی توہین کرے۔ چنانچہ اُس کے اس حکم کی تعمیل کی گئی اور رانی صاحبہ نے متھرا پہنچکر چھٹا خاں کی اس قدر تعریف کی کہ مادھوجی سندھیا نے اُس کے پاس شکریے کا خط[1] روانہ کیا۔

جس زمانے میں کہ بلونت سنگھ ہندوستان میں قید تھا اُس وقت اُس کا بست سالہ فرزند جے سنگھ بھیلسا میں مقید تھا۔ اس کی رہائی کے لیئے شیر سنگھ نے بہت کوشش کی اور چند پیشہ ور چوروں[2] کی دلیرانہ جسارت کی بدولت آخر کار وہ کامیاب ہو گیا جن کی امداد سے راجا قلعے کی دیوار پر سے کود کر نکل بھاگا۔ فوراً ہی ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار کر کے اُسے ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا اور پھر شیر سنگھ نے وہاں سے اُس کو جے پور بھیج دیا تاکہ وہ جے پور اور جودھ پور کے راجگان کو اپنے باپ کی طرف سے کچھ توجہ دلا سکے۔ چنانچہ جے سنگھ نے ان دونوں راجگان کو ترغیب و تحریص دے کر اپنا حامی بنا لیا اور ان دونوں راجگان کے معروضے پر پیشوا نے نہ صرف راجا کو رہا کر دیا بلکہ راگو گڈھ واپس کرنے کا بھی اقرار کر لیا بشرطیکہ ایک معینہ رقم ادا کر دی جائے۔ سندھیا کے ایک اعلےٰ عہدہ دار امباجی انگلیا نے بلونت سنگھ کے ایفاءِ وعدہ کی ضمانت کی

---

[1] ۔ اس شکریے کے خط میں سندھیا نے دیوان کو فرزند دلبند کے اور دیگر معزز القاب سے مخاطب کیا تھا۔ مادھوجی کی اس دلداری سے چھٹا خاں نے بہت فخر و اعزاز محسوس کیا۔

[2] ۔ یہ چور بگڑی کہلاتے تھے ان میں سے ایک چور راجا کو اپنے کاندھوں پر چڑھا کر مع راجا کے دیوار پر سے کود پڑا لیکن دونوں میں سے کسی کے چوٹ نہیں لگی۔

لیکن اس مکار مرہٹے کی دوستی کی کوئی وجہ بجز اپنے ذاتی نفع کے نہیں تھی۔ چنانچہ
اُس نے اپنے بھائی کو سیع اس بدبخت راجا کے بھیج دیا جسے ایک ایسی ریاست ۴۷۰
دی گئی تھی جس کی کچھ آمدنی نہ تھی اور وہ اپنی شرائط پوری نہ کر سکا اور اس لیے
اُس نے ریاست سے دست کشی اختیار کی اور ریاست جے پور کو واپس
چلا گیا اور ۳ سال بعد وہاں پر اُس کا انتقال ہو گیا۔ جسونت سنگھ میں ستعدی
بالکل نہ تھی اور وہ اس پُر شر رزمانے کے لئے نہایت ناموزوں تھا جس میں کہ
وہ رہتا تھا اس لئے اس کی بہادر قوم نے مرنے پر اس کی کچھ توقیر نہ کی جس کا کہ
وہ برائے نام سردار تھا۔

بلونت سنگھ جب راگوگڈھ چھوڑنے پر مجبور ہوا تو اُس نے اپنے ایک
رشتہ دار دُرجن لال کو ایک خط ارسال کیا جو اُس کی طرف سے سندھیا کے دربار
میں نمایندہ تھا اُسے لکھا کہ تم وہاں سے چلے آؤ کیونکہ مرہٹوں کی ہر ایک
کارروائی چالاکی اور دغابازی سے پُر ہے اور میں بھی آیندہ اُن پر کسی قسم کا
اعتبار نہ کروں گا۔ یہ اطلاع ملنے پر دُرجن لال فوراً کچھی واڑہ[۲] جا پہنچا جہاں پر
اُس نے بہت سے ہمراہی فراہم کئے[۱] اور مرہٹوں کی ریاست میں مار دھاڑ
شروع کر دی۔ دو سال تک یہ کارروائی کرنے کے بعد وہ وہاں سے بھاگنے
پر مجبور ہوا اور مادھوجی سندھیا نے اس کے مقابلے کے واسطے زبردست فوجیں[۳]
روانہ کیں جس سے ثابت ہو گیا کہ دُرجن لال اپنے ابتدائی زمانے میں بھی حقیر ۴۷۱
دشمن نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ جب کچھی واڑے کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوا تو وہ ساگر
چلا گیا جہاں کے پنجر نے اُسے پناہ دی اور پھر مادھوجی سندھیا کے انتقال پر

[۱] بالارام انگلیا۔
[۲] کچھی واڑہ اس ملک کا نام ہے جس میں اب کچھی راجپوت رہتے ہیں اور جو کئی صدی
سے اسی نام سے مشہور ہے۔
[۳] بالارام انگلیا۔ جیوا دادا اور گوپال بھاؤ کی فوجیں اس کے مقابلے کے
واسطے بھیجی گئی تھیں۔

۱۷۹۸ء

اپنے خاندان کے ساتھ بدسلوکیاں ہونے کا انتقام لینے کے لئے اپنی دیرینہ تمنا پوری ہونے کا اسے موقع مل گیا۔ نوعمر رئیس جے سنگھ بھی اس کا شریک حال ہوگیا جس نے کہ اب راؤ کا لقب اختیار کرلیا تھا اور اب یہ دونوں رؤسا مادھوجی سندھیا کی بیوہ کی حمایت کرنے کے واسطے مدعو کئے گئے اور ان دونوں نے سندھیا کی بیوہ کے کمان دار لکوا دادا کی فوج میں اپنی فوجیں بھی شامل کردیں۔ جے سنگھ کو راگوگڈھ واپس دیجرا اور درجن لال کو ایک بڑی جاگیر[1] عطا کر کے ان کی دوستی اور اعانت حاصل کرلی گئی لیکن دولت راؤ سندھیا کی افواج زیر کمان جنرل پیروں سے مقابلہ ہونے پر کامیابی کی آن ساری امیدوں پر پانی پھر گیا جو اس اتحاد سے وابستہ تھیں۔ جنرل پیروں کو کامل فتح حاصل ہوگئی لکوا دادا کی فوجیں ہر طرف دُم دبا کر بھاگ گئیں اور منتشر ہوگئیں اور درجن لال و جے سنگھ کو پھر اپنی ہی قوت بازو اور کوشش پر بھروسہ کرنا پڑا۔ اولاً انھوں نے ابیرواڑے کی طرف رُخ کیا جس کا سردار (دلیپ سنگھ) مارا گیا اور اس کا مستقر اونڈی درجن لال کے قبضے میں آگیا۔ اس نے اونڈی کا نام بہادر گڈھ رکھ دیا۔ اُس کی قوت اور آبادی بڑھانے کے لیے ہر طرح پر کوشش کی۔ اس قابل اور حوصلہ مند راجپوت کی یہ پہلی کارروائی تھی جس سے اس کا یہ منشا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ریاست سے جداگانہ اپنی ایک ریاست قایم کرنا چاہتا تھا جس کی اطاعت کیشی کا وہ اعتراف کرتا تھا۔ غالباً وہ جے سنگھ کی برہم مزاجی سے نالاں تھا جو کئی موقعوں پر ظاہر ہوچکی تھی۔ خواہ کچھ ہی سبب کیوں نہ ہو بہر حال وہ دونوں جدا ہوگئے۔ راجا راگوگڈھ کو واپس چلا گیا اور درجن لال نے وسط ہند کے مشرقی حصوں کے چھوٹے ہندو رؤسا کی کمزوری اور ان معرکہ آرائیوں سے فائدہ اٹھایا جن میں مرہٹہ ریاستیں بمقام دکن مشغول تھیں اس نے اپنی فوج میں اضافہ کیا اور اپنے علاقے کی توسیع کی جو ایک زمانے میں کم از کم ۴۲ اضلاع[2] کی حکومت پر مشتمل تھا۔

۴۷۲

[1] سردیج۔ جادھوری اور رانوڈ۔

[2] بہادر گڈھ۔ رانوڈ۔ پوچرا اور گونٹہ خاص اضلاع تھے۔

وہ کئی سال تک اپنی ریاست میں چین کرتا رہا حتیٰ کہ دولت راؤ سندھیا کے
مشہور و معروف یورپی کمان دار بپٹسٹ[1] کی ایک زبردست فوج نے یکے بعد
دیگرے اس کے سارے علاقے فتح کر لیے اس کے جدید مستقر بہادر گڈھ کا بھی وہی
حشر ہوا لیکن اس کا نام پھر تبدیل ہوا اور عیسائی فاتح کے باعث اس کا نام
عیسے گڈھ رکھ دیا گیا اگرچہ درجن لال کی ریاست اس کے قبضے سے نکل گئی تھی۔
لیکن اس کا حوصلہ اور ہمت پست نہیں ہوئی تھی۔ اس کے پاس کچی داڑھ راجپوتوں
کی ایک زبردست جماعت اور دیگر وفادار ہمراہی موجود تھے جن کی امداد سے
وہ دولت راؤ سندھیا کی ریاست میں مسلسل حملے کرتا رہا اور ایک مرتبہ بمقام نروار
وہ سندھیا کے لشکر کے بہت سے مویشی پکڑ لے گیا اس کی آخری کوششوں کا یہ منشا
تھا کہ سندھیا مجبور ہو کر اس کے ساتھ مصالحت کرے تاکہ اس صلح کی بدولت
وہ اپنے اہل و عیال اور اپنی فوج کے گذارے کا بندوبست کر سکے اگر اس کی
موت[2] واقع نہ ہوتی تو غالباً وہ اپنی اس کوشش میں ضرور کامیاب ہو جاتا۔
اپنی فرزانگی۔ مردانگی اور حوصلہ مندی کے لیے اس کی قوم کے بہت کم لوگوں
نے اس سے زیادہ شہرت حاصل کی ہے۔ اس کے نام سے مرہٹے برسوں تک
لرزتے رہے جن سے اسے سخت نفرت اور عداوت تھی چونکہ درجن لال
نے کوئی بچہ نہ چھوڑا تھا اس لیے اس کا ایک رشتہ دار بھیرو لال[3] اس کا
وارث قرار پایا۔ اور اسے لوٹ مار کے دھاووں میں اس درجہ کامیابی حاصل
ہوئی کہ اسے ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کا ایک ضلع جاگیر میں مل گیا
جو ابھی تک اس کے قبضے میں ہے۔ ۴۷۴
اس کی اقبال مندی اپنے رشتہ دار رؤسا پر بھی سبقت لے گئی تھی۔

۴۷۳

[1] یہ کمان دار یورپی کہلاتا ہے اگرچہ وہ ہندوستان میں پیدا ہوا ہے اور اس کی ماں
ہندوستانی تھی۔

[2] اس نے ۴۸ سال کی عمر میں بمقام بھیرنا د وفات پائی۔

[3] بھیرو لال گلاب سنگھ کا فرزند ہے جو درجن لال کا رشتہ دار تھا اس نے راجا بہادر کا
لقب اختیار کیا چونکہ رانا اودے پور نے درجن لال کو یہ خطاب عطا کیا تھا۔

جن کا وہ مطیع اور فرماں بردار تھا اور اگرچہ اُس نے اپنی خود مختار ریاست قایم
کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ان رؤسا کو اپنا آبائی مربی اور بزرگ مانتا رہا۔
بلونت سنگھ کے ساتھ وہ پُرجوش اطاعت کیشی ظاہر کرتا تھا اور اس راجا کے
انتقال پر وہ اُس کے فرزند اور جانشین جے سنگھ کا بھی ویسا ہی مطیع اور فرماں بردار
رہا جیسا اپنے والد کے انتقال کے وقت ریاست[1] جے پور میں تھا اور جے پور
و اودے پور کے راجگان سے اُس کے دوستانہ تعلقات تھے۔ ان راجپوت
فرماں رواؤں سے تحائف اور مبارک بادیاں پانے کے بعد جیسا کہ عرض کر دیا گیا
ہے وہ دُرجن لال کی فرمایش کی تعمیل کرنے کی غرض سے اس کے خاندان کے دشمنوں
کے خلاف ایک جنگ میں امداد دینے کے واسطے چلا گیا۔

اس وقت جے سنگھ کی عمر ۲۸ سال کی تھی۔ اور ایک ہندو قلمی نسخے کے
بموجب جس سے یہ حالات اخذ کیے گئے ہیں یہ راجا نہایت ہونہار تھا۔ اس کی ماں
یعنی بلونت سنگھ کی محبوبہ رانی ایسی حسین تھی کہ دیگر رانیاں آتش رشک وحسد میں
جلنے لگیں اور انھوں نے اس رانی کی بربادی کے لیے مشرقی جادوگری کا
کوئی منتر اٹھا نہ رکھا۔ ان کے اس رشک وحسد کو دیکھ کر بلونت سنگھ کو اپنے
فرزند کے ساتھ اور بھی زیادہ محبت ہو گئی اور اُس کے خاندان کے ایک مورخ
کے بیان کے بموجب اُس نے اپنے فرزند کو سپاہیانہ اور عالمانہ تعلیم دینے
کے لیے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ ہمارے پاس اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں
کہ نوعمر راج کمار نے علم و فضل میں کس حد تک ترقی کی لیکن اُس نے اپنی اوائل عمر ہی میں
یہ ثابت کر دکھایا کہ ذاتی شجاعت میں کسی شخص کو اُس پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔
اور درجن لال کی وفات سے پیشتر ہی جس سے اُس کی ابتدائی جد و جہد کا تعلق
تھا اُس نے اپنی شجاعت اور حوصلہ مندی کے لیے ایسا نام پیدا کر لیا تھا کہ اس
کے نام سے مرہٹوں کی روح فنا ہوتی تھی لیکن اُس کے ہمراہی اُس کے تشدد
سے بہت خائف اور لرزاں رہتے تھے جس کا اُس نے کئی بار نہایت خوفناک ثبوت

۴۷۵

[1] ۔ وہ مادھو گڈھ میں تھا۔

دیا تھا اور اس وجہ سے وہ اسے بڑا بہادر مانتے تھے۔ چنانچہ بطور مثال کے ہم ایک مشہور واقعہ بیان کرتے ہیں کہ درجن لال کی وفات سے کچھ عرصہ پیشتر اپنی تیز مزاجی کے باعث سندھیا کے ایک سپہ دار کے ہاتھ سے شکست نصیب ہوئی اور وہ زخمی ہو کر بجرنگ گڈھ کو بھاگ گیا اور وہاں پر اس کے پوشیدہ رہنے کی وجہ سے اس کی وفات کی خبر مشہور ہو گئی جسے اس کے بعض قریبی رشتہ داروں اور نہایت معتمد عہدہ داروں نے بھی باور کر لیا اور جیسی کہ توقع تھی ان میں سے بعض نے اُس کے وارث اور جانشین ہو جانے کے لیے سازشیں اور اتحاد شروع کر دیے۔ راجا نے اپنے انتقال کی خبر کو اور شہرت دی تاکہ اُس کے حالی موالیوں کی حقیقی کیفیت اس پر منکشف ہو جائے۔ بیماری سے صحت یاب ہونے پر اُس نے ان واقعات کی جانب سے قطعی لاپروائی اختیار کی جو پیش آئے تھے اور اُس نے ایسی متانت اور سنجیدگی اختیار کر لی جس سے سب لوگوں کو پورا اطمینان ہو گیا لیکن چند ماہ گذر جانے کے بعد اُس نے ایک فصلی ضیافت کے موقع سے فائدہ اٹھایا اور اُس نے اپنے دو رشتہ مند لچھمن سنگھ اور امن سنگھ جن پر سب سے زیادہ شبہ تھا نہ صرف گرفتار کر کے قتل کر دیا بلکہ اُس نے حسبِ عادت نہایت شقاوتِ قلبی کے ساتھ یہ حکم دیا کہ بلالحاظ سن و سال کے ان دونوں کے گھر والے اُس کے غیظ و غضب پر قربان کر دیے جائیں یہ لوگ جیسی سفاکی اور بے دردی کے ساتھ قتل کیے گئے اُس سے ہر ایک انسان کو سخت صدمہ پہنچا۔ ان سفاکیوں اور ایسے ہی دیگر مظالم کی بابت صرف یہ معذرت پیش[1] کی جا سکتی ہے کہ وہ اس زمانے میں پاگل ہو گیا تھا۔ لیکن اُن لوگوں کی شہادت سے یہ واقعہ بخوبی ثابت ہو گیا جو اُس کے راجہ ہونے سے بیشتر سے اس سے ملاقات[2] کیا کرتے تھے لیکن کہا جاتا ہے کہ

۴۷۶

---

[1] جے سنگھ نے اپنی ہی کئی رانیوں کو قتل کر ڈالا۔

[2] کسی زمانے میں خیالی رام، درجن لال کے لشکر میں تھا اُس نے کئی بار جے سنگھ سے ملاقات کی ہے اُس کا بیان ہے کہ اُس کے حرکات اور اُس کی بات چیت سے ظاہر ہوتا تھا

اُس کے خاندان کی بدنصیبیوں اور پھر انتقام کی زبردست خواہش نے اُس کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ ہنومان جی کا پجاری بن گیا اور ایک مُسن پجاری نے اس کے دل میں یہ باطل عقیدہ پیدا کر دیا کہ اپنی پوجا پاٹ کے وسیلے سے وہ اس جنگجو دیوتا سے ملاقات کرنے لگا ہے۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس موقع پر اول تو اُس کے مزاج میں بے ثباتی پیدا ہوگئی اور بہت ممکن ہے کہ دن رات باطل پرستی میں منہمک رہنے اور اس کے علاوہ افیون اور دیگر منشیات کے استعمال سے اُس کی تیز مزاجی پر یہ اثر کیا ہو کہ گاہے ماہے اُس کا دماغ مختل ہو جاتا ہو۔ اُس کی صورت اور اُس کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ نشہ کی حالت میں ہے لیکن چونکہ فطرتاً وہ بہت زیادہ بہادر تھا اس لئے ان محرکات سے اُس کی دلیری میں اور اضافہ ہوگیا تھا اور چونکہ اس کے دل میں مرہٹوں کی طرف سے ہر وقت آتش غیظ وغضب بھڑکتی رہتی تھی اس لیے اُس کے راجپوت ہمراہی اسے پاگل تصور کرنے لگے اور وہ اس سردار کے قصوروں کو فوراً معاف کر دیتے تھے جس کے متعلق اُن کا خیال تھا کہ یہ سرداران کے بے رحم اور ظالم دشمنوں کے لیے بلائے بے درماں ہے۔ اس کے علاوہ وہ اور کوئی سبب نہیں پیش کر سکتے ہیں اس وجہ سے انھوں نے اس سفاک ظالم کے ہاتھوں بڑی تکالیف اٹھائیں اُس نے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا تھا۔ اُس کے جملہ مقبوضات اُس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ اب اسے صرف اسی قدر اختیار باقی تھا جو ان لوگوں کی اطاعت کیشی کی بدولت اُسے حاصل ہوا تھا۔

۱۸۰۳ء دولت راؤ سندھیا نے انگریزی حکومت سے مصالحت کرنے کے بعد یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ وہ نہ صرف مغلوب الغضب ہے بلکہ اُس کا مزاج اُول جلول ہے۔

لہ۔ ہنومان کو بندر کہا جاتا ہے اور رامائن میں لکھا ہے کہ جب لنکا کا راجہ راون سری رام چندر جی کی بیوی سیتا جی کو اُٹھا لے گیا تھا اور جب رام چندر جی نے اُس پر چڑھائی کی تو ہنومان نے بڑے کارنامے دکھائے تھے۔

پالیسی اختیار کی کہ وسطِ ہند میں اپنے باجگذار رئیسوں میں سے بعض کا بالکل استیصال کردیا جائے اور بعض کو اپنا تابع فرمان بنالیا جائے۔ جن کے علاقوں کو وہ اپنی ریاست میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ بیپٹسٹ مع اپنی پیدل سپاہ اور توپ خانے کے اس خدمت کو انجام دینے پر مامور کیا گیا۔ اُس نے ریاست سیوپور کو فتح کرلیا۔ اور جے سنگھ کے مظالم کی خبر سن کر اُسے یہ امید ہوئی تھی کہ ۴۷۸ اس کی ریاست کو فتح کرلینا بہت آسان کام ہوگا۔ چنانچہ ہولی کے تہوار کا دن اس حملے کے واسطے منتخب کیا گیا جب کہ راجہ اور اُس کے ہمراہی شراب نوشی میں مشغول ہوں گے۔ بجرنگ گڈھ فتح ہوگیا۔ اور راگھوگڈھ پر حملہ کیا گیا لیکن وہ کچھ عرصے تک فتح نہیں ہوا کیونکہ جے سنگھ نے محاصرے کے دوران میں غنیم کو پریشان اور دق کرنے کے لیے ہر طرح کی کوششیں کیں کیونکہ اُس کے پاس میدانِ جنگ میں مقابلہ کرنے کے لیے فوج موجود نہ تھی۔ اس کے دیگر کارناموں میں سے ایک یہ بڑا کارنامہ ہے کہ اُس نے خوب سوچ سمجھ کر سیوپور[1] پر اچانک حملہ کردیا اور مکمل کامیابی حاصل کی۔ اسے اُس نے دوبارہ فتح کرلیا اور وہاں پر ۴۷۹

---

[1]۔ سیوپور ۳ر جون ۱۸۱۶ء کو فتح ہوا۔ اس کی فتح یابی کا حال کپتان کلوز نے اس طرح بیان کیا ہے۔

"قلعے کے اندر کے آدمیوں سے کچھ سازباز کر کے جے سنگھ علی الصباح قلعہ پر جا پہنچا۔ وہ سیڑھیاں لگا کر دیوار پر چڑھ گیا اور اپنے ہمراہ ۶۰ آدمی لیکر قلعے میں اس مقام پر جا پہنچا جہاں بیپٹسٹ کے اہل و عیال رہتے تھے وہاں پر ۲۰ سپاہیوں کا گارڈ مع ۵ دوغلے یورپی لوگوں کے تعینات تھا۔ راجہ اس وقت نیم برہنہ تھا اُس کے ہاتھ میں ایک برچھا اور اُس کے ملازمان کے ہاتھوں میں ڈھال اور تلواریں تھیں۔ جے سنگھ کے ہمراہیوں نے راجہ کے گارڈ کو مغلوب کرلیا اُن میں سے ۲ یورپین مارے گئے مگر راجہ کے ۱۰۔۱۲ آدمی بھی ضائع ہوئے۔ بیپٹسٹ کی بیوی اور لڑکے سے تحریری احکام لیکر قلعہ کی محافظ سپاہ کے نام بھیج دیے گئے جن میں ۲۰۰ بے قاعدہ سپاہی تھے کہ وہ بالکل خموش رہیں ورنہ اگر وہ مقابلہ کریں گے تو اُن کی جانیں ضائع جائیں گی چنانچہ کسی نے کچھ

نہ صرف خزانہ اُس کے ہاتھ لگا بلکہ اُس نے تیپ لُسٹ کے اہل وعیال کو قید کرلیا۔ اُس کے بعد اس نے اس سپہ دار کی بیوی کو رہا کردیا اور اس حسن سلوک کا یہ معاوضہ دیا گیا کہ جب راگوگڑھ فتح ہوا تو اُس کی رانی کو اس کے پاس جانے کی اجازت دیدی گئی سندھیا کے کمان دار نے کئی بار اس راجپوت رئیس کے روبرو مصالحت کی تجویز پیش کی لیکن فریقین کے مطالبات ناقابل تصفیہ تھے اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لڑائی پورے جوش کے ساتھ جاری رہی اور چونکہ مرہٹوں کی فوج بہت زیادہ تھی اس لئے انھوں نے راگوگڑھ پر اپنا پورا تسلط قایم کرلیا۔ جے سنگھ جب اپنے ہی ملک سے نکال دیا گیا تو اُس نے سندھیا کے غیر محفوظ علاقوں کی لوٹ کھسوٹ کو اپنے اور اپنے ہمراہیوں کی معاش کا وسیلہ بنالیا۔ لیکن اس مصیبت کے زمانے میں بھی اُس نے راجہ ہونے کا وقار قایم رکھا اُس نے صرف سرکاری عہدہ داروں سے تاوان وصول کیا اور رعایا کو لوٹنے سے پرہیز کیا۔ ایک زمانے میں اُس کی لوٹ مار کا حلقہ بہت وسیع ہوگیا تھا چنانچہ مشرق میں نولی اور کلیچ رود تک اور جنوب میں کھنڈوا اور برہان پور تک اُس نے دھاوے کیے تھے۔ اُس کی فوج میں صرف سوار سپاہی تھے جن کی تعداد دہ ہزار تھی اور اُن میں بھی زیادہ تر اُسی کی برادری کے راجپوت تھے۔ وہ کسی شہر کے صرف دولت مندوں ہی پر حملہ نہ کرتا تھا بلکہ اُس نے کئی سال تک سندھیا کے کمان دار تیپ لُسٹ کا ایسی قوت اور جوش کے ساتھ مقابلہ کیا اور باوجود ثانی الذکر کے بہتر اور اعلیٰ وسائل جنگ کے اُس کے چھکے چھوڑا دیے۔ اس نے اس کو بیحد دق اور پریشان کیا۔ ایک موقع پر اُس کی ۲ پلٹنوں[1] کو معہ توپ خانے کے شکست فاش نصیب ہوئی۔ اور اس قابل یادگار موقع پر جے سنگھ نے حملہ کرنے میں اپنی فوج کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) روک ٹوک نہ کی۔

(بحوالہ مراسلہ مسٹر کلوز بمعرفت گورنمنٹ)

[1] اس فوج کا سپہ دار اراٹون ارمنی تھا اُس نے جو کیفیت گوالیار کو ارسال کی اُس میں لکھا ہے کہ لڑائی فیصلہ کن نہیں ہوئی تھی۔

خود رہبری کی تھی اور وہ اپنی ریاست واپس لینے کے قریب تھے کہ غنیم کی فوج اس قدر عظیم الشان تعداد میں جمع ہوگئی کہ وہ پسپا ہونے کے لیے مجبور ہوگیا۔ اگرچہ اُس نے کئی بار شکست کھائی تھی لیکن اُس کا حوصلہ پست نہیں ہوا تھا اور اُس نے اپنے ہم قوموں میں بھی وہی شجاعت پیدا کر دی تھی۔ چیرن اور بھاٹ اُس کی جانبازانہ شجاعت اور اُس کی جسمانی قوت کے گیت گاتے ہیں اُس جلاوطن رئیس نے جس کی ریاست کی آمدنی ۳ لاکھ سالانہ بھی نہ تھی۔ سندھیا کی فوج کے جزو اعظم کا ۵ سال تک خم ٹھونک کر مقابلہ کیا اور اگر انگریزی فوجیں وسط ہند میں نہ آپہنچتیں تو یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ سندھیا کی فوجیں باوجود کثیر تعداد ہونے کے اُسے زیر کرلیں کیونکہ اُس کے ہمراہیوں کی تعداد کم ہونے کی بجائے برابر بڑھتی جاتی تھی۔ اس فوج میں مختلف اقوام کے لوگ شامل تھے۔ اس کے ہمراہیوں میں ۴۰۰ اور ۵۰۰ کے درمیان قریبی رشتہ دار اور خاندانی وفادار تھے اور یہ سب اعلےٰ درجے کے شہسوار تھے اور اپنے سردار کے اس درجے جانثار تھے کہ مرہٹہ سواروں کی خواہ کتنی ہی تعداد کیوں نہ ہوتی مگر وہ اس مرہٹہ جماعت کے حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے ٹھہرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ باقی فوج تنخواہ دار سپاہیوں کی تھی۔ جنگ شروع ہونے کے وقت وہ جو کچھ روپے حاصل کرلیتا تھا اور دوران جنگ میں وہ جو کچھ تاوان وصول کرتا تھا اس سے وہ اس فوج کو وقت پر تنخواہ دیدیتا تھا۔ وسط ہند کی حالت جے سنگھ کے حق میں سود مند تھی۔ اس کی عداوت اور لڑائی تو صرف دولت راؤ سندھیا کی ریاست سے تھی۔ اُس نے نہ تو کسی اور ملک کے مسافر یا سوداگر کو لوٹا اور نہ کسی پر جور و ستم کیا۔ مسلسل جنگ و جدال میں مصروف رہنے کا اُس کے اخلاق و عادات پر نہایت اچھا اثر پڑا تھا۔ جب انگریزی فوجیں نربدا پہنچی تھیں اُس وقت اُس کا تذکرہ ہر ایک کی زبان پر تھا۔ وہ ایک بہادر رئیس متصور

۴۸۱

ﻪ۔ جین بیپ ٹسٹ کے ساتھ جو جے سنگھ کا مقابلہ کر رہا تھا ۵ پلٹنیں۔ ۳۰۔ ۴۰ توپیں اور ۸۔ ۱۰ ہزار سوار سپاہ تھی جن میں پنڈاری بھی شامل تھے۔

ہوتا تھا جو اپنے دشمنوں کا مقابلہ آخر دم تک کرنے کے لیے تیار تھا۔ اسے انگریزوں اور سندھیا کے درمیان جنگ چھڑ جانے کی مدت دراز تک امید لگی رہی اور وہ دلی شوق کے ساتھ یہ توقع کرتا تھا کہ انگریزی حکومت کی نوازش سے اس کی اور اُن راجپوت رئیسوں کی ریاستیں واپس مل جائیں جن کو مرہٹوں نے فتح کر لیا تھا۔ اس نے سرحدی فوج کے ایک کمان دار[1] کے نام ایک خط بھیجا تھا اور پیش آنے والے واقعات سے اُس نے جو مبالغہ آمیز توقعات وابستہ کی تھیں یہ خط اُن کا ایک بیّن ثبوت ہے مختلف راجپوت فرقوں کے متعلق رائے زنی کرنے کے بعد جے سنگھ نے کہا تھا کہ کچی چوہان جن کا کہ وہ سردار ہے وہی ہند و پت اور حکمرانی[2] کے مستحق ہیں۔ جے سنگھ کہتا ہے کہ "چونکہ سندھیا نے میری ریاست تباہ کر دی میری عزت چھین لی۔ اور وہ کئی کروڑ کی مالیت کا مال و اسباب لے گیا ہے اس لئے میری دلی تمنا ہے کہ میں بھی اُس کی حکومت کا خاتمہ کر دوں اس لیے میں اُمید کرتا ہوں کہ انگریزی حکومت مجھ کو اپنے دشمن سے انتقام لینے کے لائق بنا دیگی۔ اگر سندھیا کی ریاست میرے سپرد کر دی جائے تو میں کل آمدنی میں سے ۶ سے ۸ ٹنک فی روپیہ کے حساب سے ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔

انگریزی فوجیں اور میرے سوار سپاہی جہاں کہیں بھی جائیں گے وہ انگریزوں کی اقبال مندی سے کامیاب ہوں گے اور سندھیا تباہ کر دیا جائے گا" راجپوتوں کی گزشتہ حکومت کے متعلق رائے زنی کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے کہ "مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ انگریز صاحبان پنڈاریوں کا قلع قمع کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے متعلق مجھے حکم دید یجئے تو پھر اگر کوئی رئیس ان لٹیروں کو اپنی ریاست میں پناہ دے گا یا اُن کے شریک حال ہوگا تو میں اُس کی اطلاع دینے میں کوتاہی نہ کروں گا۔ پنڈاریوں کے پاس ۳۰ ہزار شہسوار موجود ہیں اور یہ بات آپ پر مخفی نہیں ہے۔

[1] کرنل میک مورن۔

[2] یعنی ہندوستان کے فرماں روا۔ وہ اودے پور کے سودیوں کو دوسرے درجہ کا راجپوت رئیس بتاتا ہے۔

اگر انگریزی حکومت ۱۵ ہزار سواروں کے مصارف یا ۵ لاکھ روپے مرحمت فرمادے تو میں ان پنڈاریوں کا استیصال کر دوں گا۔

جس مقام کے لئے میں تجویز کروں کہ پیدل سپاہ بھیجنی چاہئے وہاں پیدل فوج اور جس مقام کے لئے میں مشورہ دوں کہ سوار سپاہ بھیجنی چاہئے وہاں پر سوار سپاہ روانہ کر دی جائے۔ بہر حال اس عریضہ کا جواب مرحمت فرمانے سے قبل ۲۵ ہزار روپے بطور پیشگی رقم کے بھیج دیجئے اور جس جگہ کے لئے مجھے حکم دیا جائے میں وہاں پر خیمہ زن ہو جاؤں گا اگر روپیہ فوراً نہیں دیا جا سکتا ہے تو اس مسئلے کو طے کرنے کے لئے میرے ایک وکیل کو اپنے یہاں قیام کرنے کی اجازت دیدیجئے اور مطلع فرمایئے کہ کس مقام پر میں آپ کے فیصلے کا انتظار کروں۔ لیکن ان سب امور کے علاوہ شرائط معاہدہ طرفین کے لئے لازمی قرار دیدی جائیں کیونکہ اس سے کمپنی کی ناموری اور شان و شوکت کو تقویت پہنچے گی۔"

اگر سندھیا غیر جانب داری کو قائم نہ رکھتا تو اسے مغلوب کرنے کے لئے جے سنگھ نہایت کار آمد آلہ ثابت ہوتا لیکن چونکہ سندھیا غیر جانب دار رہا اس لئے جے سنگھ کو کسی قسم کی امداد نہ دی جا سکی۔ وہ از سر نو جنگ چھیڑنے کے وسائل کی تیاری کر رہا تھا لیکن وہ ایک وبائی مرض[1] کا شکار ہو گیا۔ اور اپنے تاج و تخت کے دو دعویدار دھوکل سنگھ اور اجیت سنگھ چھوڑ گیا۔ جنھوں نے اپنے ہمراہیوں کو تقسیم کر کے کچھیوں کے اتحاد اور قوت کو توڑ دیا اور حکومت سندھیا کو اس بہادر فرقے پر بآسانی فتح مند بنا دیا۔

۴۸۴
۱۸۱۸ء

اگر کسی ہندو راجہ یا رئیس کے اولاد نہیں ہوتی ہے تو اس کے انتقال کے بعد اس کی رانی کا مرتبہ بہت بلند ہو جاتا ہے چونکہ اسے متبنیٰ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس حق کی وجہ سے وہ متوفی راجہ کی حکومت اور ریاست کی وارث ہوتی ہے اور اس کا یہ فریضہ ہوتا ہے کہ وہ متوفی کے قریبی رشتہ داروں میں سے کسی ایسے لڑکے کو متبنیٰ کرنے کے واسطے منتخب کرے جس پر بہت کم اعتراض ہو سکتا ہے لیکن یہ شرط

[1] ہیضہ۔

لازمی نہیں ہے اور اس استحقاق سے کام لینے کے نتیجے میں اکثر خاندانی نزاعات اور وراثت کے متعلق جھگڑے بکھیڑے پیدا ہوجاتے ہیں۔ موجودہ مثال میں جے سنگھ کی ایک رانی نے اعلیٰ عہدہ داروں سے مشورہ کرنے کے بعد گلاب سنگھ کے فرزند کو منتخب کیا جو رانی اور اس کی جماعت کی طرف سے اجیت سنگھ کے نام سے گدی نشین ہوا۔ لیکن جے سنگھ کی چچی نے جو نہایت با اثر خاتون تھی اس کارروائی کی مخالفت کی اور اپنے کو دھوکل سنگھ کا طرف دار بنایا۔ یہ سردار اپنی شجاعت کے لئے مشہور تھا لیکن کچی واڑہ کے بہت سے راجپوت اس کے مخالف تھے اور اس کے متعلق یہ زبردست اعتراض تھا کہ وہ بیجاوت یعنی خاندان کی چھوٹی شاخ سے ہے جس کی اولاد ہمیشہ لالہ وت یعنی خاندان کی بڑی شاخ کی ماتحت مانی جاتی رہی ہے۔

جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ راگوگڑھ کی کل ریاست سندھیا نے غصب کر لی تھی اور فریقین محض ایک نام کی خاطر جھگڑا کر رہے تھے اور وراثت کی یہ نزاع اس قدر زبردست تھی جیسے کسی سلطنت کی وراثت کا جھگڑا ہو تو بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ اور اگر یہ سمجھا کہ جھگڑا محض فضول تھا تو یہ درست نہ ہوگا۔ کیونکہ ۳-۴ ہزار نہایت بہادر اور مستعد لوگوں کی اطاعت کیشی اور فرماں برداری کا سوال تھا۔ یہ لوگ منقسم ہوگئے تھے۔ اجیت سنگھ نے شروع ہی میں حکومت برطانیہ کی پیش کردہ شرائط کو مان لیا اس لئے ان میں سے بعض لوگ اجیت سنگھ کے طرف دار بن گئے لیکن

لہ۔ اس نوجوان کا نام بختاور سنگھ تھا لیکن رانی کا متبنے ہونے پر اس کا نام اجیت سنگھ رکھ دیا گیا۔

لہ۔ دھوکل سنگھ اپنے دعوے کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتا تھا کہ جے سنگھ نے اپنے انتقال سے بیشتر اس کو اپنا گھوڑا اور برچھا مرحمت فرمایا اور اسے اپنا جانشین قرار دیا تھا۔ یہ مسئلہ مدت تک زیر بحث رہا اور اس کے فیصلے کا انحصار اودے پور۔ جے پور۔ بوندی۔ کوٹا سیو پور اور نردر کے راجاؤں پر چھوڑ دیا گیا۔

لہ۔ خاندان راگوگڑھ دو حصوں میں تقسیم ہے جو لالہ دت اور بیجاوت کہلاتے ہیں اور مالوے میں اس ریاست کے بانی غریب داس کے دو بیٹوں لال سنگھ اور بیجا سنگھ کی وجہ سے یہ دونوں نام ان کی اولاد کے ہوگئے ہیں۔

دھوکل سنگھ نے مخالفت کو جاری رکھا۔ حتے کہ سندھیا کی ایک فوج نے زیر کمان انگریزی سپہ داران کو کئی شکستیں دیں اور پھر یہ لوگ دھوکل سنگھ کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ ۴۸۶ اور دھوکل سنگھ قید کر کے گوالیار بھیج دیا گیا۔ اس خدمت پر جو سپہ دار مامور تھے انھوں نے بھی واڑے کے راجپوتوں کی شجاعت اور ہمت کے متعلق جو شہادت دی ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر حکومت برطانیہ دست اندازی اور امداد نہ کرتی تو اس بہادر فرقے کو پورے طور پر مغلوب کرنے میں بہت عرصہ لگتا انگریزی رزیڈنٹ[1] متعینہ دربار گوالیار نے اپنے ایک مراسلے میں اُن کے آخری تاجدار کا کیرکٹر اور مرہٹوں کے متعلق اُس کے اور اس کی برادری والوں کے خیالات درج کئے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ "دھوکل سنگھ نہایت من چلا بہادر شخص ہے اور اُس کی شجاعت اُس کے بے شمار زخموں کے نشانات سے ظاہر ہوتی ہے جو جنگ میں اُس کے لگے ہیں لیکن یہ بات افسوس کے لائق ہے کہ اُس کے کیرکٹر پر ظالمانہ حرکات کا داغ لگا ہوا ہے۔ جب کہ وہ اس رزیڈنسی میں مقید تھا تو اُسے اپنی ڈھال و تلوار رکھنے کی اجازت دیدی گئی تھی اور اُسے قلعہ گوالیار میں بھی ان ہتیاروں کے اپنے جسم پر لگانے کی اجازت دیدی جاتی لیکن جب وہ مرہٹوں کے سپرد ہونے والا تھا اس وقت اُس نے اپنے ہتیار اس پیام کے ساتھ بھیج دیے کہ میں اپنے ہتیار کسی مرہٹے کے روبرو ہرگز نہ ڈالوں گا البتہ میری جان لینے پر وہ ہتیار لے سکتا ہے اور ان کو دوبارہ واپس لینے کی واحد امید انگریزی حکومت کی نوازش پر منحصر ہے۔"

۴۸۷. راگوگڑھ کا قلعہ و قصبہ معہ ۲۵ ہزار کی ریاست کے اس خاندان کو واپس دیدیا گیا اور یہ شرط قرار پائی ہے کہ اس خاندان کے چند وابستگان ہمیشہ سندھیا کی ملازمت میں رہیں گے۔ انگریزی حکومت کی دست اندازی سے یہ شرطیں بڑی مشکل سے طے ہوئی تھیں۔

ریاست کوٹا کی آخر تاریخ راگوگڑھ کی تاریخ سے بالکل جداگانہ ہے اس کے

[1] ایک قلمی نسخے میں مجھ کو اس بیان سے کچھ اختلاف نظر آیا مگر یہ فرق کچھ توجہ کرنے کے لایق نہیں ہے۔

قایم ہونے کی یہ وجہ ہوئی کہ اودے پور کے ایک رانانے بوندی راجاؤں کے ساتھ ایک دیرینہ نزاع میں حکمران راجہ کے چھوٹے بھائی کی حمایت کی اور اولاً بطور جاگیردار کے اُسے کوٹا میں آباد کردیا اور بعد ازاں بڑے بھائی کے خلاف ایک جنگ میں اس کی اس قدر امداد کی کہ بڑا بھائی کوٹا کو ریاست[1] بنانے کے لئے اپنا نصف علاقہ دینے پر مجبور ہوا اور پھر کوٹا کے فرماں روانے مہاراؤ کا لقب اختیار کرلیا اس واقع کو ظہور میں آئے ہوئے دو صدیاں گزر چکی ہیں۔ کوٹا کا پہلا فرماں روا بشن سنگھ تھا جس کے خاندان کو مہاراؤ اُمید سنگھ کی گدی نشینی تک حقیقی نام اور حکومت حاصل رہی لیکن اس رئیس کو وسط ہند کی پریشان حالی کے خوف یا اپنی نالایقی کے باعث اپنے اعلےٰ عہدہ داروں اور رعایا پر کوئی اختیار باقی نہ رہا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ۰ ۰ ہزار روپے سالانہ کبھی ادا نہ کرسکا جو کہ مرہٹوں کا خراج قرار پایا تھا۔ ریاست کوٹا تباہی کے کنارے آپہنچی تھی جب کہ ان مقتدر لوگوں میں سے جن کے اسمائے گرامی موجودہ تاریخ ہند میں درخشاں ہیں ایک شخص نے ریاست کوٹا کو نہ صرف ورطۂ ہلاکت سے بچالیا بلکہ اُسے ترقی دیکر راجپوت ریاستوں میں اُس کو اعلےٰ مرتبے پر پہنچادیا۔ ظالم سنگھ[2] چوہان راجپوتوں کے قبیلے ہرا سے تھا۔ وہ پرتھی راج کا بیٹا تھا جو گمان سنگھ راجہ کوٹا کے یہاں ایک معزز عہدہ دار تھا پرتھی راج کی حیثیت راجپوتوں میں بہت اعلیٰ ہوگئی کیونکہ اُس کی ایک بیٹی کی شادی راجہ کے ساتھ ہوئی تھی اور اس کا ایک لڑکا راجہ جے پور کی فوج کے مقابلے میں ایک فوج کی کمان کررہا تھا اور اس نے ملہار راؤ کی اعانت سے اُسے شکست دیدی تھی۔ اس واقع کے کچھ عرصہ بعد اس نوخیز سردار اور گمان سنگھ کے درمیان کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے وہ ریاست اودے پور کو چلا گیا اور وہاں کے راجہ نے مرہٹوں کے مقابلے میں اُس سے ایسی کامیابی کے ساتھ کام لیا کہ وہ میرواڑ

[1] دوسرے مسودوں میں یہ بیان مجھے مختلف نظر آیا لیکن یہ اختلاف قابل لحاظ نہیں ہے۔

[2] ہرا کے قبیلے نے بہت سے نامور اشخاص پیدا کئے رام سنگھ ہرا جو ایک بلند مرتبہ امیر اور ۹ سو سواروں کا کمانڈر تھا اورنگ زیب کے مشہور جنرلوں میں شمار ہوتا تھا۔

۴۸۹ سے نکال دیے گئے۔ لیکن اس کے بعد اجین کے قریب ایک معرکے میں ظالم سنگھ کو نہ صرف شکست نصیب ہوئی بلکہ وہ زخمی ہوکر اپنے دشمنوں کے ہاتھ قید ہوگیا اُس وقت وہ نہایت نامور سردار تھا۔ راجہ اودے پور نے اُسے ایک جاگیر اور راجہ کا خطاب عطا کیا جس کا وہ موروثی حق دار تھا۔ اور وہ رانا کہلاتا تھا۔ اس سے پیشتر اس کے بھتیجے امید سنگھ راجہ کوٹا نے اسے طلب کیا تھا تاکہ وہ ریاست کا قلمدان وزارت سنبھال لے اور اب اس تجویز کو اس نے اپنی گئی ہوئی ریاست واپس لینے کا وسیلہ تصور کیا۔ اپنی قید کے زمانے میں سندھیا کے کئی عہدہ داروں سے بالخصوص لالہ جی بلال سے اُس کی شناسائی ہوگئی تھی جس کے سپرد راجپوت راجاؤں سے خراج کی وصول یابی تھی۔

ظالم سنگھ نے یہ تجویز پیش کی کہ اُسے کوٹا بھیج دیا جائے۔ اُسے یہ توقع ہوئی کہ سندھیا کی ریاست کی امداد اور اپنی ذاتی کوشش سے وہ وہاں کے سرکش روُسا کو زیر کرکے تابع فرمان بنا دیگا اور ریاست کو ترقی دے کر اتنا خوش حال بنا دیگا کہ وہ پابندی کے ساتھ خراج ادا کر سکے۔ اور اُس نے مرہٹہ راجہ کو یہ لالچ اور دیا کہ وہ سالانہ رقم میں ۲۰ ہزار کی بیشی کا میں وعدہ کرتا ہوں۔ چنانچہ یہ تجویز منظور ہوگئی اور ظالم سنگھ مع اپنے دوست لالہ جی بلال اور بیگاہ فوج کا ایک مختصر دستہ لے کر کوٹا کو گیا جہاں اُمید سنگھ نے اُس کا خیر مقدم کیا۔ اُس نے فوراً ہی ظالم سنگھ کو اپنا وزیر مقرر کر دیا اور ریاست کے نظم و نسق کے جملہ اختیارات

۴۹۰ اُس کے ہاتھ میں دیدیے۔ اس کارروائی کے اثر سے اور ظالم سنگھ کی مستعدی اور سرگرمی اور مرہٹوں کی مسلمہ امداد نے اُس کی حکومت کے خلاف کسی قسم کی مخالفت نہ پیدا ہونے دی۔ کوٹا کے ٹھاکروں کے ساتھ نبرد آزمائی میں اس نے ایسی سخت گیری ظاہر کی کہ جس سے اس کے دشمنوں پر اُس کا رعب چھا گیا۔ وہ جنگ و جدال کا مخالف تھا اور اس نے ابتدا ہی سے ایسا نظام حکومت قائم کر دیا کہ اُس کی وجہ سے ریاست کو ۵۰ سال کے عرصے میں معقول ترقی حاصل ہوگئی۔ جب وہ وزیر یا کاربردار مقرر ہوا تھا اُس وقت ریاست کی آمدنی ۴ لاکھ تھی مگر اب ۴۰ لاکھ ہوگئی تھی۔ لوٹ مار بدامنی اور شورش کے زمانے میں جب تشدد۔ کمزوری۔

ظلم وستم اور حرص وطمع تباہی کے یکساں موجب ہوتے ہیں ظالم سنگھ نے اپنی
اصابت رائے ۔ بیحد ہوشیاری تحمل و بُردباری کے باعث اپنے ہمسایوں کی غلطیوں
سے فائدہ اٹھایا اور خود کبھی اس قسم کی کسی غلطی کا مرتکب نہیں ہوا۔ اس نے شروع
ہی سے اس زمانے میں یہ ثابت کر دکھایا تھا کہ اُس کی ذات پر اعتماد کیا جا سکتا
ہے جب کہ دوسروں میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس پر بھروسہ کیا جا سکتا۔ اس کی
شجاعت اور فرزانگی کی شہرت قایم ہو گئی تھی اور اُسے اپنا دشمن بناتے ہوئے
سب لوگ ڈرتے تھے ۔ وہ کسی کو اشتعال دلانے سے ہمیشہ احتراز کرتا تھا اور
راجپوت فرماں روا کا معزز لقب اختیار کرنے کی بجائے اُس نے مرہٹوں کی
سرداری کو بخوشی فوراً تسلیم کر لیا تھا۔ وہ اپنے کو زمیندار یا کاشتکار رہتا تا تھا۔

۴۹۱

فی الحقیقت وہ ریاست کے اختیارات مل جانے سے مطمئن ہو گیا تھا اور نام ونمود
کے لئے وہ جھگڑا کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ چونکہ اُس نے کاروباری تربیت پائی تھی۔
اس لئے ایک ہی وقت میں وہ کاشتکار۔ زمیندار اور مدار سب کچھ ہو گیا تھا۔
اُس کا لب ولہجہ ہر ایک معاملے میں معتدل اور ایماندارانہ رہتا تھا اگرچہ ابتدا ہی
سے اُس کے دل میں عظیم الشان تمنائیں تھیں لیکن اُس نے اُن کے حاصل کرنے کے
واسطے کبھی صف آرائی نہیں کی (اور بہت کم آدمیوں کے سوانح اُس کے مقابلے میں
ایسی مکمل اور بے غل وغش کامیابی کی مثال پیش کرتی ہے) اور اپنی خوش نصیبی سے وہ
بلا مزاحمت کے اپنی روش پر قایم رہا اور حکومت ملنے کے ابتدائی زمانے سے
اب تک اس نے یہی روش قایم رکھی ہے۔ اُس کی ریاست میں کاشت اعلےٰ درجے کی
تھی۔ اُس نے اپنی ریاست کی توسیع میں اپنی قوت سے کام نہیں لیا بلکہ ہوشیاری.
سازش اور مواقع سے فائدہ اٹھایا۔ اُس نے ریاست کے امرا کی بڑی بڑی جائدادوں
کو جن کا انتظام خراب تھا ضبط کر کے اور اُن کی اصلاح کر کے اپنی ریاست کی آمدنی
میں بہت کچھ اضافہ کر لیا تھا۔ یہ دست درازی خاص کر سابق رؤسا کی جائدادوں
پر کی گئی تھی۔ ظالم سنگھ نے ریاست کے اندرونی انتظامات میں پورے طور پر اس
قسم کی تبدیلیاں پیدا کرنے کی غرض سے ہر ایک بیرونی فرماں روا اور سردار کے ساتھ
دوستانہ تعلقات قایم کرنے میں پوری سرگرمی اور انہماک سے کام لیا جن میں ہندوستان

کے اعلیٰ فرماں روا سے لیکر بیباک ڈاکو تک شامل تھے۔ کوٹا اس مصیبت و آلام کے
سمندر کی بندرگاہ بن گیا تھا جہاں پر قدرے آرام و آسایش میسر آجاتی تھی۔ اور چونکہ
سب لوگ گاہے ماہے یہاں آکر راحت پاتے تھے، اس لئے اس کے محفوظ و مامون
رہنے کے متعلق عام دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ ظالم سنگھ کی حکمت عملی نے اسے اس بات پر
آمادہ کیا کہ وہ اس زمانے کی سب سے زیادہ قوی حکومت کی دوستی اور حمایت ہر ایک
شرط پر بجز بے ایمانی کے حاصل کرے۔ اور پھر اس کی بدولت وہ نہایت اطمینان
کے ساتھ سرفرازی اور ترقی کے متعلق اپنی تجاویز پر عملدرآمد کرتا رہا۔ اس کا مقصد
جلد بازی سے کام لینے کی وجہ سے کبھی فوت نہیں ہوا۔ اپنے دلی مقاصد حاصل کرنے میں
اس نے بجز ایسے وسایل کے جن سے اس کی شہرت میں بٹا لگے جو اس کی خاص قوت
تھی ہر ایک وسیلے سے کام لیا۔ اس نے بڑوس کے پرگنے ٹھیکے پر لئے آوارہ گردوں
کی مدارات کی۔ خزانہ اپنے یہاں امانتہً جمع رکھ لیا۔ بااثر سرداروں کو رضامند کیا۔
مصیبت زدوں کی دستگیری کی اور ہر ایک کام کو فریقین کا مزاج اور وقت کا
لحاظ رکھ کر صحیح طریقے پر انجام دیا جس کی وجہ سے اس عجیب وغریب شخص کو اس
شوروشر کے زمانے میں جملہ مواقع حاصل ہو گئے۔ اسے بہت کم پریشانیوں کا سامنا
کرنا پڑا۔ پریشانیوں سے محفوظ رہنے کے لئے بھی اس نے نہایت عمدہ انتظام کر رہا
تھا چنانچہ اس نے ابتدا ہی میں سوار سپاہ کا ایک مختصر مگر نہایت ہوشیار دستہ تیار کیا۔
اور اپنی آمدنی کی بیشی کے لحاظ سے اس کی تعداد میں اضافہ کرتا رہتا تھا۔ یہ فوج اپنی
تنظیم۔ سازوسامان معقول مشاہرہ اور چیدہ سپہ داروں کے اعلیٰ کیرکٹر
کے باعث بہترین قسم کی فوج متصور ہوتی تھی۔

ظالم سنگھ نے ریاست کوٹا کو ترقی دیکر موجودہ حالت تک پہنچانے میں
جو کارروائی کی ہے اس کو مفصل طور پر بیان کرنے میں بہت طوالت ہوگی۔ اس لئے
ہم صرف اس کے اخلاق وعادات۔ فہم وفراست اور وہ وسایل بیان کر دیتے
ہیں جن سے اس نے کام لیا تھا۔ اس نے جو اعلیٰ عروج اور اقتدار حاصل کیا اس کی
ترقی کا مختصر حال بیان کر دینا کافی ہوگا۔

قصبہ کوٹا اور اس کی اصلی اراضیات ہروتی[1] کے اندر واقع ہیں۔ جو صوبہ اجمیر کا

[1] یہ صوبہ مالوے کے قریب ہے اور بعض حضرات کا بیان ہے کہ قبیلہ ہرا کی وجہ سے اس کا

ایک بڑا علاقہ ہے۔ لیکن اس راجہ یا ریاست کے مقبوضات رفتہ رفتہ وسط ہند کے دیگر حصوں تک پہنچ گئے تھے۔ ظالم سنگھ نے ابتدا میں جو مقبوضات حاصل کیئے وہ شاہ آباد کے قلعے اور اراضیات پر مشتمل تھے جہاں کی محافظ سپاہ نے اُس کے ورغلانے سے اپنے گورنر کو قتل کر دیا۔ مقتول گورنر کے رشتے داروں نے فوراً اُس ظالمانہ حرکت کی اطلاع مادھوجی سندھیا کو دیدی لیکن سندھیا کے پاس ظالم سنگھ کا دوست لالہ جی بلال نہایت باا‌ثر ثالث بالخیر موجود تھا اور ایک رقم پیش کرنے اور شاہ آباد سے مستقل طور پر خراج دینے کا وعدہ کرنے سے نہ صرف اُس کی یہ خطا معاف ہوگئی بلکہ برائے نام شہنشاہ دہلی نے راجہ کوٹا کو شاہ آباد کی حکومت عطا کردی جس کے نام سے ظالم سنگھ ہمیشہ ہر ایک کارروائی کیا کرتا تھا۔

ظالم سنگھ کو پورے اختیارات ملنے کے بعد مشکل کوئی ایسا سال گزرا ہوگا جس میں اس نے جاگیرات، یا پٹہ پر پرگنے اور مواضعات حاصل کر کے اپنی ریاست میں اضافہ نہ کیا ہو۔ اور اس نے راجپوت رؤسا کی چھوٹی جائدادوں کی حفاظت کی جنھوں نے اپنی خدمات اور اطاعت کیشی سے اس احسان کا معاوضہ ادا کیا۔ اسی طرح نرواڑ اور اُس کی قریبی ریاستوں کے راجاؤں کے زوال اور مرہٹوں کے پوار خاندان کی حکومت کے تنزل سے اُس نے کافی فائدہ اٹھایا۔ لیکن غالباً اُس کے عروج کا سب سے بڑا وسیلہ امباجی انگلیا ہوا۔ اس زبردست اور مقبول سردار کو جس کی مادھوجی سندھیا بہت وقعت کرتا تھا جب سندھیا کے جانشین نے گوالیار کا صوبہ دار مقرر کر دیا تو اس نے ظالم سنگھ سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لیئے اور اُس نے کوٹا کو اپنے اہل وعیال کا مسکن اور اپنے خزانے کا بھنڈار بنایا تھا اس نے کوٹا کے فرماں روا پر لطف وکرم کرنے اور اس کی قوت میں اضافہ کرنے کے بہت سے مواقع نکال لیئے تھے۔ امباجی[1] کی دوستی کی وجہ سے دولت راؤ سندھیا کے

۴۹۴

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ نام رکھا گیا ہے لیکن یہ روایت مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔

[1] امباجی کی زندگی کے اخیر زمانے میں صرف ظالم سنگھ ہی اُس کا معتمد تھا اور عام طور پر

دیگر اعلےٰ عہدہ داران سے اس کا ربط ضبط قایم ہوگیا جو اس کے ہمسایہ شہروں کے حاکم تھے یا افواج کے سپہ دار تھے۔ ان سب کا اولیں مقصد اس سے دوستی پیدا کرنا تھا کیونکہ مصیبت کے وقت اس دوستی کی بدولت انھیں اور ان کے اہل و عیال کو پناہ مل جاتی تھی اور سندھیا کے اعلےٰ عہدہ داروں سے اچھے تعلقات ہونے کی وجہ سے وہ ان لوگوں کی بہت کچھ خبر گیری کرتا تھا۔ اور ان کی ضروریات کو وہ گاہے ماہے پورا کردیا کرتا تھا لیکن اس نے یہ تہیہ کرلیا تھا کہ سرکاری مجرم اور خطاکاروں کو عارضی یا اتفاقیہ پناہ نہ دینی چاہئے ورنہ یہ حرکت سخت ناخوشی کا موجب ہوگی۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ ان وجوہ سے جو اس سے قبل بیان کردیے گئے ہیں سندھیا کی حکومت کو یہ بات بہت پسند تھی اور اس کے حق میں کارآمد بھی تھی۔ کہ اس کی فوج کے نیم ماتحت سردار اور اس کے صوبوں کے منتظم عہدہ دار جنھیں وہ نہیں برخاست کرسکتا تھا وہ ایسی پناہ کے خواہاں ہوتے تھے جیسی کہ کوٹا کا کارپرداز دیتا تھا۔ لیکن وہ اپنے وعدے پر نہایت استقلال کے ساتھ قایم تھا جو اس نے کرلیا تھا وہ نہ صرف متحمل مزاج اور صلح جو تھا بلکہ اس کا رجحان ہمیشہ سندھیا کے اقتدار کی موافقت میں رہتا تھا۔ اُس کے تمول نے (وہ ابتدا ہی میں دولتمند ہوگیا تھا) اسے نہایت موزوں ثالث بنادیا تھا کیونکہ مرہٹہ ریاستوں اور ان کے قصوروار ملازموں کے درمیان معاملات کا تصفیہ کردینے میں اس کی غرض زر نقد کی حصولیابی ہوتی تھی۔ اگر وہ زر نقد روانہ کرتا تو ظالم سنگھ کی ضمانت ایسی مستند تھی کہ کوئی ساہوکار اس کے قبول کرنے میں مطلق پس و پیش نہ کرتا تھا۔ ہمیں معلوم ہے کہ ظالم سنگھ یہ امداد نہ صرف ریاست کے اعلےٰ عہدہ داروں کو دیتا بلکہ جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں کریم خاں کے معاملے میں اس نے نہایت غدار لوگوں تک کی ضمانت کی ہے۔ ان سب فیصلوں سے اس نے بڑا نفع حاصل کیا ہوگا کیونکہ جن جماعتوں کی حمایت کے لئے وہ معاملات میں

۴۹۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ یقین کیا جاتا ہے کہ اباجی نے جو دولت جمع کی تھی اُس کا بیشتر حصہ کوٹا میں امانتہً رکھا گیا تھا اور اُس کے انتقال پر وہ دولت کوٹا کے کارپرداز کی ملکیت ہوگئی۔

ہاتھ ڈالتا تھا وہ اپنے خاندان اور روپے سے اس کی ضمانت کا وعدہ کر لیتی تھیں اور
فی الحقیقت وہ اپنے کو بالکل اُس کے قبضے اور اختیار میں دیدیتی تھیں البتہ جسونت راؤ
ہلکر کا عروج ایک نہایت خوفناک واقعہ تھا جس سے اُس کی حکمت عملی کی عمیق تجاویز
کو نقصان پہنچنے کا احتمال پیدا ہو گیا تھا۔ یہ راجہ کسی معمولی قول و قرار کا بھی پابند
نہ تھا اور کوٹا کی مرفہ الحالی دیکھ کر اُس کے جور و ستم اور غارت گیری نے اُس پر حملہ
۴۹۶
کرنے کی ترغیب دی جس طریقے پر یہ خطرہ برسوں کے لیئے ٹال دیا گیا وہ ظالم سنگھ کی
قابلیت کی قابل تعریف مثال ظاہر کرتا ہے۔ اُس کے زیر نگین ریاست کسی زمانے
میں سندھیا۔ پوار اور ہلکر ۳ عظیم الشان مرہٹہ ریاستوں کو خراج دیا کرتی تھی لیکن جملہ
راجپوت رؤسا کی یہ پالیسی تھی کہ خراج نہ دینا چاہیئے تا وقتیکہ وہ لوگ اپنے اس حقوق
کو تسلیم نہ کر لیں۔ اہلیہ بائی کی وفات کے بعد حکومت ہلکر اپنے حقوق کی تعمیل کرانے
کی قوت سے محروم ہو گئی تھی اور بہت کچھ بقایا واجب الادا تھی۔ جسونت راؤ نے
اُس کا مطالبہ کیا اور روپیہ دیدیا گیا لیکن آیندہ استحصال بالجبر کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔
ان مطالبات سے بچنے کے لیئے ظالم سنگھ سے دوستی گانٹھ لی اور جب اس سردار نے
ریاست کوٹا کا قلعہ شیر گڑھ اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کی حفاظت کے لیئے
منتخب کیا تو اُس نے حتمی وعدہ کر لیا کہ وہ اس ریاست کو لٹیروں کے حملوں سے بچانے
محفوظ و مامون رکھنے کے لیئے اپنا پورا اثر صرف کرے گا اس زمانے میں امیر خاں کا
ہندوستان کے لٹیروں پر بہت زیادہ اثر تھا۔ اور اسی تعلق نے بڑی حد تک اس
ریاست میں امن و امان قایم رکھا حالانکہ وہ بدترین زمانہ تھا اور اس وقت
وسط ہند کو سخت نقصانات پہنچے تھے۔ ظالم سنگھ اپنی ہوشیاری نرم مزاجی۔
استقلال اور فرزانگی کے عجیب و غریب معجون مرکب کی بدولت جس کا تذکرہ
ہو چکا ہے نہ صرف خود ہی مامون و محفوظ رہا بلکہ وسط ہند کی معرکہ آرائیوں،
بغاوتوں و انقلابات کے دوران میں اس نے اپنی ریاست میں بہت کچھ اضافہ کر لیا۔
اور اُس کی حوصلہ مندی نے اُسے رانا اودے پور کی سیاسیات میں مداخلت کرنے
۴۹۷
پر مائل کیا اس سے یہ غرض نہیں کہ ہم ان سازشوں اور کارروائیوں کی تفصیل
بیان کریں جو اس مداخلت کی خاطر کی گئی تھیں۔ ۳۰ سال تک ان کارروائیوں

میں مصروف رہنے کا جس طور پر خاتمہ ہوا اس سے اس کی ناموری یا اس کے مفاد میں کچھ بھی بیشی نہیں ہوئی۔ ہمیں یقین ہے کہ جس نیت سے ظالم سنگھ نے ابتدا میں اس مشہور مگر شکستہ حال ریاست کے معاملات میں مداخلت کی وہ اس کے شایان شان ہوگی لیکن رانا کے کمزور کیرکٹر اور امرا کے جھگڑوں اور سیہ کاریوں سے ظالم سنگھ اپنی ہمت عالی اور منصفانہ رائے میں مایوس ہوکر اور اس کی سازشوں میں مرہٹوں کی غارت گری اور کمینہ عیاریوں کے شامل ہوجانے سے اس کی تدابیر نے کچھ اور خود غرضانہ پالیسی کی صورت اختیار کرلی۔ اس کے بعد رانا اودے پور کی بہاراؤ کوٹا کی لڑکی سے شادی کرانے میں (جو بہاراؤ کے لئے بڑی عزت تھی) اس بدنصیب ریاست کے نقصانات کی تلافی کرنے کے لئے اس نے بیش بہا تحائف دینے کا شاندار الفاظ میں وعدہ کیا اور اس کا بھی اقرار کیا کہ مرہٹہ سردار ابھی تک اس ریاست کو جو ناقابل برداشت تکالیف پہنچا رہے ہیں وہ اس ریاست کو ان تکالیف سے بچانے کے لئے از سر نو جدوجہد کرے گا۔ لیکن اس موقع پر اس نے جو سبز باغ دکھائے تھے ان کے متعلق برائے نام ایفائے وعدہ ہوا اور اس نے رانا کے ذمے اس قدر حسابات اور مطالبات پیش کردیے جن کی مدات[1] بے شمار تھیں اور ان کی میزان ۲۹ لاکھ روپے تک پہنچتی تھی۔ ان مدات کے پیش کرنے سے نہایت بخیل ہندو ساہوکار بھی ذلیل سمجھا جاتا ہے لیکن حکومت برطانیہ کی فیاضانہ پالیسی نے فریقین میں راضی نامہ کرادیا جس سے اس مسئلے پر مزید بحث و مباحثہ نہ ہونے پایا۔ جے پور کے کئی اضلاع[2] جو

۴۹۸

[1] ۔ رانا کے ذمے کپڑے اور دیگر بے شمار اشیا ادھار لینے کی گراں دام عائد کرنے کے علاوہ وزرا کے لکھے ہوئے تمسکات کی معہ سود در سود رقم اس کے ذمے لگائی گئی حالانکہ وزرا کے فعل کا وہ ذمے دار نہ تھا اور جہازپور۔ ساگانیر کی آمدنی کے علاوہ ۱۹ لاکھ صرفے کا مطالبہ پیش کیا گیا ان مقبوضات کو ظالم سنگھ نے اس سے اینٹھ لیا تھا۔

[2] ۔ جہازپور اور ساگانیر۔

ظالم سنگھ کے قبضے میں تھے وہ رانا کو واپس دیدیے گئے اور اس انتظام سے ظالم سنگھ کا جو نقصان ہوا تھا اُس کے معاوضے میں شاہ آباد کا خراج اور کئی دیگر حقوق اُسے دوامی طور پر دیدیے گئے۔ جو معاہدہ دہلی میں طے ہوا تھا اُس کی رو سے ظالم سنگھ مرہٹوں کو ہر قسم کا خراج[1] دینے سے مستثنےٰ کر دیا گیا لیکن وہ حکومت برطانیہ کو خراج کے مساوی روپیہ دینے پر راضی ہو گیا۔ تصفیے کا یہ ایک ایسا طریقہ تھا جس کا وہ مدت دراز سے خواہاں تھا۔ اگرچہ اُس کی جنگجو حکمت عملی نے اُس لڑائی کے دوران میں اُس کی صدق[2] دلی کے متعلق کچھ شکوک پیدا کر دیے تھے۔

[1] جو خراج کہ پیشتر مرہٹوں کو دیا جاتا تھا وہ اب ہمیں دیا جاتا ہے۔ ہم سندھیا سے اُس کا حصہ طلب کرتے ہیں ہلکر کا اور تھوڑا سا پیشوا کا خراج ہم کو ملتا ہے اور یہ جملہ خراج کوٹا ہم کو دیتا ہے چونکہ ہم اُس کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ اور اس ریاست نے بوقت ضرورت اپنی بساط کے موافق ہمارے لئے فوج پیش کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

[2] ظالم سنگھ کی صدق دلی پر کرنل مانسن نے شبہہ کیا تھا کیونکہ جب اپنی فراری کے دوران میں وہ کوٹا پہنچ گیا تھا، تو اس سے قبل ہلکر نے اس رئیس سے جو کچھ فرمایش کی تھی وہ اس سے کہیں زیادہ تھی جس کی تعمیل کی اُس سے توقع ہو سکتی تھی۔ لیکن اس زمانے کے دو واقعات بیان کرنے کے لائق ہیں کیونکہ ان سے ظالم سنگھ کی خودداری اور احتیاط ظاہر ہوتی ہے جب ہلکر کوٹا پہنچا اور وہاں پر چند روز تک مقیم ہوا تو اُسے معلوم ہوا کہ کرنل مانسن کی دو توپیں یہاں موجود ہیں اور اُس نے ان توپوں کا مطالبہ کیا۔ رانا نے اگرچہ بدقت بہت سا نذرانہ پیش کر دیا تھا لیکن اُس نے بڑی معقولیت کے ساتھ توپوں کے دینے سے انکار کر دیا اور اُس نے کہدیا کہ میں یہ توپیں اُس وقت تک نہ دوں گا جب تک کہ ہلکر خود حملہ کر کے اُس فرمایش کی تعمیل کرنے پر مجھے مجبور نہ کر دیگا۔ اس واقعے کا اُسے اس درجے صدمہ ہوا کہ اُس نے اُس روز کھانا نہیں کھایا۔ ہلکر کوٹا میں ٹھیرا رہا لیکن رانا نے اُس سے ملاقات کرنے سے صاف انکار کر دیا لیکن جب ہلکر نے مع اپنی فوج کے دریائے چمبل کو عبور کر لیا تو ایک عجیب قسم کی ملاقات طے ہوئی چنانچہ ایک کشتی میں ہلکر مع چند مسلح آدمیوں کے بیٹھا اور دوسری کشتی میں رانا مع

تھیں کہ سلطنت برطانیہ دولت راؤ سندھیا اور جسونت راؤ ہلکر کے ساتھ مصروف رہی تھی۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس نے عقل مندی سے کام نہیں کیا کیونکہ جب اُس نے دیکھا کہ حکومت برطانیہ نے آخر کار اُس روش کا فیصلہ کر لیا ہے جسے وہ اختیار کرنا چاہتی ہے اور اُس نے ہندوستان کی دیسی ریاستوں پر اپنی سیادت تسلیم کرانے کا تہیہ کر لیا ہے جس کی قوت اُسے حاصل ہے تو اُس وقت ظالم سنگھ نے اُس کارروائی کو انجام دینے میں کچھ پس و پیش نہیں کیا جو اُس کے ذمے قرار دیدی گئی تھی۔ اُس نے اپنے جملہ گذشتہ تعلقات کو خیرباد کہدیا اور اپنے کو کلیتہً اس ریاست سے وابستہ کر دیا جس میں امن اور ضابطہ کو بحال کرنے کے لئے وہ نہایت کار آمد آلہ بن گیا۔ وہ جس مستعدی اور سرگرمی سے پنڈاریوں اور ہلکر کے خلاف جنگ میں داخل ہوا اُس کے معاوضے میں اُسے ۴ لاکھ روپے کے ہم نفیس[1] اضلاع بطور انعام کے دیدیے گئے۔ اپنی ریاست کی قربت کی وجہ سے وہ ان علاقوں کے حاصل کرنے کا دل سے خواہاں تھا۔ اس کے بعد ظالم سنگھ نے حکومت برطانیہ کے ساتھ اپنی دوستی کی صداقت ظاہر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اُن شہروں میں امن قائم کرنے کی کوشش میں اس کی اعانت سے بہت فائدہ حاصل ہوا جو ریاست کوٹا کے قریب تھے۔ سونڈوارے کے انتظام میں جو مالوے کا نہایت شورہ پشت ضلع تھا اُس کی فوج نے انگریزی افواج کے ساتھ ملکر ایسی مستعدی سے کام کیا جس سے اُن کی بہادری اور اُن کے آقا کے مزاج کی کیفیت فوراً عیاں ہوگئی۔ مزبلا کی فتح یابی اُن کا ایسا کارنامہ تھا جس کے متعلق اُن کے جوش اور قابلیت کی بہت کچھ تعریف کی گئی۔ امید سنگھ مہاراؤ والی کوٹا کی وفات کا ظالم سنگھ کے دل پر بیحد صدمہ ہوا جس کے وقوع کو تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے۔ خود ظالم سنگھ کی موت کے علاوہ اس زمانے میں کسی اور شخص کی موت سے اس علاقے میں

۵۰۰

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اسی قدر مسلح آدمیوں کے سوار ہوا اور یہ دونوں کشتیاں آمنے سامنے کے کناروں سے روانہ ہوئیں اور دریا کے وسط میں اُن کی ملاقات ہوئی اور چند منٹ تک بات چیت کر کے وہ واپس ہو گئے۔

[1] گنگرور۔ ڈگ۔ پیچ پہاڑ۔ گروٹ۔

ابتری پھیلنے کا اتنا اندیشہ نہ تھا جتنا کہ بھالاؤ کی موت سے۔ اس سے ریاست کے امن میں رخنہ اندازی ہونے کا قوی احتمال پیدا ہوگیا تھا۔ تقریباً نصف صدی تک بھالاؤ آنجہانی اور راج رانا کے تعلقات نہایت اچھے رہے اور ان میں خلوص اور یکجہتی پیدا ہوگئی تھی۔

اول الذکر مذہبی اشتغال میں منہمک رہا کرتا تھا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے اپنی ریاست کے معاملات کے انتظام کی نہ خواہش تھی نہ اس میں اس کی اہلیت تھی اور چونکہ اس نے ہر امر کا انحصار اپنے چچا راج رانا پر کر رکھا تھا، لہذا راج رانا اصل اختیار کے اپنے ہاتھ میں ہونے سے خوش تھا اور اس لئے تمام ظاہری مراتب کو اپنے برائے نام حکمراں کے لئے پوری طرح قایم رکھے تھے اور ہر موقع پر اس کے ساتھ عادی عزت و وقعت کو ملحوظ رکھتا تھا لیکن اپنے خاندان کے اثر کو دائمی بنانے کی فطری خواہش کی وجہ سے ظالم سنگھ نے برطانی حکومت سے معاہدہ کرتے وقت یہ شرط لگادی کہ برطانی حکومت ظالم سنگھ کے اخلاف کو بہ حیثیت وزیر کے قایم رکھے گی، بالفاظ دیگر یہ کہ اس کے اخلاف کوٹا کے متولی رہیں گے۔ فریقین کی واقعی حالت کے اعتبار سے اس شرط نے ابھی سے بڑی دقت پیدا کردی ہے اور ظالم سنگھ کے بعد اس دقت میں مزید اضافے کا اندیشہ ہے ظالم سنگھ کی عمر اس وقت اسی برس سے متجاوز ہوچکی ہے، وہ مفلوج اور آنکھوں سے معذور ہے بظاہر حالات ساحل فنا کے قریب آلگا ہے۔ غالباً چند ماہ کے اندر اس کی طویل، جفاکش اور پر از واقعات زندگی کا خاتمہ ہوجاوے گا۔ یہ حادثہ جس وقت بھی پیش آوے خود اس کے ملک اور وسط ہند کے لئے ایک شدید مصیبت ثابت ہوگا کیونکہ اس کے اثر اور اس کی مثال کا فائدہ اس کے مقبوضات کے حدود سے باہر تک وسیع ہے۔ ظالم سنگھ کے عادات و اخلاق کا بیان اس سے قبل ہوچکا ہے اور ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے عادات و اخلاق شدید نقائص سے خالی نہیں ہیں ان نقائص میں وہم پرستی کے ضعف اور جادوگری پر مضبوط اعتقاد کو شامل کرلینا چاہیئے۔ لیکن ہم اس کی حرص سے خواہ کتنا ہی بیزار ہوں اور اکثر مواقع پر اس نے جس

تدبیر اور روش کا اظہار کیا ہے انھیں ہم کتنا ہی برا کہیں مگر کسی ایسے حکمراں کی مثال
کا ملنا دشوار ہے جس نے ایسے حالات میں گھرے ہونے کے ساتھ اپنی شہرت کو
بہت کم نقصان پہنچائے بغیر اپنے علاقوں کو قایم رکھا اور بڑھایا ہو اور اُس کے
ساتھ ہی اپنی رعایا کے امن اور ان کی بہبود کو بھی ترقی دی ہو۔ اگر اس نے
پُرفن تدبیروں سے کام لیا تو یہ اس غرض سے تھا کہ وہ ان خرابیوں سے بچنا
چاہتا تھا جن کو وہ کسی دوسری طرح رفع نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ مال حاصل کرنے
کا خواہاں تھا تو اس کا مقصود اس درجے مال کا جمع کرنا نہیں تھا جس درجے یہ
مقصود تھا کہ جن خطروں میں وہ گھرا ہوا ہے ان کی مدافعت کے لئے اس کے پاس
زبردست وسائل موجود ہوں۔ اس کی دولت نے اسے اس قابل بنا دیا کہ
جن مطالبات سے وہ بچ نہیں سکتا تھا، انھیں پورا کر دے جب شدید ضرورت
ہو تو بعوض نقد امداد حاصل کرے، اور ایک ایسی فوج قایم رکھے جس سے ہمیشہ
کسی حد تک اس کی ہیبت و وقعت برقرار رہے۔ اس کا مسلمہ مقصد جنگ سے
بچنا تھا مگر وہ اس سے بالاتر نہیں تھا کہ اس برائی سے بچنے کے لئے اپنے مسلمہ
عقیدے کو قربان کر دے۔ سندھیا نے جب جسونت راؤ ہلکر کو اندور میں شکست
دی اور جسونت راؤ مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا، اُس وقت جسونت راؤ
کا گماشتہ اور ایک ساہوکار خراج طلب کرنے کے لئے کوٹا گئے تھے۔
دولت راؤ سندھیا کے ایک سپہ سالار بالا رام انگلیا نے جو شہر کوٹا کے قریب
ہی ایک بہت بڑی فوج لئے ہوئے پڑا تھا، ان لوگوں کے حوالے کر دینے کا
سختی سے مطالبہ کیا، اس مطالبہ کا استحکام کے ساتھ مقابلہ کیا گیا شہر پر حملے
کی تیاری نے بھی ظالم سنگھ کو اپنی روش کے بدلنے پر آمادہ نہ کیا۔ اور اس
معاملے کا خاتمہ اس کی شہرت کی ترقی اور اس کی حفاظت پر تمام لوگوں کے
اعتماد کے اور زیادہ ہو جانے پر ہوا۔

یہ پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ ظالم سنگھ نے کچھ اضلاع دوسری ریاستوں
سے ٹھیکے پر لئے تھے، اور یہ نفع اور اثر دونوں کا باعث تھا اپنے علاقوں کے
انتظام کے متعلق اس کا طریقہ خاص ہے اور اس میں اس قوت عمل کو دخل ہے جو

۵۰۴

اس کے عادات و افعال میں جاری ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑا ضلع کسی ایک شخص کو ٹھیکے پر دے، بلکہ وہ ان اضلاع کو قابل عہدہ داروں کے انتظام میں دیدیتا ہے جنھیں باقاعدہ تنخواہ ملتی ہے اور یہ عہدہ دار کل ضلع کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرکے باشندوں کے رواج یا وقت کی سہولت کے مدنظر ان حصوں کو اہل دیہات یعنی رعایا کو لگان پر دیدیتے، یا ان کا انتظام انھیں سپرد کردیتے یا کوئی اور طریق قرار دیتے ہیں۔

ظالم سنگھ کا شتکاروں کے ساتھ عدل کا برتاؤ کرتا ہے مگر اس میں عنایت و مہربانی کو دخل نہیں ہوتا۔ اس کے تمام ملک میں انتظام میں اگر تشدد نہیں تو بھی ایک طرح کی سختی ضرور ہے اور اس نے اپنی رعایا پر پورا اقتدار قایم رکھنے میں کامیابی حاصل کرلی ہے، اور یہ اس طرح کہ اس نے ہلوں اور مزدوروں کی ایک تعداد مہیا کر رکھی ہے جو ہر طرف منتقل کیئے جا سکتے ہیں، اور جہاں مقامی سرتابی ہوئی یا اس کے شرائط کے قبول کرنے سے انکار ہوا ان لوگوں کا ایک گروہ وہاں بھیج دیا جاتا ہے۔ کہ ان بددل لوگوں کی زمین پر کاشت کریں۔ گزشتہ تیس[3] برس کے سوا کسی اور زمانے میں اس سخت انتظام میں کامیابی نہیں ہوئی۔ کوٹا کے علاقوں میں جان و مال کا امن ہمیشہ حاصل رہا جس سے مفرورین کے گروہ در گروہ وہاں آتے رہے اور اس سے ظالم سنگھ کو نہ صرف یہ موقع ملا کہ وہ بڑے بڑے قطعات کو قابل زراعت بنا سکے بلکہ اس نے چھ نئے قصبے بھی آباد کیے، اور بعض دوسرے قصبوں کو بڑی حد تک ترقی دی اور جھالرا پٹن[لہ] پر سب سے زیادہ اس کی نظر التفات رہی۔ اس شہر کو ظالم سنگھ کا بچہ کہنا چاہیے۔ اسے جس نظر سے چاہیے دیکھیے، اس کے نقشے کی یکسانی، اس کے خاص خاص راستوں کی فراخی، اس کے بعض مکانوں کی خوبیٔ تعمیر، اس کی عمارتوں کا حسن، اس کے باشندوں کی دولت اس وقت بھی ہندوستان کے نہایت قابل فخر شہروں سے آنکھیں ملاتی ہیں، اور مدت تک ظالم سنگھ کی خوش مذاقی اور اس کی فیاضی کی

لہ۔ جھالرا پٹن دریائے چندر بھاگ پر واقع ہے۔

یادگار رہیں گی۔

راگھوگڑھ اور کوٹا کے حکمرانوں کے تفصیلی حالات دینے کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہتی کہ اس طبقے کے کسی دوسرے سردار کی تاریخ کے جزوی حالات بیان کیے جائیں۔ سرسری تذکرہ کافی ہے۔

ڈونگر پور کے راجپوت حکمران کا دعویٰ ہے کہ وہ اودے پور کے حکمراں خاندان کی بالاتر شاخ سے ہے، اور اس دعوے کو بالمعنی اس طرح تسلیم کیا جاتا ہے کہ اودے پور کا حکمراں جب دسترخوان پر بیٹھتا ہے تو سب سے بلند جگہ خالی چھوڑ دی جاتی ہے۔ نسب سے متعلقہ امتیازات کے دعوے کرنے اور اسے قبول کرنے میں راجپوتوں سے زیادہ کسی قوم کو کاوش نہیں ہے اور کسی فرد کے حقوق پر اس کی پست حیثیت یا اس کے متبنے ہونے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ۵۰۵ خاندان کے اندر ایسے لوگوں کے شمول سے جن کو نسباً اس کا حق نہ ہو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہندو نظم کے ہر ایک دوسرے جزو کے مانند یہ نظم بھی اس خیال سے بنایا گیا تھا کہ طبقات کی اس تفریق کو دوام حاصل ہو جائے جو ہندو نظم کا امتیاز ہے۔ خاندانوں کا استمرار اس کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا کہ تبنیت کے قانون میں کسی قدر ڈھیل رکھی جائے جس سے یہ امر تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے کہ کوئی خاندان نمائندگی کے نہ ہونے کی وجہ سے کبھی فنا ہو جائے۔

ڈونگر پور کے حکمرانوں کے فوجی تابعین میں چند ٹھاکر اور کچھ راجپوت انھیں کے قبیلے کے ہیں مگر ان کی رعایا کی کثیر تعداد بھیل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اپنی امارت کا بیشتر حصہ اسی نسل کے لوگوں سے فتح کر کے حاصل کیا ہے۔ موجودہ حکمراں خاندان کے اسلاف قدیم زمانے میں شہنشاہان دہلی کے تابع ہو گئے اور مرہٹوں کے وسط ہند پر حملہ آور ہونے کے وقت تک انھیں کے تابع رہے۔ حملے کے بعد سے انھیں مرہٹہ قوم کو خراج دینے پر مجبور کیا گیا۔

---

[1] باگور کے چھوٹے سے صوبے میں ڈونگر پور خاص شہر ہے۔ باگور کا پہاڑی قطعہ گجرات اور ملک اودے پور کے درمیان واقع ہے۔

جب مالوہ اور قرب وجوار کے صوبوں میں طوائف الملوکی پھیلی تو ڈونگرپور کے
حکمراں نے اپنے ملک کو لوٹ مار سے بچانے کے خیال سے عربوں اور سندھیوں
کے فوجی دستے قایم کیے نگراں لوگوں نے حکمراں کے اقتدار کو پس پشت ڈال کر
بہت جلد خود اس ملک کو برباد کرڈالا جس کی حفاظت کے لیے انھیں نوکر رکھا گیا ۵۰۶
تھا۔ ان خودسر متمرد سپاہیوں سے برطانی حکومت نے ڈونگرپور کی امارت
کو خلاص دلایا اور برطانی حفاظت کے تحت یہ امارت بربادی وتباہی سے
سرعت کے ساتھ نکلتی جارہی ہے۔

بانسواڑہ بھی صوبۂ باگر میں واقع ہے' اس کی تاریخ قریب قریب ویسی
ہی ہے جیسی ڈونگرپور کی ہے' اس کے حکمراں اسی خاندان کی ایک جدید شاخ سے
نکلے ہیں اور ان کے لاحقین اور ان کی رعایا انھیں طبقات سے مرکب ہے۔
ڈونگرپور کی طرح اسے بھی انتہائی تباہ حالی سے نکالا گیا ہے اور وہ انگریزی حکومت
کے ماتحت ہوگیا ہے۔ یہ دونوں ریاستیں انگریزی حکومت کو قلیل خراج
دیتی ہیں۔

پرتاب گڑھ کا راجہ خاندان اودے پور کی ایک چھوٹی شاخ سے ہے'
اس کی ریاست کنتھل کے چھوٹے سے صوبے بلکہ ضلع پر مشتمل ہے۔ موجودہ حکمراں کے
کے آباو اجداد شہنشاہان دہلی کے عہدہ دار تھے اور ان میں سے ایک شخص سلیم سنگھ
پر محمد شاہ کی خاص نظر مرحمت تھی' محمد شاہ نے اسے خود اپنے نام کا سکہ بنانے کی
اجازت دیدی تھی۔ دریائے چمبل کے عین مغرب کے ممالک کی مالگزاری اسی سکے
میں ادا ہوتی ہے[1]۔ موجودہ راجہ ساونت سنگھ جو سلیم سنگھ کا بیٹا ہے' ہلکر کا باجگزار
تھا مگر اب وہ برطانی حکومت کے تابع ہے۔

راجگان جھابوا اور رتلام کا تذکرہ قبل ازیں ہوچکا ہے۔ اول الذکر ریاست
پر کشن داس کی اولاد اب بھی حکمراں اور ہلکر کی باجگزار ہے۔ اس کے ملک میں زیادہ تر ۵۰۷
بھیل آباد ہیں مگر وہ کاشتکاری کرنے والے ملتے سے ہیں' اور جھابوا کے شہر اور

---

[1] اسے سلیم شاہی کہتے ہیں۔

علاقے کو اگرچہ بہت نقصان پہنچا ہے مگر وہ سرعت کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں۔

حکمرانِ رتلام، پربت سنگھ (جو دولت راؤ سندھیا کا باجگزار ہے) ایک کمزور و ناقابل رئیس ہے، مگر ایک بڑے اور طاقتور خاندان کا سرگروہ ہونے کی وجہ سے بہت اثر رکھتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اپنے خاندان و قبیلے کی ایک کثیر تعداد جمع کر سکتا ہے۔ اس کا ثبوت اس وقت مل گیا جب چند برس قبل باپو سندھیا کی طرف سے جسے وہ خراج ادا کرتا ہے حملے کا اندیشہ ہوا۔ جونھی مرہٹہ سردار نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ رتلام کی طرف اس ارادے سے کوچ کیا کہ اپنے مطالبات کو بزور حاصل کرے، پربت سنگھ نے اسی وقت اپنے اعزہ واقارب اور اپنے ملحقین کے نام طلبی کے احکام بھیجے، ان میں سے اگرچہ اکثر دوسری ریاستوں کی رعایا تھے مگر وہ اپنے سرگروہ کے گرد جمع ہو جانے کو ہر ایک فرض سے بالاتر سمجھ کر بعجلت تمام اس کی امداد کے لئے روانہ ہو گئے۔ تین چار دن کے اندر بارہ سو راجپوت جو (تقریباً سب کے سب سوار تھے) جمع ہو گئے۔ اور برطانی حکومت مداخلت نہ کرتی تو جدال و قتال کا آغاز ہو جاتا۔ برطانی حکومت نے یہ ذمہ داری لی کہ راجا کی طرف سے سندھیا کو جو خراج واجب الادا ہے وہ آئندہ ادا ہوتا رہے گا بشرطیکہ مرہٹوں کی فوج ملک کے امن میں آئندہ خلل نہ ڈالے اور نہ اس کی ترقی میں روک پیدا کرے۔ اس ذمہ داری کے فواید بعد میں متعدد ایسے چھوٹے چھوٹے سرداروں تک وسیع کیے گئے، جن کا تعلق اپنے بالاتر حکمراں کے ساتھ ویسا ہی تھا جیسا راجا رتلام کا تعلق سندھیا کے ساتھ تھا۔ یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ یہاں جن سرداروں کا ذکر کیا گیا ہے انھوں نے کبھی لوٹ مار سے کچھ حاصل نہیں کیا اور ان سرگروہوں سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں جنھیں عام لفظ گراسیا[1] کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

یہ نام صرف صوبہ مالوہ تک محدود نہیں ہے بلکہ دوسرے مقامات میں خاص کر

۵۰۸

---

[1] "گراسیا" سنسکرت کے لفظ گراس سے نکلا ہے جس کے معنی لقمے کے ہیں اور استعارۃً ملک کی آمدنی کے اس قلیل حصے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا دعویٰ یہ غارت گر کرتے تھے۔

گجرات میں بھی معلوم ومعروف ہے جہاں وسطی ہند کے مانند اس سے مراد وہ سرداراں ہیں جنھیں حملہ آوروں نے ان کے مقبوضات سے بے دخل کر دیا ہے مگر انھوں نے مالگزاری کے ایک حصے پر اپنا حق اس قوت کی بنا پر قائم کر رکھا ہے کہ وہ مالگزاری میں خلل ڈال دیں گے یا اس کی تحصیل کو روک دیں گے۔

تنخواہ یعنی گراسیا سرداروں کے جبری خراج، کی نوعیت پر چند الفاظ لکھنا ضروری ہیں۔ باجی راؤ اول کے حملے اور فتح اور غالباً اس سے قبل سے وسطی ہند کا بیشتر حصہ کمزور اور خلط ملط لگان پر دیا جاتا تھا[1] مرہٹوں کے اس ملک پر اقتدار حاصل کرنے کے قبل ان کے معمولی غارتگرانہ دعاوی قایم ہو چکے تھے اور اپنے اقتدار کے متیقن کرنے کے لئے فاتحین کو مجبور ہو کر فوجی طبقہ کے ان متعدد مقامی سرداروں سے مصالحت کرنا پڑی بلکہ مالگزاری میں انھیں شریک کرنا پڑا جو جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو کر اپنا بغض اس طرح نکالتے تھے کہ جن مقبوضات پر وہ قابض نہیں رہ سکتے تھے انھیں برباد کر دیتے تھے۔ ان زیادتیوں نے حکومت اور خارج شدہ سرداروں یا ان سرداروں اور اضلاع یا دیہات کے سرگروگان کے درمیان ایک پیمان قایم کر دیا یعنی ایک طے شدہ رقم تنخواہ یا امداد کے طور پر دینا طے ہو گئی بشرط آنکہ باشندے لوٹ مار سے محفوظ رہیں بلکہ اس میں درحقیقت ایک طرح کی محافظت بھی داخل تھی۔ جب سے مرہٹوں کی حکومت وجود میں آئی ہے اس وقت سے یہ رواج چلا آرہا ہے اور اس میں ملک کے مخصوص حصوں کے لحاظ سے برابر تغیر ہوتا رہتا ہے مگر جس عام اصول پر یہ عاید کیا گیا ہے اس میں بہت کم تغیر ہوا ہے۔ جبری امداد کا طریقہ جو ضرورت سے رائج ہوا صرف اسی وجہ سے جاری رہا۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ جس سردار میں ملک کو پریشان کرنے اور لوٹنے کی طاقت ہو اس کی نسبت علی العموم یہ تسلیم کر لیا جاتا تھا کہ اسے اس امداد کا حق ہے۔

بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ بڑے شہر گراسیوں کو جبری امداد ادا کرتے ہوں

۵۰۹

---

[1] چوتھ، دیسمکھ وغیرہ۔

یہ امداد زیادہ تر دیہاتوں سے جمع کی جاتی تھی۔ ان دیہاتوں کی اور ان میں سے ہر ایک معینہ امداد کی ایک فہرست حکومت کے عہدہ داروں کے پاس رہتی تھی اور مالگزاری کے حسابات میں اُسے ایک مد کے طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ جبر ستانی جب اول اول قایم ہوئی تو وہ نسبتہً معتدل تھی، بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ ایک گانوں پر بیس روپے سے زاید ہو بلکہ کبھی کبھی تو دو روپے تک ہوتی تھی مگر ملک تباہ ہوگیا اور یہ بار کم نہ ہوا، جو باشندے باقی رہ جاتے تھے یہ غارتگر انھیں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ فرار شدہ لوگوں کے عوض بھی رقم ادا کریں۔ ۵۱۰

رقم کی وصولی میں اگر ذرا بھی تاخیر ہوئی یا انکار ہوا تو گراسیہ سردار مویشیوں کو ہنکا لیجاتا یا باشندوں اور زیادہ تر عورتوں اور بچوں کو پکڑ لیجاتا اور انھیں رقم کی ادائی تک سخت قید میں رکھتا۔ قتل کرنا بلکہ زخمی کرنا بھی بہت کم ہوتا تھا، مگر جب ریاست کی فوجیں مداخلت کریں تو باقاعدہ چھوٹی سی جنگ برپا ہو جاتی۔ اگر گراسیہ سردار بھاگنے پر مجبور ہوتا تو وہ پھر بہت جلد واپس آجاتا اور اپنی زیادتیوں کو جاری رکھتا تا آنکہ مطالبات پورے ہو جاتے۔

گراسیہ سردار تمامتر راجپوت ہیں، وسطی ہند میں ان کی بہت کثرت ہے اور ایک ہی قبیلے سے ہونے یا باہم رشتہ مناکحت رکھنے، اور اغراض میں اتحاد ہونے کی وجہ سے وہ باہم اس طرح ملے ہوئے تھے کہ اگر ان کو تباہ کر دینا مناسب بھی ہوتا تو بھی یہ مشکل کام تھا، لیکن مقصود یہ تھا کہ اب تک وہ جس نظم و امن کو برباد کرتے رہے تھے اس کے ساتھ ان کی دلچسپی کو ملا دیا جائے۔ یہ کام اسی طرح انجام پایا ہے نقد ادائی کے بجائے متعدد صورتوں میں معاوضے میں زمین دی گئی ہے تاکہ یہ غارتگر کام میں لگ جائیں اور جہاں یہ انتظام نہیں ہوا ہے وہاں یہ کیا گیا ہے کہ ان کے دعاوی کے عوض جو مطالبہ مقرر ہوا ہے وہ سرکاری عہدہ داروں کے ذریعے سے ادا ہوتا ہے اور ان کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اس مطالبے کو جمع کرنے کے لئے اپنے آدمیوں سے کام لیں۔ یہ طریق جس طرح باشندوں کے لئے باعث تکلیف تھا اسی طرح ملک کے سکون کے لئے پریشان کن تھا۔ ۵۱۱

متعدد گراسیہ سردار سونڈواڑے میں آباد ہو گئے ہیں لیکن یہ وسیع ضلع

شمالاً وجنوباً گنگ رور سے اجین تک اور شرقاً وغرباً آگر سے چمبل تک پھیلا ہوا ہے، اس کا نام زیادہ قدیم اور زیادہ بے باک غارتگروں کے ایک گروہ سوندی کے نام پر ہے، یہ گراسیہ سردار اکثر راجپوت کہلاتے ہیں مگر وہ تمام طبقات سے مرکب ہیں بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ایک مرکب نسل کے اخلاف ہیں۔ اپنی ابتدا کے لحاظ سے وہ غالباً ذات باہر تھے اور ان کی افسانہ دار تاریخ (بدیں لحاظ کہ وہ اپنے کو ایک قوم کہتے ہیں) ان کا سلسلہ ایک شہزادے سے ملاتی ہے، جو اس وجہ سے جنگل کو نکالی دیا گیا تھا کہ اس کا چہرہ شیر کا سا تھا۔ اس نے جنگل میں ہر قبیلے کی عورتوں کو پکڑا اور سوندیوں کا یا (باعتبار مفہوم لفظ) "مخلوط نسل" کا مورث اعلیٰ بن گیا۔ ان کے بعض سرگروہ بہت جلد مالوے میں آباد ہو گئے، جہاں انھوں نے اپنے کو چھوٹے چھوٹے زمینداروں یا غارتگروں کی حیثیت سے برابر قایم رکھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ سوندیوں کو قدامت کا حق حاصل ہے، ہمارے پاس کوئی تحریری شہادت اس امر کی نہیں ہے کہ وہ معمولی غارتگروں سے زاید کبھی کچھ رہے ہوں تا آنکہ ان کی سرزمین چار یا پانچ مقامی ارباب اقتدار کے درمیان تقسیم ہو گئی جو ایک دوسرے کے مخالف اور اکثر ایک دوسرے سے برسر جنگ رہا کرتے تھے اور اس کے ساتھ گزشتہ تیس[3] برس کی طوائف الملوکی نے ملکر انھیں یہ اہمیت دیدی کہ غارتگر بن گئے۔ وہ اگرچہ اکثر ان گراسیوں کے مخالف رہے جو اسی قطعہ ارض میں آباد ہیں مگر شغل کی موافقت کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ گراسیوں سے بہت کچھ مل گئے ہیں اور جسونت راؤ ہلکر کے خلل دماغی کے بعد سے تو خصوصیت کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ اس وقت سے سوندیوں کے قانون شکن گروہوں کی حد رسائی تک نہ جان محفوظ ہے نہ مال؛ چونکہ یہ سوندی خود اپنے گھوڑوں کی نسل تیار کرتے ہیں اس لئے ان میں سے اکثر اچھی سواری رکھتے تھے۔ منڈسور کی صلح کے وقت سوندیوں کی تعداد کا اندازہ بارہ سو انچاس سواروں اور نو ہزار دو سو پچاس پیادوں کا کیا گیا تھا، اور یہ سب غارتگری سے زندگی بسر کرتے تھے۔ سکون کے دوبارہ قایم کرنے کے لئے غارتگروں کی اس ہولناک جماعت کو زیر کرنا لازم تھا، اور وہ زبردست برطانی دستے (جن میں سے

ایک کے پاس دبابہ تھا) ہلکر کے کچھ سوار اور ایک ممتاز سردار[1] کے تحت کوٹا کی ایک نہایت کارگزار اور سازوسامان سے آراستہ فوج اس کام کے لئے متعین ہوئی۔ گراسیہ اور سوندی سرداروں سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے قلعوں سے دست بردار ہو جائیں اور اپنے گھوڑے حوالے کر دیں تاکہ ان گھوڑوں کو ان کے مالکوں کے نفع کے لئے فروخت کر دیا جائے۔ انھیں ان شرائط کے قبول کرنے پر راغب کرنے کے لئے بہ حیثیت زمینداران کے حقوق ہر طرح توجہ کرنے اور جن لوگوں کے پاس زمین نہیں تھی انھیں ان کے دیہاتوں میں بہت ہی نرم شرائط پر زمین دینے کا وعدہ کیا گیا۔ انگریزی[2] حکومت کے طاقت کے احساس، سونڈواڑے میں مقبوضات رکھنے والی تمام دیسی ریاستوں کے کامل اتفاق اور دوستانہ اتحادِ عمل نے اور پھر اس کے ساتھ کارگزار فوجوں اور بالخصوص راج رانا ظالم سنگھ کی فوجوں کی سرگرمی و پرجوش عمل نے سوندیوں کو کامیاب مقاومت کی تمام امیدوں سے بہت جلد مایوس کر دیا۔ ان کے بعض قلعوں پر دھاوا کر کے قبضہ کر لیا گیا۔ بعض قلعوں کو سوندی خود چھوڑ کر چلے گئے، متعدد قلعے مسمار کر کے زمین سے برابر کر دیے گئے۔ ان غارتگروں پر جب ہر طرف سے حملے ہوئے اور ان کی معمولی پناہ کی جگہیں ان کے لئے بند ہو گئیں تو وہ ہمت ہار گئے اور ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو حوالے کر دیں اور ہنوز موقع باقی دیکھ کر مناسب

۵۱۳

[1] محراب خاں۔ اس قابل سپاہی کا حال میں انتقال ہو گیا، مگر مرنے سے قبل اس نے سونڈواڑے کے اس حصے میں کامل امن قایم کر دیا تھا جو کوٹا کی ریاست کے متعلق تھا۔

[2] ان غارتگروں کو منظم حالت میں لانے کے لئے یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان کو ڈرا کر اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے میں نے جو انتظام کیا، اس میں یہ مدنظر تھا کہ فوج اتنی زیادہ ہو کہ کامیاب مخالفت کی ہر ایک امید کو باطل کر دے۔ اس قسم کی تمام لڑائیوں میں یہ ایک نہایت اہم نکتہ ہے اور ہندوستان میں ہماری مخصوص حالت کا اقتضا یہ ہے کہ اس پر زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے۔

شرائط پر کاشتکار بن جائیں۔ انھیں نہ صرف یہ مقصود عطا کیا گیا بلکہ جبری امداد جس پر
ان کا دیرینہ مسلمہ و قایم شدہ حق تھا، اسے بھی قبول کیا گیا۔
سوندی جب سے با امن باشندوں کی طرح رہنے پر رضا مند ہو گئے ہیں
اس وقت سے ان کے ساتھ نرمی و رعایت کا برتاؤ کیا گیا ہے مگر ان کے اطوار پر
نظر کرتے ہوئے مصلحت اسی میں سمجھی گئی ہے کہ کچھ دنوں تک ان کے ملک میں فوج
قایم رکھی جائے تاکہ ان میں وہ عادتیں پھر نہ پیدا ہو جائیں جنھوں نے ان کو وسطی ہند
کے لئے تباہی اور دہشت بنا دیا تھا۔ ان کوششوں میں اس وقت تک پوری کامیابی
ہوئی ہے اور زمین کی زرخیزی کی وجہ سے سوندواڑے میں خوش حالی ہونا چاہیئے
اس خوش حالی کی جانب سوندوارہ بہت تیزی کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔

صوبۂ مالوہ کا ایک دوسرا حصہ جو سوندواڑے سے تقریباً راست
مشرق میں واقع ہے اس کا نام بھی سوندواڑے کے مانند غارتگروں کی ایک نسل
کے نام پر پڑا، یہ لوگ کئی صدی قبل اودے پور سے نکلے، شہنشاہی مغلیہ کے
زوال کے زمانے میں انھوں نے ترقی کی اور دو بھائی موہن سنگھ اور پرس رام
کے تحت پندرہ سو چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیہاتوں پر قابض ہو گئے۔
اس راجپوت نسل کا نام اوملٹھ ہے اور جس ملک پر انھوں نے قبضہ کر لیا ہے
وہ ان کے نام پر اوملٹھ واڑہ کہلاتا ہے۔ بڑے بھائی کی برتری کو قایم رکھنے
کے لئے پانچ تعلقوں کو محفوظ کر کے بقیہ ملک، موہن سنگھ اور پرسی رام میں برابر
برابر تقسیم ہو گیا، موہن سنگھ نے راول یعنی سردار کا لقب اور پرسی رام نے دیوان
یعنی وزیر کا لقب اختیار کیا۔ گرو وہ اپنے اپنے حصے پر میز اختیار عمل میں لاتے تھے
کیونکہ اوملٹھ واڑہ الگ الگ علاقوں میں تقسیم نہیں کیا گیا تھا بلکہ ہر ایک
گانوں پر مخلوط طریق حکمرانی[1] کا عمل ہوتا تھا۔ یہ طریق جسے ان دو راجپوت
سرداروں نے اپنے تمام مقبوضات میں رائج کیا تھا، مرہٹوں میں اب بہت عام
ہے۔ راول کے جانشین جنھوں نے راج گڑھ میں اپنا قیام اختیار کیا وہ سندھیا

[1] جن ممالک پر اس قسم کی منقسم حکمرانی ہوتی ہے اسے دو عملی کہتے ہیں۔

۵۱۵ کے باج گزار ہو گئے اور دیوان کے جانشین جو نرسنگھ گڑھ میں مقیم ہوئے وہ خاندان ہلکر کے تابع ہو گئے۔ دوطا تنتور سرداروں کے ہاتھوں میں آنندار کے آجانے سے امیٹھ واڑہ، سونڈواڑے کا بالکل مغایرہ ہو گیا۔ جسونت راؤ ہلکر کے عہد کے قبل یہ ایک اچھی حکومت رکھنے والا زرخیز قطعہ تھا اور اس سے معتد بہ آمدنی ہوتی تھی، مگر گزشتہ بیس برس میں اسے بہت نقصان پہنچا ہے کیونکہ یہ اپنی جائے وقوع کی وجہ سے مالوے کی ہر ایک دوسری جگہ کے بہ نسبت ان غارتگروں کی لوٹ مار کے لئے زیادہ کھلا ہوا ہے، جو اتنے دنوں تک اس صوبے کو تہ و بالا کرتے رہے ہیں لیکن اب یہ سرعت کے ساتھ بحال ہوتا جارہا ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ بہت جلد اپنی سابقہ خوش حالی کو حاصل کرلے گا۔

دریائے نربدا اور کوہستان وندھیا کے درمیان جو اونچی نیچی زمین واقع ہے اس کا بیان بارہا ہو چکا ہے، ہنڈیا سے باگلی کے مقابل تک اس دریا کے کناروں پر گونڈ سرداروں نے قبضہ کر لیا ہے ان میں خاص سردار ایرو اس کے خوشحال سنگھ اور سنگرہ کے انوپ سنگھ ہیں۔ تھوڑی جنگ و جدال کے بعد یہ سردار اور ان کے تابعین برطانی حکومت کی فیاضی یا مداخلت کی وجہ سے ایک جگہ ۵۱۶ آباد ہو گئے ہیں۔ اس نوع کے ملک میں جو باگلی کے نشیب سے انکار منڈاٹھ تک پھیلا ہوا ہے، نربدا کے سواحل قزاقوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کا سرخیل سیلانہ کا خاندان بھیلالہ تھا، ان کے سردار بالخصوص رتن سنگھ اور سندر سنگھ نے اپنی تباہ کاریوں کو شمال میں اجین اور اندور تک اور جنوب میں اسیرگڑھ اور برہان پور کے قریب تک پہنچایا۔ دوسروں کی طرح یہ بھی اب برطانی حکومت کے مطیع ہو گئے ہیں جس نے سندھیا اور ہولکر سے ان کی تنخواہوں کے دعاوی کا تصفیہ کرا دیا ہے۔

دریائے نربدا کے کناروں پر جو سردار ہیں، انھیں عام طور پر مواسی کہتے ہیں

لہ۔ راج گڑھ کے قریب پٹن کو پرسی رام نے دارالعہد مقرر کیا تھا مگر اس کے قابل ترین جانشین دیوان اچھے سنگھ نے نرسنگھ پور کا قلعہ تعمیر کیا۔

اس کا تعلق اس جگہ سے ہے جسے انھوں نے اپنی اقامت کے لئے پسند کیا ہے
اس ملک کے روزمرہ میں "مواس" مضبوط قلعے یا دڑ کو کہتے ہیں۔

وسط ہند کی حکومتوں، امارتوں اور قبیلوں کا بیان نامکمل رہ جائے گا اگر ان بھیلوں کا بھی کچھ تذکرہ نہ کیا جائے جن کی بود و باش ان جنگلی اور پہاڑی قطعوں میں ہے جو مالوے کو نیمار اور گجرات سے جدا کرتے ہیں۔ انسانوں کا یہ غیر معمولی طبقہ محض سرسری نظر سے کچھ زیادہ کا مستحق ہے۔ جس طرح ان کے عادات اپنی جگہ پر نادر ہیں اسی طرح ان کی ابتدا بھی نادر ہے لیکن جہاں ان سے تعلق رکھنے والی ہر شے موجب استعجاب ہے وہیں یہ بھی ہے کہ ان کا پہاڑیوں میں منتشر ہونا، ان کی انتہائی جہالت اور ان کے غایت درجہ کے تعصبات اور اپنے قبیلے کے لوگوں کے سوا دوسروں پر کسی اعتماد یا میل جول سے ان کا گریز، ایسی چیزیں ہیں جن سے ان کی تاریخ کے کامل و صحیح علم کے حاصل ہونے میں شدید دشواریاں پیش آگئی ہیں۔

۵۱۷

موجودہ ضرورت کے لئے یہ کافی ہوگا کہ اس قبیلے کی ابتدا اور اس کی ترقی کے متعلق کچھ قیاسات پیش کر دیے جائیں، جن طبقوں میں وہ منقسم ہیں ان پر نظر کی جائے اور آخر میں ان کے دو ایک نہایت نمایاں سرداروں کی مقامی تاریخ اس حد تک درج کی جائے جس سے اس حصۂ ہندوستان میں ان کی گزشتہ و موجودہ حالت عیاں ہو سکے۔

بھیل دوسرے ہندوستانی قبیلوں سے ایک بالکل ممیز نسل ہیں، مگر ان ہندوستانی قبیلوں میں شاید ہی کوئی ایسا قبیلہ ہو جو قدامت کے دعاوی میں بھیلوں سے بڑھ کر ہو۔ قوم کے بعض دوسرے طبقوں کے بھیلوں کی زندگی کے طور و طریق اختیار کر لینے اور بھیلوں کی عورتوں کے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں سے مواصلت رکھنے کی وجہ سے بھیل کا لفظ ان تمام غارتگروں پر عائد ہوتا ہے جو ہندوستان کے مغربی حصص کے پہاڑوں میں اور دریاؤں کے جنگلی کناروں پر رہتے ہیں۔ نہ صرف بھیلاس (بھیلالہ) کولی یا قلی جو ان سے مماثلت رکھتے ہیں بلکہ بہت سے دوسرے بھی اس طبقے میں شامل کر لئے

ل۔ [illegible] غارتگر قبیلے اکثر بھیل میں شامل کر لئے [illegible]

گئے ہیں۔ لیکن (غارتگری کے مشترک پیشے کے سوا) کسی دوسرے اعتبار سے انھیں ان بھیلوں سے کوئی تعلق نہیں ہے جنھیں نہایت قدیم زمانے سے ایک ممیز نسل تسلیم کیا جاتا ہے اور جو اپنے مسکنوں میں سب سے الگ ہیں اور اپنے عادات و رسوم، اشکال عبادت کی وجہ سے ہندوستان کے دوسرے قبائل سے بالکل جداگانہ ہیں۔ ۵۱۸

بھیلوں کے جدید نسب دانوں اور بھاٹوں نے ان کے جو حالات بیان کئے ہیں وہ ان سے بہت مختلف ہیں جو ہندوؤں کی قدیم کتابوں سے اس نسل کے متعلق معلوم ہوتے ہیں[1]۔ عام روایت اگرچہ افسانہ وار معلوم ہوگی مگر جہاں تک ان کے زیادہ حال کی تاریخ کا تعلق ہے، شاید سب سے زیادہ قابل اعتماد سمجھی جائے گی۔ اس روایت کے بموجب مہادیو جب بیمار و پریشان تھا تو وہ ایک دن ایک گھنے جنگل میں جھکا ہوا بیٹھا تھا، اس وقت ایک خوبصورت عورت سامنے آئی اور اس پر پہلی نظر پڑتے ہی مہادیو کی تمام شکایتیں جاتی رہیں۔ اس دیوتا اور اس اجنبی عورت کے درمیان تعلق قایم ہوگیا اور اُس کے نتیجے میں متعدد لڑکے ہوئے۔ ان میں

---

[1] ممتاز ہندو نظم مہابھارت میں (جو یقیناً بہت قدیم زمانے کی تصنیف ہے) بھیلوں کا نہ صرف بہت تفصیلی تذکرہ ہے بلکہ ان کی ابتدا کا بھی ایک طولانی افسانہ وار بیان دیا ہوا ہے۔ اصل متن میں جو قصہ بیان ہوا ہے وہ ایک طرح کا استعارہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کا جداعلیٰ اپنی خلقی بدطینتی کی وجہ سے ایک خلاف عدل جرم کا مرتکب ہوا اور اس وجہ سے دیوتا کے غضب کے باعث اسے متمدن آدمیوں کے مساکن سے خارج کر دیا گیا۔ منو کے آٹھویں باب (مترجمہ سر ڈبلیو جونس) میں بیان ہوا ہے "عدل کی ربانی شکل کا بیل کی صورت میں نمود ہوا ہے اور جو شخص عدل کی خلاف ورزی کرتا ہے دیوتا اس کی نسبت یہ سمجھتے ہیں کہ اس نے بیل کو ہلاک کیا"۔ ہندوؤں کے نزدیک بیل کا ہلاک کرنا ایک نہایت ناپاک جرم ہے اور اس سے بڑھ کر اگر کوئی جرم ہے تو وہ برہمن کا مارنا ہے۔

سے ایک لڑکے نے جو بچپن ہی سے اپنی بدشکلی اور شر کی وجہ سے ممیز تھا مہادیو کے پسندیدہ بیل کو مار ڈالا۔ اس جرم کی وجہ سے اُسے پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف نکال دیا گیا اور اس کی اولاد اسی وقت سے بھیل[1] اور نشاد کے نام سے بدنام ہے، ان الفاظ کے معنی خارج ازذات کے ہیں۔

یہی روایات مارواڑ[2] یعنی جودھپور کے ممالک میں ان کے ابتدائے قیام اور کارگزاریوں کی پس منظر ہے یہاں سے جب دوسرے قبائل نے ان کو جنوب کی جانب نکال دیا تو وہ ان پہاڑوں میں جو مالوہ اور خاندیس کے مشرقی حدود ہیں اور بندھیا اور ست پڑہ کے بلند سلسلہ کوہستان اور دریاہائے ماہی نربدا اور تاپتی کے جنگلی ساحلوں میں سکن گزیں ہوئے۔ یہاں تک کے مستحکم نوعیت کے باعث وہ اس ظلم وستم سے بچے رہے جنہوں نے انھیں جلاوطن کیا تھا۔ اس کے بعد سے وہ یہیں رہے اور ان کی گزر کچھ تو حرفت سے ہوتی تھی مگر زیادہ تر قرب وجوار کے دولتمند زمینداروں کو لوٹنے سے ہوتی تھی۔

ان کے جودھپور اور اودے پور سے ترک وطن کرنے کے اس بیان کی صداقت اس حصۂ ملک کے راجپوت حکمرانوں کی مقامی تاریخ سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ سرزمین بھیلوں سے فتح کی گئی ہے اور اس کی تصدیق اس امر واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ اس قبیلے کے تمام قابل احترام بھاٹ اب بھی راجپوتانہ میں رہتے ہیں جہاں سے وہ سالانہ دوسالہ تین سالہ میں جنوبی قبائل میں آیا کرتے ہیں تاکہ خاندانوں کے نمایاں واقعات کی یادداشت حاصل کریں

519

520

---

[1] - اس نسل کے لئے عام مستعملہ لفظ "بھیل" ہے مگر انھیں "نشاد" بھی کہتے ہیں۔ میجر ہنلی نے یہ ذکر کیا ہے کہ دریائے نربدا کے سواحل کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

[2] - تاریخ ہند میں عام طور پر جودھپور اور اودے پور کے علاقوں کو مارواڑ اور میواڑ کہا جاتا ہے۔ انگریزی پڑھنے والوں کو غلطی سے بچانے کے لئے میں نے ان علاقوں کے جدید ترین نام استعمال کئے ہیں جو ان کے حالیہ صدر مقاموں سے لئے گئے ہیں۔

خاص کر ان واقعات کی یادداشت جن کا تعلق مناکحت سے ہے اور مسرت انگیز بھیلوں کے سامنے ان کے آغاز و ابتدا اور ان کے آبا و اجداد کی ناموری کے گیت گائیں۔ ان رسوم و فرائض کی ادائی کے لئے رقوم مقرر ہیں لیکن بھاٹ اگر بزرگ و مشہور ہے تو اسے ان سرداروں سے جن کے پاس وہ جاتا ہے تحائف ملتے ہیں جن کی حد بجز اس کی قابلیت کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

مالوہ اور آس پاس کے صوبوں کے بھیلوں کے پاس کوئی یادداشت ایسی نہیں ہے کہ وہ کسی وقت میں اس ملک کے میدانوں پر قابض رہے ہوں مگر ان کا دعوٰی ہے۔ اور صحیح بنیادوں پر ہے کہ وہ ان پہاڑی قطعات پر بہت دنوں تک بلا شرکت غیرے اپنے سرداروں کے تحت قابض رہے ہیں۔ ان سرداروں میں بہت سے ایسے ہوئے ہیں۔ جو دولت اور اقتدار کے ساتھ اپنے اخلاق میں بھی ممتاز رہے ہیں ڈونگر پور، بانسواڑہ، جھابوا، بردانی اور دوسری امارتوں کے زیادہ جدید فتح کے حالات اس ادعا کی پوری پوری توثیق کرتے ہیں۔

بھیل اپنے حالت کے مختلف تغیرات کی وجہ سے ممیز طبقات میں تقسیم ہو گئے ہیں ان کو دیہات میں رہنے والے بھیل، کاشتکاری کرنے والے بھیل، وحشی یا کوہی بھیل کے ناموں سے ظاہر کر سکتے ہیں اول الذکر صرف چند ہیں جو اپنی قدیم اقامت یا کسی اتفاق کی وجہ سے میدان کے گاؤں کے باشندے ہو گئے ہیں۔ (اگر چہ وہ علی العموم پہاڑیوں کے قریب رہتے ہیں۔) وہ ان دیہاتوں کے چوکیدار ہیں اور انہیں اہل دیہات میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ کاشت کرنے والے بھیل وہ ہیں جو اپنے سرداروں کے تباہ ہو جانے یا حملہ آوروں کے ذریعے سے ان سرداروں کے نکال دئے جانے اور ان کے جا[illegible] بن جانے کے بعد یہ بھیل بدستور اپنے پرامن کام میں لگے رہے۔ وحشی یا پہاڑی بھیل اس قبیلے کے اس تمام حصے پر مشتمل ہیں جنہوں نے اپنی وحشیانہ آزادی اور خودسری کو اطاعت اور محنت پر ترجیح دی اور بدستور لوٹ مار سے زندگی بسر کرتے رہے۔

ان طبقات کے مخصوص رسم ورواج پر دوسرے حصے میں نظر کی جائے گی۔[1]
یہاں ان کی علیحدہ علیحدہ تاریخ اس سے زیادہ نہیں دی جائے گی کہ ان میں سے
ہر ایک طبقہ قرب وجوار کی حکومتوں کے مدوجزر کے مطابق اپنی تعداد اور
اپنے عادات واخلاق میں گھٹتا بڑھتا رہا ہے۔ جب یہ حکومتیں قوی اور
خوشحال رہتی ہیں تو دیہات کے بھیل اور کاشت کرنے والے بھیل اپنے
زیادہ وحشی بھائیوں کو اپنے میں کھینچ لاتے ہیں۔ اس کے برخلاف جب
کمزوری، ابتری اور ظلم وستم برپا ہوتے ہیں تو اس کا حسبِ معمول اثر یہ
ہوتا ہے کہ حرفت ومحنت کرنے والے بھیل غارتگری کی روش اختیار
کر لیتے ہیں، مگر ان تمام تغیرات کے ہوتے ہوئے اس قوم کی ہر ایک شاخ
میں پھر متحد ہو جانے کا میلان موجود ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ
ایک ہی رسم ورواج اور ایک ہی اشکال مذہب پر قایم ہیں۔

جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے اس امر میں بہت کم شک رہ جاتا ہے
کہ اس نواح کے بھیل جنھیں ابتداءً ان راجپوتوں نے جنوب کی جانب
ہٹایا جو خود ہندوستان سے مسلمانوں کی وجہ سے نکالے گئے، انھوں نے
دو تین صدیوں کے اندر ہی اندر اپنی وہ متعدد چھوٹی چھوٹی امارتیں ضایع
کر دی ہیں جو انھوں نے پہاڑیوں میں قایم کی تھیں مگر انقلابات کی وجہ سے
اس قوم میں ایک دوسرا بڑا تغیر بھی ہوا ہے۔ چھوٹے چھوٹے راجپوت
حکمرانوں کے رشتہ دار اس قدر زیادہ ہو گئے ہیں کہ ان کے خاندان کے
سرگردہ ان کے لئے گزر اوقات کا سامان نہیں مہیا کر سکتے، چونکہ انھیں
ہتھیار چلانے کے سوا اور کوئی کام نہیں آتا اس لئے ان میں سے بہتوں نے
سرفروشانہ روش اختیار کر لی ہے اور بھیلوں کے ساتھ غارتگری کی
زندگی میں شامل ہو گئے ہیں، ان راجپوتوں نے بھیلوں سے مناکحت بھی

ه ۲۲

[1] ۔ اس موضوع کا تعلق ایک دوسرے باب سے ہے جس میں وسطی ہند کے باشندوں
کے عادات واخلاق اور رسم ورواج سے بحث ہوئی ہے۔

کرلی ہے اور اس سے مختلف قبائل وجود میں آگئے ہیں جن میں خاص قبیلہ بھیلالہ ہے۔ موضوع کے اس جزو پر بعد کو نظر کی جائے گی، یہاں اتنا کافی ہوگا کہ مالوہ اور نیماڑ کے بعض خاص خاص بھیل سرداروں اور اس طبقے کی موجودہ حالت کا تذکرہ کر دیا جائے۔

باگلی اور منڈلیسر کے درمیان پہاڑی استحکامات میں بالتخصیص گونڈ آباد ہیں مگر جو غارتگر حال کے زمانے میں ان استحکامات پر قابض تھے ان کے تابعین میں ہندوستان اور دوسرے حصص[1] ہند کے بیباک لوگ بھی داخل ہو گئے ہیں۔ سلسلۂ کوہستان بندھیا کے گرد جام سے مانڈو کے غرب تک بالکلیہ بھیل آباد ہیں جن کی ایک معتدبہ تعداد سو برس سے زاید تک ایک بھیلالہ سردار نادر سنگھ کے خاندان کی وفاشعار تھی، یہ نادر سنگھ ایک شخص کی چوتھی پشت میں ہے جسے مانڈو کے شاہی والی کی خوشنودی حاصل ہو گئی تھی۔ اس والی کو اس شخص کا جوش اور اس کی مبارزت غارتگروں کے ایک گروہ منکار نامی کو سزا دینے کے لئے کارآمد معلوم ہوئی۔ نادر کے آبا و اجداد کی تاریخ میں اسی قسم کے نشیب و فراز ہیں جیسے دوسرے غارتگر سرداروں کی تاریخوں میں ہیں۔ خود اس کی زندگی وسط ہند کے گزشتہ طوفانی زمانے میں گزرنے کی وجہ سے نہایت نمایاں ہے۔ اس نے اپنی اقامت جمانیہ میں قرار دی ہے جو مانڈو کے قریب اس کے باپ کا ایک گاؤں ہے مگر اس کے چچا جیسو پٹیل کے انتقال تک اسے بہت کم نمود حاصل ہوئی، اس واقعہ کے بعد (جو سولہ برس قبل واقع ہوا) نادر سلسلۂ کوہستان بندھیا کا بڑا لٹیرا بن کر نکلا، جسونت راؤ ہلکر نے اس کی آؤ بھگت کی اور جسونت راؤ کے انتقال کے بعد یہ ہوا کہ نادر پہاڑوں سے نکلا اور

۵۲۳

[1] بعض ہندوستانی سپاہی جو دس برس قبل مدراس کی انگریزی فوج سے بھاگ گئے تھے وہ ان لٹیروں کی خدمت میں پائے گئے، انھوں نے اپنے کو حوالہ کر دیا ان کو معافی دی گئی مگر ملک سے خارج کر دیا گیا۔

لوٹ مار کرنے اور میدانوں کو تباہ کرنے لگا۔ انگریز جب وسطی ہند میں داخل
ہوئے ہیں اس وقت نادر کا نام اس ملک کے جنوبی حصص کے لیے خوفناک
بنا ہوا تھا، اور جب موجودہ چھاؤنی اہو میں قایم کی گئی جو کہ نادر کے پہاڑوں
کے عین دامن میں واقع ہے اس وقت نادر کے پاس دو سو سوار اور چھ سات
سو پیادے تھے۔ اس کے بعد سے اس غارتگر کی تاریخ مختصر ہے۔ اسے مجبور
کیا گیا کہ جو تغیر واقع ہوا ہے اس کی مطابقت کرے اور چونکہ وہ برطانی
حکومت کی قوت کی وجہ سے لوٹ مار کرنے سے تھم گیا تھا اس لیے اُسے
برطانی حکومت نے اپنی فیاضی سے اپنی حفاظت میں آجانے کی دعوت دی،
اس کے تمام تابعین جو دور و دراز کے ملکوں کے تھے برطرف کیے گیے اور
٥٢٤
اس کے بھیلوں کی ایک تعداد انگریزی ملازمت میں لے لی گئی، اس کے بھتیجے
اور اس کے بیٹے کو ان لوگوں کا کمانڈر بنایا گیا اور ان تدابیر سے اس خوفناک
غارتگر کے خاندان کے ارکان نیز اس کے تابعین بتدریج اس قوم سے
میل ملاپ رکھنے کے عادی ہو گئے جس سے وہ بہت دنوں تک الگ
رہے تھے اور جن کے لیے وہ لعنت بنے ہوئے تھے۔

نادر سنگھ کی اصلاح کی ترقی سست رہی، کیونکہ وہ بہت ہی فضول خرچ
تھا اور اس میں بری عادتیں جڑ پکڑ گئی تھیں مگر اس کا اثر روز بروز کم ہوتا گیا
کیونکہ اس کے ماتحتوں کے ساتھ میل ملاپ نے اس کی قوت کو کمزور کر دیا تھا،
اطاعت کے بعد بھی اس کے متعدد جرائم معاف کر دیے گئے مگر بعض غیر مسلح
مسافروں کو قصداً اس کے حکم سے قتل کر دیے جانے سے اس کے لیے مزید
رواداری یا مراعات کا دروازہ بند کر دیا۔ جس وقت اس جرم کا پتا چلا ہے
وہ اپنے بھیلالہ رشتہ داروں یعنی بیلانہ کے سرداروں سے ملنے گیا ہوا تھا،
وہاں وہ پانچ سو مسلح آدمی لے کر اپنے لڑکے بھیم سنگھ کی شادی اس خاندان
کی ایک لڑکی سے کرنے کے لیے گیا تھا، عین اُس وقت جب اس شادی کی
تکمیل ہوئی ہے اس کے سابق رفیقوں کے نام ایک حکم پہنچا جس میں انھیں اس کی
٥٢٥

لہ۔ میں نے جب نادر سنگھ کے رشتہ داروں اور خاص سرداروں کے نام یہ حکم جاری کیا

گرفتاری کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس حکم کی اطاعت کی گئی۔ اُسے نالچہ لایا گیا
جہاں گرد و نواح کے جمع شدہ زمینداروں اور بھیل سرداروں کے سامنے
اس کے جرم کی تحقیقات کی گئی، جرم ثابت پایا گیا، اس پر زندگی بھر کی
جلاوطنی کا لازم حکم صادر کیا گیا، اور وہ اب الہ آباد میں ایک قیدی ہے اور
اس کا چودہ برس کا ہونہار لڑکا اس کے اقتدار کا جانشین ہوا ہے۔ ملک
کے امن کے لئے اس انصاف سے زیادہ کوئی امر نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔
وسطی ہند میں کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں جان و مال اس سے زیادہ
محفوظ ہو جتنا نادر سنگھ کے سابق خوفناک بھیلوں کے درمیان ہے۔
اس نسل کے بعض لوگوں نے ابھی تک اپنی عادتیں ترک نہیں کی ہیں مگر ان
کی قزاقی چند برس قبل جتنی تھی اس سے بہت کم ہوگئی ہے اور ایسی کارروائیاں
ترقی کر رہی ہیں جن سے امید ہے کہ انسانوں کے اس طبقے میں جو اپنے
کو عقیدتاً چور اور لٹیرے سمجھتے ہیں بہت جلد کامل اصلاح ہو جائے گی۔
قرب و جوار کی حکومتوں کے ظلم و ستم نے انھیں مسلمہ قابل نفرت خارج از ذات بناکر
ان کے اس عقیدے میں اور زیادتی کر دی ہے۔ تنزل کے اس نظم سے جو
احساسات پیدا ہوئے ہیں ان کا بدلنا ضروری ہے اور کوئی کوشش اس امر
میں اٹھا نہیں رکھی گئی ہے کہ یہ قوم اپنی حالت کا جو خیال اس وقت رکھتی ہے
اس سے بہتر خیال اس میں نہ پیدا کیا جائے بھیل پر جب چوری یا ٹھگی کا الزام ۵۲۶

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس وقت میں نے یہ احتیاط مد نظر رکھی کہ اگر حکم کی تعمیل نہ ہو تو
اسے عمل میں لانے کے لئے کچھ برطانی فوج تیار رہے۔ مگر اس فوج سے کام لینے کی ضرورت
نہیں پڑی۔

لہ۔ اس نمایاں کام کے تمام جزویات کے متعلق میرا خط مورخہ ۹ رمئی ۱۸۲۰ء بنام
معتمد متکاف ملاحظہ ہو۔

لہ۔ بھیم سنگھ تین برس تک تقریباً ہمہ وقت میرے مستقر پر رہا جہاں اس کی تعلیم
پر خاص طور سے توجہ کی گئی۔

لگایا جاتا ہے تو اس کا عام جواب یہ ہوتا ہے کہ "میرے اوپر کچھ الزام نہیں ہے میں ہما دیو کا چور ہوں" بالفاظ دیگر یہ کہ خدا ہی نے مجھے قسمت سے چور بنا دیا ہے۔ یہی وہم پرستانہ اثر ہے جو ان کی اصلاح میں بڑی حد تک حائل ہے مگر یہ ناقابل رفع دقت نہیں ہے جیسا کہ اکثر بے سوچے سمجھے کہہ دیا جاتا ہے جو کچھ اس وقت تک عمل میں آچکا ہے اس کی بنا پر اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ یہ لوگ پھر اچھی حالت اور محنتی عادات کی طرف واپس لائے جائیں گے مگر ہمیں اس نتیجے کی توقع ان ذرایع سے کرنا چاہیئے جو بنی نوع انسان کی اس عجیب و غریب نسل کو بلند کریں نہ کہ پست۔

بھیلوں کی مقامی تاریخ کے واضح کرنے کا کافی بیان ہو چکا ان کے عادات و اطوار اور ان کے مخصوص عادات پر دوسری جگہ بحث ہوگی مگر اس کتاب کی محدود وسعت کے اعتبار سے یہ ناممکن ہے کہ انسانوں کے ایک ایسے طبقے کی دلخواہ توضیح یہاں دی جائے جو انگریزی حکومت کی بہت ہی دقیق توجہ کے سزاوار ہے خواہ ہم ان کی بعیدی قدامت کے صحیح البناء دعاوی پر لحاظ کریں خواہ ہندوستان کے دوسرے قبیلوں سے ان کی نمایاں علیحدگی پر لحاظ کریں یا اس امر پر لحاظ کریں کہ ان کو ایسے عادات سے نکال لینا چاہئے جنھوں نے انھیں نظم و امن کا دشمن بنا دیا ہے۔

بارھواں باب

وسطی ہند کی ریاستوں کی حکومت

وسطی ہند میں اس ملک کے بادشاہوں کے عہد میں اور ان کے زوال کے بعد مرہٹوں کے حملے کے وقت تک قایم شدہ حکومت کی شکل وہی تھی جو مسلمانوں کے تسلط کے تحت ہندوستان کے دوسرے حصوں میں تھی۔

صوبۂ مالوہ جو شہنشاہی دہلی کے بہت بڑے صوبوں میں سے ایک صوبہ تھا اور ایک صوبہ دار کے تحت ہوا کرتا تھا اس صوبہ دار کے پاس ایک دیوان اور اس کے دربار اور فوج کے دوسرے چھوٹے عہدہ دار ہوتے تھے۔ ملک کا انتظام (کلکٹر) تعلقدار اور دوسرے نیچے درجے کے عہدہ دار کرتے تھے جن کا تعلق مغلیہ نظام سے ہوتا تھا۔

مرہٹوں کی حکومت کی ظاہری و باطنی شکل خود ان کے ملک کے ادارات اور ان ادارات سے ماخوذ تھی جو ان کے مفتوحہ ملکوں میں انھیں قایم شدہ ملے لیکن ان کے نظم و نسق کی شکل کے سمجھنے کے لئے جیسی کہ وہ اس

وقت سے یہ ضروری ہے کہ جس کل سے وہ مرکب ہے اس کے ہر جزو کا بیان دیا جائے یعنی مرہٹہ سردار اور اس کے ملکی و فوجی عہدہ داروں سے لیکر ان افراد تک کا حال دیا جائے جن سے چھوٹے سے چھوٹے گاؤں کا قدیم اور موقر بلدی انتظام قایم ہے۔

سندھیا، ہلکر اور پوار کے خاندانوں نے جو کچھ حکومتیں قایم کیں وہ شکل و صورت میں قریب قریب یکساں تھیں ان حکومتوں میں ایک سردار یا حکمراں ہوتا ہے جس کا اس وقت تک کوئی خطاب معین نہیں ہے اور اسی خاندان کے دوسرے ارکان ہوتے ہیں جو مختلف مناصب اختیار کر لیتے ہیں۔[۱]

از روئے نظریہ حکمران کا اختیار، مطلق ہے مگر نہایت محترم ہندو مصنفین[۲] کے نزدیک اسے ربانی مبدء سے نہیں سمجھا جاتا۔ ان اصحاب استناد

---

[۱] - مادھوجی سندھیا اپنے کو پٹیل سے ملقب کرتا تھا اس کا جانشین مہاراجہ اور عالیجاہ کہلاتا ہے جو ہندو و مسلم خطابات ہیں۔ ملہار راؤ ہلکر مالوے کا صوبہ دار کہلاتا تھا اس کے جانشین ہندو خطاب مہاراجہ پر قایم ہیں یہ خطاب اگرچہ بہت بلند ہے مگر عام استعمال کی وجہ سے بہت معمولی ہو گیا ہے۔

[۲] - ہندوؤں کی نہایت مقدس کتاب مہابھارت کے ایک ٹکڑے میں بادشاہ کے فرائض ان کے حقوق اور ان کی ابتدا کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بھشم نے کہا ہے کہ "حکمران کے بغیر کوئی ملک خوش حال نہیں رہ سکتا صحت، نیکوکاری وغیرہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے ایک کے ملک پر دو حملے کر دیں گے اور پھر دو کے ملک پر متعدد حملے کر دیں گے۔ پس انجام کار یں انسان ایک دوسرے کو اسی طرح تباہ کر ڈالیں گے جیسے مختلف قسم کی مچھلیاں ایک دوسرے کو تباہ کر ڈالتی ہیں۔ راجہ اہل ملک کی حفاظت اس طرح کرتا ہے جیسے بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کی حفاظت کرتی ہے بنی نوع انسان اسی طرح ایک دوسرے کو ستاتے چلے آ رہے ہیں تا آنکہ وہ برہما کے پاس گئے کہ ان کو ایک حکمران عطا کرے برہما نے منو کو ہدایت کی کہ وہ ان کا راجہ ہو جائے منو نے جواب دیا کہ مجھے ایک گنہگار انہ عمل

کی رائے کے بموجب اولاً ایک راجہ اس وجہ سے قایم کیا گیا اور بعد کو یہ سلسلہ ۵۲۹

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کا اندیشہ ہے حکومت نے شدت کی خاص کر ایسے لوگوں کے
اندر جو ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں انھوں نے منو سے کہا کہ خوف نہ کرو۔ تم کو معاوضہ ۵۲۹
ملے گا۔ جانوروں میں پچاس واں حصہ اور اسی طرح سونے میں بھی، ہم تمہیں غلے میں
سے دسواں حصہ دیں گے جس سے تمہارا ذخیرہ بڑھ جائے گا عورتوں کا بھی ایک
مناسب محصول دیں گے اور تنازعات اور خمار بازی پر بھی محصول دیں گے
جو لوگ دولت وعلم میں بلند ہوں گے وہ اسی طرح تمھارے تابع ہوں گے جس
طرح دیوتا جلیل القدر اندر کے تابع ہیں اس طرح ہمارا راجہ طاقتور ہو جائے گا
اور اس کو کوئی ڈرا نہ سکے گا تم ہم پر امن کے ساتھ حکومت کرو جس طرح کوبیر راکشس
پر حکومت کرتا تھا۔ راجہ کی زیر حفاظت رعایا جو کچھ قابل قدر کام کرے گی اس کا
ایک چوتھائی حصہ راجہ کی ملک ہوگا لہذا جو لوگ ترقی کرنا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ
راجہ کو اپنے سے اس طرح بالاتر رکھیں جیسے شاگرد استاد کو اور دیوتا اندر کو بالاتر
رکھتے ہیں (کیونکہ راجہ قوم کی حفاظت کرتا ہے۔) لوگوں کو چاہئے کہ جب راجہ
کے حضور میں ہوں تو اس کی عظمت اور وقعت کریں جس راجہ سے دوسرے لوگ
نفرت کرتے ہوں وہ سب کے لئے مصیبت کا باعث ہے لہذا لوگوں کو چاہئے کہ
راجہ کو چتر، لباس، زیور، کھانے پینے کی چیزیں، مکان، نشست گاہ، گاڑی اور تمام
لوازم مہیا کریں۔

یدہشٹر نے بھیشمہ سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک راجہ جو پیدایش،
زندگی، موت، اعضائے جسمانی وغیرہ میں تمام لوگوں سے مشابہ ہے وہ ایسا ہو کہ تمام
طاقتور بیر اور تمام بنی نوع انسان اس کی عظمت و وقعت کریں اور راجہ کی خوشحالی
یا بدحالی پر ان سب کی خوشحالی یا بدحالی کا انحصار ہو۔ بھیشمہ نے جواب دیا کہ
"میں حکومت کے قیام کی وجہ بیان کروں گا۔ دنیا میں نہ کوئی حکمران تھا نہ کوئی
حکومت تھی، نہ کوئی انصاف کرنے والا تھا اور نہ انصاف تھا، اہل انصاف
ایک دوسرے کی حفاظت کرتے تھے مگر لوگ اس سے عاجز آ گئے اور خود غرضی

۵۳۰ اسی وجہ سے جاری رہا کہ انسان جب اچھے راستوں سے ہٹ گیا تو اس کے لئے ایک سرگروہ یا سردار کی ضرورت ہوئی مگر قوم کے ساتھ اس کے اس تعلق کو قوم کے محافظ یا حامی کے الفاظ سے ظاہر کیا جاتا ہے اور اسی لئے اُسے محصول وصول کرنے کا حق ہے اور اپنے ادائے فرائض کے لئے وہ جس خراج کا مطالبہ کرتا ہے اس کا بیان ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں ہے مگر ان کتابوں میں سے کسی کتاب میں راجاؤں پر اخلاقی یا مذہبی نوعیت کی روک یا تہدید کے سوا اور کسی قسم کی روک یا تہدید کا کوئی جملہ نہیں ہے اور اس نظریے کی مطابقت میں دوسرے ہندو حکمرانوں کی مانند وسطی ہند میں مرہٹہ حکومتوں کے سرگروہ مطلق العنان سمجھے جاتے ہیں۔

اگرچہ وسطی ہند کے مرہٹہ سردار مطلق العنان ہیں مگر عملاً وہ اپنے اقتدار کو متعدد قیود کے تحت عمل میں لاتے ہیں مرہٹہ حکومتوں کے اولین بانی فوجی سرگروہ تھے اور اگرچہ وہ اپنے آزادانہ اختیار کے عمل میں لانے بلکہ اس سے خراب کام لینے کے عادی تھے پھر بھی وہ ایسے لوگ تھے جنھوں نے حوادث سے سبق حاصل کیا تھا وہ اس کا اظہار کرتے تھے اور کچھ زمانہ قبل تک ایک حد تک پیشوا کے زیر اقتدار تھے۔ انھوں نے اپنی قوم کے سادہ عادات کو برقرار رکھا تھا اور نسب اور بے تکلفانہ میل جول کی وجہ سے ان کا تعلق اپنے خاص خاص عہدہ داروں سے تھا۔ ان عہدہ داروں کا بڑا حصہ اور خاص گروہ لوگ جو دیوانی کے کام میں تھے مقدس برہمن ذات سے ہونے کی وجہ سے موت کی سزا سے مستثنیٰ سمجھے جاتے تھے۔

۵۳۱ مالوے کے خاص خاص مرہٹہ حکمراں شدر قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) برتنے لگے اور ان کا ادراکِ گناہ و شہوت سے تاریک ہوگیا وغیرہ وغیرہ"

اس کے بعد یہ مقدس شخص کہتا ہے اس صورت حالات نے یہ ضرورت پیدا کی کہ پریشاں حال قوم کے سرگروہ کی حیثیت سے ایک راجہ نامزد کیا جائے۔

اس صورت حال نے جو انھیں نیچے کے طبقوں سے ملا دیتی ہے اس باب میں اچھا اثر پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے خود مختارانہ اختیار کو کم استعمال کریں۔ اگرچہ اکثر وہ عیاشی اور حرص و ہوس میں نمایاں رہے ہیں مگر اس کی مثالیں بہت کم ہیں کہ وہ ظالم رہے ہیں اور انھوں نے اپنے مفتوحہ ملک کی قایم شدہ اشکال و ادارات کی جانب یکساں طور پر توجہ کا اظہار کیا لیکن ان عادات اور خیالات سے جو قیود عاید ہوتے ہیں وہ کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں۔ مگر ان کی پابندی اس نوعیت کی نہیں ہے جس سے ان کے اختیار کی حیثیت میں فرق پڑ جائے۔ جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے سردار یا حکمراں بجائے خود حکومت ہے۔

حکومت کے عہدہ دار

وسطی ہند میں مرہٹہ سردار جن خاص خاص عہدہ داروں سے کام لیتے ہیں ان کے نام و فرائض وہی ہیں جو پونا میں قایم ہیں۔

دیوان

دیوان جسے وزیر اعظم کہنا چاہیے ریاست کے ہر ایک محکمے پر نگران ہوتا ہے اور خاص اختیار رکھتا ہے۔

فرنویس

دیوانی کا خاص عہدہ دار فرنویس[۱] ہوتا ہے (یہ اصطلاح تقریباً وزیر مال کے مرادف ہے) فرنویس کرایہ ادا کرنے والوں اور مالگزاری کے محصلوں کے حسابات وصول کرتا ہے۔

۵۳۲

اس کا فرض صرف یہی نہیں ہے کہ وہ واقعی آمدنی کے فردات مرتب کرے اور متوقع آمد و خرچ کا اندازہ کرے بلکہ اس کا فرض یہ بھی ہے کہ ہر قسم کے سرکاری مصارف کے تمام حسابات کا معائنہ کرے جن کا انضباط وہی کرتا ہے اور وہی ان پر روک قایم رکھتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اپنے دفتر میں جاگیروں اور انعامی زمینوں وغیرہ کی ادائی سرکاری جگہ پر مقرر ہونے والے عہدہ داروں کے رسوم کے اسناد مرتب کرے۔

---

[۱] مرہٹے جو لفظ فرنویس استعمال کرتے ہیں یہ فارسی کے لفظ فردنویس سے مرکب ہے جس کا مفہوم سرکاری دستاویز ہے ان کے تمام دوسرے خاص خاص عہدہ داروں کے نام بھی فارسی مرکبات ہیں جن سے ان کے ادائے فرائض کا اظہار ہوتا ہے۔

معظم دار

معظم دار کا درجہ پیشوا کے بعد ہے اس کے محکمے کو دفتر تسجیل کہنا چاہئے جس میں تمام اسنادِ عطیات یا رسوم باقاعدہ درج ہوتے ہیں۔

چٹ نویس

چٹ نویس وزیر سلطنت ہے جس کے دفتر میں تمام سیاسی مراسلات ہوتے ہیں جس طرح فرماں روا اعلانیہ یا رازدارنہ طور پر ہدایت کرتا ہے۔

سکہ نویس

سکہ نویس فرماں روا کا محافظِ مہر ہوتا ہے اور تمام خطوط فرامین اور عطیات پر یہ مہر لگاتا ہے اور ان تمام کاغذوں کا ایک صحیح رجسٹر اپنے دفتر میں رکھتا ہے۔

پوتہ نویس

پوتہ نویس خزانچی ہے اس کے دفتر میں ان رقوم کے تمام حسابات رہتے ہیں جو سرکاری خزانے میں داخل ہوتے ہیں یا وہاں سے تقسیم ہوتے ہیں۔

دفتر دار

دفتر دار ریاست کے ان کاغذوں کا محافظ ہوتا ہے جن کا تعلق آمدنی کے مداخل و مخارج سے ہوتا ہے۔ وہ مالیات کا نگران بھی ہوتا ہے اور اگرچہ اس کے بعض فرائض ممیز ہیں مگر غالباً اسے فرنویس کا نائب سمجھا جا سکتا ہے اس کا تعلق فرنویس کے محکمے سے ہے تمام مالی حسابات نیز ہر طرح کے اخراجات راست دیوان کے پاس بھیجے جاتے ہیں وہ انھیں فرنویس کے پاس بھیجتا ہے۔ فرنویس دفتر دار کو دیتا ہے دفتر دار جانچ کے بعد ان کو فرنویس کے معائنے کے لئے پیش کرتا ہے۔ اور اس کا فرض ہے کہ فرنویس پر یہ ظاہر کرے کہ کونسی مد صحیح اور قابل قبول ہے اور کونسی نہیں۔

دفترِ دار کے دفتر میں بہت بڑی تعداد متصدیوں یعنی محرروں کی ہوتی ہے۔ ان میں سے خاص متصدی ایک دفتر میں کام کرتے ہیں جہاں حکومت کے

لہ۔ یہ رسوم فرنویس کے دفتر میں مرتب ہو کر دیوان کے پاس بھیجے جاتے ہیں جس کی موجودگی میں ان پر تاریخ اور مہر ثبت ہوتی ہے اس کے بعد وہ فرنویس کے پاس واپس کر دیے جاتے ہیں۔ وہ ان پر لفظ رجوع لکھتا ہے اور آخر میں معظم دار کے پاس آتے ہیں وہ اس پر مرہٹی میں ادنیہ پروانہ یعنی حسب الحکم لکھ دیتا ہے۔

لہ۔ اس دفتر کو اصطلاح میں یک برجی (EK.Burjee) کہتے ہیں۔

تمام سرکاری حسابات کے خلاصے تیار ہوتے ہیں اور ان حسابات میں مالیات سے متعلق تمام معاملات تا حدامکان صاف اور عام طریق پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔

اس دفتر کا محافظ رہنے میں دفتر دار سے دوسرے درجے پر ہے اس دفتر میں وہ بیانات مرتب ہوتے ہیں جنھیں ترجمہ کہتے ہیں۔ جن میں فارسی الفاظ کا مفہوم یا ترجمہ ہوتا ہے نیز کھتاؤنی تیار ہوتی ہے یعنی سال کے اخراجات کا صحیح و مرتب حساب۔

۵۳۴ ریاست کے مذکورۂ بالا اعلیٰ دیوانی[1] عہدہ داروں کے تحت ایک تعداد مددگاروں اور منشیوں کی ہوتی ہے جنھیں کارکن، متصدی، گماشتہ اور محرر کہتے ہیں یہ لوگ ان عہدہ داروں کو ان کے محکمے کے فرائض میں مدد دیتے ہیں۔

بخشی اور اس کے نائب

مرہٹہ فوجوں میں حکمراں سردار یا سپہ سالار سمجھا جاتا ہے اس کے بعد بخشی کا رتبہ ہے جس پر خاص فرض و ذمہ داری عاید ہوتی ہے اور وہ تمام فوجی مصارف واخراجات کے لئے جواب دہ سمجھا جاتا ہے اس اعتماد کی وجہ سے اسے ان فوجی سرداروں پر اقتدار[2] نہیں مگر اثر حاصل ہو جاتا ہے جو گاہ بگاہ فوجوں کی سپہ سالاری پر مقرر ہوتے ہیں اور جن کے اوپر اس کا محکمہ ہمیشہ تحدید قایم رکھتا ہے۔ لیکن یہ ملحوظ رہنا چاہیئے کہ یہ عہدہ داران فوجوں کی ادائی تنخواہ اور اندرونی کفایت شعاری کا ذمہ دار ہے جنھیں ریاست کے

---

[1] ۔ دیوانی کے ان عہدہ داروں کا رتبہ و تقدم صرف مرہٹی حکومتوں کے نظریے میں ہے انفرادی اشخاص کی لیاقت اور حکمرانوں کی مراعات اکثر ایسے شخص کو بلند ترین حیثیت پر پہنچا دیتی ہیں جو ان دفتروں میں سب سے پست دفتر کا سرکردہ ہوتا ہے مثلاً سندھیا کے دربار کے دیوانی عہدہ داروں میں سکہ نویس کا اثر سب سے زیادہ ہے۔ اور وزیر کسی دفتر کا سرکردہ ہے اور نہ وہ دیوان کہلاتا ہے بلکہ مختار کار کہا جاتا ہے یعنی نظم ونسق کا سرکردہ۔

[2] ۔ کبھی کبھی باعتبار مالیات فوج کے دیوانی انتظامات کے ساتھ بخشی کو کامل سپہ سالاری بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

خزانے سے راست تنخواہ ملتی ہے۔ اسے ان فوجوں سے کوئی تعلق نہیں ہے جو ان سرداروں یا سپہ سالاروں کی خدمت میں ہوتی ہیں جنھیں جاگیر ملی ہوئی ہے اور جو اپنی خاص امدادی فوجیں رکھتے ہیں۔

۵۳۵

بخشی کے ماتحت عہدہ دار نیز تقریباً وہ تمام عہدہ دار جو دیوانی کے انتظام میں کوئی جگہ رکھتے ہیں۔ مرہٹہ برہمن پنڈت ہیں۔ یہ لوگ کبھی کبھی اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے ترقی کرتے ہیں۔ مگر زیادہ عام طور پر ان کے موروثی دعاوی ہوتے ہیں، اور موروثی دعاوی سے متعلق مرہٹی حکومت کے تمام نظم میں سخت عصبیت پھیلی ہوئی ہے۔

وسطی ہند میں مرہٹہ سرداروں کے سوار اور پیدل فوج میں معمولاً فوجی مدارج[1] وہی ہیں جو دوسری ہندوستانی فوجوں میں ہیں۔ مگر ان جماعتوں میں جن لوگوں کو سب سے زیادہ اثر حاصل ہے وہ کارکنوں کا غول ہے یعنی بخشی کے گماشتے جنھیں فوجوں کی تنخواہ اور حسابات کلیتہً تفویض ہیں۔ ان میں سے ایک شخص ہر دستے اور رسالے کے ساتھ متعین ہوتا ہے اور اپنے فرائض کے اعتبار سے وہ فوجی عہدہ داروں سے بالاتر ہوتے ہیں۔ وہ ان فوجی عہدہ داروں کے کاموں پر نہ صرف نگرانی رکھتے ہیں۔ بلکہ ہدایت بھی کرتے ہیں۔

مرہٹہ حکومت میں اور بھی متعدد دوسرے عہدہ دار[2] ہیں۔ جنھیں

۵۳۶

---

[1]۔ یہ مدارج حسب ذیل ہیں:۔

سوارہ فوج میں۔ سردار۔ نوکدار۔ رسالدار۔ اور پیدل فوج میں صوبہ دار، جمعدار، حوالدار اور نائب۔ بعد کے زمانے میں انگریزی انضباط کی نقل سے مختلف درجوں میں انگریزی نام رائج ہو گئے اور یہ غیر معمولی امر نہیں ہے کہ کرنل درجن بھر کپتان جہاں بنا اُردلی [illegible] شیخ احمد کے نام سنے جاتے ہیں۔

[2]۔ عہدہ داروں کے اس طبقے میں محکمہ جات ذیل کے سرکردگان شامل ہیں:۔

جمعدار خانہ یعنی محکمۂ ملبوسات۔

جواہر خانہ یعنی محکمۂ جواہرات۔

بڑی ذمے داری اور بڑا اعتماد تفویض ہے لیکن ان کا تعلق زیادہ تر ریاست کے بجائے فرماں روا کے محل سے سمجھا جاتا ہے اور (شخصی عنایت سے جو کچھ بھی ہو) مگر معاملات کے عام نظم و نسق سے ان کا تعلق بہت کم ہوتا ہے۔

حضوریہ

وسطی ہند کے مرہٹہ فرماں رواکا ان مخصوص وصف کے عہدہ داروں سے کام لینا جنھیں حضوریہ[1] یعنی حضوری کے ملازم کہتے ہیں۔ دوبار پونا کے رواج سے ماخوذ ہے۔ حضوریہ سردار کے شخصی خدام جو بالعموم اسی کے قبیلے سے ہوتے ہیں۔ اور علی العموم معزز خاندان کے لوگ ہوتے ہیں، ان میں سے ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو حکمراں کے خاندان کے موروثی حشم و خادم ہیں اور جن کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کو حکمراں کا اعتماد حاصل ہے۔ اہم مواقع پر رعایا کے پاس ان کو بطور ایلچی کے بھیجا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنے آقا کے نمایندے ہیں۔ ان کی موجودگی تمام دوسرے اقتدار کو دبا دیتی ہے اور وہ جو احکام[2] لاتے ہیں۔ ان کی عدم اطاعت کے معنی بغاوت سمجھے جاتے ہیں۔

۵۳۷

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اسلحہ خانہ یعنی محکمۂ اسلحہ۔
فراش خانہ یعنی عسکر کے سازوسامان کا محکمہ۔
نیل خانہ۔
توپ خانہ۔
شتر خانہ۔
فرماں روا کے پائگاہ کی فوج کے حوالدار اور نائب حوالدار بھی بڑے درجے کے عہدہ دار ہیں۔ اس رسالے کے تمام گھوڑے فرماں روا کی ملک ہونے کی وجہ سے ریاست کی فوج سے بالکل ممیز سمجھے جاتے ہیں۔
پائگاہ نویس یعنی فوج کی اس جماعت کا حساب دار بڑے اعتماد اور اثر کی جگہ کا شخص سمجھا جاتا ہے۔
خاص جی والہ یعنی فرماں روا کی شخصی ملک اور مقبوضات کا داروغہ خاص بڑے اعتماد کا عہدہ دار ہے۔

[1] یہ لفظ فارسی لفظ حضور سے ماخوذ ہے۔
[2] جب لوگ ان احکام کی اطاعت نہ کریں تو ان کو نافذ کرنے کے لئے انتہائی حد کی

رام شاستری اور دیس

سابق میں ریاست پونا میں ایک عہدہ دار ہوتا تھا جو برائے نام عدالت کے نظم ونسق کا سرگروہ ہوتا تھا اور اس کا لقب رام شاستری تھا اور اس کے تحت مقامی ججوں کی ایک تعداد ہوتی تھی جنھیں نیائی دیس[1] کہتے تھے جن مرہٹہ سرداروں نے وسط ہند میں حکومتیں قایم کیں انھوں نے اس طریق کو کبھی جاری نہیں کیا۔ ان ریاستوں کے حکمراں اور ان کے خاص عہدہ داروں نے انصاف کو نظم ونسق کو اگر نہیں تو اس کے کامل انضباط کو اپنے لئے مخصوص رکھا اور یہ انتظام کبھی کبھی ہر ایک ذریعۂ آمدنی سے زیادہ نفع بخش ثابت ہوا۔

عہدہ دار دیوانی قابض دار

دارالصدر سے دور کے ضلعوں پر عدالتی اختیار کا عملدرآمد زیادہ تر ان دیوانی عہدہ داروں پر عاید ہوتا ہے جنھیں قابض دار یا محصل کہتے ہیں۔ (جس حصۂ ملک کے لئے یہ لوگ نامزد کئے جاتے ہیں۔ خواہ اس کا انتظام کرتے ہوں یا اس کو لگان پر لیتے ہوں ہر دو صورت میں یہ نام عاید ہوتا ہے) لیکن ان کے ساتھ دیوان فرنویس اور ریاست کے ہر ایک اعلیٰ عہدہ داروں کے جانب سے نائب ہوتے ہیں۔ اور یہ نائب جس ضلع میں کام کرتا ہے وہاں اپنے محکمے کے سرگروہ کا لقب اختیار کر لیتا ہے۔

۵۳۸

قابض دار (یعنی محصل) جس کا اقتدار متعدد اضلاع پر وسیع ہوتا ہے وہ اپنی جانب سے ہر ضلع کے صدر میں جداگانہ قابض دار مقرر کرتا ہے اور ان کے ساتھ ایسے اشخاص بھیجتا ہے جو ہر ایک کے خاص دفتر کے فرائض انجام دیں۔ یہ اشخاص حسابات کو معینہ شکلوں میں مرتب رکھنے کے طریق میں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) طور پر حضور یہ اپنی پگڑی جلا دینا ہے رواج نے اس کا مفہوم یہ پیدا کر دیا ہے کہ غیر مطیع شخص کو باغی ظاہر کر دیا جائے۔

[1] یہ لفظ نیائی یعنی انصاف اور دیس یعنی ملک سے مرکب ہے اور اس کا مفہوم مقامی جج کا ہے۔

[2] یہ چھوٹے چھوٹے عہدہ داران مالگزاری ان اشخاص سے کوئی تعلق نہیں رکھتے جو حکومت کے سرگردگان کی نیابت کرتے ہیں۔

ماہر ہوتے ہیں۔ ہر ایک مختلف طبقہ یعنی دیہاتوں کے حلقے[1] میں نائب قابض دار ایک کارکن[2] رکھتا ہے بشرطیکہ وہ طبقہ زیر انتظام ہو۔ اگر لگان پر دیا جاتا ہے تو کل کام لگان پر لینے والے کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جاتا ہے اور انتہائی صورتوں کے سوا سرکاری عہدہ دار اس کے کام میں مداخلت نہیں کرتے۔

جاگیر دار یا مالک جسے زمین خدمت کے صلہ میں یا معافی کے طور پر دی جاتی ہے وہ اپنے حدود کے اندر دیوانی اور فوجی اختیارات عمل میں لاتا ہے اور اپنی امداد کے لئے انہیں ناموں اور انہیں فرائض کے ساتھ عہدہ دار[3] مقرر کرتا ہے جیسے اس کے بالادست آقا کے وہاں ہوتے ہیں۔

۵۳۹

جب فوج کام کے لئے دور دراز مقام پر بھیجی جاتی ہے تو وہ علی العموم ایک خاص سردار کے تحت ہوتی ہے اور بخشی کے دفتر کی جانب سے اس کے ساتھ ایک کارکن ہوتا ہے جو حسابات رکھتا ہے اور تنخواہوں کا انضباط کرتا ہے اگر فوج میں کوئی حصہ پائیگاہ کا بھی ہوتا ہے تو پائیگاہ نویس[4] کے دفتر کا ایک شخص[5] بھی شامل ہوتا ہے۔ جب جاگیرداروں کی فوج سے کام لیا جاتا ہے تو ان کی تنخواہیں ان کے افسر ادا کرتے ہیں اور ان کے حسابات بناتے ہیں جن کے نام و فرائض وہی ہوتے ہیں جو حکومت کے ماتحت افسروں کے ہوتے ہیں۔

---

[1] یہ سات آٹھ سے لیکر بیس تیس حکام اور کبھی کبھی زاید ہوتے ہیں۔

[2] کارکن فارسی مرکب لفظ ہے جس کا لفظی مفہوم کام انجام دینے والے یا گماشتے کا ہے۔

[3] دیہاتوں وغیرہ کے انتظام کے لئے جو عہدہ داران دیوانی مقرر ہوتے ہیں وہ معاملت دار یا مقامی عہدہ دار کہلاتے ہیں اور جو سرکاری عہدہ دار مستقر حکومت پر ہوتے ہیں۔ اور جنہیں وہ اپنا نائب مقرر کرتے ہیں۔ وہ مرہٹوں کی اصطلاح میں دیسکھ یعنی فرماں روا کے عاملانہ عہدہ دار کہلاتے ہیں مرہٹوں نے یہ دونوں الفاظ اپنے مسلمان سابقین سے اخذ کئے ہیں۔ اور نظم ونسق میں ان کے بیشتر اشکال کو قایم رکھا ہے۔

[4] دیکھئے نوٹ بر صفحہ ۵۳۶ اصل کتاب۔

[5] یہ عہدہ دار بخشی و محاسب دونوں ہوتا ہے۔

یہ کوئی غیر معمولی امر نہیں ہے خاص کر جب کہ ملک میں ابتری پھیلی ہو کہ سلطنت کے اعلےٰ عہدہ دار (بالعموم فوجی سردار) بڑے بڑے اقطاع ملک پر حکمرانی کے لئے بھیجے جائیں۔ اور ان اقطاع کی مالگزاری یا راجاؤں کا خراج یا محصلین کی وصولیابی، ان کے معمولی اور غیر معمولی اخراجات کے لئے مخصوص کر دی جائے. مگر یہ سرگروہوں نے موقع سے فایدہ اٹھا کر ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ جو حکومت ان سے کام لیتی ہے اس کے اقتدار کو غصب کر دے انہیں حکومت کے عہدہ داروں کے طبقے میں شامل نہیں کیا جا سکتا اور نہ انہیں باقاعدہ نظم و نسق سے متعلق سمجھا جا سکتا ہے۔

۵۲. جب کسی مرہٹہ حکمراں کی فوج کا کوئی حصہ کسی محصل کے تحفظ یا تائید کے لئے کام کرتا ہوتا ہے تو وہ قاید فوج کو ہدایات دیتا ہے۔ وہ فوج کی تنخواہ کے لئے رقوم بھی ادا کرتا ہے مگر ان رقوم کی تقسیم سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ فوج کے اندرونی انتظامات سے۔ سہ بندی یعنی دستۂ مالگزاری جو ملک کے لئے ضروری ہے اس کے قیام کا بار کلیتہً محصل پر ہوتا ہے اور وہ اس کے اخراجات کو اپنے زیر انتظام اراضی کے محاصل میں شامل کرتا ہے ان نوجوں سے حکومت کو کوئی راست تعلق نہیں ہوتا۔

زمیندار اور قانون گو

محصل کی امداد ہر گنے کے ایک یا زاید زمیندار کرتے ہیں ان کے جداگانہ عہدہ دار ہوتے ہیں جن کا سرکردہ قانون گو ہوتا ہے اور قانون گو کا درجہ زمیندار کے عین بعد ہوتا ہے اور زمیندار ہی کے مانند اسے تعلق بھی اسی زمین سے ہوتا ہے جس پر اس کے واجبات ہوتے ہیں۔ پرگنہ یا ضلع کے قانون گو کے دفتر میں ہر ایک گاؤں کی یادداشتیں ہوتی ہیں جن میں گاؤں کے باشندوں کی زمینوں اور اندرونی نظم و نسق اور مالگزاری سے متعلق ہر امر کا اندراج ہوتا ہے۔

وسطی ہند کی مرہٹہ حکومتوں میں دیوان سے لیکر چھوٹے سے چھوٹے عہدہ دار کی تنخواہ اس کے جاریہ اور اتفاقی اخراجات کے حساب سے ہوتی ہے مثلاً وزیر کو پالکی، ہاتھی، سرکاری ملازموں کا خرچ ملتا ہے اور کچھ اذوقہ بھی جائز ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ شخصی تنخواہ اور ضرورت کے لئے اس قسم کا

نقدی ماہانہ ہوتا ہے معمول یہ ہے کہ اس آخری خرچ کو جاگیر[1] کی صورت میں بدل دیا جاتا ہے اور کمتر ایسا ہوتا ہے کہ یہ جاگیر موروثی ہو۔

۱۴۱ھ

فرماں روا کی جانب سے اس تنخواہ کے علاوہ دیوان کو ہر ضلع کی وصولی پر بھی کچھ حق حاصل ہے اسے ہر گانؤں[2] سے ایک حق بھینٹ[3] کا بھی ملتا ہے جو ہر فصل پر دو روپے یا سالانہ چار روپے ہوتا ہے۔ بعض مقامات میں اسے سہ بندیوں یعنی مقامی فوج محافظ کی تنخواہ پر روپیہ میں ایک آنہ اور کہیں نصف آنہ ملتا ہے۔

بخشی کو بھی اسی طریق پر معاوضہ ملتا ہے جس طریق پر دیوان کو ملتا ہے مگر اسے دیہاتوں سے بھینٹ نہیں ملتی البتہ اسے فوج کی تنخواہوں میں سے خفیف سی وضعات[4] کا اختیار ہے جس سے اس کو بہت آمدنی ہو جاتی ہے۔

فرنویس کو پالکی اور گھوڑے کا بھتہ ملتا ہے اور اس کے ملازمین وغیرہ کا خرچ اور اس کی تنخواہ دیوان یا بخشی سے کم ہوتی ہے۔ اور ہر گانؤں سے اس کا حق وزیر کے حق کے ٹھیک نصف ہے یعنی دو روپے سالانہ۔ انھیں ذرایع سے اتنی ہی رقم معظم دار بھی وصول کرتا ہے لیکن اس عہدہ دار کا حق اگرچہ مساوی ہے مگر اس کی تنخواہ اور دیگر اخراجات کی رقم فرنویس سے کم ہے اسے فرنویس کا نائب کہنا چاہیئے۔ ریاست کے تمام دیوانی اور فوجی خدمت کے عہدہ داروں کو معاوضہ اسی طرح سے ملتا ہے۔ مقدار میں اختلاف ہے مگر اصول ایک ہی ہے ضلع کے محصلوں کو ان کے مفوضہ علاقے کے تناسب سے تنخواہ اور دیگر اخراجات ملتے ہیں، اور دو روپے سالانہ ہر گانوں سے بھینٹ ملتی ہے اور محصل سے چھوٹے درجے کے دیوان، فرنویس اور معظم دار اپنی تنخواہوں کے علاوہ اس مد کے

۱۴۲ھ

---

[1] تانتیا جوگ کو دیوان کی تنخواہ کے معاوضے میں دو گانوں ملے ہوئے ہیں (ایک اندور میں ہے اور دوسرا پرگنہ دیپال پور میں ہے ان کی مجتمعہ مالیت بیس ہزار سالانہ کے قریب ہے۔)

[2] اس کا مقصود مندرجہ گانوں ہے جس میں کبھی کبھی متعدد جھونپڑے یا چھوٹے چھوٹے گانوں ہوتے ہیں۔

[3] بھینٹ کے اصلی معنی کسی بالادست کو نذر دینا ہے۔

[4] ہر سوار جو خود اپنا گھوڑا رکھتا ہے اس کی تنخواہ میں سے ایک روپیہ ماہوار بخشی کے حق کے طور پر وضع ہوتا ہے۔

محصلات میں بھی حصہ لگاتے ہیں۔[1]

مرہٹہ عہدہ داروں کے معاوضے کے اس طریق پر نظر کرنا اس وجہ سے ضروری تھا کہ اس سے ان کے نظم کے اندرونی انتظام کی تشریح ہوتی ہے۔ اس سے ان عہدہ داروں کا تعلق ہر گاؤں سے ہو جاتا ہے اور ہر طرح کی خرابیوں کے لئے وسیع دروازہ کھل جاتا ہے۔

جن مرہٹہ خاندانوں نے وسطی ہند میں اپنا اختیار نافذ کیا ہے ان کے بیانات لینے کے بعد اس اضافے کی ضرورت نہیں رہتی کہ نہ اس قوم کے سرداروں نے نہ ان کے ماتحت عہدہ داروں نے کبھی اپنے کو اپنے معمولی جائز محصولات تک محدود رکھا ہو۔

مگر بایں ہمہ ان سب نے یکساں طور پر اس مقدار کو تسلیم کیا ہے جو ان کا جائز حق ہے۔

۵۴۳

مرہٹہ جب وسطی ہند کے مالک ہو گئے تو انھوں نے مغلیہ حکومت کی بعض شکلوں کو قایم رکھا مگر اپنی بے توجہی سے ان کے بعض نہایت ہی مفید انتظامات کو ترک کر دیا یا از خود تباہ ہو جانے دیا۔ از انجملہ عدالت کے انتظام کا ہر ایک ادارہ زوال پذیر ہو گیا۔ اور اگرچہ بعض خاص قصبوں میں جہاں مسلمان باشندوں کی ایک تعداد موجود تھی ایک قاضی قایم رہا مگر اس کے فرائض صرف اتنے رہ گئے وہ نکاح خوانی کرے یا اپنی قوم کے خرید و فروخت کے دستاویزوں کی رجسٹری کرے۔ خیال یہ کیا گیا کہ ان کی دیوانی کے تمام عہدہ دار جو عدالت سے متعلق ہیں۔ یا جو گاؤں کا انتظام کرتے ہیں وہ سب اچھے تعلیم یافتہ برہمن[2] ہوتے ہیں۔ اس لئے

---

[1]۔ زمیندار اور اس طبقے کے عہدہ داران بھی بھینٹ میں حق رکھتے ہیں اور مالوے کے بعض حصص میں ان سرکاری عہدہ داروں کے مطالبے کے لئے دیہات پر بیس اکیس روپے سالانہ تک رقم لگ جاتی ہے۔

[2]۔ مشکل سے ایک استثنا کے علاوہ یہ لوگ دکن اور کانکن کے رہنے والے تھے اس قوم کے بے شمار غول اپنے کامیاب اہل ملک کے ساتھ وسطی ہند اور ہندوستان میں آپڑے تھے۔

مقامی عہدہ دار کی مدد سے وہ عدالتی و مالی انتظام کی پوری قابلیت رکھتے ہیں
مگر جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے واقعہ یہ ہے کہ اہلیہ بائی کے سوا مرہٹہ حکومت کے اولین
قیام کے وقت سے انصاف ان لوگوں کے لئے ایک ذریعۂ آمدنی ہو گیا جن کو
بر وقت اختیار حاصل ہو۔ تخت نشین فوجی سردار سے لے کے نہایت نیچے درجے کے
برہمن تک اور ان کے مفوضہ کارکن سب اپنے گاؤں پر ظلم و ستم کرتے ہیں۔

۵۴۴ وسطی ہند کی مرہٹہ حکومت میں انصاف ظاہراً و باطناً جو کچھ باقی رہ گیا ہے
اس کے نظم و نسق کے طریق کا بیان دینے کے قبل ضروری ہے کہ ان کے ملک میں
ان کے اختیار کی ترکیب پر نظر ڈالی جائے۔ یہاں بہت سے سردار ہیں جو اگرچہ
ان جنوبی حملہ آوروں کے عام اقتدار کے تابع ہیں۔ اور اس قوم کے مختلف
سرداروں کو اپنا بالاتر تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اپنے حدود کے اندر وہ آزاد ہیں۔
اور اپنے اپنے مقبوضات اور رعایا پر با اقتدار تسلط عمل میں لاتے ہیں بھوپال
جو وسطی ہند میں کچھ اہمیت رکھنے والی تنہا اسلامی حکومت ہے اگرچہ وہاں
اس قوم کی فوقیت کو کبھی باضابطہ تسلیم نہیں کیا گیا۔ تاہم وہ اسی زمانہ حال تک
مرہٹوں کے زیر اثر رہی ہے۔ اس کے نوابوں نے مغلوں کے دستور کو اپنے
عہدہ داروں کے نام و فرائض میں برقرار رکھا۔ وزیر' دیوان کہلاتا ہے اور
اس کا دفتر' دیوان کا دفتر کہلاتا ہے۔ مالگزاری اور معظم داری کے عہدہ دار مستوفی
کہلاتے ہیں۔ اور ان کے دفاتر مستوفی کے دفتر۔ اس چھوٹی سی ریاست میں ایک
مفتی' قاضی اور دوسرے عہدہ داران انصاف اور دیوانی کے منتظم عامل کے
نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ اور فوجی سرگروہ انھیں ناموں سے موسوم ہوتے ہیں
جو کہ اتنی ہی تعداد کے جماعتوں کے قایدوں کے لئے دہلی کی حکومت میں
استعمال ہوتے تھے۔ راجپوت قبیلوں کے باجگزار فرماں روا و سردار اگرچہ
مرہٹہ حکمرانوں کو اپنا صاحب سیادت تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اپنے اپنے حدود کے
۵۴۵ اندر ان کا ممیز اقتدار اور نظم و نسق کی جداگانہ شکل ہے۔ اس کا بیان بھی
ضروری ہے۔
امارت کا ہندو سرگروہ موروثی اور مطلق العنان حکمراں ہوتا ہے۔

علی العموم وہ اپنے قبیلے کا سردار[1] ہوتا ہے جس سے بعض جہات میں اس کا اختیار بڑھ جاتا ہے مگر دوسرے جہات میں محدود ہو جاتا ہے اور اس پر روک قایم ہو جاتی ہے۔ خود اپنے قبیلے پر اور اپنی دوسری رعایا پر اس کی حکمرانی کے اصول بالکل مختلف ہیں۔ اس کے عزیز اور قرابت دار جو ٹھاکر کہلاتے ہیں علی العموم آزادانہ علاقے[2] رکھتے ہیں جس کے لئے وہ اپنے بالادست کو ایک معینہ رقم ادا کرتے یا بعض فوجی خدمت انجام دیتے ہیں (بعض وقت دونوں) لیکن وہ اپنی زمینوں کے انتظام کو خالصۃً اپنے لئے رکھتے ہیں۔ نگران کا اقتدار محدود ہوتا ہے جو موت کی سزا کی حد تک نہیں پہنچتا۔ اور ان کی بدنظمی پر ایک روک یہ ہے کہ ان کی رعایا کا یہ حق مسلم ہے کہ وہ حکمراں یعنی ذی سیادت آقا کے پاس مرافعہ کرسکے۔

اس حصۂ ملک کے راجپوت امارت کا اصول اس جاگیری دور سے بہت کم مختلف ہے جو زمانہ ماسبق میں یورپ میں قایم تھا اور مختلف فریقوں کے تعلقات اور اختیارات کے اعتبار سے اسی قسم کے حوادث کے زیر اثر ہے۔ نظریہ یہ ہے کہ راجہ کو اگرچہ عام فوقیت حاصل ہے مگر ٹھاکر جو اپنے آقا کی خدمت و اطاعت کرتا ہے وہ اپنی زمین اور اپنی رعایا کا مالک ہے۔ اس کے تحدیدات صرف وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے، مگر اس طریق حکومت کا ایک نمایاں جزو یہ ہے کہ ان ٹھاکروں کی مالگزاری اگر کسی دوسرے ذی اقتدار فرماں روا کی طرف منتقل ہو جائے تو اس کے معنی لازماً یہ نہیں ہیں کہ ان کی وفاداری بھی منتقل ہو جائے۔

۵۴۶

وسطی ہند کے جو راجپوت حکمراں مغلیہ حکومت کے جانب سے زمین رکھتے تھے وہ خدمات انجام دیا کرتے تھے مگر مرہٹہ سرداروں نے خدمت کو نقدی خراج سے بدل دیا۔ خدمت اب بھی انجام دی جا سکتی ہے اگر مرہٹہ سردار میں خدمت حاصل کرنے

---

[1] وسطی ہند میں ہندو حکمراں راول، رانا یا راجہ کہلاتا ہے۔ اپنے قبیلے میں اس کا نام بابجی ہے۔ اور کبھی کبھی خوشامدانہ طور پر اسے پرتھی ناتھ کہتے ہیں۔ یعنی روئے زمین کا مالک۔

[2] اس قسم کے راجپوت ٹھاکروں کے علاقے کوٹری کہلاتے ہیں۔

کی قابلیت ہو یا راجپوتوں کو مراعات کے خیال سے رضاکارانہ طور پر اپنے کو پیش کرنے کی خواہش ہو مگر دونوں فریق اس امر پر کلیتہً متفق ہیں کہ یہ حق نہیں ہے اور یہ اکثر واقع ہوتا رہتا ہے کہ جب کوئی مرہٹہ سردار کسی راجپوت حکمراں پر حملہ کرتا ہے تو بھائی بندی کی وجہ سے وہ لوگ جو مرہٹوں کو خراج دیتے ہیں. راجپوت کے پاس مدد بھیجتے ہیں. بشرطِ آنکہ ان پر اس کی وفاشعاری لازم ہے اور اس قسم کی مدد دینے پر کسی کو سزا دینا عادلانہ فعل نہیں سمجھا جاوے گا۔

قدیم بیرنوں کے مانند راجپوت ریاستوں کے ٹھاکر اس حق کے دعویدار ہیں کہ وہ حکمراں کو مشورہ دیں اور جب اس کی تجویزیں ان کی رائے میں تباہ کن ہوتی ہیں تو وہ اکثر جمع ہوتے ہیں. اور کوشش کرتے ہیں کہ حکمراں کو دوسرے راستے پر لے چلیں یا انتہائی حالت میں اس کی مخالفت کریں، درحقیقت چونکہ یہ ٹھاکر نسب اور قبیلے کے اعتبار سے اپنے حکمرانوں کے مساوی درجے میں ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ جب کوئی گڑھی ان کے قبضے میں ہوتی ہے تو ان کو ایک طرح کی خودمختاری بھی حاصل ہو جاتی ہے جس سے اس حکمراں کے ساتھ جس کی وفاداری کا وہ ادعا کرتے ہیں. برابر جنگ کی سی حالت قایم رہتی ہے۔

۴۴۵

راجپوت حکمراں کا سب سے بڑا بیٹا کنور کہلاتا ہے اور اکثر اس کا باپ

ا ے. ۱۸۱۸ء میں جب راجہ رتلام کو باپو سندھیا کے حملے کا خطرہ پیش آیا تو اس خاندان کے کثیر التعداد چھوٹے بھائی اس کے ساتھ شریک ہو گئے' ان میں سے متعدد ایسے تھے جو سندھیا ہلکر' یا دھار کے پوار راجہ کی رعایا تھے' میں نے اس پر تعرض کیا مگر کہا یہ گیا کہ اشخاص زیر بحث قانوناً یا رواجاً اپنے وفاشعاری کے متعلق عمل کرنے سے ممنوع نہیں تھے۔ میں نے بعد میں ان میں سے دو (یعنی راجہ کوچ بروج اور ملتان سے جو دھار کے خراج گزار تھے) اپنے وطن کو واپس جانے کا مطالبہ کیا. ان کا جواب یہ تھا کہ "ہر ایک حکم کی تعمیل کریں گے مگر اس حکم کی تعمیل نہ کریں گے جس سے ان پر یہ بدنامی عاید ہو کہ انھوں نے اپنے بڑے بھائی کو خطرے کے وقت میں چھوڑ دیا"

اس سے نائب السلطنت[1] کے طور پر کام لیتا ہے۔

اپنی حکومت کے کاروبار کے لئے خاص خاص راجپوت حکمرانوں کے ہاں
کامدار مقرر ہوتے ہیں۔ جن کے فرائض ویسے ہی ہیں جیسے مرہٹہ ریاستوں کے ہاں،
ان کے ہاں ایک دفتری ہوتا ہے جس کا عہدہ دار فرنویس کے مثل ہے ایک منشی
یا سکرٹری بھی ہوتا ہے اور بھی بہت سے سرکاری عہدہ دار ہیں جن میں سے بعض اپنی
جگہوں پر موروثی حقوق کی وجہ سے رہتے ہیں جیساکہ مرہٹوں میں ہے۔ مگر اسے

۵۴۸

کبھی تسلیم نہیں کیا گیا ہے کہ دیوان اور دوسرے اعلیٰ اعتماد کے عہدوں کے لئے
حق موروثی کی بنا پر مقرر کئے جانے کا حق لازم ہے۔ جس عہدہ دار کے ذمے تنخواہ
اور اس کی تقسیم ہوتی ہے وہ بخشی کہلاتا ہے، مگر چونکہ ان ریاستوں میں مالگزاری کا
بیشتر حصہ جنس کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔ اس لئے ایک منصب کوٹھاری کا
ہوتا ہے یعنی سرکاری غلہ خانہ کا محافظ (جو مرہٹہ حکومت میں بہت خفیف ہے)
یہ کوٹھاری راجپوت امارتوں میں ایک مقدم اہمیت کا شخص ہے اور یہ امر
غیر معمولی نہیں ہے کہ وزیر اور محافظ غلہ کے عہدوں کو ایک ہی فرد کے اندر
جمع کر لیا جائے۔

وسطی ہند میں کوٹہ کے سوا راجپوت حکمرانوں کی مملکتوں کا انتظام
زیادہ تر ٹھیکے پر ہوتا ہے جن میں یہ ریاستیں بٹی ہوئی ہیں، خالصہ یعنی حکومتی زمین
علی العموم وزیر کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو ایسے حصوں کا جنہیں وہ لگان پر نہیں
دیدیتا ہے دیہاتوں کے مکھیوں کے ذریعے سے انتظام کرتا ہے اور حسب ضرورت
مالگزاری جمع کرنے کے لئے چھوٹے درجے کے عہدہ دار مقرر کرتا ہے۔

---

[1] پرتاب گڑھ، باگلی اور نرسنگ گڑھ کے راج میں اس وقت یہی صورت ہے۔ دو اول الذکر
میں جو کنور کام کرتے ہیں۔ انھیں باپ کا پورا اعتماد حاصل ہے، آخرالذکر میں صوبہ سنگھ
دائمی نشہ بازی کی وجہ سے حکمرانی کے فرائض کے ناقابل ہو گیا ہے۔ اسے مجبور کیا گیا ہے
کہ وہ ان فرائض کو اپنے لڑکے کے حوالے کرے مگر وہ اب بھی راجہ کہلاتا ہے اور اس
کے اخراجات کے لئے کثیر رقم متعین ہے۔

۵۴۹

کوٹہ کے علاقوں میں قریب قریب وہی سلسلۂ انتظام اور وہی مدارج
عہدہ داران موجود ہیں جو مرہٹی علاقوں کے حکومتی عہدہ داروں[۱] کے ہیں۔ لیکن
اگرچہ وسطی ہند کی تمام دوسری ریاستوں میں عہدہ داروں کو دیہاتوں سے
غلے اور مواجبات میں حصہ ملتا ہے مگر ظالم سنگھ کی اعلیٰ دانشمندی نے ایک حد تک
اس کے خوشحال ملک سے ان ناقص التعریف استحصالات کو خارج کر دیا ہے
اور اس کے ملازمت میں جتنے لوگ ہیں ان کو خزانے سے ایک معینہ رقم نقد ملتی ہے۔

راجپوت سردار اپنے ہی قبیلے کے لوگوں کو فوج[۲] میں رکھتے ہیں۔ مگر
دیوانی کے عہدوں پر ان کو شاذونادر رکھتے ہیں۔ اگر اس قبیلے کے کسی حکمراں
کا اقتدار کسی راجپوت سردار کو تفویض ہوتا ہے تو جس شخص کی اس طرح قدر افزائی
ہوتی ہے اسے فوجدار کہا جاتا ہے مگر یہ محض ایک عارضی عہدہ ہے جو علی العموم
کسی ایسے خاص کام کے لئے قایم کیا جاتا ہے جسے حکمراں بذات خاص نہیں انجام
دے سکتا۔ جب کسی امیر کو حکمراں کی مراعات سے اختیار حاصل ہو جاتا ہے مگر کوئی
خاص عہدہ نہیں ملتا تو وہ مشیر[۳] کہلاتا ہے۔

اس قسم کے لوگ علی العموم فرماں روا اور اس کی رعایا کے درمیان وسیلہ
سمجھے جاتے ہیں۔

ان چھوٹی چھوٹی حکومتوں کی دیوانی عہدوں پر راجپوتوں کے نہ مقرر
کئے جانے کی وجہ اول تو ان کے فقدان تعلیم کے سبب سے ان کی ناموزونیت
ہے اور دوسری ان کی غیر مطیع اور حوصلہ مند طبیعت ہے۔ یہ مناسب

۱؎ ۔ ان میں سے متعدد عہدہ داروں کے نام بدل گئے ہیں۔ مثلاً کوٹہ میں قابض دار، پلے دار
کہلاتا ہے مگر ان کے فرائض میں کوئی حقیقی فرق نہیں ہے۔

۲؎ ۔ فوج میں انھیں مقدم سپاہ داری حاصل ہے۔ راجپوت حکمراں جن کی آمدنی خواہ کم ہو
مگر جن کا رتبہ بڑا ہو جیسے راجہ رتلام تو وہ ہراول کا ایک موروثی سردار رکھتے ہیں (جو فوج میں
درجۂ اول ہے) اور ایک سردار چنداول۔

۳؎ ۔ اس عہدہ دار کا ہندو نام پنچ گری ہے۔

(خاصکر کا مدار کا منصب) عام طور پر برہمنوں، بنیوں یا کایستھ قوم کے لوگوں سے پُر کیا جاتا ہے۔

وسطی ہند میں چھوٹے سے چھوٹے درجے کا گراسیا یعنی غارت گروں کا سردار اپنا وزیر اور دوسرے عہدہ دار اپنی زمین اور اپنے تابعین کی نسبت سے رکھتا ہے اور از روئے نظریہ اس کے حشم و خدم پر اس کا اقتدار ویسا ہی مطلق العنان ہے جیسا کہ بڑے سے بڑے سردار کا کیونکہ زیادہ کمزور ہونے کی وجہ سے اس کو مخالفت کا یا ان جھگڑوں کا زیادہ خطرہ ہے جو فوجی قبیلوں کے اندر جان پر حملہ کرنے سے پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔

بھیلوں کے خاص خاص سردار جو علی العموم بھومیا کہلاتے ہیں وہ تقریباً سب کے سب بھیلالہ[1] قبیلے سے ہیں۔ وہ نہایت مطلق العنانہ اختیار عمل میں لاتے ہیں اور نہایت ہی سفاکانہ جرائم کو عمل میں لانے کے لئے ان کے احکام کی اطاعت ان کی جاہل مگر وابستہ رعایا اس خیال کے بغیر عمل میں لاتی ہے کہ جیسے وہ اپنا دھنی کہتے ہیں وہ جب کوئی حکم دیتا ہے تو ان کو اپنی رائے کا حق ہوتا ہے۔ نادر سنگھ کے جرم کی تحقیقات کے دوران میں جب کہ بعض عورت قیدیوں کی شہادت لی جا رہی تھی یہ واضح ہوا کہ ان میں سے ایک عورت (جو چودہ برس کی لڑکی تھی) کے باپ اور شوہر اس جرم کے ارتکاب کا آلہ کار تھے جس کا الزام نادر سنگھ پر لگایا گیا تھا۔ اس عورت سے پوچھا گیا کہ آیا ان لوگوں نے اس شخص کو مار ڈالا ہے۔ عورت نے استحکام کے ساتھ جواب دیا کہ یقیناً انھوں نے ایسا کیا ہے مگر انھوں نے دھنی کے حکم سے ایسا کیا ہے۔ اس پر یہ کہا گیا کہ ممکن ہے یہ صحیح ہو مگر اس سے ان لوگوں کی بریت نہیں ہو گی کیونکہ یہ کوئی جھگڑا فساد نہیں تھا بلکہ بے رحمی کا قتل تھا لڑکی نے کہا کہ جو کچھ ہو مگر ان کو دھنی کا حکم تھا جو شخص تحقیقات[2] کر رہا تھا اس نے

۵۵۱

[1] بھیلالہ اپنے باپ کی جانب سے اپنے نسب کا دعویٰ راجپوتوں سے کرتے ہیں ان کی ماں بھیل قبیلے سے تھی۔

[2] میں نے نادر سنگھ کے مقدمے کی نگرانی کی اور میرے مددگاروں میں سے ڈی۔ اسٹوورڈ نے میری امداد کی وہی مذکورہ بالا کارروائی کو ضبط تحریر میں لائے تھے۔

اپنا سر ہلایا، مقصود یہ تھا کہ اس کو بجا نہیں سمجھا جائے گا۔ وہ بچی زمین پر سے اٹھی جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی اور دو پہرہ داروں کی طرف جو کمرے کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے اشارہ کر کے پر زور طریق پر یہ کہا کہ "یہ آپ کے سپاہی ہیں۔ آپ ان کے دھنی ہیں آپ کا حکم ان کے لئے قانون ہے اگر اس وقت ان کو حکم دیں کہ وہ آگے بڑھ کر مجھے میری ماں اور میری بہن کو جو آپ کے سامنے ہیں قتل کر دیں تو آیا وہ ان تین بھیل عورتوں کے قتل کر دینے میں کچھ تامل کریں گے اگر ہم بے گناہ ہیں تو ہمارے خون کا جرم آپ پر عاید ہو گا یا ان وفادار سپاہیوں پر" اس حجت کے بعد وہ لڑکی یہ کہتی ہوئی پھر بیٹھ گئی کہ میرا باپ اور میرا شوہر نادر کے سپاہی ہیں۔

بھیل سردار اپنی رعایا کے جان و مال پر اختیار رکھتے ہیں مگر قوم کی ترکیب جس طرح کی ہے وہ انھیں مجبور کرتی ہے کہ وہ اس اختیار کو حزم و احتیاط کے ساتھ عمل میں لاویں اور مختلف قبیلوں اور خاندانوں کے حقوق جن سے بڑے سرداروں کی فوج بنتی ہے ان کی مدافعت موروثی تھروی کرتا ہے یہ قبیلے اور خاندان اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور وہ اگرچہ ادنی سردار کے تابع ہو جائے مگر اپنے تابعین کی تعداد اور قوت کے اعتبار سے اپنی خود مختاری کو برقرار رکھتا ہے، ان بھیل سرداروں میں کسی سرداری میں لوٹ مار کے سوا بہت کم کچھ زیادہ آمدنی ہوتی ہے مگر اس معاملے میں بھی ان کی بھدی طرح کی حکومت ہے جس کے لئے تھریوں کے ممیز عہدہ دار ہوتے ہیں او تھروی ایک خاص تعداد اشخاص کے ساتھ ان کے پاس حاضری دینے کے پابند ہوتے ہیں۔

۵۵۲

لہ۔ کوہستان بندمیا کے سب سے بڑا خاص بھیل سردار نادر سنگھ کے حسب ذیل عہدہ دار ہیں:۔

دیوان، جو اس وحشیانہ چھوٹی سی ریاست کے تھوڑے سے یادداشت کے کاغذ رکھتا تھا۔

جھونپڑوں سے مواجبات وصول کرنے کے لئے ایک محصل، یہی عہدہ دار تمام مویشی اور لوٹ جو چرا کر آتے تھے وصول کرتا تھا اور مسلمہ رواج کے مطابق ان کو تقسیم

وسطی ہند کی ہر ایک قوم کی حکومت کی شکل کو عام طور پر بیان کر دینے کے بعد اب یہ ضروری ہے کہ ان مختلف حکمرانوں اور سرداروں کے عدالتی اور فوجی نظم پر نظر کی جائے جو اس ملک میں اقتدار رکھتے ہیں۔

انتظام عدالت

ملک کے تمام طبقوں کی عام رضامندی سے ہندوستان کے بلدی اور دیہاتی ادارات کو جو اختیار دیا گیا ہے اس کی بنا پر وہ اس قابل ہیں کہ اپنے اپنے حلقوں میں نظم و امن قایم رکھیں، فرماں روا کی طبیعت کے بموجب ان مقامی ارباب اختیار پر توجہ معطوف کی گئی ہے یا ان کی طرف سے لاپروائی برتی گئی ہے۔ لیکن وسطی ہند کی تاریخ سے جہاں تک ہم پتا چلا سکے جن ستمگاروں اور جفاکاروں نے ان کی تحقیر بھی کی ہے وہ بھی ان کے حقوق اور امتیازات کو کبھی معرض بحث میں نہیں لائے دوسری طرف تمام عادل حکمرانوں نے اپنی شہرت اور ہر دلعزیزی کو انھیں کی جانب توجہ کرنے پر مبنی کیا ہے۔

پولیس

وسطی ہند میں اس وقت جو پولیس موجود ہے اس پر مختصر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے اس کا انضباط کلیتہً ضلع کا محصل کرتا ہے اور وہ اسے چھوٹے چھوٹے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کرتا تھا، اور جو لوگ غارتگری کی مہموں پر جاتے تھے ان کو سردار کے ذخیرے سے غلہ وغیرہ دیتا تھا۔

حوالدار یعنی سواروں کا سردار جس کا فرض اپنی فوجی قیادت کے علاوہ یہ بھی تھا کہ مویشی جس وقت پکڑے جائیں ان کو اپنی تحویل میں لے اور ان کو محصل کے حوالے کر دے جو اس قسم کی مہم پر کبھی نہیں جاتا تھا۔

سرکردہ جلاد۔ یہ شخص ہمیشہ سردار کے ساتھ رہتا تھا۔

قیدیوں کا داروغہ۔

مخبر اور نگاہ بان راہ جس کا فرض یہ تھا کہ ایسے دیہاتوں اور مسافروں کی خبر لگا دے جو بغیر حفاظت کے ہوں یہ عہدہ بڑے اعتماد کا تھا۔

اس غارتگر سردار کے یہ تمام عہدہ دار چند کھیتوں کی مختصر پیداوار اور لوٹ کے مال میں اپنا مسلمہ حصہ اپنی تنخواہ کے طور پر رکھتے تھے۔

عہدہ داروں کے تفویض کر دیتا ہے جنہیں تھانہ دار کہتے ہیں اور یہ تھانہ دار مختصر جماعتوں کے ساتھ مختلف مقامات پر مقرر کیے جاتے ہیں اور ان کا فرض یہ ہے کہ وہ قاتلوں، چوروں اور دوسری قسم کے مجرموں کو گرفتار کریں۔ بڑے اور آباد قصبوں میں جہاں ابھی پولیس کی اہمیت بہت زیادہ ہے وہاں پولیس ایک عہدہ دار کے تحت رکھی جاتی ہے جسے کوتوال کہتے ہیں، خلفا کا زوال اور ہر طرح کے مجرموں کو گرفتار کرنے کے لیے اس کے پاس مسلح آدمیوں کا ایک انتظام ہوتا ہے۔ جرمانہ، قید اور خفیف سزا کا امتیازی اختیار اس شخص کو دیا جاتا ہے۔ مرہٹوں کی حکومت کے تحت وسطی ہند کے خاص خاص شہروں میں پولیس کی نوعیت کا اندازہ اتنا کہہ دینے سے ہو سکتا ہے کہ کوتوال کا عہدہ علانیہ فروخت کیا جاتا ہے اور ریاست کے لیے پولیس خرچ کا باعث نہیں بلکہ نفع کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ۵۵۴

جو نظم فائدۂ عامہ کے بہ نسبت شخصی فائدے کی طرف مایل ہوا اس پر بحث بیکار ہے لیکن اتنا کہہ دینا مناسب ہے کہ انصاف کی یہ بے شرمانہ تجارت مرہٹہ حکمرانوں میں بھی ادھر حال میں جاری ہوئی ہے اور زیادہ تر انھیں تک محدود ہے، کوٹہ کے حکمراں ظالم سنگھ کے علاقوں میں ایک اچھی اور کارآمد پولیس[1] قایم کی گئی ہے۔ مگر اس غیر معمولی شخص نے چالیس برس سے زاید کے اپنے دوسرے فرائض کے ساتھ اپنے علاقوں کے ناظم اعلیٰ کا فرض بھی اپنی ذات کے ساتھ وابستہ کر لیا ہے۔

وسطی ہند کے ہر ایک قصبے میں ایک زمیندار ہوتا ہے جو قابضان اراضی اور کاشتکاروں کا سرکردہ سمجھا جاتا ہے، بنیوں یعنی تجارتی قبیلوں کا سرکردہ ایک چودھری ہوتا ہے اور باشندوں کے ہر ایک دوسرے طبقے تا آنکہ پست ترین ۵۵۵

---

[1] ظالم سنگھ نے برہمن ہرکاروں کی ایک اچھی اور تعلیم یافتہ جماعت کے ذریعے سے اپنے تمام علاقے میں مخبری کا نہایت وسیع نظم پھیلا دیا ہے۔ کرنل ولکس نے اپنی میسور کی یادداشت میں مخبروں کی جس جماعت کا بیان دیا ہے اس میں اور ظالم سنگھ کے مخبروں کی اس جماعت میں ترکیب اور عمل دونوں کے اعتبار سے نہایت نمایاں تعلق ہے۔

طبقوں تک کا ایک مہتر ہوتا ہے، یہ سب موروثی عہدے ہیں، اور اگرچہ اس کی مثالیں کثیر ہیں کہ بداطواری کی وجہ سے کسی ایک کے بجائے دوسرا مقرر کیا جائے مگر وہ دوسرا ہمیشہ اسی خاندان سے ہوتا ہے اور اس کارروائی کی ابتدا عام طور پر اسی طبقے کے جانب سے ہوتی ہے جس کا وہ سرکردہ ہوتا ہے نہ کہ حکومت کی جانب سے[1]

مذکورہ بالا اشخاص جنھیں زمین کے کچھ حصے سے یا اپنے اپنے قبیلوں کے سواجبات سے معاوضہ ملتا ہے وہ اپنے طبقات پر اختیار عدالتی عمل میں لاتے ہیں اور خود اپنے فیصلے یا پنچایت کی مدد سے ان تمام تنازعات کا تصفیہ کرتے ہیں جن کا تصفیہ حکومت کے عہدہ داروں کی جانب رجوع کئے بغیر ہو سکتا ہے، تمام اہم تنازعات یا جرائم میں ضلعوں کے بے لوث تحصیلین یا قصبوں کے والی لازماً اس ذات کے سرگروہوں کی امداد طلب کرتے ہیں جس سے مدعی اور مدعی علیہ کا تعلق ہوتا ہے، اور یہ بیان کر دینا چاہیئے کہ اس ذریعے سے جس حد تک انصاف عمل میں آتا ہے یا بے انصافی ہوتی ہے اسی حد تک وہ لوگوں میں مقبول یا مردود ہوتا ہے، زمیندار، چودھری اور مہتر اگرچہ اپنے اپنے قبیلوں کے محافظ اور وکیل سمجھے جاتے ہیں۔ مگر وہ نظم اور اقتدار کے بھی موید ہوتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے ان مجرموں پر مقدمہ چلانے اور سزا دینے کی پابندی عاید ہوتی ہے۔

فوجداری کے مقدمات ملک کے حکمراں کی جانب رجوع ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ حالات کا اقتضا یہ نہ ہو کہ فوری عملدرآمد ضروری ہے، مہر صوبہ (جسے خاص اختیار تفویض ہوتا ہے) اس سے کم درجے کا کوئی عہدہ دار موت کی سزا نہیں دے سکتا۔

٥٨٦

[1] حکومت کی مداخلت پر بہت رقابت کے ساتھ نظر رکھی جاتی ہے اور سخت بددلی پیدا کرنے کے بغیر کبھی عمل میں نہیں آسکتی۔ مزید براں اس سے مقصود بھی نہیں حاصل ہوتا، کیونکہ جو لوگ کسی سرگروہ کے تحت ہوتے ہیں۔ انھیں کے اعتماد کی وجہ سے اسے وزن اور اثر حاصل ہوتا ہے اور حکومت کے بنائے ہوئے شخص کو یہ اعتماد کبھی نہیں مل سکتا۔

جب کوئی قتل یا قزاقی ہوتی ہے تو جس فریق یا جن فریقوں پر شبہہ ہوتا ہے ان کو گرفتار کیا جاتا ہے اور قصبے یا ضلعے کا ناظم ان کی تحقیقات کرتا ہے جو خود مقدمہ کی سماعت کرتا ہے یا خاص خاص سرکاری عہدہ داروں یا باشندوں کی پنچایت طلب کرتا ہے جن کی تعداد پانچ سے کم نہیں ہوتی تاکہ وہ صورت حالات کی تحقیق کرے حکومت کے مقامی عہدہ دار ضلعے کا فرنویس، زمیندار، قانون گو اس عدالت تفتیش کے لازمی ارکان ہوتے ہیں۔ اگر اسے عدالت کہا جائے۔

اس طرح کی پنچایت جو اکثر محصل کی موجودگی میں کارروائی کرتی ہے اس کی شہادت یا رائے کا ایک خلاصہ دیوان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جو حکمراں کے احکام حاصل کرنے کے بعد یہ ہدایت دیتا ہے کہ قیدی رہا کر دیا جائے یا سزا دی جائے، چھوٹے مرہٹہ کلکٹر پنچایتوں کو غالباً انصاف کے ظاہری یا باطنی مقصد کے بجائے زیادہ تر خود اپنے تحفظ کے خیال سے طلب کرتے ہیں، اس عدالت سے زیادہ تر وہ اشخاص کام لیتے ہیں جن کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ موت[1] کی سزا کا فیصلہ اس پنچایت کے بغیر کریں گے تو ان کی شکایت ہوگی یا ان پر

---

[1] مجھے ایک اطلاع دی گئی کہ مقام نولیائی میں ایک فقیر پر قتل کا الزام لگایا گیا ہے میں نے کہا چونکہ یہ علاقہ سندھیا کا ہے مجھے اس سے تعلق نہیں اور میں نے اس ضلعے کے محصل سے خواہش کی کہ وہ حسب معمول کارروائی کرے ایک پنچایت مقرر کی گئی، اور جو کارروائی دولت راؤ سندھیا کے پاس بھیجی گئی اس کی ایک نقل میری خواہش پر مجھے بھی بھیج دی گئی "ایک پنچایت کی کارروائی کا خلاصہ جو بمقام نولیائی منعقد ہوئی حسب اندراج دفتر قابض دار مقام،

گل شاہ نامی ایک فقیر باشندہ نولیائی نے اپنی بیٹی کو بھوپال کے ایک نوجوان پٹھان امام خاں کے عقد میں دیا اور شرط یہ رکھی کہ وہ نوجوان بھی فقیر بن جائے گا" اس سے اس نے اتفاق کیا اور دونوں نے ایک ہی پیالے سے شربت پیا، جو فقیر بننے کی ایک رسم ہے، معلوم ہوتا ہے کہ باغ کی کچھ زمین اور ایک کنواں عروس کے حصے کے طور پر دیا گیا تھا۔

گل شاہ کے تین چیلے تھے، امام شاہ، متو شاہ اور گلزار شاہ ان لوگوں کو یہ

الزام آئے گا۔ صوبوں کے بر زور والی یہ احتیاط نہیں برتتے اور اکثر بغیر کسی حوالے کے خود ہی فیصلہ کر دیتے ہیں، جب فوجداری کا کوئی جرم دارالصدر یا اس کے قرب و جوار میں ہوتا ہے تو پنچایت بہت کم طلب کی جاتی ہے مگر ان مقدمات میں بھی کبھی کبھی پنچایت جمع ہوتی ہے اور جب خلاصہ حکمراں کے سامنے پیش ہوتا ہے تو جو سزا دینا چاہیے اس کے متعلق حکمراں کسی شاستری یعنی ذی علم برہمن کی رائے طلب کرتا ہے اور سزا عموماً ہندو قانون کے بموجب ہوتی ہے۔

۵۵۸ مذہبی نوعیت کے جرموں میں جب کہ مقدمہ صاف اور واقعات ناقابل انکار ہوں تو حکمراں کے فیصلے میں اپنے مشورے سے مدد دینے کے لئے نہایت قابل برہمنوں کو طلب کیا جاتا ہے مگر جہاں واقعات متنازعہ ہوں تو اگر انصاف کو

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) حسد ہوا کہ امام خاں ان سے بڑھ جائے گا اور اس لئے انھوں نے امام خاں کی جان لینے کا عزم کر لیا مگر اپنی پہلی کوشش میں اس وجہ سے ناکام رہے کہ امام خاں نے مٹھائی کھانے سے انکار کر دیا جس میں زہر ملا ہوا تھا۔ اس پر انھوں نے اس پر حملہ کیا اور تلوار سے اس قدر شدید زخم پہنچایا کہ وہ دس روز بعد مر گیا، یہ چیلے بھاگ گئے اور ان کی تلاش کی تمام کوششیں ناکام رہیں مگر نفیر چھ مہینے تک حوالات میں رہا، تب ایک پنچایت طلب کی گئی جس میں نو لیائی کے قبیلوں کے سرگروہ اور باوقعت اشخاص تھے، انھوں حسب ذیل فیصلہ کیا:-

چونکہ کوئی ثبوت اس کا نہیں ملا ہے کہ امام خاں کے قتل کا تعلق گل شاہ سے ہوا اس لئے اس کو حوالات سے رہا کرنا چاہیے لیکن اگر چیلے بعد کو گرفتار ہوں اور وہ یہ اقرار کریں کہ انھوں نے گل شاہ کے حکم سے یہ کام کیا ہے تو خون کا معاوضہ گل شاہ کو دینا ہوگا، مورخہ ۲۲ محرم ۱۲۳۰ھ م ۹ کاتک ۱۸۷۰ سمت۔

(دستخط) قاضی محمد فضل الدین بن محمد عمر، منجانب مسلمانان
لکھمی چند چودھری، منجانب قوم بنیا
مکھن داس چودھری، منجانب زمینداران
اوکرمل چودھری زمینداران

پس پشت نہ ڈالنا ہو تو پنچایت طلب کرنا چاہیے اور اگرچہ یہ پنچایت بھی زیادہ تر
۵۵۹ مذہبی لوگوں سے قریب ہوتی ہے مگر بعض سرکاری عہدہ دار قصبہ یا ضلع زمیندار
اور قانون گو (خواہ برہمن ہوں یا نہ ہوں) سماعت میں شریک ہوتے ہیں۔
یہی قاعدے ذات کے تنازعات پر بھی عاید ہوتے ہیں، جب مقدمہ
صاف ہوتا ہے تو ذات کا سرپنچ فیصلہ کر دیتا ہے، لیکن جب مشکوک ہوتا ہے تو
پنچایت جمع کی جاتی ہے اور اس میں حسب معمول سرکاری عہدہ دار بھی ہوتے ہیں
جن کی مدد پنچ کرتے ہیں جو الزام لگانے والے اور الزام دئے جانے والے کے
طبقے کے نہایت معزز اشخاص اور سرگروہوں پر مشتمل ہوتے ہیں تنازعہ قرضوں اور
جائدادوں کے مقدمات عموماً فریقین میں آپس میں طے ہو جاتے ہیں، مگر جب
حکومت کی جانب رجوع کیے جاتے ہیں۔ تو پنچایت کی نشست ہوتی ہے اور
ناراضمند فریق کو اکثر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ پنچ کے فیصلے کو تسلیم کرے اور حکم کی تعمیل
کرے۔ اگر وہ شخص مجرم ثابت ہوتا ہے تو یہ فیصلہ کبھی کبھی قید کا ہوتا ہے۔ مگر زیادہ کثرت
کے ساتھ اس کے خلاف مطالبات کو پورا کرنے کے لئے اس کی جائداد کے قبضے
اور فروخت کا ہوتا ہے۔
پٹیل، مجرموں کی گرفتاری میں پولیس کو مدد دیتے ہیں، اور قصبوں میں ذاتوں
کے سرگروہ جس طرح کا محدود اختیار عدالتی عمل میں لاتے ہیں اسی نوعیت کا اختیار
ان کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ ان کا فرض ہے کہ چھوٹے چھوٹے جرموں کی سزا دیں۔
۵۶۰ خفیف تنازعات کو طے کریں۔ جہاں ان کو یہ خیال ہو کہ ان کا شخصی فیصلہ
قابل اطمینان نہ ہوگا وہاں پنچایت طلب کریں جو نہایت موقر باشندوں پر مشتمل
ہوتی ہے اور اگر معاملہ اہم ہے تو ان کی مدد اور قرب و جوار کی پنچایتیں اور
وہاں کے خاص اشخاص کرتے ہیں۔ دیہات کی ان پنچایتوں کا عام مقصود یہ ہے

۱۔ یہ ایک طریقہ کا ہے عمل میں آتا ہے جسے تقاضہ کہتے ہیں جس کے لفظی معنی منازعت کے
ہیں مگر قانون میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ مدعا علیہ کو مدعی کے مرافعے کو پورا کرنے پر مجبور
کرنے کے لئے اس قدر قوت استعمال کی جائے کہ رواج کی خلاف ورزی کے بغیر ممکن ہو۔

۱۵۶	کہ وہ فریقین میں معاملات کو طے کرا دیں کیونکہ ان کا مفاد اسی میں ہے کہ تا حد امکان سرکاری عہدہ داروں کی مداخلت کو روکیں لیکن جہاں معاملہ شدید ہوتا ہے تو پٹواری تفصیلات کو درج کرلیتا ہے اور اس کی ایک نقل محصل کے پاس بھیجدیتا ہے جس صورتوں میں ریاست کے اغراض پر کسی طرح کا اثر پڑتا ہو تو ان میں پٹیل کے لئے یہ قابل سزا جرم سمجھا جاتا ہے کہ وہ ان معاملات کو دبا دے۔ حدودؔ کے

لہ۔ دیہاتیوں میں بہت زیادہ عام مقدمات حدود اور زمین کے دعاوی کے ہوتے ہیں۔ اس میں وہ اس قدر شدت برتتے ہیں کہ آپس میں طے نہیں کر سکتے اور اس لئے لازماً ان کو پنچایتوں کے بہت طول طویل اور نہایت پیچیدہ تحقیقات میں پھنسنا پڑتا ہے لیکن چونکہ ان پنچایتوں میں ہمیشہ ایسے آدمی شریک ہوتے ہیں جن کو مسئلہ متنازعہ سے غرض ہوتی ہے اس لئے ان کے فیصلے بہت کم قابل اطمینان ہوتے ہیں۔ ان تنازعات کو طے کر دینے یا ان کا فیصلہ کر دینے کے لئے حلف، ابتلا اور ہر طریقہ سے کام لیا جاتا تھا۔

حدود کا ایک بندوبست میرے مددگار کپتان گگڈ انلڈ نے کیا تھا اس کے مذکورۂ ذیل بیان سے وہ غیر معمولی طریق واضح ہوگا جس طریق سے یہ تنازعات کبھی کبھی ہموار کیے جاتے ہیں۔

گوربیلی اور برکیری کے ٹھاکر ہمت سنگھ اور شیو سنگھ میں ایک قطعہ زمین کے متعلق تنازعہ تھا جس کے ایک حصے پر بہت دنوں سے شیو سنگھ کاشت کرتا تھا اور سال گزشتہ اس نے زمین متنازعہ میں اور زیادہ ہل چلا کر مزید مداخلت کی

نارائن گڑھ کے محصل کے اشارے سے ہمت سنگھ نے متنازعہ زمین کے کھیتوں میں مویشی چھوڑ دیے تاکہ فصلوں کو نقصان پہنچے۔ آخر الذکر نے بھی انتقام کا ٹھیک یہی طریقہ اختیار کیا اور برکیری اور گوربیلی دونوں کی فصلوں کو مویشیوں کے چر جانے سے کچھ کچھ نقصان پہنچا، نارائن گڑھ کے محصل نے بظاہر تنازعہ کے طے کرنے کے لئے مگر زیادہ اغلب یہ ہے کہ ہمت سنگھ کی مدد کرنے کے واسطے پائیگاہ کے کچھ سوار بھیجے جو اس طرح بڑھے گویا وہ حملہ کریں گے اور شیو سنگھ کے بندوقچیوں نے ان پر بندوق چلائی اور دو شخص اپنی جراءت بیجا کی وجہ سے زخمی ہوئے۔

متعلق تنازعات کا فیصلہ کبھی دیہات کے اصحاب اقتدار نہیں کرتے۔ قرضوں اور چھوٹی چھوٹی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ایک سنگی ٹیلہ جس پر مغرب کی جانب سے آسانی سے چڑھا جا سکتا تھا اور مشرق کی جانب سے وہ برابر تھا دونوں گانوؤں سے قریب قریب برابر واقع ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہی طبعی حد ہے یہ ٹیلہ شمال جنوب کو تقریباً تین کوس تک چلا گیا ہے مغرب میں برکیری اور مشرق میں گوربیلی، برکیری کی جانب میں ایک چھوٹا سا متنازعہ قطعہ ہے اور وہ بھی گانوؤں کے رہنے... کھیتوں سے ایک تنگ پتھریلے اور بنجر زمین کے ٹکڑے سے الگ ہو گیا ہے اور گوربیلی کے جانب سے ایک زیادہ بڑے ٹکڑے سے۔

ان بنجر زمینوں سے لگے ہوئے پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ڈھیر جو ٹیلے سے قریب قریب متوازی چلے جاتے ہیں اور جن سے حدود فاصل کا اظہار ہوتا ہے ہر ایک سردار نے اصلی حد کے طور پر ان دونوں خطوں میں جس خط کو اختیار کیا وہ خط اس کے گانوؤں سے زیادہ دور واقع ہوتا ہے تاکہ متنازعہ زمینیں اس کے حدود میں آجائیں۔ لہذا یہ طے ہوا کہ ہر فریق پانچ آدمی پیش کرے جو اس مسئلے کے مقامی کیفیتوں سے آگاہ ہوں اور یہ لوگ حلف صحیح کے ذریعے سے صحیح خط کا فیصلہ کریں، گوربیلی کا سردار پہلی بار جس پانچ آدمیوں کو لایا ان سے جب سوال کیا گیا تو انھوں نے اس معاملے کے علم سے بالکل انکار کیا جس کا تصفیہ ان کو حلف کے ذریعے سے کرنا تھا مگر بہت جلد اتنے ہی آدمی گوربیلی اور قرب وجوار کے دیہاتوں سے پھر آگئے، حلف لیا گیا اور ہر فریق نے قسم کھا کر اسی خط کی تصدیق کی جو اس کے سردار کے حسب مطلب تھا اس طرح تصفیہ کی پہلی کوشش ناکام رہ گئی،

اب فریقوں سے یہ پوچھا گیا کہ اگر ایک معزز آدمی بھینس کی تازہ کھال پہن کے حد بندی کر دے تو وہ اس کو صحیح خط تسلیم کریں گے اس تجویز سے دونوں بخوشی رضامند ہو گئے۔ برکیری کا پٹیل دلا اس کام کے لئے تجویز کیا گیا، ایک بھینس ماری گئی اور اس کا سر پتھروں کے ڈھیر پر رکھ دیا گیا اسے شیر سنگھ نے اپنی شمالی حد قرار دی اور جب چمڑا نکالا گیا تو دلا نے اس کو اپنے جسم میں لپیٹ لیا اور جس جگہ جانور کا سر رکھا ہوا تھا۔

چوریوں کے متعلق افراد کے تمام اختلافات میں بنی کا فیصلہ کافی ہے مرافعے کا حق ہے
مگر جب فیصلے کو پنچایت کی تائید حاصل ہوتی ہے تو مرافعہ شاذ و نادر کیا جاتا ہے
بجز ازیں کہ بہت ہی کھلی ہوئی طرفداری ہوئی ہو یا ظلم و ستم کیا گیا ہو۔

جاگیردار جنہیں اپنی زمین پر خالصتہً انتظام حاصل ہوتا ہے وہ موت کے مقدمے
کے سوا دیگر تمام مقدمات کا فیصلہ کر سکتے ہیں اور موت کے مقدموں میں بھی اگر مجرم
کسی مشہور اور مسلمہ چوروں کے قبیلے کا ہے تو اسے قتل کرنے کا بھی ان کو اختیار ہے۔
(اور اس قسم کے قبیلے وسطی ہند میں بہت ہیں) لیکن اگر وہ حرفتی طبقے سے تعلق رکھتا ہے
تو ایسا اختیار نہیں ہے اور سب سے بڑھ کر یہ وہ کسی وطن دار یعنی موروثی عہدہ دار
دیہات کو موت کی سزا نہیں دے سکتے۔

اوپر کے ملاحظات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وسطی ہند کے مرہٹی حکمران

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وہاں سے تقریباً جنوب کی سمت کو چلا دونوں فریق اس کے پیچھے پیچھے
تھے چند گز ہرکاری سے زیادہ قریب ایک نیا خط اختیار کیا مگر متنازعہ قطعے کے مشرق میں۔
اس طرح اس نے مزروعہ زمین ہرکاری کے سردار کو دیدی، یہ دیکھنا بھی عجائب سے
خالی نہیں کہ ہلکر اور غفور خاں کے عہدہ دار جو اس تنازعہ کے فیصلے کے وقت موجود تھے
وہ اور دوسرے فریق اس آخری اور نہایت متبرک مرافعے کے نتیجے سے جو ایسی صورتوں
میں ہندوؤں کے جانب سے ہو سکتا ہے بالکل مطمئن ہو گئے۔

ملاحظہ ہو کپتان میکڈانلڈ کا خط بنام بی ولزلی مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۸۲۰ء۔

یہ طریق عمل جو مالوے کے مشرقی و مغربی حصص میں یکساں طور پر عام ہے اس کے
متعلق میجر جنرل نے اپنے حواشی میں حسب ذیل لکھا ہے بعد ازیں کو پٹیل یا کوئی دوسرا
معزز شخص حد بندی پر چلتا ہے تو اس کے خاندان اور اس کے مواشی پر کتنی دن تک
نظر رکھی جاتی ہے اور اگر کوئی جاندار جو اس رسم کی ادائی کے وقت صحت کی حالت میں
تھا امتحان کی معینہ میعاد (جو علی العموم لکھی ہوتی ہے) کے اندر مر جاتا ہے تو سمجھا جاتا
ہے کہ یہ فیصلہ دروغ پر مبنی ہے اور اس شخص کی ذلت ہوتی ہے اور تصفیہ کالعدم
ہو جاتا ہے۔"

جب ان کے مقبوضات با امن حالت میں تھے اس وقت وہ فوجداری و دیوانی کے انصاف میں اسی نظم و نسق کو مرعی رکھتے تھے جو پیشوا اور دوسرے ہندو حکمرانوں کا تھا اور گزشتہ دو برس کے اندر ہلکر، دھار اور دیواس کے پواڑ اور سندھیا کے مختلف اضلاع پنچایتوں کی عام طور پر تجدید ہو گئی ہے۔ درحقیقت آخرالذکر میں بعض ایسے اضلاع ہیں جن میں یہ مسلمہ و موقر عدالتیں کبھی بھی بالکلیہ ساقط از عمل نہیں ہوئی تھیں[1]۔

وسطی ہند کے بڑے بڑے راجاؤں کے وہاں انصاف کی وہی شکلیں ہیں جو مرہٹوں میں ہیں لیکن دونوں محکموں میں بڑے درجے کے لوگ کیسا ہی شدید جرم کیوں نہ کریں مگر ان کی سزا اس سے زیادہ نہیں ہوتی کہ ان کی زمین ضبط کر لی جائے۔ شدید جرم کی سزا دینے میں یہ نرمی عموماً خوف کی وجہ سے یا سیاسی اغراض کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہی نرمی بہت کچھ ان جنگ و جدل کا باعث ہے جو ملک راجپوتانہ میں جاری رہتے ہیں جہاں قتل کا عوض لینا بہت عام ہے۔

۵۶۴

کوٹا کے متولی ظالم سنگھ کی پولیس پر پہلے نظر ڈالی جا چکی ہے وہ خود اپنے ملک کے دیوانی و فوجداری کا جج ہے اور اگرچہ وہ ہمیشہ متشدد اور سخت گیر رہتا ہے مگر اس کے فیصلے (جن میں حکمت عملی کو دخل نہیں ہوتا) دانائی و انصاف کے لئے بہت مشکور ہیں۔ وہ اپنی عدالت میں (جہاں نہایت معمولی مقدمات کے سوا اور تمام مقدمات آتے ہیں) پنچایت کے بجائے چند بلند اخلاق اور اعلے قابلیت کے افراد کو اپنے ساتھ رکھتا ہے ہر ایک اہم مقدمے کی تحقیقات وہ انھی لوگوں کے سپرد کرتا ہے، جو اس کی خدمت میں رہتے ہیں، اور ان کی روداد کے وصول ہونے پر خود اپنے فیصلے میں ان کے علم و تجربے سے مدد لیتا ہے۔

حکمراں کو مدد دینے کے لئے منتخب افراد کا رکھنا جن سے ایک مستقل پنچایت

---

[1] مندسور اور کاج رود کے زرخیز اضلاع موروثی لگان پر لینے والے ایک خاندان کے تحت نسبتاً زیادہ با امن رہے ہیں، اور ان میں نیز ٹولیائی اور دوسرے صوبوں میں پنچایت ہمیشہ موجود رہی ہے۔

بن جاتی ہے وسطی ہند کے متعدد بڑے شہروں میں رائج ہے رتلام[1] میں یہ فرض بعض اہم

---

[1] مالوے کے متعدد بڑے ضلعوں میں مخصوص اشخاص جو بلند اخلاق ہوتے ہیں لازمی طور پر
پنچایتی عدالتوں کے رکن ہوتے ہیں، اچھے زمانے میں اجین اور اندور کے اندر جن لوگوں
نے اس فرض کو انجام دیا ان کے نام اب بھی عزت کے ساتھ لئے جاتے ہیں۔ اور رتلام
میں اس وقت بھی اہم باشندوں میں سے چند ایسے ہیں جنھوں نے پنچ کی معزز نوعیت
کے اعتبار سے بڑی وقعت حاصل کرلی ہے۔ درحقیقت رتلام کے پنچ کی نسبت کہنا چاہیے
کہ وہ وہاں کی حکومت کے ترکیبی جزو ہیں اور وہ جس طرح تنازعات کا تصفیہ کرنے کا
حق رکھتے ہیں اسی طرح وہاں کے باشندوں کو ظلم وجور سے بچانے کا حق بھی رکھتے ہیں
یہ ایک حد تک اسی کو وجہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ کیوں وہاں کی آبادی کا ایک معتدبہ
حصہ قرب وجوار کے شہر ٹانڈلہ اور میپ واڑ کے آبادکاروں سے مرکب ہے جو پچاس برس
قبل ظلم وستم کی وجہ سے رتلام کو بھاگ گئے تھے جہاں اس وقت نیک خصلت رانی امرت بائی
حکومت کرتی تھی جس سے انھیں ایک طرح کا منشور حاصل ہوگیا جس میں ان کے جزئیات
تخصیصاً بیان کیے گئے اس کے مدات حسب ذیل ہیں :۔

اول، ان کا کوئی تنازعہ خود ان کے معاشرے سے باہر تحقیقات یا تصفیے
کے لئے، حکومت کے عہدہ داروں کے پاس نہیں بھیجا جائے گا۔

دوم، وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے کہ حکومت کا کوئی عہدہ دار یا سپاہی ان کے
مکان پر ان کو نادہندیا مجرم کے طور پر طلب کرنے آوے۔

سوم، اگر ان کی عورتیں (اپنے شوہروں یا محافظوں کے سوا دوسرے
آدمیوں سے) ناجائز تعلق رکھیں گی تو ان پر یہ الزام نہیں ہوگا کہ انھوں نے حکومت
کے خلاف کوئی جرم کیا نہ اس قسم کے لوگوں کے لئے حکومت کسی طرح پر انھیں سزا دے گی۔

اس نوآبادی کے خاص اشخاص خود اپنے لوگوں کے لئے پنچ یا ناظم عدالت
ہوگئے اور جب ان لوگوں میں اور دوسرے باشندوں میں تنازعات ہوتے
تھے تو وہ دوسرے باشندوں کے سرگروہوں کی پنچایت میں شامل کیے جاتے
تھے تاکہ وہ اختلافات کا تصفیہ کریں یہ فرض متعدد خاندانوں میں موروثی ہوگیا

۵۶۵ خاندانوں کا موروثی حق سمجھا جاتا ہے اور اسے ایک اعلیٰ امتیاز خیال کیا جاتا ہے
اور جن لوگوں کو یہ حق حاصل ہوتا ہے اہل ملک انھیں احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

وسطی ہند میں راجپوتوں کے اندر فوجداری کے انصاف کے نظم ونسق
۵۶۶ کے لئے حکمران مطلق العنان سمجھا جاتا ہے، مگر قتل، چوری، نقب زنی یا خاندان کے
عورتوں کی بےعزتی کے خیال سے مکان کے اندر داخل ہونے کی صورتوں میں
اگر مالک مکان اس فریق کو قتل کر دے تو وہ سردار کے روبرو جوابدہ نہیں ہوتا،
عام صورتوں میں قاتل پکڑ لیا جاتا ہے اور اسے حکمراں یا اس کے وزیر کے سامنے تحقیق
کے لئے لاتے ہیں جو کبھی کبھی خود اپنی رائے سے عمل کرتا ہے مگر بیشتر پنچایت کی مدد سے
جو سرکاری عہدہ داروں اور طبقات کے سرگروہوں سے مرکب ہوتی ہے جیسا کہ
مرہٹوں کے نظم ونسق کے تحت بیان ہو چکا ہے، راجپوت ریاستوں میں دیوانی کے
تمام اہم معاملات میں پنچایت سے کام لیا جاتا ہے اور جہاں جائداد کا تعلق ہو کوئی
فیصلہ اس وقت تک قابل انصاف اور منصفانہ نہ سمجھا جائے گا جب تک کہ
سرداران عدالتوں میں سے کسی ایک عدالت کی امداد نہ لے جو ملک کے نہایت
موقر باشندوں سے مرکب ہوتی ہے۔

جو شخص قتل کیا گیا ہو اس کے قریب ترین رشتہ دار یا جس شخص کو چوری سے
نقصان پہنچا وہ شکایت کرنے والے اور الزام لگانے والے دونوں ہوتے ہیں
ہر موقع پر ملزم کو اگر وہ چاہے ایک دوست سے مدد لینے کی اجازت دی جاتی ہے
دیوانی کے مقدموں میں مدعی اور مدعی علیہ اگر خود اپنے معاملے کی پیروی کی قابلیت
نہ رکھتے ہوں تو وہ دیگر اشخاص سے مدد لیتے ہیں. مگر ان پنچایتوں میں کبھی کوئی وکیل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور رتلام کی پنچایتی عدالت کو اس کے استحکام اور دانشمندانہ فیصلوں
کے لئے بڑی شہرت حاصل رہی ہے اور اب بھی حاصل ہے یہ خاص اشخاص سکھ یعنی صدر کہلاتے
ہیں۔ اور ان میں سے ایک کی توقیر ایسی ہے کہ اس کا گھر مجرموں کے لئے جائے پناہ سمجھا جاتا ہے۔

۱؎۔ ہمارے نظم ونسق کا کوئی جزو ایسا نہیں ہے جس سے اہل ملک ہماری نظم عدالت کے اس
جزو کے بہ نسبت زیادہ خوف کرتے ہوں جس سے وکیل قائم کئے گئے ہیں یا جن میں وکیل کی

یا قانون پیشہ نہیں ہوتا۔

٥٦٧ اگر ملزم استدعا کرتا ہے تو حکمراں جب اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے اس وقت شاستریوں یا مکھیوں سے جو قانون میں ماہر ہوتے ہیں۔ مدد لیتا ہے اور جہاں پنچایت فیصلہ کرتی ہے وہاں پنچایت کے جو ارکان منتخب کئے جاتے ہیں وہ ایسے اشخاص ہوتے ہیں جنھیں ہندوؤں میں قانون اور رواج دونوں سے واقفیت ہوتی ہے اور اگر انھیں مدد کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ ہمیشہ ذی علم اشخاص کو طلب کر لیتے ہیں۔

پنچایت کی طرف سے گواہوں کو حلف نہیں دیا جاتا بجز ازیں کہ انکی ثقاہت میں شک ہو ان پر جرح ہوتی ہے اور ان کو دھمکی بھی دی جاتی ہے مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ان کو سزا بھی دی جاتی ہو جرم کے اثبات کے لئے جو بہترین اور سب سے زیادہ قطعی ثبوت ہو سکتا ہے وہ مجرم کا اقرار ہے جس شخص کے مقدمے کی سماعت پنچایت سے ہو وہ راجہ یا سردار کے پاس مرافعہ کر سکتا ہے اور راجہ یا سردار فیصلے کو بدل سکتا یا دوسری پنچایت کا حکم دے سکتا ہے لیکن اس کی مثالیں شاذونادر ہوتی ہیں لیکن سردار کے فیصلے کے بعد بھی ملزم یا سزا یافتہ شخص ابتلاء کے لئے مرافعہ کر سکتا ہے جس میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا ہاتھ کھولتے ہوئے پانی یا تیل میں ڈالتا ہے یا ایک دہکتا ہوا لوہا اپنے ہاتھ پر رکھتا ہے مگر پہلے مقدس پیپل کی ایک پتی ہاتھ پر باندھ دی جاتی ہے اگر اس رقیق شے سے چھالہ پڑ جاتا ہے یا لوہے سے جل جاتا ہے تو وہ شخص مجرم سمجھا جاتا ہے اور حکم پر عملدرآمد ہو جاتا ہے

٥٦٨ اگر صدمہ نہیں پہنچتا ہے تو یہ معجزہ اس کی بے گناہی کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس شخص کو دیوتاؤں کا منظور نظر سمجھا جاتا ہے اور اسے نہ صرف رہا کر دیا جاتا ہے بلکہ عام طور پر تحایف بھی ملتے ہیں اس قسم کے مرافعے کمتر نہیں ہوتے اور مجرم کبھی فن کی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ضرورت پیش آتی ہے اہل ملک اپنے تعلق کی وجہ سے مگر یہ وجہ بھی نہیں یہ بحث کرتے ہیں کہ یہ چالاک طبقہ مقدمہ بازی کا جوش پیدا کرتا ہے اور ان کی موجودگی کا ضروری ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ ہمارے ضوابط زاید از حد طولانی اور پیچیدہ ہیں۔

اور کبھی ان لوگوں کی سازش کی وجہ سے جنھیں اس ابتلا کا کام سپرد ہوتا ہے بچ نکلتا ہے۔

پنچایت کی تشکیلیں اکثر مقامات پر مختلف ہوتی ہیں مگر جن اصول سے ان کا انضباط ہوتا ہے وہ ہر جگہ ایک ہی ہیں یہ عدالتیں جس طرح کی بھی اس وقت وسط ہند میں موجود ہیں دو اصناف میں تقسیم ہو سکتی ہیں' اول (جو سرکاری عہدہ داروں اور ذات کے سرگروہوں پر مشتمل ہوتی ہیں) وہ حکمراں یا اس کے خاص عمال کو دیوانی اور فوجداری کے مقدمات کی تحقیقات میں مدد دیتی ہیں اور دوسری تحکیم کی پنچایت' اول الذکر محض تحقیقات کی عدالتیں ہیں جن کی معینہ نوعیت اگر کچھ ہے تو بہت کم ہے اور چونکہ وہ اپنی تشکیل اور کارروائی دونوں میں حکمراں یا اس کے نیابتی عہدہ داروں کی مرضی پر منحصر ہوتی ہیں اس لئے ان کے نسبت مشکل یہ خیال کیا جا سکتا ہے وہ حکومت کا ایک قایم شدہ اور مسلمہ جزو ہیں' عدالتہائے تحکیم کو عمومی اور خصوصی میں تقسیم کرنا چاہیئے

۵۲۹

جب فریقین میں کوئی اختلاف ان کے املاک کی نسبت ہوتا ہے یا وہ حکمراں صاحب اقتدار کی جانب مرافعہ کرتے ہیں تو ایک پنچایت نشست کرتی ہے جس میں ہر ایک کو مساوی تعداد نامزد کرنے کا حق ہوتا ہے اور حکومت ایک عہدہ دار کو سرپنچ کے طور پر مقرر کرتی ہے لیکن جن لوگوں کا مقدمے سے تعلق ہوتا ہے ان کو یہ حق ہوتا ہے کہ اگر وہ صدر کو جانبدار خیال کرتے ہوں تو وہ اس کے نسبت تعرض کریں اور چونکہ عدالت ان کی رضامندی کے بغیر نہیں بن سکتی اس لئے اگر وہ اعتراض پر مصر رہیں تو مجبوراً دوسرا شخص نامزد کیا جاتا ہے' خصوصی تحکیم میں حکومت کے جانب رجوع نہیں کیا جاتا لیکن ان تمام معاملات میں جب فریقین باہمی رضامندی سے عدالت تحکیم کے جانب رجوع ہوتے ہیں.

وہ اپنے کو اس کے فیصلے کی اطاعت کا پابند کر لیتے ہیں (جیسا کہ بیان ہو چکا)

جب کوئی فریق حکمراں کے پاس یا مقامی عہدہ دار کے پاس کسی قرضدار یا کسی ایسے شخص کے متعلق شکایت کرتا ہے جس نے اسے ضرر پہنچایا ہو تو (اگر شکایت صحیح سمجھی جاتی ہے) تو علی العموم پنچایت کا حکم دیا جاتا ہے اور حکومت دخل دے کر مدعی علیہ کو جوابدہی کے لئے مجبور[1] کرتی ہے۔

---

[1] یہ تقاضے کے ذریعے سے ہوتا ہے جس کی تشریح صفحات ماقبل پر گزری۔

بنچایت کے ارکان اپنے شہروں کی عام رائے سے منتخب ہوتے ہیں اور خواہ چھوٹے درجے میں ہوں یا بڑے درجے میں کوئی شخص ان عدالتوں میں اپنی ذہانت صداقت اور شہرت ایک مرتبہ قایم کر دیتا ہے تو وہ اس کا مستقل رکن سمجھا جاتا ہے یہ ایک عام پسند امتیاز ہے اور اس لئے موجب شہرت ہے۔ جو شخص اثر یا رشوت کے شبہہ سے مغلوب ہو جانے سے جس قدر آزاد سمجھا جاتا ہے اسی قدر اس کی وقعت زیادہ ہوتی ہے۔ اور پنچ کی حیثیت سے شہرت حاصل کرنا جس طرح اعلیٰ سے اعلیٰ درجے اور بڑے سے بڑے شہری کا مقصد ہوتا ہے اسی طرح جھونپڑے میں رہنے والے غریب سے غریب باشندے کا مقصد بھی ہوتا ہے ان عدالتوں میں نشست کرنا ایک فرض سمجھا جاتا ہے جس کا ہر شخص پابند ہے ارکان کو کسی طرح کی تنخواہ نہیں ملتی لے

۵۷۰

لے۔ پنچایت کا مسلمہ رکن ہونا موجب امتیاز ہے مگر پنچایت کا مکھیہ یا صدر ہونا وہ بلندترین امتیاز ہے جو کسی شہری کو حاصل ہو سکتا ہے۔ تاجرا فیون مادھو سیٹھ بہت دنوں تک اجین کی پنچایتی عدالتوں کا مکھ تھا اور بہت مشہور تھا زلام میں اس عدالت کی اس وقت جو لوگ صدارت کرتے ہیں ان کا ذکر ہو چکا۔

لے۔ میجر ہنری جنھیں شجال پور میں ان عدالتوں میں آمد و شد کا موقع ملا تھا وہ اپنی یادداشتوں میں ان مسائل پر حسب ذیل خیالات کا اظہار کرتے ہیں،

"اولاً ان عدالتوں کے رکن کی حیثیت سے طلب شدہ اشخاص نے اپنے ان اخراجات کی یادداشت بنائی جو اپنے خاندانوں اور گھروں سے طلب کئے جانے کے باعث ان پر عاید ہوتے تھے اور تھوڑے دنوں تک ان کی گزر کے لئے ایک قلیل رقم روزانہ دی جاتی رہی بعد کو ایسا ہوا کہ جو لوگ اس کام میں لگائے جاتے تھے وہ بلا استثناد پٹیل یا پٹواری ہوتے تھے اور گانوؤں کے عہدہ داروں کے ان دونوں طبقات کو دونوں پرگنوں میں وافر او قاف ملے ہوئے ہیں لہذا یہ واضح ہوا کہ حکومت ایسی صورتوں میں جن کا بیان یہاں ہوا ہے گاہ بگاہ ان کی خدمت کے مطالبے کا حق رکھتی ہے ان پر یہ واضح کر دیا گیا اور بھتہ منسوخ کر دیا گیا اس طرح جو پنچایت بنتی تھی اس کے فیصلے لامحالہ قابل اطمینان ہوتے تھے۔

ان کی حاضری عام سہولت پر نظر کر کے منضبط کی جاتی ہے لیکن نشست پر رضامند ہونے کے بعد اس سے گریز نہیں کیا جا سکتا اور غیر حاضری کے لغو عذرات کو گورنمنٹ بعض وقت اپنے اختیار سے کام لیکر دبا دیتی ہے۔

۵۰۱ پنچایت کے سرگروہ کی حیثیت سے پانچ اشخاص ہونے چاہییں دوسرے ارکان غیر معین ہیں ان کی کمی بیشی مقدمے کے اعتبار سے اور فریقین کی سہولت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ چھوٹے درجے کے ارکان تحقیق کے دوران میں آتے جاتے رہتے اور بعض اوقات جب سماعت طوالانی ہوتی ہے تو وہ دنوں یا ہفتوں کے لئے غائب ہو جاتے ہیں لیکن وہ خاص اشخاص جن کی ابتدائً نامزدگی ہوئی ہو معاملۂ پیش نظر پر غیر منقسم توجہ کرتے اور دوسرے ارکان کے اندر ان کا اقتدار ان کی شہرت کی مناسبت سے ہوتا ہے اور زمین یا جائداد سے متعلق تحکیم میں ان کو جج سمجھنا چاہیے اور ان کے اسیسروں کو جیوری سے غیر مثل نہ سمجھنا چاہیے۔ پنچایت سے توقع یہ کی جاتی ہے کہ وہ اپنے فیصلے میں متفق اللفظ ہو مگر ایسا ہونا لازمی نہیں ہے لیکن ایک بہت بڑی کثرت[1] کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی رائے یا فیصلے کو باوقعت بنائے اور سرکاری عہدے کی مطابقت سے اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی ضدی یا سرکش رکن کو خارج کر دے اور بالعموم اتفاق حاصل کرے جو اس نوعیت کے ادارے کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت درجہ لازمی ہے۔

۵۰۲ وسطی ہند کی حکومتوں نے ان تمام مقدمات کے لئے جو پنچایت کے سامنے

---

[1] میجر ہنری ان عدالتوں کا ذکر کرتے ہوئے مالوے کے مشرقی حصص کے رواج کا حوالہ اس طرح دیتے ہیں۔ بادی النظر میں فیصلے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بالاتفاق ہو لیکن اگر عدالت کا کوئی رکن اپنے اعتراض پر مصر ہو تو اس کا تعرض درج ہو جانا چاہئے اگر دو رکن اختلاف کریں تو کارروائی کالعدم ہو جاتی ہے جو حکم منظور ہوتا ہے اس پر عدالت کے سرکاری عہدہ داران موجود الوقت کے اور آخر میں خود فریقین کے دستخط ہوتے ہیں۔ بعد ازاں اس کی تعمیل کا حکم مناسب صاحب اقتدار دیتا ہے اور دستاویز دفتر میں درج کر دی جاتی ہے تاکہ اسی موضوع پر دوبارہ مقدمے کے لئے سد باب ہو جائے۔

پیش ہوں جرمانے اور رسوم مقرر کر دیئے ہیں یہ جرمانے و رسوم مقدمے کی نوعیت اور فریقوں کی دولتمندی کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ جرمانہ جو اس شخص پر عاید ہوتا ہے[1] جو مقدمہ ہار جاتا ہے بہت سخت ہے اور جو فریق مقدمہ جیت جاتا ہے اس پر رسوم[2] نسبتہً ہلکا ہے، یہ طریق اور خود اپنے ہی قبیلے کے نہایت معزز اشخاص کے سامنے ناقص معاملہ پیش کرنے کی شرم مقدمہ بازی کے جذبے کے لئے ایک روک ہے جو اس حصۂ ملک میں کبھی بھی زیادہ نہیں رائج رہا ہے۔

وسطی ہند میں پنچایتوں کے ارکان کو لازماً رسوم نہیں دیے جاتے تھے بہت سے معمر اور موقر باشندوں کے جواب کے بموجب (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) اس قسم کے تحائف نے کارروائیوں کو خراب کر دیا ہے، لیکن یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ اس صوبے کے باشندے گذشتہ بیس برس تک خود رایانہ فوجی اقتدار کے تابع رہے جس کے تحت ہر قسم کا انصاف قابل نفرت تھا۔ وہ اس نظم کی خوبیوں میں مبالغہ کرنے کی جانب مایل ہوں گے جو بہت سے ضلعوں میں زمانۂ گذشتہ کا نقعہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ امر اس نوعیت کے ادارے[3] کے خلاف نہیں ہو سکتا کہ اس کی

۵، ۳

---

[1] ۔ یہ جرمانہ گنہگاری کہلاتا ہے۔

[2] ۔ اس رسوم کو اصطلاحاً شکرانہ کہتے ہیں۔

[3] ۔ پنچایت کے عدالتوں کے متعلق اعلیٰ و ادنیٰ ہندوستانی جن احساسات کا اظہار کرتے ہیں ان سے برتر احساسات نہیں ہو سکتے، دولت راؤ سندھیا کے دیوانی عہدہ داروں میں سے ایک عہدہ دار نے میری طرف رجوع کیا کہ میں ایک اہم مقدمے میں برطانی چھاؤنی مٹو میں پنچایت کی عدالت کی نشست کی اجازت دوں مگر میں نے اس سے انکار کر دیا، اس کے بعد اندور کی تجویز ہوئی میں نے فریقین سے خواہش کی کہ وہ اندور جائیں اور ہلکر کے وزیر تانتیا جوگ کا جو گماشتہ میرے ساتھ تھا اس کو میں نے ہدایت کی کہ تانتیا جوگ کو لکھدے کہ پنچایت کی کارروائی منصفانہ اور بے لوث ہو، اس کا جواب حسب ذیل ہے، "جنرل نے کریم پورا، ہوم پورا کو یہاں بھیجا ہے اور پوان گڑھ اور دومد کے انتظام کے متعلق ایک پنچایت ہو گی، یہاں ہر قسم کی ہر چیز ٹھیک ہے اور ٹھیک رہے گی"

خوبیاں بہت بڑھا کر بیان کی جاتی ہیں اور یہ کہ اس کی یاد ان لوگوں کے دلوں میں ہے جن کے فائدے کے لیۓ وہ قایم کیا گیا تھا

جو سزائیں پنچایت کی جانب سے دی جاتی ہیں ان کے سوا دوسری سزائیں حکومت کی صوابدید پر ہیں اور چند مستثنیات کے سوا تمام وسطی ہند میں اس اختیار سے حکمراں اور اس کے عہدہ داروں نے دولت جمع کرنے کا کام کیا ہے اکثر بڑے بڑے جرمانوں سے قتل کا عوض کر دیا جاتا ہے اور ادھر حال کے زمانے میں نہ صرف جرایم بلکہ دو فریقوں میں تنازعات بھی مرہٹوں کی اعلیٰ عدالتوں میں علانیہ آمدنی کا ذریعہ خیال کیۓ جاتے ہیں' جب ان تنازعات سے متعلق کوئی فریق انصاف کے لیۓ درخواست کرتا ہے تو اس تنازعہ کو اس کے جا و بیجا ہونے کے اعتبار سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ اسے آمدنی کا ایک متوقع ذریعہ سمجھا جاتا ہے' اور نہایت بے شرمی سے اس شخص کے ہاتھ فروخت کیا جاتا ہے جسے حکمراں امر متنازعہ کی تحقیق اور فیصلے کے لیۓ مقرر کرتا ہے۔ ۵۰۴

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مزید براں پنچایت میں باپ بیٹے کی طرفداری ناممکن ہے دوسروں کا کیا ذکر"

اگرچہ یہ کہنا چاہیے کہ یہ محض باتیں ہیں مگر اس سے اس عظمت و نعمت کا اظہار ہوتا ہے جو ایسے لوگ بھی اس ادارے کے متعلق ظاہر کرتے ہیں یا ظاہر کرنا چاہتے ہیں جنہیں مطلق العنان اختیار حاصل ہے۔

لہ۔ میرے پاس گوالیار کے قایم مقام رزیڈنٹ کا ایک خط سندھیا کا ایک حضوریہ لایا اور ایک خط ہندی راؤ گھٹکیا کا بھی لایا جس میں مجھ سے درخواست کی گئی تھی کہ میں مالوے کے ایک حصے کے سابق صوبہ دار باجی راؤ جسونت کے ایک لڑکے کی تائید ایک ایسے معاملے میں کروں جس میں ہندی راؤ کی مداخلت خاندان میں مناقشہ پیدا کیۓ بغیر نہیں قبول کی جا سکتی' میں نے پوچھا کیا یہ معاملہ گوالیار میں معلوم نہیں ہے حضوریہ نے جواب دیا کہ وہاں لوگ اسے بہت اچھی طرح جانتے ہیں مگر یہ تانتا پنتا (تنازعہ) جسونت راؤ کے بیٹے کو دیا گیا ہے' اور اس قسم کے کاموں کے علاوہ اس کے پاس اپنے اور اپنے متعلقین کے

بعض اوقات کوئی منظور نظر حضوریہ متعین کیا جاتا ہے اور ایسی صورتوں میں مقدمے کا فیصلہ خواہ مقامی منتظم کرے یا پنچایت کرے مگر رسوم و واجبات "خادم حضور" کے لئے صریحاً معین ہو جاتے ہیں اور ادا کرنا پڑتے ہیں۔ یہ طریق جو صوبے کے ابتر زمانے میں بہت عام تھا اب زیادہ تر دولت راؤ سندھیا کی حکومت تک محدود ہو گیا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) گزر کے لئے صرف ایک چھوٹا سا کام ہے لیکن میں نے اس موقع سے کسی طرح کے فائدے اٹھانے کو روک دیا کیونکہ ایسا صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ ایک خاندان جسے بڑی مشکلوں سے ہموار کیا گیا ہے وہ پھر ابتری میں پڑ جائے، ان کے معاملات میں سندھیا کا دخل بہت ہی خفیف بنیادوں پر قایم تھا۔

ملاحظہ ہو ذاتی خط بنام کپتان جے اسٹوارڈ مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۸۲۱ء۔

لہ۔ ذیل میں دولت راؤ سندھیا کے ایک حکم کا جس پر اس کی مہر ہے ترجمہ دیا جاتا ہے، یہ حکم اس کا ایک حضوریہ لایا تھا جسے ایک شکایت میں دعاوی کے ثابت کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا اس میں حضوریہ کی تمام فیس متعین کی گئی ہے۔

(دولت راؤ سندھیا کی مہر)

دولت راؤ سندھیا بنام بھوجا بھگوان ساکن تلام

(عربی سنہ مرقوم ۱۲۳۱ سنہ)

ہر چند سیٹھ ساکن اجین کے مطالبات تمہارے خلاف ہیں اور تم ان کا مناسب تصفیہ کرنے سے انکار کرتے ہو لہذا وہ پیش کیا گیا ہے اس کی بنا پر یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اس حکم کی وصولیابی کے بعد تم مناسب تصفیہ کر لو اس غرض کے لئے سرکار نے حضوریہ گوبند لنگیو تیا کو متعین کیا ہے، اس کا سالانہ پانچ سو روپیہ مقرر کیا ہے اور ایک "کمر کھولا" سو روپے کا ہے علاوہ ازیں پانچ روپے روزآنہ نقد کھانے کے ہیں۔ اس کے خرچ کے ساتھ ایک ہرکارہ اور ایک گھوڑے کا خرچ دینا ہوگا نیز اسے سوا دو روپے روزآنہ گھر سے دور رہنے کا دینا ہوگا۔

مورخہ ....

بھیل اور مشہور چوروں کے دوسرے گروہ چونکہ اپنی جان کا نقدی بدل نہیں دے سکتے اس لئے انھیں موت کی سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ علی العموم ان کو پھانسی دی جاتی ہے یا سر قلم کیا جاتا ہے قید بھی عام ہے اور ریاستی قیدی جن کا زندہ رہنا مقصود نہیں ہوتا وہ مضر صحت پہاڑی قلعے میں بھیج دیے جاتے ہیں جہاں آب و ہوا فاقہ کشی یا تدریجی زہر خورانی ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ ہندو حکمراں اگرچہ اکثر ظالم ہوتے ہیں مگر وہ سفاک نہیں ہیں اور علانیہ قتل بہت کم ہوتا ہے مگر تعذیب عام ہے اکثر اس سے جرم کے انکشاف کا کام لیا جاتا ہے مگر بیشتر دولت کا پتہ دیے جانے کے لئے روپیہ، جنس یا ذات کوئی بھی افراد کو اس بلا سے نہیں بچا سکتا جیسا کہ اس ملک کی تاریخ کی بہت سی مثالوں سے ثابت ہے۔

موت کی سزا چھوٹی چھوٹی راجپوت ریاستوں میں اسی تناسب سے کم ہے جو ان حکمرانوں کی کمزوری اور مفلسی کا تناسب ہے اختیار کے عمل میں لانے سے جو اندیشہ پیدا ہوتا ہے (خاص کر جب کہ مجرم بڑے رتبے کا شخص ہو یا کسی زبردست خاندان یا قبیلے سے تعلق رکھتا ہو) مجرم کے دوستوں و رشتہ داروں کے بغض و حسد اور ان سب کے ساتھ روپے وصول کرنے کی خواہش اکثر صورتوں میں ان راجپوتوں کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ سزا کو جرمانے سے بدل دیں (خواہ جرم کتنا ہی ہولناک کیوں نہ ہو) ۵۷۶

چھوٹے چھوٹے راجپوت حکمراں جب کسی مجرم یا غیر مجرم کو مار ڈالنا چاہتے ہیں تو وہ علانیہ قتل کے بجائے زیادہ عام طور پر خفیہ ہلاکت سے کام لیتے ہیں، قتل کے مانند غارتگری کی سزا بھی بہت کم علانیہ قتل سے ہوتی ہے بجز ازیں کہ غارتگر غریب اور سخت دل جرائم پیشہ ہوں، املاک کے واپس کر دینے سے اکثر معافی حاصل ہو جاتی ہے، اب اس کے بعد وسطی ہند کے باشندوں کے مختلف طبقات کے عادات و خصائل بیان کئے جائیں گے اور یہ واضح ہوگا کہ ایسے جرائم کا ارتکاب جن میں قتل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تعلیق "بالا" کا لفظ یہاں استعارۃً انعام یا رشوت کے لئے استعمال ہوا ہے، "کمر کھولنا" سے مقصود ٹیکا کھولنا ہے اور حضور یہ اس وقت تک ٹیکا نہ کھولے گا جب تک اس کی فیس یا نہ دیدی جائے۔

واقع ہو مخصوص قبیلوں تک محدود ہے۔

بھیلوں میں ایک بھدا سا نظم انصاف کا ہے۔ ان کے سردار کم وبیش اس حد تک سزا دیتے ہیں جس حد تک ان کا اختیار انہیں اپنے پیرووں کی رائے کی طرف سے لاپروا کر دیتا ہے مگر انہیں جو سب سے متعدم ہے وہ ان تہرویوں (سران خاندان) کی وابستگی پر جو اس کی تائید کرتے ہیں اس قدر انحصار رکھتا ہے کہ وہ خود اپنے قوم کے لوگوں کے ساتھ کبھی کسی خود مختارانہ زیادتی کے ارتکاب کی جراءت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی قتل غارتگری یا چوری وقوع میں آتی ہے تو سردار یا ضرر رسیدہ کا خاندان عوض کا مطالبہ کرتا ہے اگر اس سے انکار کیا جاتا ہے تو انتقام کی فوری کارروائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور چونکہ اس سے مزید زیادتی برپا ہوتی ہے اس لئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک قتل کے انتقام میں متعدد جانیں ضایع ہوتی ہیں یا ایک مویشی کی چوری کے نتیجے کے طور پر پچاس مویشی لوٹ لئے جاتے ہیں لیکن یہ کارروائیاں فوری اشتعال طبع کا نتیجہ ہیں۔ جب جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو قبیلوں کے بزرگ دخل دیتے ہیں اور چھوٹے بڑے ہر طرح کے جھگڑے فساد میں پنچایت کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ یہ پنچایت کبھی کبھی کئی سو ارکان تک پہنچ جاتی ہے کیونکہ ہر شخص جس کا تعلق مدعی یا مدعی علیہ سے ہو اسے پنچایت میں نشست کا حق حاصل ہے وہ عام طور پر کسی درخت کے سایے میں جمع ہوتے ہیں اور ان شرائط کو طے کرتے ہیں جن کے بموجب کسی قتل غارتگری یا چوری کا عوض کیا جائے، قتل کے لئے مویشی یا روپے کی صورت میں جرمانہ بہت شدید ہے مگر بھیلوں کی پنچایت کبھی موت کی سزا نہیں دیتی، اگر جرم ایسا سفاکانہ ہے کہ اس میں معاوضہ یا معافی نہیں ہو سکتی تو اس فعل میں جن لوگوں کو اس مجرم کا دشمن بنا دیا ہوتا ہے تو وہ اس کا تعاقب کرتے اور ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ اس کی موت ہنگامے میں واقع ہو یعنی حالت جوش وخروش میں؛ بغیر جوش و ہنگامے کے ایک دوسرے کی جان لینا بھیلوں کے رواج کے منافی ہے۔

بھیلوں کی پنچایت کی کارروائیاں لکھی نہیں جاتیں۔ مگر قبائل متعلقہ کے روایات میں بعض زیادہ یادگار فیصلوں کی یاد مدتوں محفوظ رہتی ہے اور قبیلے کے

بزرگوں کی سند پر انہیں آیندہ فیصلے کے نظایر کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جب اس قسم کی کوئی بھدی عدالت جمع ہوتی ہے تو ایک بھینسا اور بہت سی شراب مہیا رکھی جاتی ہے اور جس وقت ایک لکڑی کے توڑ دینے یا کسی متبرک چشمے میں پتھر کے پھینکدینے کی رسم سے یہ اعلان ہوتا ہے کہ یہ مناقشہ ختم ہوگیا یا یہ تنازعہ طے ہوگیا تو بھینسا مارا جاتا ہے اور تمام لوگ خوب دل کھول کر شراب پیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ کبھی وہ آپس میں دشمن تھے۔

۵۷۸ وسطی ہند کے مرہٹہ سرداروں کی حکومت کی فوجی شاخ کا بیان ہوچکا ہے۔ یہ نظم اس نظم سے کسی طرح پر مختلف نہیں ہے جو ہر ایک دوسرے حصے میں قایم ہے۔ ان کی سوار فوج حسب معمول طبقات میں منقسم ہے اولاً پائگاہ کی فوج ہے جس کا مفہوم ان گھوڑوں سے ہے جو سردار کی ملک ہے اور جن پر سردار کے رشتہ دار موروثی خادم یا اجرتی لوگ جنھیں بارگیر کہتے ہیں سوار ہوتے ہیں۔ دوسرے سلحدار ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو خود اپنے گھوڑے رکھتے ہیں اور ایک اوسط ماہانہ رقم پر خدمت کرتے ہیں جیسا کہ اس کتاب کے تاریخی حصے میں بیان ہوچکا ہے ایک تیسرا طبقہ مرہٹہ فوجوں کے ساتھ اور ہوتا تھا جو لوٹ کا کام انجام دیتا تھا مگر اب وہ ناپید ہے اور ان کی تجدید اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ پھر طوائف الملوکی اور عام لوٹ مار کا وہی زمانہ نہ آجائے جس میں ان کی ابتدا ہوئی تھی تمام جماعتوں پر بہت ہی کمزور انضباط سے حکمرانی ہوتی ہے اور انہیں اپنے سرداروں کے بالمقابل جو مطالبات ہیں (کیونکہ ان کی تنخواہیں ہمیشہ بقایا میں رہتی ہیں) ان سے برابر عذر برپا رہتا ہے جس کی وجہ سے جو کچھ اطاعت ہوتی ہے وہ بھی کمزور ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ انتہائی صورتوں کے علاوہ خدمت سے موقوفی کے سوا کوئی دوسری سزا بہت ہی کم ہے لیکن جب اس قسم کی سزا پیش آجاتی ہے تو وہ بالکل خود رایانہ ہوتی ہے اس کا انحصار رسیہ دار کی مرضی پر ہوتا ہے جو سماعت مقدمہ کی معمولی صورت تک کو بہت ہی کم مرعی رکھتا ہے۔

۵۷۹ مالوے میں مرہٹہ حکومت کی پیادہ فوج دو قسموں کی ہے اول (وہ جو ایک مدت تک سرداروں کی اس قسم کی تنہا واحد فوج تھی) یہ عام بے قاعدہ

بندوقچی ہیں خواہ ملک کے ہوں یا باہر کے مثلاً میواتی، پٹھان، مکرانی، سندھی اور عرب انھیں زیادہ تنخواہ پر رکھا جاتا ہے کیونکہ خیال یہ ہے کہ ان میں بہادری زیادہ ہے خاص کر عربوں میں جنھیں قلعوں اور حصار دار شہروں کی مدافعت میں خاص قوت و مہارت حاصل ہے ان ضعیف الربط بے انضباط پیادہ جماعتوں کی نگرانی ان کے اپنے اپنے سرداروں پر چھوڑ دی جاتی ہے جو اپنے قبیلے کے مسلمہ رواج کے بموجب ان کا انتظام کرتے ہیں، اور مجرموں کو اس قبیلے کے رواج کے بموجب سزا دی جاتی ہے جس سے ان کا تعلق ہوتا ہے، ان فوجوں کے علاوہ وسط ہند کے مرہٹہ سرداروں کے پاس باقاعدہ پیدل فوج کے کثیر التعداد دستے اور توپخانے موجود ہیں جن کا بیان قبل ازیں ہو چکا ہے، یہ حصۂ فوج بہت دنوں تک یوروپی عہدہ داروں کے تحت رہا ان یوروپی عہدہ داروں سے بالاتر مرہٹے ہوتے ہیں اور ان کی مسلسل دخلدہی اور باقاعدہ ادائی تنخواہ کی وقت کے باوجود جہاں تک ہو سکتا ہے ان کا لباس، انضباط اور ان پر حکومت انھیں اصول پر ہوتی ہے جن اصول پر یوروپی فوجوں میں ہوتی ہے۔

بھوپال کے نواب کی فوج پر نظر ڈالی جا چکی ہے (ظالم سنگھ کو مستثنیٰ کر کے جس کا فوجی انتظام مرہٹہ سرداروں کے انتظام سے غیر مماثل نہیں ہے) دوسرے راجپوت حکمراں اور سردار جو فوج رکھتے ہیں، ان میں زیادہ عام اوقات میں ان کے رشتہ دار اور شخصی خدام ہوتے ہیں، جو عام طور پر اپنی زمینوں کے عوض میں سوار کی خدمت انجام دیتے ہیں، مشکل وقت آپڑنے پر یہ چھوٹے چھوٹے حکمراں باہر سے اجیر سپاہی بھی رکھ لیتے ہیں۔ اول الذکر پر حکومت ان دستوروں کے بموجب ہوتی ہے جن کا تعلق ان کے قبیلے سے تھا آخر الذکر اپنے اپنے سرداروں کے تحت ہوتے تھے مگر جو حکمراں ضرورت کے وقت ان فوجوں کو رکھتے تھے ان کی تنخواہ ادا کرنے کی عدم قابلیت کی وجہ سے عام طور پر سارا نظم ابتر ہو جاتا تھا اور بعض صورتوں میں ایسا ہوتا تھا کہ ریاست کے یہ خادم اس کے حقیقی مالک ہو جاتے تھے اور فرماں روا اور رعایا دونوں پر ظلم کرتے تھے، ان صورتوں میں

٥٨٠

یہ اضافہ بے کار معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ کسی طرح کی اطاعت یا فوجی انضباط باقی نہیں رہتا تھا، جو ان سرداروں کی متفقہ آواز جو ایک طرح کی فوجی امارت بنا لیتے تھے، اپنے تحفظ کے لئے ضروری خیال کرتی تھی۔

باہر کے اجیر سپاہیوں کی بے ضابطہ اور شوریدہ سر جماعتیں وسطی ہند سے کلیۃً خارج کر دی گئیں اور (چند مستثنیات کے سوا) راجپوت سرداروں کی فوجی شاخ بالکلیہ انھیں کے قبیلے اور بلا واسطہ تابعین کے تفویض کر دی گئی۔

تمت

اشاریہ

تاریخ وسط ہند

جلد اول

ت

چ

غ

ف

ق

ک

صحت نامہ

تاریخ وسطِ ہند

(جلد اوّل)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
دیباچہ الف	۴	ہندنی	بہترین
،، ب	۹	اشارسے	اشاریہ
،، ج	۵	بورسے	یوروپین
،،	۱۰	ڈالنے سے یہ پتہ چلا ہے	ڈالی جاتی تو بھی یہ جلدیں
،،	۱۶	مالک، طبقات	ممالک کے طبقات
۲	حاشیہ سطر ۲	۵۵۲ کوس	۵۴۲ کوس
۳	،، ۸	تو گانا	ہنگانا
۷	،، ۵	ارد	اُرُد
۷	،، ۹	—	تھوڑی سی مقدار میں نیل بھی پیدا ہوتی تھی
۹	،، ۴	اپنے	پرانے
،،	،، ۱۳	کی	کے
۱۰	،، ۳	—	یہ نام ابھی حالیہ زمانے تک برقرار رہا۔
۱۱	،،	۸۸ میل	۲۸ میل
۱۲	،، ۸	مختلف ہے	مختلف نہیں ہے
۱۲	،، ۲۵	بیجاپور	بہجا گرام

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۴	حاشیہ	×	روایت ہے کہ ایک متمول مشہور ہندو زمیندار
"	"		نے یہ مستحکم قلعہ تعمیر کیا تھا جو اہیر قبیلے کا تھا
۱۵		×	کنول کی سرزمین زرخیز ہے۔ مالوے کی طرح
"			افیون اور دوسری اشیا وہاں پیدا ہوتی ہیں
۱۶	"	×	کوس عام طور پر فی ڈگری اہم کے حساب سے شمار
"	"	"	کیا جاتا ہے۔
۱۶	۶	مغربی سرحد	مشرقی سرحد
۱۸	۳	۳۷۸	۳۸۷
۱۹	۶	میرے	اسکے
۲۰	حاشیہ سطر ۲	پتور	پٹوا
۲۱	سطر ۷	×	جو ویش ذات کا سردار تھا۔
۲۶	۲۱	شمال	جنوب
۴۰		اس بادشاہ	شاہجہاں
"	۲۱	اواروں	ارادوں
۵۹	۲۰	دو	وہ
۶۰	۱۴	اول فرمان روا	پہلے فرمان روا کے فرزند
۷۸	حاشیہ سطر ۲۱	مستفیض	مستفید
۱۱۲	۴۰	عظیم الدولہ	اعظم الامرا
۱۱۷	حاشیہ سطر ۱		وہ گر پڑا یا اپنے محل کی بلندی سے خود کو گرادیا اور فوراً ہی اس صدمے سے مرگیا۔
۱۵۱	۵	×	پیروی کرنے کا اقبال
۱۶۴	۴۰	برائے بیت تھی	برائے بیت تھی
۱۹۷	حاشیہ سطر ۱	۱۸۱۶ء	۱۸۰۶ء

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۲۱۲	۱۰	ایک	تک
۲۱۵	۱۳	راجپوتنے	راجپوتانے
۲۱۸	حاشیہ	۱۲	۲۱۷
۲۱۹	″	۱۳	۲۱۸
۲۲۰	″	۱۴	۲۱۹
۲۲۱	″	۱۵	۲۲۰
۲۲۳	۱	تتنبہ	تنبیہ
۲۲۷	۱	مسینہ	خفیہ
۲۳۱	۱	۵۰	۴۰
″	۲	گرڈھ	گرڈھی
۲۳۴	حاشیہ	قاملوں	قاتلوں
۲۵۲	-	ہیلہ	حیلہ